قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمٰن

جلد ہفتم

مفتی عبد الرحمٰن ملاخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد۔ فیز ۲ ڈی ایچ اے، کراچی

قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاوی کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمٰن

جلد ہفتم

مفتی عبد الرحمٰن ملاخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد- فیز ۲ ڈی ایچ اے، کراچی

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل صاحب رئیس دارالافتاء والتحقیق ابوبکر صدیق مسجد فیز ۲ ڈی ایچ اے
مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 0313277512‌6 0333-2251145

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمٰن عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاوید میانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ ۳ شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
96	﴿خواتین کا سر کے بالوں کو کاٹنے اور بھنویں بنانے کا حکم﴾	106
97	﴿مردوں کیلئے مہندی لگانے کا حکم﴾	108
98	﴿داڑھی کو رنگنے کا حکم﴾	108
99	﴿داڑھی کی شرعی حدود﴾	109
100	﴿شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا سخت گناہ ہے﴾	110
101	﴿عورتوں کے لئے چست لباس پہننا جائز نہیں ہے﴾	110
102	﴿عورتوں کا باریک لباس پہن کر نماز پڑھنے کا حکم﴾	112
103	﴿مردوں کے لئے کون سے رنگ کے کپڑے استعمال کرنا منع ہے؟﴾	112
104	﴿عورتوں کا پاؤں، پنڈلیوں اور چہرے سے بال صاف کرنا﴾	113
105	﴿سرخ عمامہ باندھنے کا حکم اور سبز عمامہ کی حیثیت﴾	114
106	﴿مردوں کے لئے بھنویں کاٹنے کا حکم﴾	115
107	﴿چھوٹے نرینہ بچوں کو سونے کی انگوٹھی پہنانا حرام ہے﴾	116
108	﴿چاندی کے خول میں تعویذ پہننا منع ہے﴾	116
109	﴿مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے﴾	117
110	﴿مردوں کے لئے کان چھدوانا ناجائز ہے﴾	118
111	﴿فیشن کے لئے ناخن بڑھانے کا حکم﴾	118
112	﴿مصنوعی بال لگوانے کا حکم﴾	119
113	﴿عورت کا سفید لباس پہننا﴾	121
114	﴿سیاہ خضاب لگانے کا حکم﴾	121

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
115	﴿اگر شوہر بیوی کو بال سیاہ کرنے پر مجبور کرے تو کیا حکم ہے﴾	122
116	﴿مرد کے لئے انگوٹھی کے نگینے میں سونے کی میخ کا حکم﴾	124
117	﴿بچیوں کے کان چھیدنا جائز ہے﴾	124
118	﴿خواتین کے لئے مردوں جیسا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے﴾	125
119	﴿ریشمی نقش ونگار والی ٹوپی کے استعمال کا حکم﴾	125
120	﴿عام حالات یعنی خارج صلوۃ میں سدل الثوب کا حکم﴾	126
121	﴿باب التداوی﴾	127
122	﴿طب اور عمل جراحی دور نبوی ﷺ میں﴾	127
123	﴿علاج کرنا بھی سنت ہے اور علاج نہ کرنا بھی﴾	128
124	﴿بعض صورتوں میں علاج نہ کرنا گناہ ہے﴾	130
125	﴿علاج میں میانہ روی اختیار کرنا پسندیدہ ہے﴾	131
126	﴿اعضاء کی پیوندکاری کا حکم﴾	132
127	﴿عورت مجبوری میں مرد ڈاکٹر سے علاج کرواسکتی ہے﴾	134
128	﴿بوجہ عذر اسقاط حمل کی گنجائش ہے﴾	135
129	﴿مانع حیض انجکشن اور ادویات کا حکم﴾	136
130	﴿الکحل ملی اشیاء کے استعمال کا حکم﴾	137
131	﴿ٹی بی کا علاج بندر کے گوشت سے کرنا﴾	138
132	﴿شراب کو بطور دوا استعمال کرنا﴾	139
133	﴿کسی عذر سے بچے کی پیدائش میں وقفہ کرنا جائز ہے﴾	140

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
226	﴿مجسمے کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم کا حکم﴾	222
227	﴿کتا پالنے کا حکم﴾	223
228	﴿استمناء بالید بہت بڑا گناہ ہے﴾	226
229	﴿بیوی کے ساتھ لواطت کرنا حرام ہے﴾	227
230	﴿زیر ناف بالوں کی حدود اربعہ کیا ہیں؟﴾	228
231	﴿ناجائز امور کے لئے لاؤڈ سپیکر کرایہ پر دینا جائز نہیں﴾	229
232	﴿انگریزی سیکھنے کے لئے عورت کا مخلوط ماحول میں جانا بڑا گناہ ہے﴾	230
233	﴿انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا مفصل فتویٰ﴾	231
234	﴿اعضاء انسانی کو قیمتاً فروخت کرنا یا بلا قیمت کسی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟﴾	234
235	﴿عشاء کے بعد گفتگو کا حکم﴾	235
236	﴿صبح سویرے دُکان کھولنا باعث برکت ہے﴾	236
237	﴿چرس اور افیون کی اسمگلنگ﴾	237
238	﴿بیرون ممالک سے بلیک پر چیزیں لانے کا حکم﴾	237
239	﴿دوران تلاوت آپ ﷺ کے اسم مبارک پر درود شریف پڑھنے کا حکم﴾	238
240	﴿ناپ تول میں کمی بڑا گناہ ہے﴾	239
241	﴿ایزی لوڈ کا حکم﴾	240
242	﴿موبائل فون میں قرآن کریم محفوظ ہو تو اس کیساتھ بیت الخلاء جانا﴾	240
243	﴿عام اوراق اور مقدس اوراق کا حکم﴾	241
244	﴿قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق جلانا مناسب نہیں﴾	242

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
318	﴿راستہ پر قبضہ کا حکم﴾	301
319	﴿ایسے گاہک کو سامان فروخت کرنا جو اسکو بدعت کی ترویج میں استعمال کرے﴾	302
320	﴿منکرات کا کاروبار کرنے والے کو دکان کرایہ پر دینا مناسب نہیں﴾	303
321	﴿ناجائز تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کا حکم﴾	304
322	﴿تالیاں بجانا غیر اسلامی تہذیب ہے﴾	305
323	﴿پاگل کو خصی کرانا جائز نہیں ہے﴾	305
324	﴿ناجائز کمائی والے سے اجرت اور ہدیہ لینے کا حکم﴾	306
325	﴿لاکٹ پر لفظ اللہ کا نام کندہ کرنے اور اس کی خرید وفروخت کا حکم﴾	307
326	﴿شادی بیاہ کے پروگراموں میں پیسے اور شیرینی پھینکنا جائز ہے﴾	308
327	﴿شراب بنانے والے کو گڑ فروخت کرنا﴾	309
328	﴿ڈاکٹر کا کمیشن کے عوض بلڈ بینک والے کے پاس مریضوں کو بھیجنا﴾	309
329	﴿بیوی کیساتھ غیر فطری مقام سے جماع کرنا﴾	310
330	﴿قادیانیوں کے ساتھ معاملات کرنا ایمانی غیرت کے خلاف ہے﴾	311
331	﴿جھینگے اور کیکڑے کی خرید وفروخت اور کھانے کا حکم﴾	312
332	﴿مرغ اور بٹیر لڑانا اور اس کا تماشا کرنا﴾	313
333	﴿ضرورت کی بناء پر چھوٹے بچوں کا بغیر وضوء کے قرآن کو چھونا درست ہے﴾	314
334	﴿تہہ خانے میں قرآن کے نسخے ہوتے ہوئے بالا خانے میں رہنے کا حکم﴾	315
335	﴿شوہر کے لئے بلا دخول انزال کرنے کا حکم﴾	315
336	﴿غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا﴾	317

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
356	﴿الکحل ملی ہوئی پرفیوم کا حکم﴾	339
357	﴿آرمی ڈاگ وغیرہ سے ثبوت جرم نہیں ہوسکتا﴾	341
358	﴿ویڈیو گیم اور موبائل وغیرہ پر گیمیں کھیلنے کا حکم﴾	341
359	﴿مردہ مرغی کے پیٹ سے نکلنے والے انڈے کا حکم﴾	343
360	﴿نسوار کا شرعی حکم﴾	343
361	﴿دوران نماز فون کی گھنٹی بجنے پر اسے بند کرنا ضروری ہے﴾	345
362	﴿ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ملازمت کا حکم﴾	346
363	﴿سودی بینک سے نوٹ کھلا کروانے کا حکم﴾	346
364	﴿کتاب الوصیۃ والفرائض﴾	349
364	﴿وصیت، میراث اور تقسیم میراث کا بیان﴾	349
365	﴿وصیت سے متعلق ایک صورت کا حکم﴾	349
366	﴿میراث سے متعلق ایک مسئلہ﴾	350
367	﴿وصیت کا حکم﴾	352
368	﴿وصیت موصی لہ کی موت سے باطل ہو جاتی ہے﴾	353
369	﴿وصیت کے مطابق رقم متعینہ مدرسہ میں دینا بہتر ہے ضروری نہیں﴾	354
370	﴿ورثاء راضی نہ ہوں تب بھی جائز وصیت پر عمل ضروری ہے﴾	354
371	﴿اپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے﴾	355
372	﴿پوتیوں کے حق میں وصیت کا حکم﴾	356
373	﴿حلال مال کے ساتھ حرام مال مل جائے تو؟﴾	357

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
413	﴿بینک ملازم سے اپنا قرضہ وصول کرنا﴾	402
414	﴿اگر ادارہ انشورنس کرائے تو ملازمین کیلئے اس ادارے کی سہولیات حاصل کرنا جائز ہے؟﴾	402
415	﴿سعودیہ میں ملازمت کیلئے انشورنس اگر ضروری ہو تو گنجائش ہے﴾	403
416	﴿قرآن مجید اگر غفلت کی وجہ سے بھول جائے تو گناہ کبیرہ ہے﴾	405
417	﴿حکومت سے قرضہ لے کر مکان وغیرہ بنوانے کا حکم﴾	407
418	﴿آدمی کا اپنی مطلقہ بیوی کے بچوں سے ملنے کا حکم﴾	408
419	﴿قرض دل میں معاف کرنے کے بعد وصول کرنا﴾	408
420	﴿نیک اولاد کا صدقہ جاریہ ہونا﴾	409
421	﴿قریب المرگ جانور میں زندگی کی علامات﴾	410
422	﴿صاحب والديكم في الدنيا معروفا﴾	411
422	﴿دنیا میں والدین کیساتھ نیکی کا سلوک کر﴾	411
423	﴿الصواب ما اجمع عليه المسلمون﴾	411
424	﴿تعلم اللغات من المباحات﴾	412
424	﴿زبانیں سیکھنا مباح ہے﴾	412
425	﴿دوران صحبت اور قضاء حاجت کے وقت بات کرنے کا حکم﴾	413
426	﴿بچے کے کان میں اذان دینے کا مسنون طریقہ﴾	414
427	﴿موبائل فون کے ذریعے آیت سجدہ اور نومولود کے کان میں اذان دینے کا حکم﴾	414
428	﴿امتحان میں نقل کرنے اور اس کے لئے پیسے دینے کا حکم﴾	415

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
429	﴿ضرورت کیلئے عورت گھر سے نکل سکتی ہے لیکن شرائط کے ساتھ﴾	417
430	﴿مفلوج کے مال پر ولی کون ہوگا؟﴾	419
431	﴿بیوہ عورت کفالت کے سلسلے میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے﴾	421
432	﴿حکومت کی اجازت کے بغیر حکومتی جنگلات کی لکڑی کاٹنا﴾	421
433	﴿نابالغ بچوں کا قرآن چھونے کا حکم﴾	422
434	﴿حضرت عمر کے بیٹے کی طرف منسوب ایک واقعہ کی تحقیق﴾	423
435	﴿چوری کردہ چیز کی رقم ادا کرنے کا حکم﴾	424
436	﴿انبیاء کرام کی شان میں بے ادبی خطرۂ ایمان ہے﴾	425
437	﴿بطور دعا کے (علیہ السلام) انبیاء علیھم السلام کے ساتھ خاص ہے﴾	426
438	﴿جھوٹ بول کر الاؤنس لینا﴾	427
439	﴿بینک کی ملازمت سے نکالنے پر چار پانچ سال کی ایڈوانس تنخواہ لینے کا حکم﴾	428
440	﴿موبائل فون میں قرآن مجید محفوظ کروانے کا حکم﴾	429
441	﴿دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنے کا حکم﴾	430
442	﴿پیر کو سجدہ کرنا شرک ہے﴾	431
443	﴿استمنا بالید حرام ہے﴾	432
444	﴿تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا صرف قرآن مجید میں ضروری ہے﴾	432
445	﴿قہقہہ مار کر ہنسا مکروہ تحریمی ہے﴾	434
446	﴿واجب الاحترام شخص کی پیشانی یا قدم چومنے کا حکم﴾	436

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
465	﴿اپنے حق کا طلب کرنا سوال کے زمرے میں نہیں آتا﴾	456
466	﴿حج یا عمرہ کی ادائیگی کے بعد کاروبار کی غرض سے وہاں چھپ جانا﴾	456
467	﴿فلمی دھنوں میں نعت سننا یا سنانا﴾	457
468	﴿کچرے میں گرائی ہوئی اشیاء اٹھانے کا حکم﴾	458
469	﴿بارات والوں کا راستہ روک کر پیسے وصول کرنا﴾	459
470	﴿کمپنی کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے﴾	460
471	﴿فاسق کی برائی بیان کرنے کا حکم﴾	461
472	﴿کسی مسلمان کو گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں ہے﴾	462
473	﴿علم قیافہ کا مطلب اور حکم﴾	462
474	﴿الیکشن کے متعلق چند سوالات کے جوابات﴾	463
475	﴿دلال کا دھوکہ دے کر کمیشن حاصل کرنا گناہ ہے﴾	466
476	﴿کمپنی کا گاڑی انشورنس کروا کر ملازم کو شرائط لگا کر دینا جائز نہیں﴾	467
477	﴿چوری کی بجلی استعمال کرنا حرام ہے﴾	468
478	﴿چور کے قبضہ سے لی ہوئی ان چپلوں کا حکم جن کے مالکوں کا علم نہ ہو﴾	469
479	﴿کمپنی کی طرف سے ملازم کا جبری طور پر انشورنس کرنا﴾	470
480	﴿روزانہ سات عجوہ کھجوریں کھانے کے فوائد﴾	471
481	﴿بهيمة موطوءة غير متعينة کا حکم﴾	471
482	﴿بجلی کے میٹر کو اندازے سے آہستہ کرنے یا کروانے کا حکم﴾	472
483	﴿غار حرا میں حضور ﷺ کی عبادت﴾	473
484	﴿شدید ضرورت کے علاوہ عورتوں کا مرد ڈاکٹر سے علاج کرانا جائز نہیں﴾	474

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
485	﴿نوٹ پاک کرنے کا طریقہ﴾	475
486	﴿موبائل میسج کے ذریعہ ایات قرآنیہ، احادیث، اقوال زرّیں وغیرہ بھیجنا﴾	476
487	﴿بچے کو نماز کا حکم دینے کی مدت﴾	478
488	﴿دوران تلاوت آپ ﷺ کا نام مبارک آنے پر درود پڑھنا واجب نہیں﴾	478
489	﴿آپ ﷺ کو غسل دینے کی سعادت کن حضرات نے حاصل کی؟﴾	479
490	﴿خطبہ نکاح کے دوران باتیں کرنا ممنوع ہے﴾	480
491	﴿بغیر طہارت کے نماز پڑھنا سخت گناہ ہے﴾	481
492	﴿سودا فسخ ہونے کے بعد بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے﴾	482
493	﴿سودا مکمل ہونے کے بعد اس سے انکار جائز نہیں﴾	483
494	﴿ایک آدمی کا حدیث سے غلط استدلال اور اس کا جواب﴾	484
495	﴿اسلام میں کسی بھی شخص کو اپنے جا دریا سفلی کرنے کی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہے﴾	485
496	﴿حائضہ عورت پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا﴾	487
497	﴿جھگڑے کے اندیشہ سے گھر پر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے﴾	488
498	﴿نماز چھوڑنے پر تعزیر بالمال جائز نہیں ہے﴾	488
499	﴿ٹھیکیدار کام کم کرے اور آفیسر محکمہ کے ریکارڈ میں زیادہ ظاہر کرے تو خیانت ہے﴾	489
500	﴿کیا ہیڈ ماسٹر ایمرجنسی کی صورت میں استاد کو چھٹی دے سکتا ہے؟﴾	490
501	﴿مشترکہ مال سے کچھ خریدا تو وہ چیز خریدار کی ہے﴾	491
502	﴿قرآن پاک کی تپائی سے پڑا بنانے کا حکم﴾	494

باب الاکل والشرب

کھانے پینے کے مسائل

کھانے کے لیے صرف ایک ہاتھ یا چند انگلیاں دھونا کافی نہیں ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے صرف ایک ہاتھ دھو لیتے ہیں یا صرف دو تین انگلیاں دھونے پر اکتفاء کرتے ہیں، آیا اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: اکرام اللہ پشاور

جواب کھانا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا سنت ہے، صرف ایک ہاتھ دھونے سے، یا دو تین انگلیاں دھونے سے سنت ادا نہیں ہوگی، لہذا دونوں ہاتھوں کو دھونا چاہیے تاکہ سنت کا ثواب مل سکے اور برکت حاصل ہو سکے۔

لما فی بحر الرائق:(۱۸۳/۸،کتاب الکراھیۃ ،فصل فی الاکل والشرب،طبع سعید)

ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیه برکة وفی البرهانیة والسنة ان یغسل الایدی قبل الطعام وبعده۔

ولما فی الھندیہ:(۳۳۷/۳،الباب الحادی عشر فی الکراھیۃ فی الاکل وما یتصل به)

قال نجم الائمة البخاری وغیره غسل الید الواحدة أواصابع الیدین لایکفی لسنة غسل الیدین قبل الطعام لان المذکور غسل الیدین وذلک الی الرسغ کذا فی القنیة.

ولما فی الدر المختار:(۳۴۰/۶،کتاب الحظر والاباحۃ،طبع سعید)

وسنة الأکل البسملة أوله والحمد له آخره،وغسل الیدین قبله وبعده۔

ولما فی فقه الحنفی فی ثوبه الجدید:(۳۱۸/۵،احکام الطعام وآدابه)

ومن السنة۔غسل الیدین قبله ولایمسحها بالمندیل لئلا یزول أثر الغسل من یده،فقد ورد انه ﷺ قال:"برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده"والمراد بالوضوء، الوضوء اللغوی ای غسل الیدین الی الرسغین،وغسل ید واحدة واصابع ید واحدة لایکفی قبل الطعام۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۵ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۷۲۳

کھانے کیلئے بچوں کو پہلے موقع دینا چاہیے

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بسا اوقات دعوت میں

بچے اور بزرگ دونوں شامل ہوتے ہیں دونوں اکٹھے کھانا کھاتے ہیں تو کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے میں کس کو پہلے موقع دینا چاہیے؟ مستفتی: اکرام اللہ پشاور

﴿جواب﴾ کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھونا ایک مسنون عمل ہے، احادیث مبارکہ میں بچوں پر چونکہ شفقت اور محبت سے پیش آنے کا حکم آیا ہے، اوراس کے علاوہ بچے کھانے پینے کے زیادہ حریص اور شوقین ہوتے ہیں، لہذا کھانا کھانے سے پہلے بچوں کو پہلے ہاتھ دھونے کا موقع دینا بہتر ہے اس کے بعد بزرگوں کو موقع دینا چاہیے، اور کھانا کھانے کے بعد بزرگوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے انہیں موقع دینا چاہیے بعد میں کم عمروں کو۔

لما فی الهنديه:(۳۳۷/۵،الباب الحادی عشر فی الكراهية فی الاكل وما يتصل به)

والسنة غسل الايدی قبل الطعام وبعده ،وآداب غسل الايدی قبل الطعام أن يبدأ بالشبان ثم بالشيوخ وبعد الطعام على العكس كذا فی الظهيرية.

ولما فی البحر الرائق:(۱۸۳/۸،كتاب الكراهية،طبع سعيد)

وفی الواقعات الناطفی الادب فی غسل الايدی قبل الطعام ان يبدأ بالشبان ثم بالشيوخ۔۔والادب فی الغسل بعد الطعام ان يبدأ بالشيوخ.

ولما فی فتاوی قاضی خان :(۳۲۰/۳،كتاب الحظر والاباحة،طبع رشيديه)

والسنة ان يغسل اليد قبل الطعام وبعده ،والادب فی غسل اليد قبل الطعام ان يبدأ بالشبان ثم بالشيوخ وبعد الطعام على العكس.

ولما فی الدر المختار:(۳۴۰/۶،كتاب الحظر والاباحة،طبع سعيد)

ويبدأ بالشباب قبله وبالشيوخ بعده وفی الشامية(قوله يبدأ)ای فی الغسل كما فی التاتر خانيه(قوله بالشباب قبله) لانهم اكثر اكلا والشيوخ أقل در منتقى(قوله وبالشيوخ بعده) لحديث"ليس منامن لم يؤقر كبيرنا"وعدا من التوقير.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ　　　فتوی نمبر: ۳۷۲۴

﴿حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا حرام چیز کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ حرام چیز کھانے سے پہلے بسم اللہ کو اگر استخفاف کی نیت سے پڑھا تو یہ موجب کفر ہے اور اگر استخفاف کی نیت سے نہیں پڑھا بلکہ ایسے ہی پڑھ لیا تو اسکے بارے میں اختلاف

ہے، صحیح اور راجح یہ ہے کہ کفر نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

لمافي روح المعاني:(۱/ ٦٧،طبع سعيد)

نعم التسمية على الحرام والمكروه ممالا ينبغي بل هي حرام في الحرام لاكفر على الصحيح مكروهة في المكروه وقيل مكروهة فيهما ان لم يقصد استخفافا وان قصده والعياذ بالله تعالى "كفر مطلقا الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر: ۴۳۵

﴿حرام مال کا حلال مال کیساتھ مخلوط ہونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ادارے کی کینٹین میں ۲۵/ روپے کا ٹوکن دیا جاتا ہے جسے لے جا کر کھانا وصول کیا جاتا ہے، اب اسد، زید، بکر، نے اپنے اپنے ٹوکن الگ الگ لے لئے (بکر کا ذریعہ آمدنی حرام ہے) اور اسد کو تینوں ٹوکن دے دئے گئے کہ قطار میں کھڑا ہو کر کھانا لائے، اسد نے تینوں کیلئے کھانا لے آیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ بکر کے ٹوکن سے جو کھانا آیا ہے وہ حرام ہوگا یا نہیں؟ اب فرض کریں کہ وہ کھانا سالن کی پلیٹ ہے کیا اس سے اسد، اور زید اجتناب کریں، یا یہ فرض کریں کہ ہمارے پاس ہماری حلال آمدنی کا کھانا آیا ہے بلا خوف وخطر کھالیں؟ مستفتی: یاسر علی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں حرام مال حلال کیساتھ مخلوط ہوگیا ہے، اب تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہے، اور حرام چونکہ مغلوب ہے اس لئے کھانے کی گنجائش ہے، البتہ تقوی کا تقاضا تو یہ ہے کہ حرام کمائی والے شخص سے دوستی نہ رکھے۔ ہاں اصلاح مقصود ہو اور یہی کوشش بھی ہو تو ملکر کھانا بھی تقوی کے خلاف نہیں ہے۔

لما في الشامي: (۶/ ۳۸۶،طبع:سعيد)

وفي الذخيرة :سئل ابو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة، وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك أن ياكل من طعامه؟ قال:أحب الى في دينه أن لا ياكل ويسعه حكماان لم يكن غصبا اورشوة.

ولما في الشامي: (۵/ ۹۹،طبع:سعيد)

وان كا ن مالا مختلطامجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له

حكما ولا حسن ديانة التنزه عنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمن

۱۵ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

فتوی نمبر: ۳۱۴۴

﴿انگور کا پانی نچوڑ کر کچھ مدت کے بعد اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں بعض لوگ انگور کا پانی نچوڑ کر بوتل یا ڈبہ وغیرہ میں بند کر کے رکھ دیتے ہیں، کم از کم چار یا پانچ مہینے کے بعد اسے نکال کر استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ بطور نشہ کے پیتے ہیں اور بعض لوگ اس لئے پیتے ہیں کہ یہ فلاں مرض کے لئے بہت مفید ہے حالانکہ یہ کسی ڈاکٹر کا مشورہ بھی نہیں ہوتا اور اتنی مقدار میں پیتے ہیں کہ جس سے نشہ بھی نہیں ہوتا، البتہ بعض دفعہ نشہ بھی ہو جاتا ہے، دوسرا یہ کہ اُس کو کوئی شراب نہیں کہتا بلکہ انگور کا پانی کہتے ہیں، یہی اس کا اسم بن چکا ہے، لہٰذا براہِ کرم حکمِ شرعی سے مطّلع فرمائیں۔

مستفتی: شیر نواز

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جن علامات کا ذکر ہے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ انگور کا مذکورہ پانی شراب بن جاتا ہوگا جو کہ حرام ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اس کو استعمال کرنا، بیچنا، وغیرہ سب حرام اور ناجائز ہے۔ نیز اُس کو بطورِ دواء کے استعمال کرنا بھی ناجائز ہے مگر مخصوص صورت میں چند شرائط کیساتھ اُس کا استعمال شریعتِ مطہرہ نے جائز رکھا ہے، یاد رہے کہ اُس کو الگ نام دینے سے وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ احادیثِ مبارکہ میں اس کو بھی قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ ''شراب کا نام کچھ اور رکھ کر اسے پیا جائے گا'' نعوذ باللہ۔

لمافي قوله تعالى:(سورة المائدة،آيت ۹۰)

انما الخمر والميسر والانصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن فاجتنبوه......الأية.

ولمافي مشكوٰة المصابيح:(۳۴۲/۱،طبع قديمي)

عن ابي مالك الاشعريؓ انه سمع رسول الله ﷺ يقول ليشربن ناس من امّتي الخمر يسمونها بغير اسمها.(رواه ابوداؤد وابن ماجه)

ولمافي التنوير مع الدر:(۲۶/۱۰ تا ۳۰،طبع امداديه)

(الخمر وهي النيّ من ماء العنب اذا غلىٰ واشتد وقذف بالزبد) اى الرغوة ولم يشترطا قذفه......(وهو الاظهر......(وحرم قليلها وكثيرها)......(وحرم الانتفاع بها)......(ولا يجوز بها التداوى)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

فتوی نمبر: ۴۳۵

﴿فارمی مرغیوں کا گوشت کھانا بلاشبہ جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بازار میں جو مرغیاں پولٹری فارمز سے آتی ہیں انکی خوراک میں خون اور دیگر گندگی شامل ہوتی ہے تو کیا شریعت کی رو سے ان مرغیوں کا گوشت کھانا جائز ہے؟　　مستفتی: بلال منڈی بہاؤالدین

﴿جواب﴾ گندی چیزوں کے کھانے سے مرغیوں کا گوشت اگر متاثر ہو یعنی تجربہ سے معلوم ہو کہ ایسی مرغیوں کے گوشت کے ذائقے یا بو میں اسکا اثر ظاہر ہے تو ذبح کرنے سے پہلے چند دنوں تک پاک غذا دانہ وغیرہ دینا چاہیے تاکہ اثر زائل ہو اور اگر ایسا اثر محسوس نہ ہو تو گوشت کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بازاری مرغیوں کے گوشت میں بدبو وغیرہ کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا، اس لئے بلاشبہ جائز ہے۔

لما فی الشامی: (۶/۳۴۰، طبع سعید)

(و) لبن (الجلالة) التی تأکل العذرة (و) لبن (الرمکة) ای الفرس وبول الابل اجازه ابویوسفؒ للتداوی (و) کره (لحمهما) ای لحم الجلالة والرمکة، وتحبس الجلالة حتی یذهب نتن لحمها وقدر بثلاثة ایام لدجاجة واربعة لشاة، وعشرة لابل وبقر علی الاظهر ولو اکلت النجاسة وغیرها بحیث لم ینتن لحمها حلت کما حل جدی غذی بلبن خنزیر لأن لحمه لایتغیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: اسلام بادشاہ بھیٹی

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ　　فتوی نمبر: ۱۷۷۶

﴿جھینگا کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جھینگے کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ جھینگے کو عربی زبان میں ''روبیان'' کہتے ہیں یا ''اربیان'' کہا جاتا ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جھینگے کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تمام سمندری حیوانات حلال ہیں۔ اور احناف کے نزدیک جھینگے کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ آیا یہ مچھلی ہے یا نہیں؟

بہت سے ماہرین لغت نے اس بات کو صراحت کی ہے کہ جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے چنانچہ درید

نے ''جمہرۃ اللغۃ'' میں کہا ہے کہ ''واربیان ضرب من السمک'' یعنی اربیان (جھینگا) مچھلی کی ایک قسم ہے (۳/۴۱۴)، لغت کی مشہور کتاب قاموس اور تاج العروس میں بھی جھینگے کو مچھلی شمار کیا گیا ہے۔

ماہرین لغت کی ان تصریحات کے بناء پر احناف میں سے بہت سے حضرات نے جھینگے کے حلال ہونے کا فتوی دیا ہے، جیسا کہ صاحب حمادیہ وغیرہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''امداد الفتاوی'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''سمک کے کچھ خواص لازمہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوئے کہ ان کے انتفاء سے سمکیت منتفی ہوجائے، اب مدار صرف عدول مبصرین کی معرفت پر رہ گیا ہے، اس وقت میرے پاس حیات الحیوان دمیری کی جو کہ ماہیات حیوانات سے بھی باحث ہے موجود ہے اس میں تصریح ہے ''الروبیان ھو سمک صغیر جدا'' بہر حال احقر کو اس وقت تو اس کے سمک (مچھلی) ہونے میں بالکل اطمینان ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا. واللہ اعلم (امداد الفتاوی ۴/۱۰۳)

لیکن موجود دور کے علم حیوانات کے ماہرین ''جھینگا'' کو مچھلی شمار نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزدیک ''جھینگا'' پانی کے حیوانات کی ایک مستقل قسم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جھینگا کیڑے کے خاندان کا ایک فرد ہے، نہ کہ مچھلی کی کوئی قسم۔

لیکن جواز کا قول اس لئے راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے مسائل میں شریعت لوگوں کے عام عرف کا اعتبار کرتی ہے فنی باریکیوں کو نہیں دیکھتی، لہذا جھینگے کے مسئلہ میں سختی کرنا مناسب نہیں ہے بالخصوص جبکہ بنیادی طور پر مسئلہ اجتہادی ہے۔

نیز کسی مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف تخفیف کا باعث ہے البتہ احتیاط اور تقوی کا تقاضا تو یہی ہے کہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

لمافی حاشیۃ تفسیر جلالین:(ص:۱۰۷ سورۃ المائدہ، طبع قدیمی)
وفی فتاوی الحمادیۃ ناقلا عن کنز العباد الدود الذی یقال لہ جھینگہ حرام عند بعض العلماء لانہ یشبہ السمک ویباح عندنا من صید البحر من انواع السمک وہذا لایکون من انواع السمک وقال بعضھم حلال لانہ یسمی باسماء السمک انتہی فالاحتیاط انہ لایؤکل کما قال العلماء

ولما فی تاج العروس:(۱/۱۳۶، طبع: دار احیاء التراث العربی)(الاربیان سمک)
ولمافی اعلاء السنن:(۱۷/۲۰۸، طبع: دار الکتب العلمیہ)
وبالجملۃ فکل ما کان من جنس السمک لغۃ وعرفا فھو حلال بلاخلاف

کالسقنتور والروبیان...ونحوها.

ولمافي بدائع الصنائع:(۳۶/۵،طبع:سعید کراچی)

ویستوی فی حل الاکل جمیع انواع السمک من الجریث والمارماہی وغیرهما لان ماذکرنامن الدلائل فی اباحۃ السمک لایفصل بین سمک وسمک الاماخص بدلیل وقدوری عن سیدناعلی وابن عباس رضی اللہ عنهما اباحۃ الجریث والسمک الذکرولم ینقل عن غیرهما خلاف ذلک فیکون اجماعا.

ولمافي مبسوط السرخسي:(۲۳۰/۱،طبع:دارالمعرفۃ)

السمک ماکول بجمیع انواعه ثبت الحل فیه بالکتاب والسنۃ قال اللہ تعالی:احل لکم صید البحر....

ولمافي قاضي خان:(۲۴۵/۳،طبع:قدیمی)

لاباس بسائر انواع السمک نحو الجریث والمارماهی....

هوحیوان ذوعمود فقری یعیش فی الماء ویسبح بعواماته ویتنفس بغلصمته (انسائیکلوپیڈیاآف برناٹیکا۳۰۵/۹،مطبوعه ۱۹۵۰)

ولمافي الترمذي:

وعن الحسن بن علي رضی اللہ عنهماقال:حفظت من رسول اللہ ﷺ:دع مایریبک الی مالایریبک هذاحدیث حسن صحیح معناه:اترک ماتشک فیه وخذ مالاتشک فیه.

واللہ اعلم بالصواب:عمران الحق سواتی

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۴۲۴۱

۱۰رجب المرجب۱۴۳۵ھ

﴿غدود سالن میں پک جائیں تو سالن کا کھانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلال جانور جنکے سات اجزاء کا کھانا مکروہ ہے اگر غدود سالن میں پکائے جائیں تو اس شوربے کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس میں ابتلائے عام ہے تو پوچھنا یہ ہے کہ ابتلائے عام کی وجہ سے جائز ہوگا یا نہیں؟

مستفتی:محمد عیاض

﴿جواب﴾ غدود یعنی گوشت میں موجود گلٹی نجس نہیں ہے ہاں کھانا مکروہ تحریمی ہے اس لئے سالن کا شوربہ پاک ہے استعمال جائز ہے البتہ غدود سالن میں اس قدر پک جائیں کہ ریزہ ریزہ ہوں تو سالن کھانا بھی جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ سالن کیساتھ ساتھ غدود بھی ایسی صورت میں گویا کھائے جاتے ہیں۔

لمافی الشامی (۴۹/۶، طبع سعید)

(کرہ تحریما) وقیل تنزیہا والاول اوجہ (من الشاۃ سبع الحیاء والخصیۃ والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ والدم المسفوح والذکر) للاثر الوارد فی کراھۃ ذلک۔

(قولہ وقیل تنزیہا) قائلہ صاحب القنسیۃ فانہ ذکر ان الذکر والغدۃ لو طبخ فی المرقۃ لاتکرہ المرقۃ وکراھۃ ہذہ الاشیاء کراھۃ تنزیہ لاتحریم اھ واختار الوھبانیۃ مافی القنیۃ وقال ان فیہ فائدتین احداھما ان الکراھۃ تنزیہیۃ والاخری انہ لایکرہ اکل المرقۃ واللحم اھ۔

ولمافی الشامی (۱۸۵/۱ طبع سعید)

فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ۔"وفی الشامیۃ: لانہ قد صارت اجزائہ فی الماء فیکرہ الشرب تحریما۔"

ولما الشامی (۳۴۹/۱ طبع سعید)

دود لحم وقع فی مرقۃ لاینجس ولاتوکل المرقۃ ان تفسخ الدود فیہا اھ ای لانہ میتۃ وان کان طاھرا قلت وبہ یعلم حکم الدود فی الفواکہ والثمار۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی ٹانکوی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۳۰۸۰

آلائش سمیت پانی میں جوش دی ہوئی مرغی کھانا جائز نہیں

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرغی کو ذبح کر کے آلائش سمیت اسکو پانی میں جوش دیا، اب اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: دین محمد

جواب آلائش دور کئے بغیر مرغی کو پانی میں جوش دینے سے نجاست گوشت میں جذب ہو جاتی ہے، اب گوشت پاک نہیں ہوسکتا، اس لئے اسکا کھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لمافی الدر المختار: (۳۳۴/۱، طبع سعید) وکذا دجاجۃ ملقاۃ حالہ علی الماء للنتف قبل شقہا فتح۔

ولمافی فتح القدیر: (۲۱۱/۱، باب الانجاس، طبع رشیدیہ)

ولو القیت دجاجۃ حالۃ الغلیان فی الماء قبل ان یشق بطنہا لتنتف او کرش قبل الغسل لایطھر ابدا۔ ھکذافی حاشیۃ الطحطاوی: (۱۶۳/۱ باب الانجاس طبع رشیدیہ)

ولمافی الاشباہ والنظائر (الفن الثانی کتاب الطہارۃ ص ۱۶۳، طبع قدیمی)

الدجاجۃ اذا ذبحت ونتف ریشھا واغلیت فی الماء قبل شق بطنہا صار الماء نجسا وصارت نجسۃ بحیث لاطریق لاکلہا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازئی

۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۳۴

﴿گوشت اگر بدبودار ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ہم نے اپنے گھر کے فریج میں قربانی کا گوشت رکھا تھا، اب وہ بہت بدبودار ہو گیا ہے تو کیا اسکا کھانا ہمارے لئے حلال ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بدبودار گوشت "جسکی بدبو واضح ہو اور ذائقہ بھی خراب ہو گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

لمافی الدر مع الرد:(۱/۳۲۸-۳۲۹،کتاب الطهارة،باب الأنجاس،طبع سعید)

یحرم أکل لحم أنتن لانحوسمن ولبن......وفی الشامیة:(قوله یحرم أکل لحم أنتن)عزاه فی التاتارخانیةالی مشکل الأثار للطحاوی،قال ح:ای لأنه یضر لالأنه نجس.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۳۹،کتاب الکراهیة،طبع رشیدیه کوئٹه)واللحم اذاأنتن یحرم أکله.

ولمافی شرح الحموی:(۱/۲۱۸،کتاب الطهارة،طبع ادارة القرآن)

وقال الطحاوی:فی مشکل الأثاراللحم اذاأنتن یحرم أکله والسمن واللبن والزیت والدهن اذاأنتن لایحرم.

والله اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۲۸۴۶ — ۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿حلال جانوروں کے کپورے کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے دنوں میں بعض لوگوں کو حلال جانوروں کے کپورے کھاتے دیکھا ہے کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ مستفتی: محمد عبداللہ

﴿جواب﴾ حلال جانوروں میں سات چیزیں ایسی ہیں جن کا کھانا حرام یا کم از کم مکروہ تحریمی ہے (۱) رگوں کا خون (۲) پیشاب کا راستہ مادہ کا (۳) پیشاب کا راستہ نر کا (۴) کپورے (۵) دبر یعنی لید فضلہ کا راستہ (۶) پتہ (۷) غدہ گلٹی، لھذا جو لوگ کپورے کھاتے ہیں، کھانا اور کھلانا دونوں گناہ ہے۔

لمافی التنویر:(۶/۷۴۹، طبع: سعید)

من الشاة سبع الحیاء، والخصیة والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکر.

ولمافی بدائع الصنائع:(۵/۶۱ طبع سعید)

امابیان مایحرم أکله من اجزاء الحیوان الماکول فالذی یحرم اکله منه سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدة والمرارة.

ولما فی الھندیہ:(۵/۲۹۰ طبع رشیدیہ)

وأما بیان مایحرم أکلہ من أجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ.

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
فتوی نمبر:۳۲۶۰
۱۴محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿نجس اوجھڑی اونٹنی کوکھلانا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مردہ گائے کی اوجھڑی دودھ زیادہ کرنے کیلئے اونٹنی کوکھلانا کیسا ہے براہ کرم شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ مردہ گائے کی اوجھڑی نجس ہے اور نجس چیز کا کسی جانور کوکھلانا جائز نہیں، لہٰذا مردہ گائے کی اوجھڑی نجس ہے اس کا اونٹنی کوکھلانا جائز نہیں.

لما فی الھندیۃ: (۵/۳۴۲،طبع:قدیمی)

واذا تنجس الطعام او الخبز لا یجوز ان یطعم الصغیر اوالمعتوہ او الحیوان الماکول اللحم وقال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی ای وجہ ولا یطعمھا الکلاب والجوارح کذا فی القنیۃ

واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
فتوی نمبر:۳۲۸۴
۲۹ جمادی الثانیۃ ۱۴۳۳ھ

﴿زندہ گائے کی ہڈی سے انجکشن کے ذریعہ گودا نکالنےاوراس سے جیلی بنانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کمپنی جوجیلی بنانے کا کام کرتی ہے اوروہ جیلی اس طرح بناتی ہے کہ زندہ گائے کے پاؤں کی ہڈی میں انجکشن لگاتے ہیں اوراسکے ذریعہ پاؤں سے گودا نکالتے ہیں اور پھراس گودے سے جیلی بناتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح زندہ گائے کی ہڈی سے انجکشن کے ذریعہ گودا نکالنا جائز ہے یانہیں؟ اسی طرح وہ جیلی جوگودے سے بنائی گئی ہے اسکے کھانے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: مفتی عبدالجبار صاحب علی مسجد

﴿جواب﴾ زندہ گائے سے نکالے ہوئے گودے اوراس سے بنائی ہوئی جیلی مردار کے حکم میں ہے کیونکہ حدیث میں زندہ جانور سے علیحدہ کئے ہوئے حصہ کومردار قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ذبح کئے بغیر زندہ جانور کی ہڈی کا گودا کھانے کی اشیاء میں شامل کرنا بڑا گناہ ہے اوران اشیاء کا کھانا

حرام ہے، اس کے علاوہ زندہ گائے کی ہڈی سے انجکشن کے ذریعہ گودا نکالنا جانور کو مشقت اور عذاب میں ڈالنا ہے اور جانور کو اس طرح مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ظلم اور مستقل گناہ ہے، البتہ ذبح کی ہوئی گائے کی ہڈی کو یا اسکے گودے کو استعمال میں لانا بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی التجريد:(ج ۱۲ ص ۶۲۸۸، رقم الحديث:۱۳۷، طبع محموديه)

لنا ماروى عن النبى ﷺ أنه قال:"ما أبين من الحى فهو ميت" ومعلوم الطرف مبين منها وهى حية فوجب أن يكون منعه بظاهر الخبر...... قال اصحابنا [رحمهم الله]: اذا أبان الأقل من الصيد من ناحية العجز فمات، أكل الجملة ولم يؤكل الأقل البائن، وان كان الأقل من جهة الرأس أكل الجميع. وكذافى المبسوط للسرخسى":(۱۱/ ۲۵۳-۲۵۴، كتاب الصيد، طبع دار المعرفة، بيروت)

ولمافى التنوير مع الدر:(۲۹۶/۶، طبع سعيد)

(و) كره كل تعذيب بلافائدة مثل (قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد) أى تسكن عن الاضطراب.

ولمافى الهندية:(۳۶۲/۵، طبع رشيديه)

ويكره تعليم البازى بالطير الحى يأخذه ويعذبه ولا بأس بأن يعلم بالمذبوح. كذافى المحيط.

ولمافى الدر المختار:(۲۰۱/۷، ۲۰۲، طبع سعيد) اذ ظلم الدابة اشد من الذمى وظلم الذمى اشد من المسلم.

ولمافى الهندية:(۳۵۴/۵، طبع رشيديه)

اذا كان الحيوان ذكيا لأن عظمه طاهر رطبا كان أو يابسا يجوز الانتفاع به جميع انواع الانتفاعات رطبا كان أو يابسا فيجوز التداوى به على كل حال.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: علی خان

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ | فتوی نمبر: ۲۶۸۰

﴿حالت جنابت میں کھانے پینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت جب آدمی اٹھتا ہے تو کبھی کبھار غسل کی حاجت پیش آتی ہے، اب غسل کرنے میں سحری کا وقت ختم ہوتا ہے تو حالت جنابت میں سحری کھانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حالت جنابت میں کھانا، پینا درست ہے لیکن کھانا ہاتھ منہ دھو کر کھا لینا چاہیے اور اگر وضو کر کے کھانا کھائے تو زیادہ بہتر ہے۔

لمافى الدر مع الرد:(۱۷۵/۱، طبع سعيد) ولا أكله و شربه بعد غسل يد وفم.

وفى الشامية: أما قبله فلا ينبغى لانه يصير شاربا للماء المستعمل وهو مكروه تنزيها.

ولمافی حلبی کبیر:(۱/۴۹،طبع نعمانیه)

ویکره للجنب الأکل والشرب مالم یغسل یدیه وفاه وقال قاضیخان یستحب أن یغسل یدیه وفاه اذاارادان یاکل أویشرب وان ترکه فلاباس به وقالت عائشۃ رضی الله عنها کان رسول الله علیه السلام اذاکان جنبافارادأن یاکل اوینام توضأوضوئه للصلوٰة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۹۹

﴿نسوار و پان کھانے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ جب شریعت میں مٹی کھانا ناجائز ہے اور نسوار، پان وغیرہ میں چونہ استعمال ہوتا ہے جو کہ مٹی ہی کی ایک قسم ہے تو پھر نسوار، پان وغیرہ ناجائز کیوں نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ مٹی کی حرمت نجاست کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ضرر کی وجہ سے ہے، مٹی کی جو مقدار مضر نہ ہو اتنی مقدار میں اس کا کھانا ناجائز نہ ہوگا، نسوار اور پان میں بھی چونے کی مقدار بہت کم ہوتی ہے، اس لئے اسکی وجہ سے وہ ناجائز نہیں ہونگے۔

لمافی الهندیة(۵/۳۴۱،طبع رشیدیه)

وسئل بعض الفقهاء عن أکل الطین البخاری ونحوه قال لابأس بذلک مالم یضر وکراهیة أکله لاللحرمة بل لتهییج الداء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۷۸

﴿بھوک ہڑتال کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ موجودہ زمانے میں احتجاج کا جو نیا طریقہ بھوک ہڑتال کی صورت میں رائج ہے، کیا شرعاً اس طرح کے احتجاج سے اپنی بات منوانا درست ہے؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے انسان پر اس کے نفس کے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں، صحیح البخاری: (۲/۴۳۳، طبع رحمانیہ) پر حدیث مبارک میں ارشاد ہے: "ولنفسک علیک حقا"

انسان اپنے وجود کا خود مالک نہیں یہ سارا پروردگار کا عطیہ محض ہے، ایک دن انسان کو ان سب کا حساب رب کے حضور دینا ہوگا یہی وجہ ہے کہ شریعت نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اپنی

جان بچانے کے واسطے بقدر ضرورت سور کا گوشت بھی کھانے کی اجازت دی ہے۔

موجودہ زمانے میں جو بھوک ہڑتال احتجاج کے نام سے کرتے ہیں یہ ایک سیاسی حربہ ہے جسے بروئے کار لا کر اپنے مطالبات منواتے ہیں عموماً اسمیں ظاہراً بھوک دکھائی جاتی ہے جو حقیقتاً بھوک نہیں ہوتی، اپنے جائز مطالبات کو منوانے کا کوئی اور راستہ نہ ہو تو یہ صورت سیاستاً اختیار کی جاسکتی ہے، تاہم اگر کوئی شخص واقعۃً بھوکا رہے اور وہ بھی اسقدر کہ اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال دے تو شرعاً یہ ناجائز اور حرام ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۵/۳۳۶،طبع رشیدیہ)

اما الاکل فعلی مراتب فرض وھومایندفع بہ الھلاک فان ترک الاکل والشرب حتیٰ ھلک فقدعصیٰ.

ولمافی الھندیۃ:(۵/۳۳۸،طبع رشیدیہ)ولوجاع ولم یاکل مع قدرتہ حتیٰ مات یاثم کذافی الکبریٰ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۱

﴿تین انگلیوں سے کھانا مسنون ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کھانا کھاتے وقت کتنی انگلیاں استعمال کرنا سنت ہے؟

مستفتی:ربیع الدین

﴿جواب﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی، لہٰذا تین انگلیوں سے کھانا مسنون طریقہ ہے، البتہ فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جہاں تین انگلیوں سے کھانے میں حرج ہو یا سالن ایسا ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانا متعذر ہو تو پھر پانچ انگلیاں استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۲/۱۷۵،طبع قدیمی)

عن ابن کعب بن مالک عن أبیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأکل بثلاث اصابع ویلعق یدہ قبل أن یمسحھا.وفی روایۃ:کان یأکل بثلاث اصابع فاذافرغ لعقھا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۹

﴿ڈرائیور حضرات کا ہوٹلوں پر کھانا مفت کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کراچی سے صوبہ سرحد جو

گاڑیاں چلتی ہیں، ڈرائیور حضرات ایسے ہوٹلوں پر روکتے ہیں جوان کوتو مختلف انواع واقسام کے عمدہ کھانے، چائے اور سگریٹ وغیرہ مفت دیتے ہیں لیکن دوسری طرف مسافروں سے کھانے کی زیادہ رقم وصول کرتے ہیں پھر بعض ڈرائیور ہوٹل والوں سے پہلے سے معاملہ طے کرلیتے ہیں اور بعض طے تونہیں کرتے لیکن کھانا مفت کھاتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ہوٹل والوں کا انہیں کھانا مفت فراہم کر کے مسافروں سے زیادہ رقم وصول کرنا کیسا ہے؟ نیز انکا یہ کھانا شریعت میں حلال ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر واقعی ڈرائیور حضرات نے ہوٹل والوں کیساتھ یہ معاملہ باقاعدہ طے کیا ہو کہ ہم گاڑی آپ کے پاس روکیں گے آپ ہمیں مفت کھانا کھلائیں گے اور مسافروں کو بے شک مہنگا دیا کریں تو یہ مسافروں کیساتھ ظلم کے علاوہ رشوت خوری بھی ہے، لہٰذا کھانا اور کھلانا حرام ہوگا، معاملہ باقاعدہ طے نہ کیا ہو لیکن اسکا رواج بن چکا ہو اور ڈرائیور لوگ مفت کھانا اپنا حق سمجھتے ہوں تو ایسی صورت میں بھی انکا کھانا حرام اور سخت گناہ ہے، اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہوٹل والے ڈرائیوروں کا احسان سمجھ کر کھانا کھلاتے ہوں اور ڈرائیور حضرات بھی اپنا کوئی حق نہ جانتے ہوں اور نہ ہی اس غرض سے ہوٹل کا انتخاب کرتے ہوں تو مفت کھانے کی گنجائش ہے، ڈرائیوروں کو چاہیے کہ گاڑی ایسے ہوٹل پر روکیں جہاں مسافروں کو مناسب قیمت پر معیاری کھانا ملتا ہو یا جہاں ایک سے زائد کئی ہوٹل ہوں تا کہ مسافر صرف ایک ہوٹل کے محتاج نہ ہوں۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء،أیت ۲۹)﴿یاایها الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾

ولمافی سنن ابی داود:(۱۴۸/۲،طبع رحمانیه)

عن عبدالله ابن عمرو قال:لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی.

ولمافی الشامی:(۳۶۲/۵،طبع سعید)

ولوقضی حاجته بلاشرط ولاطمع فاهدی الیه بعدذلک فهوحلال لاباس ومانقل عن ابن مسعودمن کراهته فورع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۲۳۵

﴿ایسے ہوٹل میں سواریاں اتارنا جو ڈرائیور کو مفت اور مسافروں سے زیادہ پیسے لے﴾

﴿سوال﴾ کسی لمبے سفر کے دوران ڈرائیور حضرات گاڑی ایسے ہوٹلوں کے پاس روکتے

ہیں جو مسافروں سے کھانے اور دیگر مشروبات وغیرہ کی قیمت زیادہ وصول کرتے ہیں جبکہ خود ڈرائیور حضرات یا اُن کے خاص آدمیوں (مثلاً گاڑی کا عملہ یا مہمان وغیرہ) سے کوئی قیمت وصول نہیں کرتے، غالباً ڈرائیور حضرات سے قیمت اس لئے وصول نہیں کی جاتی کہ اُس کے بدلے سواریوں سے قیمت زیادہ لیتے ہیں، کیا ڈرائیور حضرات کا اس طرح مفت کھانا جائز ہے؟ نیز کیا کسی سواری کا اُن کے ساتھ مذکورہ صورت میں شریک ہونا جائز ہے؟ مستفتی: بخت نواز

﴿جواب﴾ اگر ہوٹل والے واقعی ڈرائیور حضرات کو مفت کھانا اس لئے کھلاتے ہیں کہ اُس کی قیمت سواریوں سے وصول کرتے ہیں اور یہ بات اُن کے درمیان طے ہو چکی ہے (اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اُن کے درمیان پہلے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا) تو اس صورت میں ڈرائیور حضرات کا مفت کھانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی سواری کو (جس کو اُن کے اس کرتوت کا علم ہو) اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا جائز ہے۔

اور اگر ہوٹل والے صرف اِس احسان کے بدلے کہ (ڈرائیور نے ہوٹل کو گاہک فراہم کیے ہیں) مفت کھانا کھلاتے ہیں اور اُس کی قیمت مسافروں سے وصول نہیں کرتے اور نہ ہی ڈرائیور حضرات کے دِل میں مفت کھانے کا کوئی لالچ ہو تو اس صورت میں اُن کا مفت کھانا جائز ہے اور اُن کے ساتھ کسی سواری وغیرہ کا شریکِ طعام ہونا بھی جائز ہے لیکن اِس صورت کا پایا جانا بظاہر بعید ہے۔

لما في الأشباه والنظائر:(ص۸٦،طبع قديمي)

أصلها قوله عليه الصلاة والسلام: "لا ضرر ولا ضرار"...... وفسره في المغرب بأنه لا يضر الرجل اخاه ابتداء، ولا جزاء، (انتهى)

ولما في الشامي:(۳٦۲/۵،طبع سعيد)

ولو قضى حاجته بلا شرط ولا طمع فاهدى اليه بعد ذلك فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فورع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۴۲۹ھ

﴿پولٹری فارمز کی فیڈ (خوراک) کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ آج کل اخباروں میں یہ خبر

شائع ہوتی ہے کہ پاکستان کے پولٹری فارمز میں مرغیوں کو جو فیڈ (غذا) دیجاتی ہے اس میں سور کا گوشت اور چربی ملی ہوئی ہوتی ہے، اب ایسی صورت میں کیا ایسی غذا کھانے والی مرغیاں اوران کے انڈے حلال ہونگے؟ شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں جونجس غذا مرغیوں کو دیجاتی ہے اگر اس نجاست کا اثر گوشت میں آتا ہو اور گوشت میں بدبو پیدا ہوتی ہو تو ایسے مرغیوں کا کھانا جائز نہ ہوگا لیکن چونکہ اس سے گوشت میں بدبو پیدا نہیں ہوتی اور یہ مشاہدہ ہے، لہٰذا فارمی مرغیاں اوران کے انڈے حلال ہیں اوران کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶/۳۴۰-۳۴۱،طبع سعید)

(و)لبن(الجلالة)التی تاکل العذرة(و)لبن(الرمکة)ای الفرس وبول الابل واجازه ابویوسف للتداوی(و)کره(لحمهما)ای لحم الجلالة والرمکة،وتحبس الجلالة حتی یذهب نتن لحمها،وقدر بثلاثة ایام لدجاجة واربعة لشاة وعشرة لابل وبقر علی الاظهر ولواکلت النجاسة وغیرها بحیث لم ینتن لحمها حلت کما حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمه لایتغیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۶۵

﴿مہمان کا باوجود بھوک کے کہہ دینا کہ میں نے کھانا کھایا ہوا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کوئی مہمان رشتہ دار وغیرہ کے گھر میں جاتا ہے تو کھانے کو جی چاہنے کے باوجود کچھ تکلف کرتا ہے کہ ”میں نے کھایا ہے یا جی نہیں چاہ رہا وغیرہ ہم خود بھی رواج کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اور یہ جھوٹ میں داخل ہے یا نہیں؟ مستفتی: تاج محمد بگرامی

﴿جواب﴾ عن اسماء بنت یزید قالت اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم بطعام فعرض علینا فقلنا لانشتهیه قال لاتجتمعن جوعا وکذبا رواه ابن ماجه(مشکوٰة باب الضیافة: ص/۳۷۰،طبع سعید)

یہ حدیث ہمیں بتارہی ہے کہ ایک مسلمان کے مزاج میں سادگی اور بے تکلفی ہونی چاہیے جب میزبان بطیب خاطر مہمان کو کھانے کی دعوت دیتا ہے تو کھانے کو جی چاہنے کے باوجود

استغناء کا اظہار کرنا اپنے آپ کو دو پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہے، ایک بھوک کی مشقت اور دوسری جھوٹ کا وبال جو بہت بڑی نادانی اور خسارے کی بات ہے۔

تاہم اگر مہمان کو یہ گمان ہو کہ میزبان مجھے دل سے کھانے کی دعوت نہیں دے رہا بلکہ صرف مروتاً کہہ دیا ہے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے کھایا ہے دل میں یہ خیال لاتے ہوئے کہ میں نے کل کھایا تھا، اس طرح مہمان جھوٹ سے بھی بچ جائے گا اور مقصد بھی پورا ہو جائے گا، البتہ صاف جھوٹ بولنا پھر بھی جائز نہیں ہے

لمافی الشامی:(۶/۴۲۸،طبع سعید)

وذلک کقول من دعی لطعام اکلت یعنی امس وکمافی قصة الخلیل علیه الصلاة والسلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   والله اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ   فتوی نمبر: ۲۸۲

﴿نامحرم کے بچے ہوئے کھانے کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ مہمان وغیرہ کا بچا ہوا کھانا گھر کی عورتوں کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ بچے ہوئے کھانے کا استعمال گھر کی عورتوں کے لئے جائز ہے، معیوب سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ فقہاء کرامؒ نے اس وقت جوٹھے کو ناجائز لکھا ہے کہ کوئی مرد نامحرم عورت کے جوٹھے کو یا کوئی عورت نامحرم مرد کے جوٹھے کو بطور تلذذ استعمال کرے، اسی طرح نامحرم کا جوٹھا اس کی موجودگی میں ہو تو منع ہے، اس سے بھی شیطان کو غلط وسوسہ ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔

لمافی تقریرات الرافعی:(۶/۲۱۱،طبع ایچ ایم سعید)

(قول الشارح یکره للمرأة سور الرجل وسورها له)قال فی النهر لیس هذا لعدم الطهارة بل للاستلذاذ قال ط اما عند عدمه فلا علی الظاهر وحرره وینبغی ان یقیدبما اذا علم المرأة التی شربت من الماء اوعلمت هی الرجل الشارب امابدونه فلا کراهة لان الانسان لایشتهی من لایعلمه.اه سندی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   والله اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ   فتوی نمبر: ۱۹۲

﴿شیعہ کی دی ہوئی مچھلی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے پڑوس میں ایک شیعہ ہے جس کا مشغلہ مچھلیوں کا شکار ہے وہ جب مچھلیوں کو دریا سے نکال کرلاتا ہے تو ان میں سے کچھ مچھلیاں ہمیں بھی کھانے کیلئے دے دیتا ہے تو کیا ہمارے لئے ان مچھلیوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: افسر علی

﴿جواب﴾ شیعہ مچھلی شکار کرے تو اسکی حلت وحرمت میں شبہ کیوں؟ مچھلی تو ہندو اگر شکار کرے وہ بھی حلال ہے۔

لمافی تبیین الحقائق:(۱۳۱/۷-۱۳۲،طبع ایچ ایم سعید)

ولاباس باکل سمکۃ یصیدھا مجوسی لانھا تحل من غیر تسمیۃ،فان المسلم اذا اخذ سمکۃ وترک التسمیۃ علیھا تحل ومایحل بدون التسمیۃ،فالمجوسی وغیرہ فیہ سواء.

ولمافی فتح القدیر:(۴۹۹/۹،طبع رشیدیہ کوئٹہ)فان المجوسی اذا اصطاد سمکۃ حل اکلھا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی

۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۵۰۱

﴿گوشت وغیرہ کے ملیدے کو حلیم یا ہلیم کہنے میں کوئی گناہ نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ آج کل حلیم کے نام سے ایک کھانا مشہور ہے جس کے بارے میں سنا گیا ہے کہ اس کھانے کا یہ نام حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رکھا تھا، یہ بات درست ہے یا نہیں؟ نیز کھانے کا یہ نام رکھنا جائز ہے جبکہ الحلیم اللہ جل جلالہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے؟

﴿جواب﴾ گوشت، جَو، مصالحے اور کھچڑی کے اجزاء سے حلیم یا ہلیم کے نام سے جو ملیدہ تیار ہوتا ہے اس کا نام حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تجویز کیا ہے اس کا نہ ہمیں علم ہے اور نہ تحقیق کی فرصت، جس کو فرصت ہو اور غیر ضروری باتوں کی تحقیق کا شوق ہو تو وہ خود یہ شوق پورا کرے، یہ کسی مفتی کی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ اتنا بتانا ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کھانے کی پہچان چونکہ اسی نام سے ہے، اس لئے حلیم یا ہلیم کہنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۵۹۸/۹،طبع امدادیہ)

وجاز التسمیۃ بعلیّ ورشید من الأسماء المشترکۃ،ویراد فی حقنا غیر مایراد فی حق اللہ تعالی،لکن التسمیۃ بغیر ذلک فی زماننا أولی لأن العوام یصغرونھا عن النداء.

وفی الشامیۃ:قولہ:(وجاز التسمیۃ بعلیّ الخ)الذی فی التاتر خانیۃ عن السراجیۃ: التسمیۃ

باسم يوجد في كتاب الله تعالى كالعليّ والكبير والرشيد والبديع جائزة الخ، ومثله في المنح عنها، وظاهره الجواز ولو معرفاً بأل قوله:(لكن التسمية الخ) قال أبو الليث: لا أحبّ للعجم أن يسموا عبدالرحمٰن وعبدالرحيم، لأنهم لايعرفون تفسيره، ويسمونه بالتصغير.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۰۲۷

﴿کھانا کھاتے وقت بات چیت کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب دسترخوان پر روٹی رکھ دی جائے اور سالن ابھی تک پیش نہ کیا ہو تو سالن کا انتظار کرنا چاہیے یا روٹی کھانا شروع کرنا چاہیے، نیز یہ بھی بتائیں کہ کھانا خاموش ہو کر کھانا چاہیے یا گفتگو کرتے ہوئے جبکہ سنا گیا ہے کہ خاموش ہو کر کھانا درست نہیں؟

مستفتی: رحمت ولی

﴿جواب﴾ روٹی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، اس کو ادب واحترام کے ساتھ کھانا اس نعمت کا حق ہے، لہٰذا اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب دسترخوان پر روٹی رکھ دی جائے اور سالن ابھی تک موجود نہ ہو تو سالن کا انتظار کیے بغیر روٹی کھانا شروع کرنا چاہیے۔

لمافي البحر الرائق:(۱۸۳/۸، طبع سعيد)

وينبغي أن لاينتظر الادام اذا حضر الخبز ويأخذ في الأكل قبل أن يأتي الادام.

ولمافي الهندية:(۳۳۷/۵، طبع رشيديه)

ومن اكرام الخبز أن لاينتظر الادام اذا حضر كذافي الاختيار شرح المختار.

خاموش ہو کر کھانا اور اس کو اچھا سمجھنا درست نہیں یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے، اسے ترک کرنا چاہیے فقہائے کرام نے اس کو مکروہ لکھا ہے، لہٰذا کھانے کے دوران خاموشی کے بجائے کوئی دینی یا دنیوی اچھی بات کرنی چاہیے۔

لمافي الهندية:(۳۴۵/۵، طبع رشيديه)

يكره السكوت حالة الأكل لانه تشبه بالمجوس كذافي السراجية، ولايسكت على الطعام ولكن يتكلم بالمعروف وحكايات الصالحين كذافي الغرائب.

ولمافي الشامي:(۴۹۱/۹، طبع امداديه)

ويكره السكون حالة الأكل لأنه تشبه بالمجوس ويتكلم بالمعروف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۷

﴿بازار میں گھومتے پھرتے کھانا پینا خلاف مروت وادب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ لوگ جو کہ بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں ساتھ میں کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں جنکو وہ کھاتے رہتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اسطرح کھانا یہ رزق کی بے حرمتی نہیں ہے؟ مستفتی: خالد وزیر

﴿جواب﴾ گھومتے پھرتے کھانا کھانا خلاف مروت وادب ہے شرعاً ناپسندیدہ ہے ایسے لاپرواہ آدمی کی شرعاً گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

لمافی الشامی:۵/۳۸۳(طبع سعید)

(قوله او باكل على الطريق)أى بان يكون بمرأى من الناس بحر—واما اذاشرب الماء أواكل النواكه على الطريق لايقدح عدالته لان الناس لاتستقبح ذلك.

ولمافی الهندیة ۳/۴۶۸(طبع رشيديه)

ولاتقبل شهادة من يفعل الافعال المستحقرة كالبول على الطريق والاكل عليها كذافي الهداية،وكذامن ياكل فى السوق بين الناس.

ولمافی البحر:۷/ص۹۲(طبع سعید)

والمراد بالاكل على الطريق والبول بان يكون بمرأى الناس —قال في الهداية ولاتقبل شهادة من يفعل الافعال المستحقرة مثل البول والاكل على الطريق.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد روغانی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۳۲۰۵

﴿کھانے کے دوران اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کھانا کھانے کے دوران اگر اذان شروع ہوجائے تو کیا اس وقت بھی اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کھانے کے دوران اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اگر زیادہ وقت نہ گزرا ہو تو اس وقت اذان کا جواب دینا چاہیے۔

لمافی الدر مع الرد:(۱/۳۹۶،۳۹۷طبع:سعید کراچی)

(ويجيب)وجوباً،وقال الحلواني ندبا،والواجب الاجابة بالقدم (من سمع الاذان) ولوجنبالاحائضاًونفسا،وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع ،ومستراح واكل وتعليم علم وتعلمه ،بخلاف قرآن.

تنبیه:هل یجب بعد الفراغ من هذه المذکورات ام لا؟ینبغی انه ان لم یطل الفصل فنعم، وان طال فلا،

ولمافی البحر:(۱/۲۶۰،طبع:سعید کراچی)

ولم ارحکم مااذافرغ المؤذن ولم یتابعه السامع هل یجیب بعد فراغه وینبغی انه ان طال الفصل لایجیب والایجیب وفی المجتبی فی ثمانیة مواضع اذاسمع الاذان لایجیب فی الصلوة.....وکذالاتجیب الاجابة عند الاکل کماصرح به.

ولمافی فقه الاسلامی وادلته :(۱/۷۱۳،طبع:رشیدیه)

وقال الحنفیة:تشمل الاجابة من سمع الاذان ولوکان جنباً،لاحائضاًونفساء، وسامع خطبة وفی صلوة جنازة ،وجماع، ومستراح فی بیت الخلاء، واکل، وتعلیم علم وتعلمه، لکن فی اثناء قراءة القرآن یجیب لانه لایفوت ،وتکرار القراءة للاجر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد روغانی

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر:۴۲۲۴

﴿نسوار سگریٹ اور پان کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ نسوار، سگریٹ اور پان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ مکروہ ہیں؟ کراہت ہے تو کونسی؟ کیا یہ تبذیر کے زمرے میں نہیں آتے ہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ چیزیں فی نفسہ مباحات کے زمرے میں آتی ہیں جب تک حالت سکر کو نہ پہنچ جائیں اور بلاضرورت استعمال نہ کی جائیں، حکیم الامت حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بلاضرورت کراہت تو سمجھتا ہوں اور بضرورت کھانا اور پینا دونوں جائز ہیں۔

اور ضرورت میں نفس اکل مکروہ نہیں ، دوسرے عوارض خارجیہ سے گو کراہت ہوجائے اور عوارض کی خفت وشدت سے کراہت کی شدت وخفت میں تفاوت ہوگا اور سکر تمبا کو میں نہیں ہے صرف حدت ہے اسی سے پریشانی ہوتی ہے لیکن عقل ماؤف نہیں ہوتی اور عوارض خارجیہ ہی کے اعتبار سے کھانا اخف ہے بہ نسبت پینے کے کما ھو مشاھد" (امداد الفتاوی:۴/۱۱۶،طبع دار العلوم)

اسی طرح نسوار میں بھی سکر نہیں ہوتا ہے محض حدت اور تیزی ہوتی ہے، بہر حال حد سے زیادہ استعمال ان کا کراہت سے خالی نہیں تبذیر کے زمرے میں تو آتے ہی ہیں، ان کے استعمال کے بعد منہ کی بدبو زائل کئے بغیر مسجد یا کسی اجتماع میں جانا درست نہیں مکروہ ہے، اس سے ایذاء مسلم کا اندیشہ ہے اور ایذاء مسلم حرام ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

لمافی الترمذی:(۲/۳،طبع فاروقی ملتان)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من اكل من هذه قال اول مرة الثوم ثم قال الثوم والبصل والكراث فلايقربنافي مساجدنا". هذاحديث حسن صحيح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی عفااللہ عنہ

۶ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۵

﴿گرم کھانا تناول کرنا جس سے منہ کے جل جانے کا اندیشہ ہو ممنوع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی نے بتایا کہ گرم کھانا ہماری شریعت میں منع ہے جبکہ چائے گرم ہی پی جاتی ہے چائے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ گرم چائے پینا حرام یا مکروہ یا جائز ہے؟ نیز بعض مرتبہ کھانے میں چربی ہوتی ہے گرم گرم ہی کھانا کھایا جاسکتا ہے کیونکہ گلے وغیرہ کیلئے چربی والا ٹھنڈا کھانا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، براہ کرم اس بات کی مکمل تحقیق کر کے رہنمائی فرمائیں؟ مستفتی: بھائی ارشد بکیری والا

﴿جواب﴾ کھانا اتنا گرم ہو کہ اس سے بھاپ نکل رہی ہو اور ہاتھ یا منہ جلنے کا اندیشہ ہو تو شریعت مطہرہ نے ازروئے شفقت کھانے سے منع کیا ہے، اتنا گرم نہ ہو تو کھانے میں کوئی ممانعت نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ اتنا انتظار کیا جائے کہ آگ کی گرمی زائل ہو جائے، ایسے کھانے میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

البتہ چائے یا دوسرا کھانا کہ ٹھنڈا ہونے سے اس کا ذائقہ نہیں رہتا یا مقصد حاصل نہیں ہوتا تو گرم گرم کھانے میں بے برکتی بھی نہیں ہوگی ہاں اس قدر گرم ہو جس سے بھاپ نکلے یا جسم جلنے کا اندیشہ ہو چائے ہو یا کوئی اور چیز اس حالت میں کھانا بلاشبہ مکروہ ہے، نیز چائے پیتے وقت جو یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ پھونک مارتے ہیں فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

لمافی معجم ابن الاعرابی:(۱/۱۳۳) عن ابن شهاب أن رسول الله ﷺ نهى عن الطعام الحار.

مولانا سعد حسن خان صاحبؒ اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں حضور ﷺ بہت گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو تناول نہیں فرماتے بلکہ اسکو ٹھنڈا ہونے دیتے گرم کھانے کے لئے کبھی فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی اور کبھی فرماتے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ (نبوی لیل ونہار: ص ۲۰۵ طبع میر محمد کتب خانہ)

لمافی احیاء علوم الدین:(۵/۲،طبع بیروت)

ولاینفخ فی الطعام الحار……فھومنھی عنه بل یصبرالی ان یسھل أكله.

ولمافی الفقه الاسلامی وادلته:(۲۶۲۳/۳،طبع رشیدیه)ولایاکل الطعام حارا ولایشمه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۰۶

﴿چوری کی بجلی سے کھانا پکانا خبث سے خالی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بجلی چوری کر کے ہیٹر جلا کر کھانا پکانے اور پھر اس کو کھا کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ بجلی کی چوری تو حرام ہے اس سے پکا ہوا کھانا اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن خبث سے خالی بھی نہیں ہے، جس سے نماز کی قبولیت بھی متاثر ہوگی، تاہم فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

لمافی المظھری:(۱۶۷/۱،طبع رشیدیه)

(یاایھاالذین امنوا کلوامن طیبات)حلالات مستلذات(مارزقنکم)عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺان اللہ طیب لایقبل الا الطیب وان اللہ امرالمومنین بماامر المرسلین فقال یاایھاالرسل کلوامن الطیبات واعملواصالحا-وقال یاایھاالذین امنوا کلوامن طیبات مارزقناکم-ثم ذکرالرجل یطیل السفر یمدیدہ الی السماء یارب یارب اشعث اغبرمطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلک رواہ مسلم……الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۷۹۵

﴿نجس پانی سے سیراب ہونے والی سبزیاں پاک ہیں﴾

﴿سوال﴾ شہر کے قریب میری کچھ کھیتی باڑی کے قابل زمین ہے اور میں اس میں سبزیاں مثلاً ٹماٹر، پالک، مولی، گاجر وغیرہ کاشت کرتا ہوں اور ان کو سیراب کرنے کے لئے شہر کی نالیوں سے نکلنے والا گندا اور ناپاک پانی استعمال کرتا ہوں تو کیا میرے لئے ان سبزیوں کا استعمال کرنا اور فروخت کرنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ ناپاک پانی سے سیراب ہونے والی سبزیاں وغیرہ پاک ہیں ان کا خود استعمال

کرنا اور بیچنا جائز ہے، البتہ استعمال سے قبل دھولیا جائے تاکہ اگر اس کے اوپر ناپاک پانی یا اس کے اجزاء لگے ہوئے ہوں تو اس سے صاف ہو جائے۔

لمافی الشامی:(۹/۲۹۲،طبع امدادیه)

فرع:فی ابی السعود:الزروع المسقیة بالنجاسات لاتحرم ولاتکرہ عند اکثر الفقهاء.

والله اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر:۱۰۲۱
۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿غیر شرعی امور کے وقت دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کے چند احکام﴾

﴿سوال﴾ ولیمہ کی دعوت میں جب غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو رہا ہو تو اس صورت میں ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہیے؟ اگر دعوت میں شریک ہونے کے بعد گناہ کا علم ہو جائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس مسئلہ میں عوام اور خواص کا حکم یکساں ہے یا عوام کیلئے کسی قدر گنجائش ہے؟

﴿جواب﴾ اگر دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کے بعد غیر شرعی امور کا علم ہو جائے تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کھانے کی جگہ پر ہو رہا ہے یا کھانے کی جگہ سے دور ہو رہا ہے، بصورت ثانی عام شخص کیلئے ٹھہرنے اور کھانے کی گنجائش ہے، قدرت ہو تو گناہ سے منع کرے ورنہ صبر کرے۔ عالم مقتدی گناہ سے روکنے پر قادر نہ ہو تو ان کے حق میں وہاں پر تشریف رکھنا اور کھانا کھانا درست نہیں ہے اور بصورت اول (جب گناہ کا ارتکاب کھانے کی جگہ پر ہو رہا ہو) تو عالم کی طرح عام شخص کے لئے بھی ٹھہرنا اور کھانا کھانا درست نہیں ہے۔

اور اگر دعوت ولیمہ میں شریک ہونے سے پہلے غیر شرعی امور کا علم تھا تو پھر عوام، خواص دونوں کے لئے شرکت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی عالم و مقتدی یہ جانتا ہو کہ اس کے آنے پر غیر شرعی امور کا ارتکاب ترک کیا جاتا ہے تو پھر وہ شریک ہو سکتا ہے۔

لمافی الهندیة:(۵/۳۴۳،طبع رشیدیه)

من دعی الیٰ ولیمة فوجد ثمة لعبا اوغناء فلاباس ان یقعد ویاکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر یصبر وهذا اذا لم یکن مقتدی به اما اذا کان ولم یقدر علیٰ منعهم فانه یخرج ولایقعد ولو کان ذٰلک علی المائدة لاینبغی ان یقعد وان لم یکن مقتدی به وهذا کله بعد الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر لانه لا یلزم حق الدعوة بخلاف ما اذا هجم علیه لانه قد لزمه کذا فی السراج الوهاج وان علم المقتدی به بذٰلک قبل

الدخول وهومحترم يعلم انه لودخل يتركون ذلك فعليه ان يدخل والاالم يدخل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۱۰۳۳

﴿باقاعدہ بیٹھ کر تین سانس میں پانی پینا مستعمل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیٹھ کر تین سانس میں پانی پینا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کھڑے ہو کر پانی پینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ احادیث مبارکہ سے مدلل اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: محمد شاکر الطاف ٹاؤن

﴿جواب﴾ جی ہاں باقاعدہ بیٹھ کر تین سانس میں پانی پینا سنت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف پر نکیر فرمائی گئی ہے اور بغیر مجبوری کے کھڑے ہو کر پانی پینا درست نہیں ہے، بعض روایات میں قئے کرانے کا بھی زجراً حکم ہے۔

البتہ کسی عذر کی بناء پر ہو مثلاً وہ جگہ خراب ہے یا بیٹھنے کی صورت میں تکلیف کا اندیشہ ہے وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی گنجائش ہے۔

لمافي الصحيح لمسلم:(۱/۱۷۳،طبع قديمي)

(۱)عن انسؓ قال كان رسول الله ﷺ يتنفس في الشراب ثلاثاويقول انه أروى و أبرأ و أمرأ،قال أنسؓ فاناأتنفس في الشراب ثلاثا..........(۵)أنه سمع أباهريرةؓ يقول:قال رسول الله ﷺ لايشربن احدمنكم قائمافمن نسي فليستقيء.

ولمافي جامع للترمذي:(۲/۱۰،طبع دارالقران والحديث)

(۲)عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لاتشربواواحداًكشرب البعيرولكن اشربوا مثنى وثلث وسمّواذاانتم شربتم واحمدوااذاانتم رفعتم..(۳)عن الجارودبن العلاء، ان النبي ﷺ نهى عن الشرب قائما.(۴)عن قتادةؓ عن انسؓ أن النبي ﷺ نهى ان يشرب الرجل قائمافقيل الأكل قال ذاك أشد وأخبث.

ولمافي تكملة فتح الملهم:(۴/۱۲،طبع دارالعلوم كراچي)

والذي يظهرلهذا العبد الضعيف عفاالله عنه:أن الكراهة في المواقع التي يتيسرفيها محل للجلوس، فأما اذالم يتيسر أوكان في الجلوس تكلف شديد فلاكراهة ايضا ويحتمل أن تكون أحاديث الشرب قائمامتعلقة بمثل هذه المواقع كما عندزمزم فانه ربمايشكل الجلوس هناك لكثرة الزحام والطين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۱۰۶

﴿ہندو کا جوٹھا پاک ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ہندو نے پیپسی کی ایک بوتل منگوائی وہ پی لی اس کے بعد دوسری بوتل منگوائی آدھی بوتل اس نے پی لی اور آدھی مجھے دی، میں نے پی لی، بعد میں مجھے خیال آیا کہ میں نے تو کافر کا جوٹھا پیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ کافر کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک؟

﴿جواب﴾ ہندو کا جوٹھا پاک ہے، استعمال کرنا جائز ہے، البتہ ہندو کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنا یہاں تک کہ ایک دوسرے کا جھوٹا بھی استعمال کرتے رہیں اور یہ احساس نہ ہو کہ کیا ہندو کیا مسلم؟! تو قطعاً جائز نہیں ہے، ہاں ترغیب اور دعوت کی غرض سے ہو تو دوستی لگانا بھی جائز ہے۔

لمافی حلبی کبیر:(ص ۱۲۶، طبع نعمانیہ)

(سؤر الادمی طاھر) بالاتفاق (سواء کان مسلما او کافرا او جنبا) او حائضا او محدثا (او طاھرا)

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۲۲/۱، طبع سعید)(فسؤر آدمی مطلقا) ولو جنبا او کافرا او امرأۃ.

وفی الشامیۃ:(قولہ او کافرا) لانہ علیہ الصلاۃ والسلام انزل بعض المشرکین فی المسجد علیٰ مافی الصحیحین، فالمراد بقولہ تعالی انما المشرکون نجس النجاسۃ فی اعتقادھم بحر...... (قولہ او امرأۃ) أی ولو حائضا او نفساء، لماروی مسلم وغیرہ عن عائشۃ قالت "کنت اشرب وانا حائض فاناولہ النبی ﷺ فیضع فاہ علیٰ موضع فی" بحر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۷۱۴

﴿مرغی کے جوٹھے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ایک شخص نے غسل کے لئے گرم پانی بالٹی میں ڈالا مرغی نے اس میں چونچ ڈال دی، اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ پانی پاک ہے یا ناپاک اور ایسے پانی سے غسل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: حیات خان سُفل بانڈی سواتی

﴿جواب﴾ آزاد مرغی جو دانوں کے علاوہ گندگی بھی کھالیتی ہے کا جھوٹا مکروہ ہے، اس پانی کے علاوہ پاک پانی میسر نہ ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔

ولمافی القدوری:(ص ۲۴، طبع قدیمی)

وسور الھرۃ و دجاجۃ المخلاۃ وسباع الطیور ومایسکن فی البیوت مثل الحیۃ والفارۃ مکروہ

ولمافی حلبی کبیر:(ص۱۲۷،طبع نعمانیہ)

(وسؤرسباع الطیر)کالصقروالبازی والشاھین ونحوھا)وسؤرمایسکن فی البیوت من الحشرات وغیرھا(مثل الحیۃوالعقرب والوزغۃوالفارۃوالدجاجۃالمخلاۃ)ای المطلقۃ غیرالمحبوسۃ(والھرۃمکروہ)ای یکرہ التوضؤبہ عندوجودغیرہ وکذاشربہ کراھۃ تنزیہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمدوارث خان

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۴۲۵

«''گوشت وچاول کھانوں کا سردار ہے'' حدیث کی تحقیق»

«سوال» شمائل کبریٰ میں ایک مرفوع روایت ہے جس میں گوشت اور چاول کو کھانوں کا سردار قرار دیا ہے،عبدالرحمٰن اس کی تحقیق کرے۔

مستفتی:مربی ومرشدی شیخ طریقت حضرت واصف منظورصاحب نوراللہ مرقدہ

«جواب» شمائل کبریٰ کی مذکورہ حدیث پرازروے سنداگرچہ محدثین نے کلام کیا ہے یعنی بعض نے اس کوضعیف قراردیا ہے،تاہم اس معنیٰ کی دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوجاتی ہے اورایسی حدیث اگرچہ ضعیف ہولیکن دیگر مؤیدات کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں آجاتی ہے، ذیل کی احادیث میں گوشت پھر چاول دونوں کوالگ الگ کھانوں کاسردار بتایا گیا ہے تو ظاہر ہے کسی کھانے میں اگردونوں ایک ساتھ ہوں توایسا کھاناواقعی تمام کھانوں کاسردار شمار ہوگا۔

لمافی الطب النبوی لأبی نعیم الأصفھانی:(۲/۷۳۵،اللحم،طبع بیروت)

عن أبیہ علی رضوان اللہ علیھم،قال:قال رسول اللہ ﷺ:سیدطعام الدنیااللحم ثم الأرز.

ولمافی الموضوعات الکبریٰ:(ص۱۳۶،طبع قدیمی)

سیدطعام اھل الدنیاوالآخرۃاللحم......وقال السخاوی:ولہ شواھدمنھا:عن علی رفعہ بلفظ"سیدطعام الدنیااللحم ثم الأرز"(اخرجہ ابونعیم فی"الطب النبوی")وھکذاعن صھیب بلفظ"سیدالطعام فی الدنیاوالآخرۃاللحم ثم الأرز"(اخرجہ الدیلمی من جھۃالحاکم)

ولمافی تدریب الراوی:(ص۱۳۶،طبع قدیمی)

"حسن لغیرہ"مالایخلواسنادہ من مستورلم تتحقق أھلیتہ ولیس مغفلاکثیرالخطاء فیمایرویہ ولاھومتھم بالکذب فی الحدیث ولاظھرمنہ سبب آخرمفسق ویکون متن الحدیث مع ذلک معروفابروایۃمثلہ أونحوہ من وجہ آخر،أوأکثرحتی اعتضد بمتابعۃمن تابع راویہ علی مثلہ،أوبمالہ من شاھدوھوورودحدیث آخرنحوہ،فیخرج بذلک عن أن یکون شاذأومنکرا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:ظہوراحمدشمس

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۴۱۸

﴿کرسچن کو کھانا کھلانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کرسچن غیر مسلم عورتیں گھروں میں آتی ہیں ان کو اللہ کی رضا کی نیت سے کھانا کھلانا کیسا ہے؟ مستفتی: عبدالجلیل صاحب

﴿جواب﴾ صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ عشر نذر کفارہ وغیرہ کے علاوہ خیرات ان کو دینا جائز ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کو کھانا کھلانا جائز ہے۔

لما فی الھندیۃ:(۱/۱۸۸،طبع رشیدیہ)

أما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكوة إليهم بالاتفاق ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق واختلفوا في صدقة الفطر والنذور والكفارات قال ابو حنيفة ومحمدؒ يجوز إلا أن فقراء المسلمين احب الينا كذا في شرح الطحاوي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن

۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۵۳

﴿گوشت وغیرہ میں بدبو پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر گوشت وغیرہ یا باقی کھانے پینے کی اشیاء میں بدبو پیدا ہو جائے تو ان کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ گوشت یا اسی طرح کسی کھانے والی چیز میں بدبو پیدا ہو جائے تو چونکہ ایسی چیز صحت کے لئے مضر ہے، اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، البتہ پینے والی کسی چیز میں بدبو پیدا ہو جائے تو وہ اتنی مضر نہیں ہوتی، اس لئے ان کا استعمال جائز ہے اگر کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ یہ بھی صحت کے لئے مضر ہے تو ان کا استعمال بھی درست نہیں ہوگا۔

لما فی الشامی:(۱/۳۲۸-۳۲۹،طبع سعید)

(قوله يحرم أكل لحم أنتن) عزاه في التاترخانية الى مشكل الآثار للطحاوي: قال ح: أي لأنه يضر لا لأنه نجس، وأما نحو اللبن المنتن فلا يضر ذكره الشرنبلالي في شرح كراهية الوهبانية، اه. قلت: ونقل في التاترخانية عن صلاة الجلابي أنه اذا اشتد تغيره تنجس: ثم نقل التوفيق بحمل الأول على ما اذا لم يشتد، ومثله في القنية، لكن في الحموي عن النهاية أن الاستحالة الى فساد لا توجب النجاسة لا محالة اه.

ولما فی الھندیۃ:(۵/۳۳۹،طبع رشیدیہ)

واللحم اذا أنتن يحرم أكله والسمن واللبن والزيت والدهن اذا انتن لا يحرم والطعام اذا

تغیرواشتدتنجس والاشربۃبالتغیرلاتحرم کذافی خزانۃالفتاوی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہدمحمودعفااللہ عنہ

۹ رجب ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۶۴۸

﴿زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینے کا کیا حکم ہے؟ شرعاً یہ جائز ہے؟ مستفتی: قاری رحمت اللہ کالام سواتی

﴿جواب﴾ بیٹھ کر پینا پانی پینے کے آداب میں سے ہے بغیر عذر کے کھڑے ہو کر عام پانی نہیں پینا چاہیے، البتہ زمزم کا پانی اسی طرح وضوء کا باقی ماندہ پانی بغیر عذر کے بھی کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں، اسکی گنجائش ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۱۲۸/۱-۱۲۹،طبع ایچ ایم سعید)

(اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين،وأن يشرب بعده من فضل وضوئه)كماء زمزم(مستقبل القبلة قائما)أوقاعد،اوفيماعداهمايكره قائماتنزيها.

وفي الشامية:واعلم أنه وردفي الصحيحين أنه ﷺقال "لايشربن أحدمنكم قائمافمن نسي فليستقئ" وفيهما "أنه شرب من زمزم قائما".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۶۱۳

﴿موبائل فون میں میوزک اور گانے لوڈ کرنے کی آمدنی حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری موبائل کمیونیکشن کی دکان ہے اور لوگوں کی فرمائش پر ان کے موبائل فون میں رنگ ٹونز لوڈ کرتا ہوں اور یہ ٹونز ہر قسم کی ہوتی ہے لیکن اکثر میوزک اور گانوں پر مشتمل ہوتی ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ کاروبار جائز ہے؟ اور اس کے ذریعے سے حاصل ہونے والی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: جاوید خان لانڈھی

﴿جواب﴾ اسلام میں موسیقی اور گانا بجانا اور سننا ناجائز اور حرام ہے اور قرآن وحدیث میں اس پر شدید وعیدیں آئیں ہیں، لہٰذا موبائل فون میں ایسی رنگ ٹونز لوڈ کرنا ناجائز ہے جو میوزک اور گانوں وغیرہ پر مشتمل ہوں اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حلال

نہیں ہے، تاہم ایسی رنگ ٹونز لوڈ کرنا، جو میوزک اور گانوں پر مشتمل نہ ہوں، جائز ہے اور اس کے ذریعے سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حلال ہے۔

لمافی قولہ تعالی:(سورۃ لقمان،آیت۶)

ومن الناس من يشترى لهوالحديث ليضل عن سبيل الله بغيرعلم ويتخذهاهزوا اولئک لهم عذاب مهين......الأية.

ولمافی روح المعانی:(۲۱/۹۱،طبع رشیدیه)

عن ابی الصهباء قال:سألت عبدالله ابن مسعودعن قوله تعالی:ومن الناس من يشتری لهوالحديث،قال:هووالله الغناء وبه فسرکثير.

ولمافی المشکوٰۃ:(۲/۴۱۱،طبع سعید)

عن جابرؓقال:قال رسول الله ﷺ:الغناء ينبت النفاق فی القلب کماينبت الماء الزرع.

واللہ علم بالصواب: عبدالرزاق غفرلہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتوی نمبر:۱۱۳۹

۲صفرالخیر ۱۴۲۹ھ

﴿حلال اور حرام مخلوط مال کی دعوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم کھانے کی دعوت کے لئے پیسے جمع کرتے ہیں، ہم میں سے ایک ساتھی کا اکثر مال حرام کا ہے اور وہ سرکاری ملازم ہے تنخواہ لیتا ہے ہمارے لئے اس کھانے کا کیا حکم ہے؟ یعنی جس میں اس کا پیسہ بھی شامل ہو۔

﴿جواب﴾ تقوی تو یہ ہے کہ ایسے شخص کو دعوت میں شریک نہ کریں یا اس کا حصہ اپنی طرف سے ادا کریں، اس سے پیسے نہ لیں ویسے شریک کرنے کی بھی گنجائش ہے، خصوصاً دعوت کی غرض سے اگر شریک کریں اور ساتھ ساتھ کسب حلال کی بھی ترغیب دیدیں تو زیادہ بہتر ہے، لہٰذا صورت مسؤلہ میں مذکورہ شخص چونکہ تنخواہ دار بھی ہے یعنی اس کی آمدنی میں اچھی خاصی مقدار حلال کی بھی ہے، اس لئے اسکو شریک کرنا بلاشبہ جائز ہے، آپ یہ سمجھا کریں کہ ہم اپنے حصہ سے کھارہے ہیں یا اس کے حلال سے کھارہے ہیں۔

لمافی الهندية:(۵/۳۴۳،طبع رشيديه)

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى اليه أواضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أواستقرضه.

ولمافی الولوالجیة:(۲/۳۳٦،طبع فاروقیه پشاور)

رجل اهدى الى انسان أوأضافه فان كان غالباقال المهدى حراما،لاينبغی أن يقبل؛

ولا يأكل من طعامه مالم يخبره أن ذلك المال حلال اوورثه أواستقرضه.

ولمافي الشامي:(۴/۲۱۹،طبع امداديه)

سئل الفقيه أبوجعفرعمن أكتسب ماله من امراء السلطان وجمع المال من أخذ الغرامات المحرمات وغيرذلك هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه ؟ قال: أحب الى أن لايأكل منه ويسعه حكماأن يأكله ان كان ذلك الطعام لم يكن في يد المطعم غصباأورشوةاه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۲۶

﴿کھانے پینے کی اشیاء میں لال بیگ گر کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دودھ یا چائے میں لال بیگ مراہواپایا،اس دودھ یا چائے کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ لال بیگ اور اس جیسے دیگر کیڑے مکوڑے جن میں خون نہیں ہے، چائے دودھ یا پانی وغیرہ میں گر کر مرنے سے وہ دودھ پانی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا،اس چیز کو نکال کر دودھ پانی وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں،البتہ وہ چیز مر کر اس میں ریزہ ریزہ ہوجائے تو کھانے پینے میں استعمال سے گریز کریں،اس لئے کہ یہ چیزیں ناپاک اگرچہ نہیں ہیں (خون نہ ہونیکی وجہ سے) تاہم ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔

ولمافي الدرالمختار:(۱/۱۸۴،طبع سعيد)

وفي المجتبى:الاصح في علق مص الدم انه يفسدومنه يعلم حكم بق،وقرادوعلق. وفي الوهبانيةدودالقزوماءه وبزره وخرؤه طاهركدودةمتولدةمن نجاسة.وكذافي حلبي كبير:(ص۱۴۴-۱۴۵،طبع نعمانيه)

ولمافي حلبي كبير:(ص۱۴۵،طبع نعمانيه)

(وذكرالاسبيجابي في شرحه مايعيش في الماء ممالايؤكل لحمه اذامات في الماء و تفتت فانه يكره شرب الماء)،وهومروي عن محمدٌلاختلاط الاجزاء المحرم أكلهابالماء فربماابتلعت بشربه مع انهاحرام ومايحتمل فيه تناول الحرام يكره تناوله.

ولمافي الهداية:(۱/۳۶،باب الماء،طبع رحمانيه)

وموت ماليس له نفس سائلةفي الماء لاينجسه كالبق والذباب والزنابيروالعقرب ونحوها.....لناقوله عليه السلام فيه هذاهوالحلال أكله وشربه والوضوء منه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹

﴿حلال جانور کے بچے کے گوشت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بھینس کا تازہ بچہ پیدا ہو جائے اور اسکو فوراً ذبح کر دیا جائے اس کے گوشت کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

مستفتی: شاہد اللہ قریشی بنارس کراچی

﴿جواب﴾ حلال جانور چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا جائز ہے عموماً طبعی کراہت ہوتی ہے لیکن شرعاً کوئی کراہت نہیں ہے۔

لما فی الدر مع الرد: (۳۰۴/۶، طبع ایچ ایم سعید)

وفی منظومة النسفی قوله:

ان الجنین مفرد بحکمه :: لم یتذك بذكاة أمه

وفی الشامیة: ومعنی البیت أن الجنین وهو الولد فی البطن ان ذکی علی حدة حل والا، ولا یتبع أمه فی تذکیتها لو خرج میتا فالشرط الثانی مفسر للأول.

ولما فی الفقه الاسلامی: (۲۷۷۹/۴، طبع رشیدیه)

الثانی ان تلقیه حیا قبل ذبحه فلا یوکل الا ان یذکی (یذبح) وهو مستقر الحیاة — فوجب افراده بالذبح لیخرج الدم عنه فیحل به ولا یحل بذكاة أمه اذ المقصود بالذکاة اخراج دمه لیتمیز من اللحم فیطیب.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ | فتویٰ نمبر: ۲۳۹۰

﴿باب اللباس والزینة﴾

﴿بڑے ناخن رکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل یہ فیشن ہے کہ لوگ اپنے ناخن لمبے لمبے کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر انہی کیساتھ کھانا وغیرہ بھی کھاتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے ان کا یہ کام جائز ہے نیز ان ناخنوں کیساتھ کھانے کا کیا حکم ہے۔

مستفتی: ایک نمازی ابوبکر صدیق مسجد

﴿جواب﴾ ناخنوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ناخنوں کو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ تراشنا چاہئے، احادیث میں اس کے بارے میں بہت فضائل وارد ہوئے ہیں ہر ہفتہ میں نہ تراش سکے تو

پندرہ دن میں تراشے، چالیس دن سے زیادہ تک ناخن رکھنا گناہ ہے، مکروہ تحریمی ہے، اور اس کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ جس شخص کے ناخن لمبے ہونگے تو اس کے رزق سے برکت اٹھ جاتی ہے اور اس کے رزق کو تنگ کردیا جاتا ہے، اطباء فرماتے ہیں کہ ناخن لمبے ہوں تو آدمی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، آج کل ناخنوں کو لمبا کرنے کا عورتوں میں رائج فیشن مغربی تہذیب کا ایک فتنہ ہے، اس سے عورت گھریلو خدمات انجام دینے سے دور رہتی ہے، اس طرح ماڈرن بننے کے شوق میں گھر والوں کی شفقت سے محروم ہوجاتی ہے، اور اپنی صحت کو بھی برباد کرتی ہے، ناخنوں کو لمبا کرنا درندہ صفت ہے انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

لمافی قولہ تعالی (سورۃ الحشر آیت ۷، پارہ ۲۸) ﴿وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا﴾

لما مشكوة المصابيح: (ص: ۲۸۰ طبع: سعيد)

عن ابی هريرة قال رسول الله ﷺ الفطرة خمس الختان الاستحداد وقص الشارب تقليم الاظفار ونتف الابط متفق عليه

ولما فی سنن ابی داود: (۲/۲۲۵، طبع: رحمانيه)

عن انس بن مالک قال وقت لنا رسول الله ﷺ حلق العانة وتقليم الاظفار وقص الشارب ونتف الابط اربعين يوما مرة

ولما فی مرقات المفاتيح: (۸/۲۴۳ طبع: رشيديه)

وفی القنية الأفضل ان يقلم اظفاره ويحفی شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه فی الاغتسال فی الاسبوع مرة فان لم يفعل ذالک ففی كل خمسة عشر يوما ولا عذره فی تركه وراء الاربعين، فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر هو الاوسط والاربعون هو الابعد ولا عذر فيما راء الاربعين ويستحق الوعيد عندنا (رواه مسلم)

ولما فی الدر المختار (۶/۴۰۵) سعيد

(ويستحب قلم اظافيره) الالمجاهد فی دار الحرب فيستحب توفير شاربه واظفاره (يوم الجمعة) وكونه بعد الصلاة افضل الا اذا اخره اليه تأخيرا فاحشا فيكره لأن من كان ظفره طويلا كان رزقه ضيقا، وفی الحديث " من قلم اظافيره يوم الجمعة اعاذه الله من البلايا الى الجمعة الاخرى وزيادة ثلاثة ايام كقول علی رضی الله عنه قلموا اظفاركم بسنة وآداب: يمينها خوابس يسارها اوخسب

ولما فی الشامی: (۶/۴۰۵، طبع: سعيد)

قال السيوطی: وبالجملة فارجحها ای الاقوال دليلا ونقلا يوم الجمعة الإخبار الواردة فيه ليس بواهية جدا مع ان الضعيف يعمل به فی فضائل الاعمال اه مدنی

وقال الجراحی: وروی الديلمی بسندرواه عن ابی هريرة رفعه "من قلم اظفاره يوم

السبت خرج منه الداء ودخل فيه الشفاء، ومن قلم يوم الاحد خرج منه الافاقة ودخل فيه الغنى ومن قلمها يو م الثنين خرج منه الجنون ودخلت فيه الصحة ومن قلمها يو م الثلا ثاء خرج منه المرض ودخل فيه الشفاء، ومن قلمها يو م الا ربعاء خرج منه الوسواس والخوف ودخل فيه الامن والشفاء، ومن قلمها يو م الخميس خرج منه الجذام وخلت فيه العافية ومن قلمها يوم الجمعة دخلت فيه الرحمة وخرجت منه الذنوب

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتوی نمبر: ۳۲۲۸
۲۷ جمادالثانیہ ۱۴۳۳ھ

﴿ناخن تراشنے کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ براہ کرم جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ ہاتھوں کے ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کریں اور چاروں انگلیوں کے ناخن کاٹ لیں پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے پورے ہاتھ کے ناخن کاٹ لیں اور اخیر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹیں۔ اور پاؤں کے ناخن کاٹنے کا بہتر طریقہ یہ ہیکہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کریں اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کردیں۔

لما فی الدرمع الرد:(۲۰۲/۶،طبع:سعید)

وفی شرح غزاویةروی "أنه ﷺ بدأ بمسبحة اليمنى الى الخنصر ثم بخنصر اليسرى الى الابهام وختم بابهام اليمنى "وذكرله الغزالى فى الاحيا ء وجها وجيهاولم يثبت فى اصابع الرجل نقل ،والا ولى تقليمها كتخليلها.......قال الشامى :(قوله والاولى تقليها كتخليلها)يعنى يبدأ بخنصر رجله اليمين ويختم بخنصر اليسرى.

ولما فى الهندية:(۳۵۸/۵،طبع:رشيدية)

وينبغى أن يكون ابتداء قص الاظافيرمن يد اليمنى وكذ الانتهاء بها فيبدأ بسبابة اليد اليمنى ويختم بابهامها وفى الرجل يبدأ بخنصر اليمنى ويختم بخنصر اليسرى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ
۵ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
فتوی نمبر: ۳۷۴۴

﴿ٹوٹے ہوئے بال اور ناخنوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کے وہ بال جو

کنگھا کرتے وقت ٹوٹ جاتے ہیں یا ناخن کاٹ لیتے ہیں ان بالوں اور ناخنوں کا کیا حکم ہے؟ ویسے پھینک دے یا دفن کرے؟ مستفتی: عبد الواجد پشاور

﴿جواب﴾ بدنِ انسان کے اعضاء واجزاء قابل احترام ہیں، لہذا بال ہو یا ناخن وغیرہ کاٹ کرنا پاک جگہوں میں پھینکنا مناسب نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ کسی پاک جگہ دفن کردیا جائے۔

لما في الشامي:(٦/٤٠٥، كتاب الحظر والاباحة:طبع سعيد).

فاذا قلم اظفاره او جز شعره ينبغي ان يدفنه فان رمى به فلاباس وان القاه في الكنيف او في المغتسل كره لانه يورث داء خانيه ويدفن اربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم عتابية اه.

ولما في الفتاوى العالمگيرية:(٥/٣٣٨،طبع قديمي).

فاذا قلم اظفاره او جزشعره ينبغي ان يدفن ذالک الظفر والشعر المجزوز فان رمى به فلا باس وان القاه في الكنيف او في المغتسل يكره ذالک لان ذالک يورث داء......يدفن اربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم كذا في الفتاوى العتابيه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

٦ ربیع الثانی ١٤٣٣ھ — فتویٰ نمبر: ٣٦٦١

﴿ایام ماہواری میں ناخن پالش استعمال کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ناخن پالش لگانے کا بہت شوق ہے، اب میری شادی دیندار آدمی سے ہوئی انہوں نے یہ مسئلہ بتایا کہ ناخن پالش استعمال نہیں کرو کیونکہ ناخن پالش لگی ہوئی ہو تو وضو اور غسل نہیں ہوتا، اب پوچھنا یہ ہے کہ ماہواری کے دنوں میں ناخن پالش استعمال کرسکتی ہوں یا نہیں کیونکہ ان دنوں میں نماز تو نہیں پڑھنی ہوتی کہ جس کیلئے وضوء کیا جائے؟ مستفتیہ: ہمشیرہ داؤد شاہ

﴿جواب﴾ بیوی اپنے شوہر کیلئے زینت اختیار کرے، شرعاً یہ پسندیدہ عمل ہے، البتہ ناخن یا جسم کے دوسرے حصہ پر ایسی کوئی چیز لگانا جو پانی پہنچنے کیلئے مانع ہو منع ہے، اس لئے کہ واجب غسل یا وضوء اس کے ساتھ نہیں ہوسکے گا، لہٰذا ناخن پالش اگر ایسی ہے یعنی صرف رنگ نہیں ہے بلکہ ناخن پر پلستر بن کر جم جاتی ہے اور پانی پہنچنے کیلئے مانع رہتی ہے تو ایسی ناخن پالش استعمال کرنا منع ہے، البتہ ماہواری کے ایام میں وضوء وغیرہ کی ضرورت چونکہ نہیں ہوتی اسلئے ایسے دنوں میں استعمال کرنا جائز ہے اور پاک ہوتے ہی اسکو دور کردیں۔

لمافی الدر المختار:(۶/۷۵۵،طبع سعید)

ویستحب التجمل واباح الله الزینۃ بقوله تعالی -قل من حرم زینۃ الله التی اخرج لعباده__الایۃ-وخرج صلی الله علیه وسلم وعلیه رداء قیمته الف دینار زیلعی۔

ولمافی التنویر مع الدر والرد:(۱/۱۵۴،طبع سعید)

(ولایمنع)الطهارة(ونیم)ای خرء ذباب......بخلاف نحو عجین......فی الشامیة:(قوله به یفتی)صرح به فی الخلاصة،وقال:لان الماء شیء لطیف یصل تحته غالباًویرد علیه ماقدمناآنفاًومفاده عدم الجواز اذاعلم انه لم یصل الماء تحته، قال فی الحلیة وهو اثبت.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:سلمان احمد

۲۳ربیع الاول ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر:۲۰۶۹

﴿عورتوں کے بال کاٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ عورتوں کو اپنے سر کے بال کٹوانے کی شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟ نیز چھوٹی بچیوں کے بالوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نو سال سے زائد عمر کی لڑکیوں اور عورتوں کو بغیر ضرورت وعذر (حد سے زیادہ جوئیں یا کوئی اور تکلیف وغیرہ ہو) کے اپنے سر کے بال منڈوانا یا کتروانا جائز نہیں، حدیث پاک میں بالوں کو عورت کے لئے باعثِ زینت قرار دیا گیا ہے، نیز کٹوانے میں مردوں اور کفار کی عورتوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، اس لئے ہر مومنہ کو اس سے احتراز لازم ہے۔

البتہ کسی عورت کے بال اتنے لمبے ہوں کہ ان کے سنبھالنے میں غیر معمولی دشواری اور الجھن ہو یا بہت چھوٹے ہوں کہ بڑھتے ہی نہ ہوں اور ان کے سرے کٹوانے سے بڑھ جانے کی امید ہو تو ضرورت کی وجہ سے معمولی کاٹنے کی گنجائش ہے۔

لمافی سنن النسائی:(۲/۲۷۵،طبع قدیمی)

عن علی رضی الله عنه نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تحلق المرأة رأسها.

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۸۹۸،طبع رحمانیه)

عن ابن عباس رضی الله عنه قال لعن النبی صلی الله علیه وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال.

ولمافی الدر المختار:(۶/۴۰۷،طبع سعید)

وفیه:قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت زاد فی البزازیة وان باذن الزوج لأنه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق،ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته،والمعنی المؤثر التشبه بالرجال اه.

ولمافی امدادالفتاوی:(۲/۲۲۹،طبع دارالعلوم)قلت الحلق عام للقص فشمله الحديث.
ولمافی الاشباہ مع الحموی:(۳/۷۳،طبع ادارۃ القرآن کراچی)
وتمنع من حلق رأسها،اقول قدذكرالعلائی فی كراهته لابأس للمرأةان تحلق رأسها لعذر مرض ووجع وبغیر عذر لايجوزانتهى..... والظاهران المرادبحلق شعر رأسها ازالته سواء كان بحلق اوقص اونتف اونورة.
ولمافی صحيح لمسلم:(۱/۱۴۸،طبع قدیمی)
وكان ازواج النبی يأخذن من رؤوسهن حتى تكون كالوفرة.......قال النووی رحمه الله ولعل أزواج النبی صلی الله علیه وسلم فعلن هذابعدوفاته لتركهن التزين واستغنائهن عن تطويل الشعروتخفيفالمؤنةرؤوسهن.....ولا يظن بهن فعله فی حياته وفيه دليل على جوازتخفيف الشعورللنساء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مغیرہ شہاب غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۰۵۳

﴿میت کو مہندی لگانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں کوئی عورت اگر فوت ہو جائے، تو اولیاء ان کو مہندی لگا کر زیورات کچھ دیر تک پہناتے ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ مستفتی: ملک گل محمد کوہاٹی

﴿جواب﴾ میت کو مہندی لگانا، زیورات پہنانا جاہلانا رسم ہے۔علاقہ کے علماء کرام کو چاہیے کہ اس رسم کو روکنے کی تدبیر کریں۔

لما فی بدائع الصنائع:(۱/۳۰۱،طبع:سعید)
والسنة ان يدفن الميت بجميع أجزائه ولا ينتف ولهذا لا تقص اظفارة وشاربه ولا يختن ولا ينتف ابطه ولا تحلق عانته ولان ذلك يفعل لحق الزينة والميت ليس بمحل الزينة ولهذا لايزال عنه شیء مما ذكرنا وان كان فيه حصول الزينة وهذا عندنا وعند شافعیؒ يسرح ويزال عنه شعر العانة والعانه والابط اذا كانا طويلين .....الخ
ولما فی الشامی:(۲/۱۹۷،۱۹۸،طبع:سعید)
(ولا يسرح شعره) ای یکره تحريما (قوله أی يكره تحريماً) لما فی القنيه من ان التزيين بعد موتها والمتشاط وقطع الشعر لايجوز نهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۳۳۰

﴿عورت کا عورت سے ویکس کروانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی عورت کا ستر دوسری مسلمان عورت سے کہاں تک ضروری ہے، مثلاً کوئی عورت کسی دوسری عورت کی مدد سے بازو، پنڈلی اور بدن کے بعض دوسرے حصوں کے نامناسب بالوں کو بذریعہ ویکس صاف کروائیں، تو ایسی صورت میں ستر کس قدر ضروری ہے تاکہ گناہ نہ ہو اور جائز مقصد بھی پورا ہو۔

﴿جواب﴾ ناف سے لیکر نیچے گھٹنوں تک کا حصہ جس طرح مرد کسی دوسرے مرد کے سامنے نہیں کھول سکتا اسی طرح عورت بھی کسی دوسری عورت کے سامنے بدن کا یہ حصہ ظاہر نہیں کر سکتی، بدن کے باقی حصوں کو ہم جنس کے سامنے کھولنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ بے حیا عورت نہ ہو جو مردوں کے سامنے باپردہ عورت کے بدن کا حال بیان کرے۔

لما فی التنویر مع الدر، ۳۷۱/۶، طبع: سعید

"وتنظر المرأة المسلمة من المرأة كالرجل من الرجل وكذا تنظر المرأة من الرجل كنظر الرجل للرجل ان امنت شهوتها فلو لم تأمن او خافت او شكت حرم استحسانا كالرجل هو الصحيح في الفصلين تتارخانية معزيا للمضمرات"

وفيه ايضا، ۳۷۱/۶

"ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج".

ولما في بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان، ۱۲۲/۵، طبع: سعيد

"فكل ما يحل للرجل ان ينظر اليه من الرجل يحل للمرأة ان تنظر اليه من المرأة وكل ما لا يحل له لا يحل لها فتنظر المرأة من المرأة الىٰ سائر جسدها الا ما بين السرة والركبة .....ولا يجوز لها ان تنظر ما بين سرتها الى الركبة الا عند الضرورة".

واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی — الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۳۵ — ۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿عورت کے لئے زائد بالوں کا نوچنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا عورتیں اپنے جسم کے زائد بال سک اپیل مشین سے اتار سکتی ہیں؟ جو کہ ریزر تو نہیں لیکن لوہے سے بنی ہے جو بال کھینچتی ہے؟

﴿جواب﴾ خواتین کے لئے زائد بالوں کو نوچنے کا حکم ہے اور یہ اولیٰ ہے اگر واقعی وہ مشین

ایسی ہے کہ وہ بالوں کو نوچتی ہے کاٹتی نہیں ہے تو اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی الشامی ،۲۰۶/۶،طبع:سعید

"قولہ : (ويستحب حلق عانته)قال في الهندية : ويبتدئ من تحت السرة ولوعالج بالنورة يجوزكذافي الغرائب وفي الاشباه والسنة في عانة المرأة النتف (قوله : وتنظيف بدنه)بنحوازالة الشعرمن ابطيه ويجوزفيه الحلق والنتف اولى ".

ولمافی الشامی ،۵۵۰/۲

"تنبيه : ذكرالحلق في الابطين تبعاللجامع الصغيرايماء الىٰ جوازه وان كان النتف هوالسنة ولذاعبربه في الاصل".

ولمافی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۲۷،طبع: قديمی

"واصل السنة يتادى بكل مزيل لحصول المقصودوهوالنظافة وانماجاء الحديث بلفظ الحلق لانه الاغلب وسواء في ذالك الرجل والمرأة وقال النووی : الاولىٰ في حقه الحلق وفي حقهاالنتف والابط اولى فيه النتف لورود الخبر ولان الحلق يغلظ الشعرويزيدالرائحة الكريهة بخلاف النتف".

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب : کمیل الدین گلگتی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۲۳۶

﴿عورتوں کے لئے بھنوؤں کے بالوں کو اکھیڑنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بھنوؤں کے زائد بالوں کا اکھیڑنا جائز ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتیہ:متعلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ بھنوؤں کے زائد نامناسب بالوں کو اکھیڑنا مطلقاً جائز ہے،اور شوہر کے لئے زینت کی غرض سے باریک کرنے کی بھی گنجائش ہے،بشرطیکہ صرف شوہر کے لئے زینت کی غرض سے ہو،فیشن کی غرض سے نہ ہو۔

لما في سنن ابي داؤد:(۲۲۱/۲،كتاب الترجل باب في صلة الشعر)طبع رحمانية

"عن ابن عباسؓ قال لعنت الواصلة والمستوصلة والنامصة والمتنمصة والواشمة والمستوشمة من غير داء" .قال ابوداؤد:وتفسير الواصلة التي تصل الشعر بشعر النساء والمستوصلة المعمول بها والنامصة التي تنقش الحاجب حتىٰ ترقه ...الخ

ولما في الشامي:(۳۷۳/۶)طبع سعيد

(قوله والنامصة الخ)ذكر في الاختيار ايضاًوفي المغرب،النمص:نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش،ولعله محمول على ما اذا فعلته لتتزين للأجانب والا فلو كان في

وجهها شعر ينفر زوجها عنه بسببه ،ففي تحريم ازالته بعد،لان الزينة للنساء مطلوبة للتحسين الا ان يحمل على مالا ضرورة اليه لما في نتفه بالمنماص من الايذاء،وفي تبيين المحارم ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم ازالته بل تستحب .وفي التاتا رخانية من المضمرات:ولا باس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث ومثله في المجتبى.

ولما في الهندية:(۳۲۸/۵ كتاب الكراهية) طبع قديمي كتب خانه

وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى لا باس بأخذالحاجبين و شعر وجهه ما لم يشبه بالمخنث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۲۳

﴿مہندی کے کلر کا خضاب لگانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عمر ۳۳ سال کے قریب ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے داڑھی رکھ لی اب میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری داڑھی میں سفید بال ہیں جسکی وجہ سے میری بیوی اور والدہ بولتی ہیں کہ ابھی کیوں رکھی آیا میں اپنی بیوی کی وجہ سے سیاہ رنگ کا خضاب استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یا پھر کس قسم کا خضاب استعمال کروں؟

﴿جواب﴾ بالکل سیاہ رنگ کے خضاب کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے، البتہ (۱) مہندی کے رنگ حناء (۲) زرد رنگ، کا (۳) کتم جو سیاہ مائل ہو (براؤن) لگا سکتے ہیں۔

لمافي صحيح المسلم:(۱۹۹/۲ ،طبع قديمي)

جابر بن عبدالله قال اتى بابي قحافة يوم فتح مكة وراسه ولحيته كالثغامة بياضا فقال رسول الله ﷺ غيروا هذا بشئي واجتنبوا السواد.

ولمافي الدرمع الرد:(۴۲۲/۶ ،طبع ايچ ايم سعيد)

يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الاصح،والاصح انه عليه الصلاة والسلام لم يفعله،ويكره بالسواد.

وفي الشامية:(قوله والاصح أنه عليه الصلاة والسلام لم يفعله)لانه لم يحتج اليه،لانه توفي ولم يبلغ شيبه عشرين شعرة في راسه و لحيته،بل كان سبع عشرة كما في البخاري وغيره وورد ان ابا بكرؓ خضب بالحناء والكتم مدني (قوله ويكره بالسواد) اي لغير الحرب قال في الذخيرة اما الخضاب بالسواد للغزو ليكون اهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق وان ليزين نفسه للنساء فمكروه،وعليه عامة المشايخ وبعضهم

جوزه بلاكراهة روى عن ابى يوسف انه قال كمايعجبني ان تتزين لي يعجبها ان اتزين لها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۶۱

﴿قمیص، لنگی، پاجامہ، شلوار، اور جبہ ٹخنوں سے اوپر رکھنے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ محترم ومکرم مفتی صاحب مدظلہ! ترکی کے ایک حنفی المسلک شخص نے پاجامے کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے سے متعلق علماء کرام کے تاکیدی فرامین کا قرآن وحدیث کی روشنی میں ثبوت طلب کیا ہے، براہِ کرم راہ نمائی فرما کر مشکور ہوں۔ مستفتی: حاجی نصیر احمد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ پاجامہ، شلوار، قمیص، لنگی اور جبہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا اسلام میں واجب ہے، نیچے رکھنا سخت ترین گناہ، غرور وتکبر کی علامت اور اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا باعث ہے اور یہ حکم عام حالات اور نماز دونوں میں ہے، تاہم نماز کے دوران یہ حکم اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کا مخصوص وقت ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں پاجامہ (وغیرہ) ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب ہے نصف پنڈلی پر رکھنا مستحب اور ٹخنے اور پنڈلی کے درمیان رکھنا جائز ہے، پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے پر احادیثِ مبارکہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اُن میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: بخاری: (۲/۸۶۳، رقم الحدیث: ۵۷۸۷، رحمانیہ)

"ما اسفل من الكعبين من الازار في النار"

ترجمہ: پاجامے کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہوگا وہ آگ یعنی جہنم میں ہوگا۔

بخاری شریف میں اسی صفحے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا ينظر الله يو م القيامة الىٰ من جرّ ثوبه بطرا"

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے اس آدمی کی طرف جو تکبر میں پاجامہ گھسیٹے۔

بخاری شریف میں اسی صفحے پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"لا ينظر الله الىٰ من جرّ ثوبه خيلاء "(حديث نمبر:۵۷۸۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھتے اس شخص کی طرف جو غرور و تکبر میں پاجامہ گھسیٹے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ابوداؤد (۲/۲۱۲، رقم الحدیث: ۴۰۹۵، رحمانیہ) میں حسن روایت ہے:

"ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الازار فهو في القميص".

ترجمہ: جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ کے بارے میں فرمایا وہ (حکم) قمیص میں (بھی) ہے۔

لما في أبي داؤد: (۲/۲۱۰، رقم الحديث: ۴۰۸۷، طبع رحمانيه)

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم يوم القيمة ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم" قلت: من هم؟ يارسول الله! فخابوا وخسروا، فأعادها ثلاثا قلت: من هم؟ يارسول الله خابوا وخسروا! قال: "المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الكاذب أو الفاجر" (بلفظ ابو داؤد ناقل)

ترجمہ: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائیں گے اور نہ اُن کی طرف نظرِ رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی اُن کا تزکیہ (صفائی باطن) فرمائیں گے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا، میں نے عرض کیا: وہ کون لوگ ہیں؟ اے اللہ کے رسول بے شک وہ رسوا ہوئے اور خسارے میں پڑ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین دفعہ دہرایا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کون ہیں وہ لوگ؟ رسوا ہوئے اور خسارے میں پڑ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ) کپڑا لٹکانے والا اور احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کے ذریعے اپنا سامان فروخت کرنے والا (ہے)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ابوداؤد شریف: (۲/۲۱۱، رقم الحدیث: ۴۰۹۳، رحمانیہ)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أزارة المسلم الى نصف الساق ولا حرج أو لا جناح فيما بينه وبين الكعبين، ما أسفل من الكعبين من الازار فهو في النار، من جرّ ازاره بطرا لم ينظر الله اليه".

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا پاجامہ نصف پنڈلی تک ہوتا ہے، اور کوئی حرج نہیں یا فرمایا کوئی گناہ نہیں نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں ٹخنوں کا جو حصہ

پاجامے میں (چھپاہوا) ہوگا وہ آگ (جہنم) میں ہوگا (اور) جو شخص تکبر میں پاجامہ گھسیٹے اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ الموفق للصواب: عنایت اللہ کاکڑ

یکم صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۸۲۳

﴿جینز کی پینٹ پہننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جینز کی پینٹ جو جسم کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی ہے، پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز علماء، طلباء اور حفاظ کے لئے اس کا پہنا کیسا ہے؟ بینوا توجرا۔ مستفتی: محمد سیف اللہ العادل اسلام آبادی

﴿جواب﴾ جینز کی پینٹ چست اور تنگ ہونے کی وجہ سے جسم کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی ہے جسکی وجہ سے اعضاء مستورہ کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے جن کا چھپانا ضروری ہے، ایسی تنگ اور چست پینٹ کے استعمال سے اجتناب ضروری ہے۔

البتہ اگر پینٹ اتنی کشادہ اور ڈھیلی ہو کہ اسے پہن کر اعضاء مستورہ مکمل طور پر چھپ جائیں اور ان کی ہیئت بھی ظاہر نہ ہوتی ہو تو ایسی پینٹ کے ستعمال کی گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر حتی الامکان سنت کے خلاف لباس پہننے سے اپنے آپکو بچانا چاہیے۔

باقی رہا علماء، طلباء اور حفاظ کا معاملہ تو انکے حق میں پینٹ کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی چونکہ وہ انبیاء کے وارث اور لوگوں کے مقتداء ہیں، اس لئے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے وقار کا خیال رکھے اور ہر حال میں سنت کے مطابق لباس پہننے کا اہتمام کریں۔

لمافی سنن الترمذی:(۲۰۸/۱،أبواب اللباس،طبع فاروقی ملتان)

عن أم سلمة قالت كان أحب الثياب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم القميص،هذاحديث حسن غريب.

ولمافی سنن الترمذی:(۱۰۳/۲،باب ماجاء فی لبس البياض،طبع فاروقی ملتان)

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا البياض فانها أطهروأطيب وكفنوا فيهاموتاكم ،هذاحديث حسن.

ولمافی الشامی:(۸۲/۲،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،طبع امدادیه)

قوله:(ولايضر التصاقه)اى بالالية مثلاً،وقوله "تشكله" من عطف المسبب على السبب

وعبارۃ شرح المنیۃ أما لو کان غلیظا لا یری منه لون البشرۃ الا أنه التصق بالعضو وتشکل بشکله فصار شکل العضو مرئیا، فینبغی ان لا یمنع جواز الصلاۃ لحصول الستر اہ قال ط: وانظر هل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا أو حیث وجدت الشهوۃ؟ اہ قلت: سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر، والذی یظهر من کلامهم هناک هو الأول.

ولما فی الشامی: (۶/۵۲۶، کتب الحظر والاباحۃ، طبع امدادیه)

وفی الذخیرۃ وغیرها: وان کان علی المرأۃ ثیاب فلا بأس بأن یتأمل جسدها، وهذا اذا لم تکن ثیابها ملتزقة بحیث تصف ما تحتها، ولم یکن رقیقا بحیث یصف ما تحته، فان کانت بخلاف ذلک فینبغی له أن یغض بصره اہ. وفی التبیین قالوا: ولا بأس بالتأمل فی جسدها وعلیها ثیاب مالم یکن ثوب یبین حجمها، فلا ینظر الیه حینئذ، لقوله علیه الصلاۃ والسلام: "من تأمل خلف امرأۃ ورأی ثیابها حتی تبین له حجم عظامها لم یرح رائحة الجنة" ولأنه متی لم یصف ثیابها ما تحتها من جسدها یکون ناظرا الی ثیابها وقامتها دون أعضائها فصار کما اذا نظر الی خیمة هی فیها ومتی کان یصف یکون ناظرا الی أعضائها اہ.

أقول: مفاده أن رؤیة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة......وعلی هذا لا یحل النظر الی عورۃ غیره فوق ثوب ملتزق بها یصف حجمها فیحمل ما مر علی ما اذا لم یصف حجمها.

ولما فی الهندیة: (۱/۵۸، فی شروط الصلاۃ، طبع رشیدیه کوئٹه)

والثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا تجوز الصلاۃ فیه کذا فی التبیین.

ولما فی تبیین الحقائق: (۱/۲۵۲-۲۵۳، شروط الصلاۃ، طبع سعید)

والثوب الرقیق الذی یصف ما تحته لا تجوز الصلاۃ فیه، لأنه مکشوف العورۃ معنیً. وکذا فی الفقه الاسلامی وأدلته: (۱/۷۳۹، شروط الستر، طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۹۴

﴿پینٹ شرٹ کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نماز اور گھر میں اکثر شلوار قمیص پہننے کا اہتمام کرتا ہوں البتہ آفس میں مجھے پینٹ شرٹ پہننی پڑتی ہے اس کے بارے میں چند علماء کرام سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ پینٹ شرٹ پہننا حرام ہے کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اور کیا میں آفس کے اوقات میں پینٹ شرٹ پہن سکتا ہوں؟ براہِ کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: نعمان خان راولپنڈی

﴿جواب﴾ پینٹ شرٹ پہننا حرام تو نہیں ہے لیکن کوئی اسلامی لباس بھی نہیں ہے اس لئے

مکروہ ضرور ہے، مجبوری ہو یا بعض کاموں کیلئے پہن کر اس میں سہولت ہو تو کراہت بھی نہیں ہے، لھذا سادہ اور کھلا لباس پہننے کا اہتمام ہونا چاہیئے، البتہ ضرورت ہو یا مجبوری تو اس کی گنجائش ہے۔

لما فی سنن الترمذی:۲۰۸/۱،طبع فاروقی)

عن ام سلمة قالت کان احب الثیاب الی رسول الله ﷺ القمیص،هذا حدیث حسن غریب.

ولما فی سنن الترمذی:۱۰۴/۲،طبع فاروقی)

عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ: البسو البیاض فانها اطهر واطیب وکفنوا فیها موتاکم،هذا حدیث حسن.

ولما فی بذل المجهود:۴۱/۵،طبع الشیخ)

قال القاری ای من تشبه نفسه بالکفار مثلا فی اللباس وغیره او بالفساق او الفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار فهو منهم ای فی الاثم او الخیر عند الله تعالی.

ولما فی مرقاة:۲۲۲/۸،طبع رشیدیه)

من شبه نفسه بالکفار مثلا فی اللباس وغیره او بالفساق او الفجار او باهل التصوف والصلحاء الابرار (فهو منهم) ای فی الاثم والخیر قال الطیبی هذا عام فی الخلق والخلق والشعار.

ولما فی فتح الملهم:۹۳/۴،طبع دار العلوم)

کان ذلک شعارهم حینئذ وهم کفار ثم لما لم یصر الآن یختص بشعارهم زال ذلک المعنی فتزول الکراهة.

ولما فی شرح فقه الاکبر:۳۰۴،طبع بیروت.

فانا ممنوعون من التشبیه بالکفر واهل البدعة المنکرة فی شعارهم ـــــ فالمدار علی الشعار.

ولما فی فتاوی عزیزی:۱۰۵/۱،طبع رحیمیة)

وانچه مخصوص بکفار نیست گو که کفار آنر ابیشتر استعمال میکنندو مسلمان کمتر پس مضائقه ندارد الخ.

ولمافی الشامی :۵۲۶/۹،طبع:امدادیه)

وفی الذخیرة وغیرها وان کان علی المرأة ثیاب فلا بأس بأن یتامل جسدها وهذا اذا لم تکن ثیابها ملتزقة بحیث تصف ما تحتها ولم یکن رقیقا بحیث یصف ما تحته فان کانت بخلاف ذلک فینبغی له ان یغض بصره وفی التبیین قالوا ولا بأس بالتأمل فی جسدها وعلیها ثیاب ما لم یکن ثوب یبین حجمها فلا ینظر الیه حینئذ لقوله علیه السلام "من تأمل خلف امرأة ورأی ثیابها حتی تبین له حجم عظامها لم یرح رائحة الجنة "ولانه متی لم یصف ثیابها ما تحتها من جسدها یکون ناظرا الی ثیابها وقامتها دون اعضائها فصار کما اذا نظر الی خیمة هی فیها ومتی کان یصف یکون ناظرا الی اعضائها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۷۴۵

﴿سونے کا دانت لگوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آدمی کا اگر کوئی دانت گرجائے یا گرنے کے قریب ہو تو اس کی جگہ متبادل سونے کا مصنوعی دانت یا اس کو سونے کی تار سے باندھ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ چاندی وغیرہ کے دانت لگوانے سے بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو کیا ضرورت کی وجہ سے ایسا کرسکتے ہیں؟

مستفتی: ارشاد راولپنڈی

﴿جواب﴾ دانت پر چاندی کا خول یا چاندی کی تار سے باندھنے میں بدبو کا اندیشہ ہے اور سونے کے خول یا تار سے باندھنے کی صورت میں بدبو کا اندیشہ نہیں رہتا یہ سمجھ نہیں آرہا، لہٰذا خاص عذر کے بغیر مرد کے لئے سونا استعمال کرنا منع ہے، چاندی سے ضرورت پوری کریں، ہاں واقعی عذر ہو اور فن کے ماہر لوگ سونا استعمال کرنے پر اصرار کریں تو گنجائش ہے۔

لمافی الهداية:(۴۵۹/۴،طبع رحمانیه)

(ولاتشدالاسنان بالذهب وتشدبالفضة)وهذاعندأبى حنيفةؒ وقال محمدؒ:لابأس بالذهب أيضاوعن أبى يوسفؒ مثل قول كل منهما.لهما(أن عرفجة بن اسعدالكنانى أصيب أنفه يوم الكلاب فاتخذأنفامن فضة فأنتن فأمره النبى عليه الصلاة والسلام بأن يتخذأنفامن ذهب)ولأبى حنيفةؒ أن الأصل فيه التحريم والاباحة لضرورة وقداندفعت بالفضة وهى الأدنىٰ فبقى الذهب على التحريم والضرورة فيماروى لم تندفع فى الأنف دونه حيث أنتن.

ولمافى التنويرمع الدر:(۳۶۱/۶-۳۶۲،طبع سعيد)

(ولايشدسنه)المتحرك(بذهب بل بفضة)وجوّزهمامحمد.

وفى الشامية:(قوله المتحرك)قيدبه لماقال الكرخى اذاسقطت ثنية رجل فانّ أباحنيفة يكره أن يعيدهاويشدهابفضة أوذهب ويقول هى كسن ميتة ولكن يأخذسن شاةذكية يشدمكانهاوخالفه أبويوسف فقال لابأس به ولايشدسنه سن ميتة استحسن ذلك وبينهمافرق عندى وان لم يحضرنى اه اتقانى.زادفى التاترخانية قال بشرقال أبويوسف:سألت أباحنيفة عن ذلك فى مجلس آخرفلم يرباعادتهابأسا(قوله وجوّزهما محمد)اى جوزالذهب والفضةاى جوزالشدبهماوأماأبويوسف فقيل معه وقيل مع الامام.

ولمافى الهندية:(۳۳۶/۵،طبع رشيديه)

قال محمدفى الجامع الصغيرولايشدالأسنان بالذهب ويشدهمابالفضة يريدبه اذا تحركت الأسنان وخيف سقوطهافأرادصاحبهاأن يشدها.يشدهابالفضة ولايشدها بالذهب وهذاقول أبى حنيفةؒ وقال محمديشدهمابالذهب أيضاولم يذكرفى الجامع الصغيرقول ابى يوسف قيل هومع محمد وقيل هومع ابى حنيفة.

وذكر الحاكم في المنتقى لوتحركت سن رجل وخاف سقوطها فشدها بالذهب أو بالفضة لم يكن به بأس عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله وروى الحسن عن ابي حنيفة أنه فرق بين السن والأنف فقال في السن لا بأس بأن يشدها بالذهب وفي الأنف كره ذلك كذا في المحيط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: طاہر زمان راولپنڈی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۰۰۱

﴿مردوں کیلئے سونے کے بٹن کا استعمال جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک رشتہ دار ہے وہ ابھی کچھ دن پہلے باہر ملک سے پاکستان آیا ہے وہ لباس میں خاص کر کرتہ بنانے میں بہت تکلف سے کام لیتا ہے وہ اسمیں مخصوص قسم کے سونے کے بٹنوں کا استعمال کرتا ہے ہم اسکو منع کرتے ہیں لیکن یہ ایک آزاد مزاج آدمی ہے، کہتا ہے کہ مولویوں نے سب کچھ حرام کیا ہے۔ یہ تو نعمت کا اظہار ہے اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں اکثر مسائل میں آپ کیطرف رجوع کرتا ہوں، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس حوالے سے ہماری صحیح راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مردوں کیلئے سونے کے بٹن کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں مردوں کیلئے سونے کا استعمال حرام ہونے کی صراحت ہے، اسی طرح فقہاء کرام رحمہ اللہ نے بھی اس کے ناجائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ رہا آپ کے رشتہ دار کا یہ کہنا کہ مولویوں نے سب کچھ حرام کیا ہے۔ یہ بات قابل افسوس ہے مولوی لوگ اپنے طرف سے تو ڑا کسی عمل کو حرام یا حلال قرار دے سکتے ہیں۔

علماء کرام تو آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی واضح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مردوں کیلئے سونے کا استعمال منع فرمایا ہے۔

(لما في السلم مع شرحه للنوى ج:۲/۱۹۵)

عن ابي هريرةؓ عن النبي ﷺ أنه نهى عن خاتم الذهب اى في حق الرجال (وقبل أسطر) أجمع المسلمون ....على تحريمه على الرجال

(لما في السنن نسائي ج ۲/۲۹۳)

عن ابي موسى ان رسول الله ﷺ قال: ان الله عزوجل احل لاناث امتى الحرير والذهب وحرمه على ذكورها

(لمافی الدر المختار، باب اللباس: ج۶/ ۳۵۸)

(ولایتحلی) الرجل (بذھب وفضۃ) مطلقا (الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہا) ای الفضۃ اذا لم یرد بہ التزین۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ جمادالثانیہ ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۴۲۱۳

﴿شوہر کی منشاء کے مطابق جائز زینت اختیار کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت شرعی پردہ کا اہتمام کرتی ہے اور بغیر کسی عذر کے گھر سے باہر بھی نہیں نکلتی اور اگر کبھی نکلے بھی تو خوب پردہ کا اہتمام کرتی ہے، گھر میں خاوند کے علاوہ کوئی اور رشتہ داران کے ساتھ نہیں رہتا لیکن گھر میں رہتے ہوئے خاوند کے سامنے وہ ایسا لباس استعمال کرتی ہے کہ اس کی قمیص کا گلہ بہت کھلا ہوتا ہے اور خاوند اس کے اس لباس کو ناپسند کرتے ہوئے جب اسے یہ کہتا ہے کہ ایسا لباس مت پہنو تو وہ کہتی ہے کہ میں گھر ہی میں تو ایسا لباس پہنتی ہوں اور یہ میرے لئے جائز ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس کے لئے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے جبکہ شوہر بھی اس کے اس لباس کو ناپسند کرتا ہے اور اسے ایسا لباس پہننے سے منع کرتا ہے۔ مستفتی: محمد ہارون

﴿جواب﴾ شوہر کے لئے زینت اختیار کرنے کا شریعت بیوی کو بے شک حکم دیتی ہے لیکن زینت وہ جو شوہر کو پسند ہو، سلیم الطبع اور غیرت مند شوہر کو مکمل اور باحیا لباس میں ہی بیوی اچھی لگتی ہے جبکہ نیک سمجھدار بیوی شوہر کے منشاء کو جانتی ہے اور اس کے مطابق عمل کرتی ہے۔

مذکورہ لباس سے شوہر باقاعدہ منع کریں اس کے باوجود بیوی کہے کہ گھر ہی میں ایسا لباس پہنتی ہوں اور یہ میرے لئے جائز ہے تو اس سے وہ اپنی جہالت اور زبان درازی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

لمافی روح المعانی (۱۸/ ۲۵۹، طبع رشیدیہ)

(ولایبدین زینتھن الا لبعولتھن) ای ازواجھن فانھم المقصودون بالزینۃ والمأمورات نساؤھم بھا لھم ،حتیٰ أن لھم ضربھن علیٰ ترکھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۸۵

﴿بال اور ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ سر کے بال رکھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ سر کے بال اور ناخنوں کو کاٹنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز ان کو کاٹنے کے لئے کسی دن کی فضیلت ہے؟ مستفتی: محمد حلیم صاحب

﴿جواب﴾ تین (۳) طریقوں سے بال رکھنا مسنون ہے: (وفرہ، لمہ، جمہ)

(۱) وفرہ سے مراد بالوں کو کانوں کی لو تک رکھنا (۲) لمہ سے مراد بالوں کو کانوں کی لو اور گردن کے درمیان تک رکھنا (۳) کندھوں تک بال چھوڑنا جمہ کہلاتا ہے، تینوں طریقوں میں سے کسی بھی ایک طریقہ پر بال رکھنا مسنون طریقہ ہے۔

(۲) سر کے بال مونڈانے کے متعلق امام طحاویؒ سے سنیت کا قول منقول ہے جبکہ دیگر علماء نے بھی حضرت علیؓ کے دائمی عمل کی وجہ سے اسے مسنون قرار دیا، البتہ استحباب میں کوئی شک نہیں۔

(۳) جس طرح مونڈانا جائز ہے اسی طرح سب بالوں کو یکساں طور پر برابر کرنا بھی جائز ہے، البتہ قزع ناجائز اور حرام ہے، قزع سے مراد سر کے بعض حصہ کے بال مونڈانا اور بعض کو چھوڑنا اور یہ ہندوانہ رسم ہے یا بعض کو کم اور بعض کو زیادہ کاٹنا جیسا کہ آج کل انگریزی بال رکھنے کا فیشن عام رائج ہے تو اس صورت میں تشبہ بالکفار بھی لازم آتا ہے جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا، اس لئے بالوں کو اس طریقہ سے بنانا کہ کچھ حصہ کو بہت کم کر دیا اور کچھ حصہ کے بالوں کو لمبا چھوڑ دیا، یہ جائز نہیں ہے، گناہ ہے۔

(۴) ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے شروع کر کے دائیں ہاتھ پر ختم کیا جائے یعنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے چاروں انگلیوں کے ناخن کاٹے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے پانچوں انگلیوں کے ناخن کاٹے پھر اخیر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹے۔

اور پاؤں کے ناخن کاٹنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کے چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے، ناخن وغیرہ کاٹنے کیلئے بہتر دن جمعہ کا ہے، تاہم اگر ناخن بہت بڑے ہو گئے ہوں تو جمعہ کے دن تک مؤخر کرنا مکروہ ہے، ناخن وغیرہ کاٹنے کیلئے بہتر وقت جمعے کی نماز سے پہلے کا ہے۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۲/۲۲۳،طبع رحمانیہ)

(۱)عن انس قال کان شعررسول الله ﷺالی شحمۃ اذنیہ(۲)عن البراءؓ قال مارأیت من ذی لمۃ احسن فی حلۃ حمراء زادمحمدلہ شعریضرب منکبیہ(۳)عن عائشۃؓ قالت کان شعررسول الله ﷺفوق الوفرۃ دون الجمۃ.

ولمافی سنن ابی داود:(۱/۳۵،طبع رحمانیہ)

عن علیؓ قال ان رسول الله ﷺقال من ترک موضع شعرۃ من جنابۃ لم یغسلہا فعل بہا کذا وکذا من النار قال علیؓ فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی وکان یجزشعرہ رضی الله عنہ.

ولمافی سنن ابی داؤد:(۲/۲۲۳،طبع رحمانیہ)

عن ابن عمرؓ قال نہی رسول الله ﷺعن القزع والقزع ان یحلق راس الصبی فیترک بعض شعرہ.

ولمافی سنن ابی داؤد:(۲/۲۰۳،طبع رحمانیہ)عن ابن عمرؓ قال النبی ﷺمن تشبہ بقوم فہومنہم.

ولمافی الہندیۃ:(۵/۳۵۷-۳۵۸،طبع رشیدیہ)

ان السنۃ فی شعرالراس اماالفرق واماالحلق وذکرالطحاویؒ الحلق سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ کذافی التاتارخانیۃ.

رجل وقت لقلم اظافیرہ اولحلق راسہ یوم الجمعۃ قالواان کان یری جوازذلک فی غیریوم الجمعۃ واخرہ الی یوم الجمعۃ تاخیرافاحشاکان مکروہا.لان من کان ظفرہ طویلایکون رزقہ ضیقاوان لم یجاوزالحدوان اخرہ تبرکابالاخبارفہومستحب کذافی فتاوی قاضیخاںؒ وینبغی ان یکون ابتداء قص الاظافیرمن الیدالیمنی وکذاالانتہاء بہافیبداء بسبابۃ الید الیمنی ویختم بابہامہاوفی الرجل یبداء بخنصرالیمنی ویختم بخنصرالیسری.....وقلم الاظفارسنۃ.....الافضل ان یقلم اظفارہ ...فی کل اسبوع مرۃ فان لم یفعل ففی کل خمسۃ عشریوماولایعذرفی ترکہ وراء الاربعین.

ولمافی التنویرمع الدر:(۶/۴۰۵،طبع سعید)

(ویستحب قلم اظافیرہ یوم الجمعۃ)وکونہ بعدالصلاۃ افضل الااذااخرہ الیہ تاخیرافاحشافیکرہ لان من کان ظفرہ طویلاکان رزقہ ضیقا.

وفی الشامیۃ:(قولہ وفی الحدیث).....قال"کان رسول الله ﷺیقص شاربہ ویقلم اظفارہ یوم الجمعۃ قبل ان یروح الی الصلاۃ".

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سعید احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۶۸۶

﴿گل عصفر اور زعفران جیسے رنگ کے کپڑوں کا استعمال کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مردوں کے لئے کونسے

کونسے رنگ کے کپڑے استعمال کرنا جائز ہے، گہرا رنگ جو عموماً عورتیں استعمال کرتی ہیں جائز ہے یا نہیں؟ گل عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا تو ممنوع ہے لیکن اگر کوئی کپڑا زعفران یا گل عصفر جیسے رنگ مثلاً زرد رنگ جو کہ مصنوعی رنگ ہے سے رنگا ہو تو اس کا استعمال کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ خالص سرخ لباس مردوں کے لئے پسندیدہ نہیں اس کے علاوہ بھی دیگر ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں ان کے ساتھ تشبہ لازم آنے کی وجہ سے پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں۔

عصفر اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی رنگ بعینہ عصفر یا زعفران کے رنگ جیسا ہو مگر خود عصفر یا زعفران نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ایسے رنگوں کے کپڑے اس علاقہ کی خواتین کے ساتھ خاص نہ ہوں، باقی تمام رنگ جائز ہیں۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۲/۲۰۵،طبع رحمانیه)

عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن لبس القسی وعن لبس المعصفروعن تختم الذهب الخ......لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال(مسلم)

ولمافی التنویرمع الدر:(۶/۳۵۸،طبع سعید)

(کره لبس المعصفروالمزعفرالاحمروالاصفرللرجال)مفاده انه لایکره للنساء(ولاباس بسائرالالوان)وفی المجتبی والقهستانی وشرح النقایةلابی المکارم: لاباس بلبس الثوب الاحمراه.ومفاده ان الکراهةتنزیهیةلکن صرح فی التحفةبالحرمة فافادانهاتحریمیةوهی المحمل عندالاطلاق قاله المصنف.

وفی الشامیة:وفی الحاوی الزاهدی یکره للرجال لبس المعصفروالمزعفروالمورس والمحمرای الاحمرحریرا کان اوغیره اذاکان فی صبغه دم والافلا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب لقمانی عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۵۵۸

﴿آپ ﷺ کون سا تیل استعمال فرمایا کرتے تھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ ﷺ کون سا تیل استعمال فرماتے تھے؟

مستفتی:علی بن عارف بٹ

﴿جواب﴾ احادیث میں یہ ذکر تو ہے کہ آپ ﷺ سر مبارک پر تیل کثرت سے لگاتے

تھے۔لیکن کون سا تیل؟اس کی صراحت ہمیں نہیں ملی۔البتہ زیتون کے تیل سے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کرتے رہو اور اسے لگایا بھی کرو اس لیے کہ یہ برکت والا درخت ہے۔

لما فی الشمائل الترمذی:(ص۴،طبع:فاروقی)

عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یکثر دھن رأسه وتسریح لحیة ویکثر القناع حتی کأن ثوبه ثوب زیات.

ولما فی الترمذی:(۷/۲،طبع:فاروقی)

عن أبیه أن عمر بن خطابؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کلوا الزیت وادھنوا به فانه من شجرة مبارکة ـــ عن أبی اسید قال قال النبی ﷺ کلوامن الزیت وادھنوابه فانه شجرة مبارکة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۵۷۰

﴿سونے،چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا﴾

﴿سوال﴾ کیا سونے یا چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ مکروہ ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۲۱/۶،کتاب الحظروالاباحة،طبع سعید)

(وکذا)یکره(الأکل بملعقة الفضة والذهب والاکتحال بمیلهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:

﴿عورتوں کے لئے لوہے پیتل وغیرہ کے زیورات﴾

﴿سوال﴾ عورتوں کیلئے لوہے پیتل وغیرہ کی انگوٹھی، کنگن وغیرہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ حلانکہ اس کا رواج بہت عام ہو چکا ہے۔

﴿جواب﴾ سونے چاندی کے علاوہ لوہے پیتل وغیرہ کے زیورات عورتوں کے لئے استعمال کرنا جائز ہے،البتہ انگوٹھی ان چیزوں کی منع ہے۔

لمافی الهندية:(۳۵۹/۵،طبع رشیدیه)

ولاباس للنساء بتعلیق الخرزفی شعورهن من صفراونحاس اوشبه اوحدیدونحوها للزینةوالسوارمنها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:

﴿شادی کے موقع پر سہرا باندھنا﴾

﴿سوال﴾ شادی کے موقع پر ''سہرا باندھنا'' کیسا ہے؟ بینوا توجرا۔

﴿جواب﴾ سہرا باندھنا ہندوانہ رسم ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے، اکابر علماء کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۲/۲۰۳،طبع رحمانیه) من تشبه بقوم فهو منهم......الحدیث.

ولمافی المرقاۃ:(۸/۲۲۲،طبع رشیدیه)

من تشبه بقوم فهو منهم ای من شبه نفسه بالکفار مثلافی اللباس وغیره،اوبالفساق ، اوالفجار،أوباهل التصوف والصلحاء الابرار فهو منهم ای فی الاثم والخیر الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۹۳

﴿عورت کے لئے چہرے کے زائد بالوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عرصہ دراز سے اپنی بھنویں بنوارہی ہوں اور میرے بال خلاف عادت کافی بڑھ چکے ہیں اگر میں انکو صاف نہ کروں تو یہ بال کافی بدنما اور خلاف عادت ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے شوہر کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ عام طور پر عورتوں کے اس جگہ پر بال نہیں ہوتے، اب کیا شریعت میں کوئی ایسی سختی ہے کہ میں ان بالوں کو صاف نہ کروں۔ برائے مہربانی اگر شریعت میرے لئے کوئی رخصت دے تو آگاہ کریں۔

مستفتیہ: بنت عارف

﴿جواب﴾ شوہر کے لئے زینت اختیار کرنے کا شریعت نے عورت کو حق دیا ہے، فیشن مقصود نہ ہو تو زائد بالوں کو صاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لمافی الشامی:(۹/۵۳۶،طبع امدادیه)

قوله:(والنامصة الخ)......النمص:نتف الشعر......ولعله محمول علی ماذافعلته لتتزین للاجانب، والا فلوکان فی وجهها شعر ینفرزوجها عنها بسببه ففی تحریم ازالته بعد،لان الزینة للنساء مطلوبة للتحسین......الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۷۹۷

﴿نابالغ نرینہ بچوں کو ریشم پہنانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ نابالغ بچوں کو ریشم کا کپڑا پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جس طرح بالغ مرد حضرات کے لئے خالص ریشم جائز نہیں ہے، اسی طرح نرینہ اولاد کو پہنانا بھی جائز نہیں ہے اگر کسی نے پہنایا تو گناہ پہنانے والے پر ہوگا، تاہم آج کل بازاروں میں جو کپڑا ریشم کے نام سے ملتا ہے، وہ عموماً مصنوعی ریشم ہوتا ہے، اس لئے اس کا استعمال جائز ہے الا یہ کہ اس کا خالص ریشم ہونا ثابت ہو جائے۔

لما فی التنویر مع الرد:(۳۶۲/۶،طبع سعید)(وکرہ الباس الصبی ذھبا أو حریرا)

وفی الشامیۃ:والاثم علی من البسھم لانا امرنا بحفظھم ذکرہ التمرتاشی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:عبدالوھاب عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۳۷۹

﴿پہننے اور اوڑھنے کے علاوہ ریشم کے استعمال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ریشم کا کپڑا مرد کے لئے پہننا منع ہے لیکن اگر ریشم کی چادر بچھی ہوئی ہو اور آدمی اس کے اوپر بیٹھے اور اس پر ہاتھ وغیرہ لگائے یا کرسی، صوفے وغیرہ اس سے سجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ریشم کا کپڑا مرد کے لئے پہننا اوڑھنا ممنوع ہے، پہننے اور اوڑھنے کے علاوہ ریشم کا استعمال جائز ہے مثلاً بچھونے کے طور پر استعمال کرنا، کرسی یا صوفے وغیرہ اس سے سجانا اور پھر اس پر بیٹھنا وغیرہ تو اس کی گنجائش ہے۔

لما فی الشامی:(۲۵۵/۶-۲۵۶،طبع ایچ ایم سعید)

(قولہ ویحل توسدہ)الوسادۃ المخدۃ منح وتسمی مرفقۃ انما حل لما روی:ان النبی ﷺ جلس علی مرفقۃ حریر وکان علی بساط ابن عباس رضی اللہ عنھما مرفقۃ حریر وروی ان انسا رضی اللہ عنہ حضر ولیمۃ فجلس علی وسادۃ حریر،ولان الجلوس علی الحریر استخفاف ولیس بتعظیم......

[تتمۃ]یجری الاختلاف المار بین الامام وصاحبیہ فی ستر الحریر وتعلیقہ علی الابواب کما فی الھدایۃ،وکذا لایکرہ وضع ملاءۃ الحریر علی مھد الصبی،وقدمنا کراھۃ استعمال

اللحاف من الابريسم، لانه نوع لبس بخلاف الصلاة على السجادة منه، لان الحرام هو اللبس دون الانتفاع.....لكن نقل الحموى عن شرح الهاملية للحدادى انه تكره الصلاة على الثوب الحرير للرجال اه.

قلت: والاول اوجه اذلافرق يظهر بين الافتراش للجلوس اوالنوم اوللصلاة تدبر.

ولمافى حاشية الطحطاوى على الدر: (۱۷۹/۴، طبع رشيديه)

وفيه اشارة الى انه لايكره الاستناد الى وسادة من ديباج وهو منقش بالحرير و كذا الجلوس على بساط الحرير والصلاة على سجادة من الابريسم لان الحرام هو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۱۶

﴿عیدین کے دن عمدہ لباس پہنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید کے دن نئے کپڑے پہنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بالکل نئے کپڑے بنوانا ضروری ہے یا دھلے ہوئے صاف کپڑے بھی پہن سکتے ہیں؟ مستفتی: محمد یونس کراچوی

﴿جواب﴾ عید مسلمانوں کے لئے اجتماعی خوشی اور عبادت کا دن ہے اس کو عمدہ لباس اور خوراک وغیرہ کے ذریعہ منانا استحباب کے درجہ میں مطلوب ہے، اس لئے پاک صاف کپڑے پہننا خوشی ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے، نیا کپڑا کوئی ضروری نہیں ہے، البتہ بالکل نئے اور خوبصورت کپڑے آسانی سے میسر ہوں تو زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ تہذیب اور وقار کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس روز خوشی کا اظہار کرنا مطلوب ہے اور پرانے صاف کپڑوں کی بنسبت نئے کپڑوں میں یہ مقصد زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

لمافى التنوير مع الدر: (۱۶۸/۲، طبع سعيد)

(وندب يوم الفطر أكله) حلوا وترا ولو قرويا (قبل) خروجه الى (صلاتها واستياكه واغتساله وتطيبه) بماله ريح لالون (ولبسه حسن ثيابه) ولو غير ابيض.

ولمافى فتاوىٰ سراجية: (ص۱۸، طبع سعيد)

ويستحب فى عيد الفطر اذا اصبح أن يغسل ويستاك ويذوق شيئا ويلبس احسن ثيابه جديدا كان أو غسيلا ويمس الطيب ان وجده لئلا يؤذى جليسه برائحة خبيثة.

ولمافی حلبی کبیر:(ص۲۸۷،طبع نعمانیه)

ثم يستحب لصلوٰة العيد ما يستحب للجمعة من الاغتسال والاستياك والتطيب ولبس احسن الثياب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۱۷

﴿لنڈا کے کپڑے دھوکر پہننا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ لنڈے کے کپڑے بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ کباڑے کے کپڑے اکثر غیر مسلموں کے استعمال شدہ ہوتے ہیں، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ انکو دھوکر پہنا جائے، البتہ پتلون اور شلوار کے علاوہ جو کپڑے ہیں بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، شلوار اور پتلون دھوکر استعمال کرنی چاہیے کیونکہ ان کی ناپاکی کا ظن غالب ہوتا ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۳۵۰/۱،طبع سعید)

ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة......وفی الشامية:(قوله ثياب الفسقة الخ)قال فی الفتح:وقال بعض المشائخ:تكره الصلوٰة فی ثياب اهل الفسقة لأنهم لا يتقون الخمور قال المصنف يعنی صاحب الهداية:الاصح أنه لا يكره لأنه لم يكره من ثياب اهل الذمة الا السراويل مع استحلالهم الخمر، فهذا اولىٰ اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۰۸

﴿خواتین کیلئے کان، ناک چھدوانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض خواتین کان اور ناک چھیدواتی ہیں، خصوصاً گاؤں میں یہ کام زیادہ ہے، یہ سب بطور زینت کے کرتی ہیں، کان اور ناک میں اس طرح سوراخ کرنا شرعی اعتبار سے جائز بھی ہے یا نہیں؟

مستفتی رحمت گل

﴿جواب﴾ کان اور ناک چھیدوانے کو بطور زینت خواتین کیلئے فقہاء کرام نے جائز لکھا ہے۔

لمافی الهندية:(۳۵۷/۵،طبع رشيديه)

ولا بأس بثقب آذان النسوان كذا فی الظهيرية ولا بأس بثقب آذان الاطفال من البنات لأنهم كانوا يفعلون ذالک فی زمان رسول الله صلی الله عليه وسلم من غير انكار.

ولمافی الدرمع الرد:(۹/ ۶۰۲،طبع امدادیه)

ولابأس بثقب أذن البنت والطفل استحساناًملتقط.قلت: وهل يجوزالخزام فی الأنف، لم أره.
وفی الشامیة:قوله:(والطفل)ظاهره أن المرادبه الذکر،مع أن ثقب الأذن لتعليق القرط وهومن زينة النساء فلايحل للذکور،والذی فی عامة الکتب وقدمناه عن التاتارخانية: لابأس بثقب أذن الطفل من البنات، وزادفی الحاوی القدسی ولايجوز ثقب آذان البنين،فالصواب اسقاط الواو،قوله:(لم اره)قلت:ان کان ممايتزين النساء به کماهوفی بعض البلادفهوفيهاکثقب القرط.وقدنص الشافعية علی جوازه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۵۳

﴿لوہے اوراسٹیل وغیرہ کی انگوٹھی وغیرہ پہننا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا اسٹیل اورلوہا مکس یعنی دونوں سے بنا ہوا چھلہ مردوں کے لئے بطور انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے؟　　مستفتی: محمد نواز صاحب کورنگی

﴿جواب﴾ مذکورہ چھلے کا استعمال مردوں (اورعورتوں سب) کے لئے ناجائز ہے، واضح رہے کہ مردوں کے لئے چاندی کے علاوہ کسی اوردھات سے بنی ہوئی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں ہے، ہاں لوہے کی ایسی انگوٹھی جس پر سونا یا چاندی چڑھائی گئی ہوکواستعمال کرنا صرف عورتوں کے لئے جائز ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۹/ ۵۱۷،طبع امدادیه)

(ولايتختم)الابالفضةلحصول الاستغناء بهافيحرم(بغيرهاکحجر)......(وذهب وحديدو صفر)وفی الشامية:ان رجلاجاء الی النبی صلی الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه،فقال له"مالی اجد منک ريح الأصنام؟"فطرحه، ثم جاء و عليه خاتم من حديدفقال:مال أجد عليک حلية اهل النار؟فطرحه فقال:يارسول الله من ای شیئ أتخذه؟قال: اتخذه من ورق ولاتتمه مثقالا"فعلم ان التختم بالذهب والحديدوالصفرحرام.

ولمافی الهندية:(۵/ ۳۳۵،طبع رشيديه)

التختم بالحديدوالصفروالنحاس والرصاص مکروه للرجال والنساء جميعاًواما العقيق ففی اختلاف المشائخ امااليشب ونحوه فلابأس بالتختم به کالعقيق کذافی العينی هوالصحيح کذافی جواهرالأخلاطی التختم بالعظم جائزکذافی الغرائب ولابأس بأن يتخذخاتم حديدقد لوی عليه فضة(اوالبس بفضة)حتی لايری

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۱۲ رجب ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۵۳۲

﴿امیٹیشن زیورات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اکثر عورتیں سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ امیٹیشن یعنی دوسری دھاتوں کے زیورات یا انگوٹھی استعمال کرتی ہیں، کیا عورتوں کے لئے اس قسم کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے؟ (۲) مرد کس قسم کی انگوٹھی شرعاً استعمال کرسکتا ہے؟

مستفتی: شاہ اعظم، سہراب گوٹھ

﴿جواب﴾ (۱) چونکہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کو زیب وزینت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، اس قاعدہ کی رو سے سونے چاندی کے استعمال کی طرح دوسری دھاتوں کے زیورات کا استعمال بھی عورتوں کے لئے جائز ہے، چنانچہ امام ربانی حجۃ الاسلام فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "عورتوں کو چوڑیاں ہر قسم کی پہننا جائز ہے" (تالیفات رشیدیہ: ص ۴۸۷، طبع ادارہ اسلامیات) خواہ کانچ کی ہوں خواہ سونے کی چاندی لوہے تانبے پیتل کی ہوں۔

البتہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں مثلاً لوہے تانبے پیتل وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا خواتین وحضرات دونوں کے لئے ناجائز ہے، احادیث میں ان کے استعمال کرنے کے بارے میں ممانعت آئی ہے، خواتین کے لئے انگوٹھی کی ممانعت پر دیگر اشیاء کو قیاس نہ کیا جائے، اس لئے کہ انگوٹھی کی ممانعت خواتین کے لئے خلاف قیاس شارع علیہ السلام کا حکم ہے اور اصول فقہ کے قاعدہ کے مطابق خلاف قیاس حکم اپنے مورد تک خاص رہتا ہے۔

(۲) مرد چاندی کی انگوٹھی استعمال کرسکتا ہے جبکہ اس کا وزن ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو، انگوٹھی کے علاوہ سونے چاندی کا کوئی اور زیور پہننا مرد کے لئے جائز نہیں۔

لمافی التنویر مع الدر: (۶/۳۵۸-۳۵۹، ۳۶۰، طبع سعید)

(ولا یتحلی) الرجل (بذهب وفضة) مطلقا...... (ولا یتختم) الا بالفضة لحصول الاستغناء بها فیحرم (بغیرها کحجر)...... (وذهب وحدید وصفر) ورصاص وزجاج وغیرها لما مر.

وفی الشامیة: (فیحرم بغیرها الخ) لماروی الطحاوی باسناده الی عمران بن حصین وأبی هریرة قال: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن خاتم الذهب" وروی صاحب السنن باسناده الی عبدالله بن بریرة عن أبیه: أن رجلا جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم وعلیه خاتم من شبه، فقال له "مالی أجدمنک ریح الاصنام؟ فطرحه، ثم جاء وعلیه خاتم من حدید فقال: مالی أجد علیک حلیة اهل النار؟ فطرحه فقال: یارسول الله من أی

شيء اتخذه؟ قال: اتخذه من ورق ولاتتمه مثقالا" فعلم أن التختم بالذهب والحديدوالصفر حرام، فالحق اليشب بذلک لأنه قديتخذمنه الاصنام، فاشبه الشبه الذي هو منصوص معلوم بالنص اتفاقي والشبه محركا: النحاس الاصفروفي الجوهرة: والتختم بالحديدوالصفروالنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء.

ولمافي الشامي: (۲۲۰/۶، طبع سعيد)

فلايحل للذكوروالذي في عامة الكتب وقدمناه عن التاتارخانيه لابأس بثقب أذن الطفل من البنات وزادفي الحاوي لتدسي ولايجوزثقب آذان البنين فالصواب اسقاط الواز، قوله (لم اره) قلت: ان كان مماتزين النساء به كماهوفي بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط. وقدنص الشافعية على جوازه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿ہاتھ میں جیبی رومال لیکر گھومنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ ہاتھ میں چھوٹا سا رومال لیکر پھرتے ہیں کیا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے؟ بعض لوگ اسکو تکبر سمجھتے ہیں، شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ درست بات کیا ہے؟

﴿جواب﴾ رومال وغیرہ ضرورت کے لئے پاس رکھنا جائز ہے اور تکبر کی غرض سے ناجائز ہے، عام طور پر لوگ ضرورت ہی کیلئے رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان کریں۔

لمافي التنويرمع الدر: (۳۶۳/۶، طبع سعيد)

(لا) يكره (خرقة لوضوء......اومخاط) اوعرق لولحاجة ولوللتكبرتكره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۰

﴿عورت کا فیشن کے طور پر بال کٹوانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ آج کل عورتیں فیشن کے طور پر بال کٹواتی ہیں، کیا عورتوں کے لئے سر کے بال کٹوانا فیشن کے طور پر شرعاً جائز ہے؟

مستفتی: خلیل احمد

﴿جواب﴾ خواتین کو بغیر عذر سر کے بال کٹوانا جائز نہیں ہے، فیشن کے طور پر کاٹنا یا مردوں کی طرح رکھنا تو باعث لعنت ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر'' مشکوٰۃ: (۲/۳۸۰، طبع سعید)

لمافی الھندیۃ: (۵/۳۵۸، طبع رشیدیہ)

ولو حلقت المرأۃ راسھا فان فعلت لوجع أصابھا لاباس بہ وان فعلت ذلک تشبّھاً بالرجل فھو مکروہ کذا فی الکبریٰ.

ولما فی البحر: (۲/۲۰۵، طبع سعید)

واذا حلقت المرء ۃ شعر راسھا فان کان لوجع أصابھا فلاباس بہ وان حلقت تشبّہ الرجال فھو مکروہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۱۲

﴿غیر شرعی بالوں کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ فوجی حضرات اپنے سر کے بال دونوں طرف کانوں کے پاس سے اور پیچھے سے استرے سے منڈاتے ہیں اور اسی طرح بعض لوگ اپنے چھوٹے بچوں کے بال بھی ایسے ہی منڈاتے ہیں، کیا ایسے بال رکھنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم، حدیث پاک میں ایسے بال رکھنے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے، لہٰذا ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، نیز بچے اور بڑے کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

البتہ بچے خود مکلّف نہیں ہیں، اس لئے ان بچوں کے بڑوں پر گناہ ہوگا جو اس طرح بال بنواتے ہیں، فوجی آدمی اگر اپنی مرضی سے بال اس طرح کٹواتا ہے تو بلاشبہ وہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اور اگر وہ فوجی ضابطہ وغیرہ کے تحت بادل ناخواستہ مجبوراً کر رہا ہے تو اس صورت میں گناہ اعلیٰ افسر اور یہ حکم جاری کرنے والے پر ہوگا عام فوجیوں پر نہیں۔

لمافی بذل المجھود: (۵/۷۸، طبع الشیخ)

اخرج الامام ابوداود رحمہ اللہ تعالی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القزع، والقزع ان یحلق رأس الصبی فیترک بعض شعرہ. وعنھما رضی اللہ تعالی عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن القزع وھو ان یحلق رأس الصبی ویترک لہ ذوابۃ...... وعن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی صبیا قد حلق بعض راسہ وترک بعضہ

فنهاهم عن ذلك فقال احلقوه كله أواتركوه كله.

قال صاحب بذل المجهود:قلت وليس هذامختصابالصبي بل اذافعله كبيريكره له ذلك فذكرالصبي باعتبارالعادة الغالبة.

ولمافي ردالمحتار:(۶/۴۰۷،طبع سعيد)

وفي الذخيرة:ولابأس ان يحلق وسط رأسه ويرسل شعره من غيره ان يفتله وان فتله فذلك مكروه،لانه يصيرمشبهاببعض الكفرةوالمجوس في ديارنايرسلون الشعرمن غيرفتل،ولكن لايحلقون وسط الرأس بل يجزون الناصيةتاترخانيةقال:ويكره القزع وهوأن يحلق البعض ويترك البعض قطعامقدارثلاثةأصابع كذافي الغرائب.

ولمافي الهندية:(۵/۳۵۷،طبع رشيديه)

عن ابي حنيفةرحمه الله تعالى يكره ان يحلق قفاه الاعندالحجامة كذافي الينابيع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:شاہداسحاق عفااللہ عنہ

۲۸محرم الحرام ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۲۶

﴿بے ریش بچوں کا زلفیں رکھنا مناسب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علما کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدارس میں بے ریش طلباء زلفیں رکھ لیتے ہیں بعض مدارس میں اساتذہ کرام وغیرہ سختی سے منع کرتے ہیں بلکہ بال کٹواتے ہیں تو کیا یہ سنت کیخلاف کرنا شمار نہیں ہوگا بعض کہتے ہیں داڑھی مبارک آنے سے پہلے زلفیں رکھنا سنت سے ثابت نہیں، کیا یہ بات صحیح ہے کس عمر میں زلفیں رکھنا سنت ہے۔

﴿جواب﴾ نبی کریم ﷺ زلفیں رکھتے تھے تو حلق بھی فرمایا کرتے تھے اور زیر تربیت لڑکوں کا باقاعدہ حلق کروانا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی دونوں طرح کا معمول رہا ہے۔لہذا زلفیں رکھنا مسنون ہے تو حلق کرنا بھی مسنون ہے سنن زوائد میں ان کا شمار ہوتا ہے اس کیلئے خاص عمر وغیرہ کی قید نہیں۔مدارس میں پڑھنے والے طلباء، اساتذہ کرام اور منتظمین کے زیر تربیت رہتے ہیں کسی مصلحت کی خاطر وہ طلباء کو حلق کرنے کا حکم کریں تو طلباء پر اطاعت واجب ہے اور اسطرح کا حکم کرنا سنت کیخلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

(لما في بذل المجهود :۵/۷۸،مكتبة الشيخ)

عن انس بن مالك قال كانت لي ذوابة فقالت لي امي لاجزها كان رسول الله ﷺ "يمدها وياخذها" قال الشيخ السهارنفوري رحمه الله تعالى" ان الذوابة انما يجوز

اتخاذها للغلام اذا كانت مع غيرها من شعور التى فى الراس واما اذا حلق شعره كله و
ترك له ذوابة فهو القزع التى نهى عنه رسول اللهﷺ.

(لما فى بذل المجهود: (۷۷/۵، مكتبة الشيخ)

وعن عبدالله بن جعفر رضى الله تعالى عنهما "ان النبى ﷺ امهل ال جعفر ثلاثا ان ياتيهم ثم اتاهم فقال لا تبكو على اخى بعد اليوم ثم قال ادعو لى بنى اخى فيجىء بنا كانا افرخ فقال ادعو لى الحلاق فامره فحلق رؤسنا قال الشيخ السهارنفورى رحمه الله تعالى "وفيه ان الكبيرمن اقارب الاطفال يتولى امرهم وينظر فى مصالحهم من حلق الراس وغيره.

(لما فى ردالمحتار: (۴۰۷/۶، ايچ.ايم. سعيد)

وفى الروضة الزندويستى ان السنة فى شعر الراس اما الفرق واماالحلق وذكرالطحاوى "ان الحلق سنة" ان يحلق وسط راسه و يرسل شعره من غيران يفتله وان فتله فذلك مكروه لانه يصير مشابهابعض الكفرة والمجوس فى ديارنا يرسلون الشعرمن غيرفتل ولكن لايحلقون وسط الراس بل يجزون الناصية تاتارخانيه قال ط و يكره القزع وهو ان يحلق البعض و يترك البعض قطعا مقدارثلاثة اصابع كذا فى الغرائب ،وعن ابى حنيفه رحمه الله تعالى " يكره ان يحلق قفاه الا عنده الحجامة لذا فى الينابيع ، و كذا فى العالمگيريه.

(لما فى ردالمحتار: (۱۰۳/۱، ايچ.ايم.سعيد)

سنة الزوائد عادة ان النبىﷺواظب عليها حتى صارت عادة له ولم يتركها الا احيانا لان السنة هى الطريقة المسلوكة فى الدين فهى فى نفسها عباده وسميت عادة

(لما فى كنزالعمال: (۲۷۶/۶، رحمانيه) احلقوه كله واتركوه كله

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۵۰۲

﴿عورت کے لئے ہاتھ کے بالوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکیوں کے ہاتھوں پر جو بال ہوتے ہیں کیا ان کو صاف کر سکتی ہیں؟

مستفتیہ: متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ وہ زیب وزینت جس کو عورت اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے اختیار کرے اور غرض فاسد اس سے وابستہ نہ ہو تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے، لہٰذا یہ بال اگر بدنما معلوم ہو رہے ہیں تو ان کو صاف کر سکتی ہیں۔

لمافی الشامی:(۴۲۶/۶،طبع سعید)

(قوله وله ضرب زوجته علی ترك الصلاة)وكذاعلی تركهاللزينة.....الخ.

ولمافيه ايضاً:(۲۵۸/۳،طبع سعيد)وحقه عليهاأن تطيعه فی كل مباح ويأمرهابه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد کاشف عزیز غفرلہ

۹ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۳۹۸

﴿نچلے ہونٹ سے متصل بال بھی داڑھی کے حکم میں ہیں﴾

﴿سوال﴾ میں جب کھانا کھاتا ہوں تو اکثر لقموں کے ساتھ داڑھی کے وہ بال جو نچلے ہونٹ سے متصل ہیں (بچہ داڑھی) منہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں یعنی میری بچہ داڑھی کے بال ایسے اوپر اٹھے ہوئے ہیں کہ نوالہ منہ کے قریب لیجاتا ہوں تو اس سمیت بال بھی منہ میں جاتے ہیں، کیا ایسی صورت میں میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنے بچہ داڑھی کے بال کچھ مناسب مقدار میں کم کروں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی:عبدالرؤف صاحب

﴿جواب﴾ بچہ داڑھی بھی داڑھی کا حصہ ہے اور داڑھی کا حکم رکھتی ہے، وضو میں اس کا دھونا فرض ہے، قبضہ سے کم کاٹنا جائز نہیں، تاہم بال اگر اس طرح اوپر اٹھے ہوئے ہوں جو لقمے کے ساتھ منہ کے اندر جاتے ہوں تو ان کو مناسب طریقے سے تراشنا چاہیے، ان کو نامناسب اور بے ڈھنگا نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ سنت کے اندر ترغیب کا پہلو نمایاں ہونا چاہیے نہ کہ وحشت اور کراہت کا۔

لمافی الدرالمختار:(۲۱۶/۱،طبع امدادیہ)

يجب غسل بشرةلم يسترهاالشعركحاجب وشارب وعنفقةفی المختار.

ولمافی الشامی:(۳۹۷/۳،طبع امدادیہ)لاباس باخذاطراف اللحيةاذاطالت.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۱۷۷

﴿سر کے بال رکھنے کا سنت طریقہ﴾

﴿سوال﴾ سر مونڈنا اور سر پر بال رکھنا کیا دونوں سنت ہیں؟ بال بالکل اُسترے سے صاف کرنا زیادہ بہتر ہے یا ایک مقدار میں کم کر کے رکھنا؟ نیز سنت طریقے پر بال رکھنے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ پہلے اُنہیں مونڈ دیا جائے، یا کم کیا جائے اگر خلاف سنت ہوں؟ یا اُنہی کو

بڑھنے دیا جائے؟ کیا جب بال بڑھتے بڑھتے کانوں کے اوپر آجائیں تو انہیں کم کرنا یعنی کانوں کے قریب قریب اُسترے سے صاف کرنا جائز ہے؟ جسکو خط بنوانا کہتے ہیں اور کیا گردن کے بال بھی صاف کر سکتے ہیں؟ نیز سنت طریقے پر بال رکھنے کی کیا صورت ہے؟

﴿جواب﴾ سنت کے مطابق بال رکھنے کی تین صورتیں ہیں: (الف) کانوں کی لو تک بال رکھنا جس کو وفرہ کہتے ہیں۔ (ب) اُس سے مزید لمبے بال رکھنا (یعنی گردن تک) جس کو لمہ کہتے ہیں۔ (ج) کندھوں تک بڑھانا جس کو جمہ کہتے ہیں۔

سر کے بالوں کو مونڈانا بھی جائز ہے، نیز ایک مقدار میں کم کرنا بھی جائز ہے، تاہم اس سلسلے میں سب سے افضل پہلی تین صورتیں یعنی وفرہ، لمہ، جمہ ہیں، اُس کے بعد پورے سر کا حلق اُس کے بعد تیسرے درجے میں سب بالوں کو برابر کم کر کے رکھنا ہے۔

اگر بال خلافِ سنت ہوں اور آدمی چاہے کہ میں سنت کے مطابق بال رکھوں تو بہتر یہ ہے کہ وہ سب بالوں کو ایک برابر کرے یا مونڈا کر یا قینچی وغیرہ سے سر کے بال اگر اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگیں مثلاً یہ کہ کانوں پر آجائیں تو انہیں قینچی وغیرہ سے کناروں سے برابر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ گردن کے بال صاف کرنا درست ہے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(۳۸۲/۲،طبع سعید)

عن عائشةؓ......وكان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة رواه الترمذيّ.............وفي حاشيته: الجمة مايسقط على المنكبين، قوله الوفرة......ماوصل الى شحمة الاذن.

ولمافی مشکوٰۃ المصابیح:(۳۸۳/۲،طبع سعید)

عن عطاء بن يسارؓ قال كان رسول الله ﷺ في المسجد فدخل رجل ثائر الراس واللحية فأشار اليه رسول الله ﷺ بيده كأنه يامره باصلاح شعره ولحيته ففعل ثم رجع فقال رسول الله ﷺ أليس هذا خيرا من أن ياتي أحدكم وهو ثائر الراس كأنه شيطان.

ولمافی مشکوٰۃ المصابیح:(۳۸۰/۲،طبع سعید)

عن نافع عن ابن عمرؓ قال سمعت النبيّ ﷺ ينهىٰ عن القزع قيل لنافع ماالقزع قال يحلق بعض راس الصبي ويترك البعض.

ولمافی الهندية:(۳۵۷/۵،طبع رشيديه)

وعن أبي حنيفةؒ :يكره أن يحلق قفاه الأعند الحجامة كذافي الينابيع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۱۷

﴿نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی عمامہ یا ٹوپی پہننا ضروری ہے؟ یا اس طرح ننگے سر رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ شریعت میں اسکا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔ مستفتی: زاہد اللہ

﴿جواب﴾ نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی عمامہ یا ٹوپی پہننا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا اور آج تک دیندار مسلمانوں میں بھی چلا آرہا ہے، اسی لئے سر پر عمامہ یا ٹوپی استعمال کرنا اسلامی تہذیب ولباس شمار ہوتا ہے، اور علماء وصلحاء کا شعار ہے اس کے خلاف عام حالات میں ننگے سر رہنا ناپسندیدہ اور خلاف ادب ہے، اور یہ غیروں کی خصوصا انگریزوں کی تہذیب ہے جو اسلامی تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔ لھذا مروّت او: غیرت ایمانی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم غیروں کی نقالی چھوڑ کر اسلامی تہذیب کو اپنے معاشرہ میں ترویج دیں

شیخ عبد القادر جیلانیؒ لکھتے ہیں ''سر اور بدن کا وہ حصہ جو ستر میں داخل نہیں ہے، اس بارے میں باشرع اور باتہذیب نیک لوگوں کا معمول اور انکی عادت یہ ہے کہ وہ اسکو چھپائے رکھتے ہیں، اسلئے سر کو یا بدن کے ایسے حصے کو لوگوں کے سامنے کھولنا مکروہ ہے (غنیۃ الطالبین: ج ۱/۱۳)

اور علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ: ''عقلمند پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے سر کھلا رکھنا ناپسندیدہ ہے جسے بڑے نظر سے دیکھا جاتا ہے اور یہ ادب، مروّت کے خلاف ہے، شریعت میں صرف احرام حج میں سر کھلا رکھنے کا حکم ہے، جس کا مقصد تعبد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی رضامندی اور اپنی بندگی کا اظہار ہے (فتاوی رحیمیہ: ج ۱۰/۱۵۶)

(لمافی جمع الوسائل شرح الشمائل: ج ۱/ ۲۰۳ باب ماجاء فی عمامۃ رسول ﷺ)

واعلم أنہ ﷺ كانت لہ عمامۃ سوداء تسمى السحاب وكان يلبس تحتها القلانس جمع قلنسوۃ وهي غشاء مبطن يستر بہ الرأس .قالہ الفراء وقال غيرہ :هي التي تسميها الشاشية والعراقية وروى الطبراني وابو الشيخ والبيهقي في شعب الايمان من حديث ابن عمر رضي اللہ عنهما .كان رسول اللہ ﷺ يلبس قلنسوۃ ذات آذان يلبسها في السفر ـ الخ

(لمافی الهدایۃ :۳/ ۱۷۰ باب من يقبل شهادتہ ومن لا يقبل)

قال: ولا من يفعل الافعال المستحقرۃ كالبول على الطريق والاكل على الطريق لانہ

تارک للمروۃ واذاکان لایستحی عن مثل ذالک لایمتنع عن الکذب فیتھم ...الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ جمادالثانیۃ ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۴۲۱۲

﴿سینے اور کمر کے بال مونڈنا جائز لیکن خلاف ادب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بازو اور سینے وغیرہ کے بالوں کو مونڈنا جائز ہے؟ نیز اس سلسلے میں بال صاف کرنے والا پاؤڈر بھی استعمال کر سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ مردوں کے لئے سینے کمر وغیرہ کے بالوں کو مونڈنا جائز اگرچہ ہے، تاہم خلاف ادب ضرور ہے۔

لمافی الهندية:(۵/۳۵۸،طبع رشيديه)وفی حلق شعرالصدر والظهر ترك الادب كذافی القنية.

رہا بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال سو وہ بھی جائز ہے۔

لمافی الهندية:(۵/۳۵۸،طبع رشيديه)

وفی الابط يجوزالحلق والنتف اولیٰ ويبتدئ فی حلق العانة من تحت السرة ولوعالج بالنورة فی العانة يجوز كذافی الغرائب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۹ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۸۲

﴿داڑھی یا سر سے چند سفید بال نکالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگوں کی داڑھی یا سر کے بال نوجوانی ہی میں سفید ہو جاتے ہیں، کیا ایسے بالوں کو نکالنے کی شریعت میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ نیز بتائیں کہ حالتِ جنابت میں مونچھ بنانا اور سر کے بال کاٹنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اگر ازالہ عیب کے لئے ہو تو نکالنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۹/۵۸۳،طبع امداديه)

ولا بأس بنتف الشيب وأخذأطراف اللحية.وفی الشامية:قيده فی البزازية بأن لايكون علی وجه التزين.

حالتِ جنابت میں بال کاٹنے کو فقہاءِ کرام نے مکروہ لکھا ہے لہٰذا اس سے بچنا بہتر ہے۔

لمافی الهندية:(۵/۳۵۸،طبع رشيديه)

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الأظافير كذافي الغرائب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم :صلاح الدین چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر:۱۸۱

﴿کمپنی والے داڑھی منڈوانے پر اگر مجبور کریں تو کیا اس کی گنجائش ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کافی عرصہ سے بے روزگار تھا اس کو ایک غیر ملکی کمپنی میں نوکری ملی اور اس کا تقرر بھی ہو گیا لیکن اب وہ کمپنی والے داڑھی منڈوانے کی شرط لگا رہے ہیں کہ داڑھی اگر منڈواتے نہیں تو ہم تم کو نکال دیں گے۔تو کیا اس آدمی کیلئے داڑھی منڈوانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ مستفتی:ایک سائل فون پر

﴿جواب﴾ آپ ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے،اور آپ علیہ السلام کے ہر حکم کی تعمیل واجب ہے اور اس کی مخالفت حرام ہے،لہذا داڑھی منڈوانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کمپنی والے اگر ظلم پر تلے ہوئے ہیں اور محض داڑھی کی وجہ سے اس شخص کو نکال رہے ہیں تو اللہ تعالی اس شخص کے لئے اس سے بہتر انتظام کریں گے۔

لمافی صحيح المسلم:(۱/۱۲۹،طبع قديمی)

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفوا اللحى ــ عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحى خالفوا المجوس.وفی النووی وكان من عادة الفرس قص اللحية فنهى الشرع عن ذالک

ولمافی الشامی:(۲/۴۱۸،طبع سعيد مطلب فی الاخذ من اللحية)

واما الاخذ منها وهی دون ذالک كمايفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد اه ملخصاً هكذافی فتح القدير:(۲/۳۵۲،طبع رشيديه)

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عمران الحق سواتی

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر:۴۲۴۹

﴿سر مونڈوانے کی فضیلت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ سر مونڈوانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سر مونڈانے کی وجہ سے تین مرتبہ دعا دی یہ کہاں تک درست ہے؟ نیز ساتھ ساتھ

یہ بھی وضاحت ہو کہ کیا یہ فضیلت صرف حج کے ساتھ ہی خاص ہے یا عام حالات میں بھی ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ روایت کو امام مسلمؒ وغیرہ نے نقل فرمایا ہے تاہم اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو تین مرتبہ دعا دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مونڈنے والوں کے حق میں تین مرتبہ دعا دی اور ایک مرتبہ بال قصر یعنی کم کرنے والوں کے حق میں بھی دعا فرمائی۔

مذکورہ حدیث پاک اگرچہ حجۃ الوداع کے موقع پر حجاج کرام کے لئے ارشاد فرمائی گئی ہے اور "المحلقین والمقصرین" میں الف لام اگرچہ عہد خارجی ہے تاہم اسے جنسی پر محمول بھی کیا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت سے امید کی جاتی ہے کہ نہ صرف مذکورہ حجاج کرام اس سے بہرہ ور ہوگئے بلکہ دیگر حلق کرنے والے مسلمان بھی اس سے مستفید ہونگے (انشاء اللہ) بشرطیکہ ثواب کی نیت سے حلق کریں۔

لمافی المشکوٰۃ:(۲/۲۲۲،طبع سعید)

عن یحیی بن الحصین عن جدته انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع دعاللمحلقین ثلثاوللمقصرین مرةواحدة.رواه مسلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۳رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۶۳

﴿خواتین کا مصنوعی بال لگوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ آج کل بعض خواتین بازار سے مصنوعی بال خرید لیتی ہیں اور اپنے سر کے بالوں سے لگا لیتی ہیں تاکہ بال لمبے ہوں، کیا شرعی اعتبار سے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ مستفتی: گل فراز

﴿جواب﴾ اگر یہ بال انسان کے ہوں تو ناجائز ہے اور ان کا استعمال کرنا گناہ ہے، اس پر لعنت آئی ہے، اس طرح خنزیر کے بال بھی استعمال کرنا ناجائز ہے، ان کے علاوہ باقی جانوروں کے ہوں یا مصنوعی بال ہوں تو استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الهدایة:(۲/۵۷،طبع رحمانیه)

ولایجوزبیع شعرالخنزیرلانه نجس العین..... ولایجوزبیع شعورالانسان ولاالانتفاع به لان الادمی مکرم لامبتذل فلایجوزان یکون شیء من اجزائه مهانامبتذلا وقدقال علیه

السلام لعن اللہ الواصلة والمستوصلة.الحديث وانما يرخص فيما يتخذ من الوبر فيزيدفي قرون النساء وذوائبهن.

ولمافي التنويرمع الدر:(۷/۲۴۵،طبع امداديه)

(وشعرالانسان)لكرامة الادمي ولوكافرأذكره المصنف وغيره في بحث شعرالخنزير. وفي الشامية:(قوله وشعرالانسان)ولايجوزالانتفاع به لحديث "لعن الله الواصلة والمستوصلة" وانمايرخص فيمايتخذمن الوبرفيزيدفي قرون النساء وذوائبهن.هداية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۲۰۸

﴿ مردوں اور عورتوں کے لباس کی مشابہت میں علاقہ کا عرف معتبر ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں پورے خاندان میں لڑکیوں کے پہننے کا لباس اسطرح ہے کہ ان کی چاک بند ہوتی ہے لیکن اگر کوئی لڑکی چاک والے کپڑے پہن لے تو اس پر سخت اعتراض ہوتا ہے کہ اس لڑکی نے مردوں کی مشابہت کی ہے اور ثبوت کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں، "عن النبی ﷺ انه لعن المشبهات من النساء بالرجال و المتشبهين من الرجال بالنساء"

استدلال اس طور پر کرتے ہیں کہ مردوں کے چاک والے کپڑے ہیں اور عورتوں کے کپڑوں کے چاک بند ہوتے ہیں، لہٰذا جو عورتیں چاک والے کپڑے پہنتی ہیں وہ مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں "ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى" کہ پہلے زمانے کی عورتیں چاک والے کپڑے پہنتی تھیں تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ یہ چاک والے کپڑے نہ پہنے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسمیں نماز بھی نہیں ہوتی اور جو شخص ان کپڑوں کو جائز قرار دیتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں حالانکہ جب ہم یہ کپڑے پہنتی ہیں تو بالکل پردے میں ہوتی ہیں اور بڑی چادر اوڑھتی ہیں یعنی بالکل بے پردگی، بے حیائی نہیں ہوتی، لہٰذا تسلی بخش جواب عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، البتہ شریعت میں اس مشابہت کی کوئی حد متعین نہیں

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ عرف وعمل میں جو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہوں انہیں عورتوں کے لئے اختیار کرنے کی اجازت نہیں اور جو عورتوں کے ساتھ خاص ہوں انہیں مردوں کے لئے اختیار کرنے کی اجازت نہیں، ایسا ہی لباس کی مشابہت میں بھی عرف کا بڑا دخل ہے۔

چنانچہ اگر کسی علاقہ میں چاک والا لباس مردوں کے ساتھ خاص ہو اور وہاں کی تہذیب وتمدن میں عورتوں کے لباس کے منافی سمجھا جاتا ہو تو ایسے علاقہ میں کسی عورت کا چاک والا لباس پہننا بھی مشابہت میں داخل ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگا، البتہ یہ حکم صرف اسی علاقہ کے ساتھ خاص ہوگا اور جن علاقوں میں یہ لباس عام طور پر عورتیں پہنتی ہیں وہ مشابہت کے زمرہ میں داخل نہیں ہے۔

اور رہی قرآن کریم کی آیت "ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى" تو مفسرین حضرات نے اس آیت کے ذیل میں "الجاهلية الاولى" کی تشریح کرتے ہوئے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جن میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ابو العالیہؒ نے فرمایا کہ الاولی سے مراد حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کا زمانہ ہے اس زمانے میں عورتیں ایسی قمیص پہنتی تھیں جو جانبین سے سلی ہوئی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ستر پوشی نہیں ہوتی، سو ایسا چاک والا لباس کسی بھی علاقہ میں عورتیں پہنیں تو شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔

اس لئے کہ یہاں شناعت اور قباحت کی وجہ دراصل ستر پوشی کے خلاف ارتکاب ہے اور ستر پوشی کا حکم کسی زمانہ یا علاقہ کے ساتھ خاص نہیں۔

ولمافی عمدة القاری:(۶۳/۲۲،طبع رشیدیه)

باب المتشبهين بالنساء، والمتشبهات بالرجال ای هذاباب فی ذم الرجال المتشبهين بالنساء، وبيان ذم النساء المتشبهات بالرجال ويدل على ذلك ذكر اللعن فی حديث الباب وتشبه الرجال بالنساء فی اللباس والزينة التی تختص بالنساء مثل لبس المقانع والقلائد......ونحوذلک مما ليس لرجال لبسه وتشبه النساء بالرجال مثل لبس النعال الرقاق......ولبس الاردية والطيالسة والعمائم ونحوذلک ممالیس لهن استعماله......وهيئة اللباس قد تختلف باختلاف عادة كل بلدفربماقوم لايفترق زی نسائهم من رجالهم لكن تمتاز النساء بالاحتجابات والاستتار، وكذافی المظهری: (۳۲۲/۳،سورة الاعراف،طبع رشيديه)

ولمافی روح المعانی:(۲۵۸/۲۲،طبع رشیدیه)

"ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى" وذكر فی مرادجاهلية الاولى اقوال منهاوقال ابوالعاليه: كانت الاولى زمن داؤدوسليمان عليهما السلام وكان للمرأة قميص من

الدر غير مخيط الجانبين يظهر منه الاعكان والسوأتان.

ولمافي المظهري:(۷/۲۲۹،طبع رشيديه)

قال ابوالعالية:هي زمن داودوسليمان عليهما السلام وكان للمرأة قميص من الدر غير مخيط الجانبين يظهر منه الاعكان والسوأتان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۳رجب ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۷۳۷

﴿عورت کے لئے کونسا لباس پسندیدہ ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں عورتیں اس قسم کا لباس پہنتی ہیں کہ ان کے چاک بند ہوتے ہیں، البتہ بعض عورتیں ایسا کرتی ہیں کہ سینے کے نیچے اور ناف سے اوپر ایک قسم کی پٹی باندھتی ہیں جس کی وجہ سے سینہ کے حصہ میں لباس تنگ ہوجاتا ہے اور سینہ کی ہیئت واضح نظر آتی ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان عورتوں کے لباس پر اعتراض رہتا ہے، لہٰذا آپ حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ان بعض عورتوں کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عورتوں کے لئے کس ہیئت کا لباس پسندیدہ ہے؟

﴿جواب﴾ لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے، اس لئے جس لباس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل نہ ہو اس لباس کا پہننا جائز نہیں، ایسا باریک یا چست لباس جس سے جسم کی رنگت اور اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو، عورت کے لئے پہننا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی ستر پوشی کے منافی ہے، آپ علیہ السلام کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ بے شمار پہننے والی لباس کے باوجود عریاں ہیں (ننگی ہیں) ایسی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔

لہٰذا آپ کے علاقہ کے بعض عورتوں کے سینوں کی ہیئت واقعی کپڑوں کے اندر سے اگر نمایاں نظر آرہی ہے تو یہ اس وعید میں داخل ہے، البتہ سینہ کے اوپر دوپٹہ ڈالنے کا اگر اہتمام کرتی ہیں یا صرف گھروں میں رہتے ہوئے اپنے شوہروں کے سامنے اس طرح کے لباس میں آتی ہیں تو اس کی گنجائش ہے۔

عام طور پر عورتوں کو ایسا لباس اختیار کرنا پسندیدہ ہے جس سے ستر پوشی پوری طرح ہو اور علاقے کی روایات کے بھی موافق ہو یعنی دوسروں کی نقالی نہ ہو۔

لمافي البخاري:(۲۲/۱،طبع قديمی)

عن ام سلمةؓ قالت استيقظ النبی صلی الله عليه وسلم ذات ليلة فقال سبحان الله ما ذا انزل الليلة من الفتن وماذافتح من الخزائن ايقظواصواحب الحجر فرب كاسية فی الدنيا عارية فی الآخرة.

ولمافي الشامي:(۳۶۵/۶-۳۶۶،طبع ايچ ايم سعيد)

وان كان علی المرأةثياب فلاباس بان يتأمل جسدهاوهذااذالم تكن ثيابهاملذقةبها بحيث تصف ماتحتهاولم يكن رقيقابحيث يصف ماتحته— ولانه متی لم يصف ثيابهاماتحتهامن جسدهايكون ناظراالی ثيابهاوقامتهادون اعضائها فصاركما اذانظرالی خيمةهی فيهاومتی كان يصف يكون ناظراالی اعضاءها اه.

أقول مفاده ان رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفا لا تری منه البشرة.

الجواب صحيح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

۱۴رجب المرجب ۱۴۳۱ھ فتوی نمبر:۲۷۴۴

﴿عورتوں کا بھنویں بنانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کو اپنی بھنویں زیب وزینت کے لئے بنانا جائز ہے؟ اگر بھنویں بدنما لگ رہی ہوں تو کیا اس صورت میں گنجائش ہے؟ نیز چہرے اور مونچھوں کے بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا جائز ہے یا ناجائز اور ہاتھ کے بال اگر شوہر کو بدنما لگیں تو اسکا کیا حکم ہے؟ مستفتیہ:ام عکاشہ

﴿جواب﴾ آج کل جو فیشن عام ہورہا ہے کہ عورتیں اپنی بھنووں کو تلوار کی طرح ڈیزائن دیکر بناتی ہیں،اس طرح فیشنی بھنویں بنانا جائز نہیں۔

لمافي صحيح المسلم:(۲۰۵/۲،طبع قديمی)

عن علقمة عن عبدالله قال لعن رسول الله ﷺ الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله.الخ.

البتہ جو بال بدنما لگیں خواہ بھنووں کے ہوں یا چہرے کے ان کو صاف کرنے اور بنوانے کی گنجائش ہے۔

لمافي الشامي:(۳۷۳/۶،طبع سعيد)

(قوله والنامصة الخ)ذكره فی الاختيار ايضاوفی المغرب.النمص:نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اه.ولعله محمول علی مااذافعلته لتتزين للاجانب والا فلو كان

فی وجهها شعر ینفر زوجها عنها بسببه، ففی تحریم ازالته بعد، لان الزینة للنساء مطلوبة للتحسین، الا ان یحمل علی ما لا ضرورة الیه لما فی نتفه بالمنماص من الایذاء، وفی تبیین المحارم ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحیة أو شوارب فلا تحرم ازالته بل تستحب وفی التاتارخانیة عن المضمرات ولا باس باخذ الحاجبین وشعر وجهه مالم یشبه المخنث اھ ومثله فی المجتبی تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۷۴۳

﴿عورتوں کا باریک اور تنگ لباس پہننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا ایسا باریک تنگ لباس پہننا جس میں اُن کے تمام اعضاء نمایاں نظر آتے ہوں جیسے کہ آج کل یہ رواج عام ہوتا جارہا ہے اوراس کو برا نہیں سمجھا جاتا کیا اسلام میں اس طرح لباس پہننے کی اجازت ہے؟ مستفتی: محمد طیب

﴿جواب﴾ اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے اور ایسا باریک تنگ لباس پہننے سے روکا ہے جس سے جسم کا کوئی حصہ نظر آتا ہو یا کسی عضو کی ساخت وڈول ظاہر ونمایاں ہوتی ہو حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے فرمایا ہے کہ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو تک نہیں پائینگی۔

لمافی صحیح البخاری: (۱/۲۲، باب العلم والعظمة باللیل، طبع قدیمی)

عن ام سلمة (رضی الله تعالٰی عنها) قالت استیقظ النبی ﷺ فقال...... فرُبَّ کاسیة فی الدنیا عاریةٌ فی الآخرة.

ولمافی الشامی: (۹/۵۲۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر والمس، طبع امدادیه)

اقول: مفاده أن رؤیة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة ولو کثیفا لا تری البشرة منه.

ولمافی صحیح المسلم: (۲/۲۰۵، طبع قدیمی)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ صنفان من اهل النار لم ارهما قوم معهم سیاط کاذناب البقر یضربون بها الناس ونساءٌ کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسهن کاسنمة البخت المائلة لا یدخل الجنة ولا یجدن ریحها وان ریحها لتوجد من مسیرة کذا وکذا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۹۸۹

﴿اسلامی لباس کونسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میں اسلامی لباس پہننے کا خواہشمند

ہوں لیکن یہ نہیں جانتا کہ اسلامی لباس کونسا ہے کیونکہ معاشرہ میں مختلف قسم کے لباس رائج ہیں۔
براہ مہربانی صحیح اسلامی لباس کی وضاحت فرما کر مطمئن فرماویں۔ مستفتی: صدیق اللہ کوئٹہ

﴿جواب﴾ لباس کے متعلق اسلام نے خاص وضع، ہیئت کی پابندی نہیں لگائی، البتہ رنگ کے لحاظ سے سفید لباس حضور ﷺ کو زیادہ پسند تھا۔

لمافی مشکوۃ المصابیح:(۳۷۴/۲،طبع ایچ ایم سعید)

وعن سمرۃ ان النبی ﷺ قال البسوا الثیاب البیض فانها اطهر واطیب وکفنوا فیها موتاکم رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ.

ولمافی سنن الترمذی:(۲۰۸/۱)عن ام سلمۃ قالت کان احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ القمیص.

اور ہر دور کے علماء وصلحاء لباس کی جو ہیئت اور ساخت اپناتے ہیں، وہی شرعاً پسندیدہ ہے، اس کے علاوہ بھی اگرچہ اسلامی لباس کے خلاف نہیں ہے لیکن زیادہ پسندیدہ وہی ہے جو اس دور کے صلحاء اپنا معمول بنالیں تاہم کچھ حدود وقیود ضرور ہیں جن سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے بلکہ جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ اسلامی لباس کہلانے کے لائق ہے، وہ حدود مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ ان اعضاء کی ساخت وڈول ظاہر ہو جائے جن کا چھپانا واجب ہے بلکہ مکمل ستر پوشی ہونی چاہیے۔ (۲) لباس میں کافروں اور فاسقوں بے دین لوگوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں (۳) جس لباس سے تکبر تفاخر نمائش اسراف ظاہر ہوتا ہو اس سے اجتناب کریں (۴) مالدار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس (۵) اپنی مالی استطاعت سے زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ (۶) مرد شلوار، تہبند اور پائجامہ وغیرہ اتنا نیچا نہ کریں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ اس میں چھپ جائے یہ سخت گناہ (۷) مردوں کیلئے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، عورتوں کیلئے حلال (۸) مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ (۹) خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری دار ہو تو مضائقہ نہیں نیز بہتر لباس وہ ہے جو ستر کو زیادہ چھپائے چونکہ شلوار، کرتا، جبہ سے ستر زیادہ چھپا ہوا ہوتا ہے، اس لئے موجودہ دور کے علماء وصلحاء اس کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

لمافی قولہ تعالی:(سورۃ الاعراف،آیت۲۶)

(یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر ---- الأیة.

ولما فی قوله تعالٰی:(سورۃ الانعام،آیت ۱۴۰)ولاتُسرِفُوا انّه لایُحِبُّ المُسرِفِین.....الاٰیۃ.

ولما فی سنن ابی داؤد:(۲/۲۰۳،کتاب اللباس،باب ماجاء فی الاقبیۃ،طبع رحمانیه)

عن ابن عُمَرقال قال رسول الله ﷺ من تشبَّه بِقوم فهومنهم.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۳۸۳،کتاب اللباس،طبع رحمانیه)

قال النبی ﷺ کُلواواشرَبواوالبسواوتصدّقوافی غیراسراف ولامَخیلۃٍ وقال ابن عباس رضی الله عنهما:کُل ماشئت والبس ماشئت ماأخطَأتک اثنتان سَرَفٌ اومَخیلۃ. اخرجه البخاریؒ فی اللباس.

عن ابی هریرۃ عن النبی ﷺ قال مااسفَل من الکعبین من الازارفی النار.

ولما فی جامع الترمذی:(۱/۲۰۵،باب ماجاء فی الحریر،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی موسی الاشعری أن رسول الله ﷺ قال:حُرِّم لباس الحریروالذهبُ علی ذکور امتی وأُحِلّ لاناثهم.أخرجه الترمذی فی کتاب اللباس.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۳۹۸،طبع رحمانیه)

عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه:قال لعَن النبی ﷺ المُخَنَّثِین من الرجال، والمتَرَجّلات من النساء.أخرجه البخاری فی کتاب اللباس باب اخراجهم.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۳۹۳،باب الثوب الاحمر،طبع رحمانیه)

سمع البرآء یقول کان النبی ﷺ مَربُوعاًوقدرأیتُه فی حُلّۃٍ حَمرآءَ مارأیت شیئاًاحسَنَ منه.

ولما فی الشامی:(۹/۵۲۶،کتاب الحظروالاباحۃ،فصل فی النظروالمس،طبع امدادیه)

أقول:مفاده أن رؤیۃالثوب بحیث یصف حجم العضوممنوعۃولوکثیفاًلاتری البشرۃ منه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۹۹۹

﴿قومی لباس پہننے اور فینسی بٹن لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک عام رواج ہے کہ لوگ بڑی بڑی شلواریں بنواتے ہیں،جسکی وجہ سے انکا سوٹ کم از کم پندرہ سے سولہ میٹر پر مشتمل ہوتا ہے۔کیا یہ فضول خرچی،تکبر اور اسراف میں داخل نہیں؟اگر نہیں تو پھر اس کی حدود کی تعیین فرمائیں،تاکہ ایک عام آدمی شریعت کے مطابق لباس بنوا سکے۔نیز آج کل مارکیٹوں میں فینسی بٹنوں کا عام رواج ہے،کیا کپڑوں پر ایسے بٹن لگوانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ رواج اگر عام ہے کہ تمام لوگ بڑی بڑی شلواریں بنواتے ہیں اور کوئی اتنی بڑی

اگر نہ بنائے تو لوگوں کی نظروں میں عجیب لگے پھر تو بڑی شلواریں بنوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ قومی لباس شمار ہوتا ہے بشرطیکہ ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے اس لئے کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی خصوصیت کیساتھ ممانعت آئی ہے اگر چہ قومی لباس ہو اس کو ترک کرنا ضروری ہوگا، اور ٹخنوں سے نیچے اگر نہیں لٹکائے اور علاقہ کا عام لباس ہے تو ضرورت سے زیادہ کپڑے کا استعمال اسراف میں شمار نہیں ہوگا، ہاں قومی لباس نہ ہو بعض لوگ اس طرح کی شلواریں بناتے ہوں تو اسراف کیوجہ سے اور تفاخر کی علامت بظاہر معلوم ہونے کی وجہ سے گناہ شمار ہوگا۔

لما فی تکملہ فتح الملہم :(۱۲۰/۴ طبع دارالعلوم کراچی)

عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال: "لا ینظر اللہ الیٰ من جر ثوبہ "....فأما لغیر الخیلاء، فیختلف الحال، فان کان الثوب علیٰ قدر لابسہ، لکنہ یسدلہ، فھذا لایظھر فیہ تحریم، ولا سیما ان کان عن غیر قصد، کالذی وقع لأبی بکر، وان کا ن الثوب زائدا علیٰ قدر لا بسہ، فھذا قد یتجہ المنع فیہ من جھۃ الاسراف، فینتھی الی التحریم.

لما فی الھندیۃ : (۳۳۳/۵ طبع رشیدیہ)

ویکرہ للرجل لبس السراویل المخرفجۃ وھی التی تقع علیٰ ظھر القدمین کذافی الفتاوی العتابیہ.

لما فی الشامی :(۳۵۱/۶ طبع ایچ ایم سعید)

اعلم ان الکسوۃ منھا فرض وھو مایستر العورۃ ویدفع الحر والبرد ...ومستحب: وھو الزائد لاخذ الزینۃ واظھار نعمۃ اللہ تعالیٰ...ومباح وھو الثوب الجمیل للتزین فی الاعیاد والجمع ومجامع الناس لا فی جمیع الاقات، ومکروہ وھو اللبس للتکبر.

فینسی بٹنوں کا استعمال فی نفسہ جائز ہے۔ البتہ آوارہ قسم کے لوگوں کا فیشن ہو تو ایسی چیزوں کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے۔

لما فی الفقہ الحنفی وثوبہ الجدید :(۳۵۱/۵ طبع بیروت)

ولا باس بعروۃ القمیص وزرہ من الحریر، لانہ تبع، ولا باس کذلک بازرار الدیباج والذھب.

لما فی الشامی :(۳۵۵/۶ طبع ایچ ایم سعید) لا باس بازرار الدیباج والذھب، ھکذا فی البحر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۱۱۳

﴿خواتین کا سر کے بالوں کو کاٹنے اور بھنویں بنانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ عورت کے بال اگر نصف کمر سے تجاوز کر

جائیں تو اس کو کٹوانا یا کم کروانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بھنویں بنانا باریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کے بال اگر اتنے لمبے ہو جائیں کہ جس کی وجہ سے وہ واقعی الجھن محسوس کر رہی ہو یا مشقت میں پڑ جائے تو اس صورت میں بالوں کو بقدر ضرورت کم کروا سکتی ہے بشرطیکہ فاحشہ قسم کی عورتوں کیساتھ مشابہت کی غرض سے نہ ہو۔

لمافی فتح الملہم:(۱۵٦/۳، طبع دار العلوم، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ)

وکان أزواج النبی ﷺ یأخذن من رؤسہن حتی تکون کالوفرۃ۔ قال القاضی عیاض رحمہ اللہ— وفیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء.

امداد الفتاوی میں لکھا ہے "تو حدیث کا مدلول نفی قرون نہیں ہوا بلکہ تخفیف شعور ہوا، چنانچہ نوویؒ نے کہا: فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء اور غرض اس تخفیف سے ترک شعور زینت تھی، کما قال النووی عن عیاض" الخ۔ امداد الفتاوی: (۲۲۸/۴، طبع دار العلوم کراچی)

لمافی الدر المختار:(۵۸۳/۹، طبع امدادیہ) وفیہ: قطعت شعر رأسہا أثمت ولعنت.

ولمافی الہندیۃ:(۳۵۸/۵، کتاب الکراہیۃ،۱۹، طبع رشیدیہ)

ولو حلقت المرأۃ رأسہا فإن فعلت لوجع أصابہا لابأس بہ وإن فعلت ذلک تشبہا بالرجل فہو مکروہ کذافی الکبری، ومثلہ فی البحر:(۲۰۵/۸، طبع سعید)

ولمافی الحموی شرح الاشباہ والنظائر:(۸۳/۳، الفن الثالث احکام الانثی، طبع ادارۃ القرآن)

قولہ وتمنع عن حلق رأسہا أی حلق شعر رأسہا إلی قولہ والظاہر أن المراد بحلق شعر رأسہا ازالتہا سواء کان بحلق أو قص أو نتف أو نورۃ فلیحرر.

بھنووں کے زائد بدنما بالوں کو دور کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، خصوصاً شوہر کے لئے زینت کی غرض سے کوئی خاتون اگر اس طرح کرتی ہے لیکن فاحشہ قسم کی عورتوں اور ہیجڑوں کی طرح ہیئت اختیار کرنے سے گریز کرے۔

لمافی الشامی:(۵۳٦/۹، کتاب الحظر، فصل فی النظر، طبع امدادیہ)

ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجہہ مالم یشبہ المخنث اھ ومثلہ فی المجتبیٰ، تأمل.

ولمافی الہندیۃ:(۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان، طبع رشیدیہ)

ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجہہ مالم یتشبہ بالمخنث کذافی الینابیع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۹۵٦

﴿مردوں کیلئے مہندی لگانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ عید کے موقع پر لڑکے اور مرد اپنے پاؤں پر مہندی لگاتے ہیں کیا یہ شریعت میں درست ہے؟ مستفتی: محمد اکبر

﴿جواب﴾ مہندی لگانے کا حکم عورتوں کیلئے ہے، مردوں کے لئے نہیں بلکہ بلاضرورت مردوں کیلئے مہندی لگانا منع ہے۔

لمافی البحر الرائق.(۱۸۳/۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی)

ولا بأس للنساء بخضاب اليد والرجل مالم يكن خضاب فيه تماثيل ويكره للرجال والصبيان لان ذلک تزين وهو مباح للنساء دون الرجال.

ولما في الهندية:(۳۵۹/۵، طبع رشیدیه)

ولا ينبغي ان يخضب يدى الصبي الذكر ورجله الا عند الحاجة ويجوز ذلک للنساء.

ولمافي الشامي:(۱۰۲/۹، طبع امدادیه ملتان)

قوله:(خضاب شعره ولحيته) لايديه ورجليه فانه مكروه للتشبه بالنساء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: بلال احمد

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۹۶۴

﴿داڑھی کو رنگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ داڑھی کو سیاہ خضاب یا اسکے علاوہ دوسرے رنگ سے رنگنا کیسا ہے؟ مستفتی: نصیر احمد

﴿جواب﴾ داڑھی کو سیاہ کرنا خواہ وہ خضاب کے ذریعے ہو یا کیمیکل کے ذریعے بہر صورت ناجائز ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسے شخص کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔

لمافي سنن ابی داؤد:(۲۲۶/۲، طبع رحمانیه)

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللهﷺ يكون قوم يخضبون في آخر الزمان كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة.

البتہ سیاہ خضاب کے علاوہ سرخ اور زرد یا سرخ اور سیاہ کو ملا کر یعنی نسواری (brown) رنگ سے داڑھی مبارک کو رنگنا مرغوب اور پسندیدہ ہے۔

لمافي صحيح المسلم:(۱۹۹/۲، طبع قديمی)

عن جابرؓ قال اتى بابي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا فقال رسول اللهﷺ غيروا بشئ واجتنبوا السواد قال النوویؒ تحت هذا الحديث استحباب خضاب

الشيب للرجل والمرأة بصفرة وحمرة ويحرم خضابه بالسواد على الاصح.

ولما في الهندية:(۳۵۹/۵،طبع رشيديه)

اتفق المشايخ ان الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة وانه من سيماء المسلمين وعلاماتهم..... وعن الامام ان الخضاب حسن ولكن بالحناء والكتم والوسمة واراد به اللحيه وشعر الرأس والخضاب في غيرحال الحرب لاباس به كذافي الوجيزللكردري.

ولمافي الدرمع الرد:(۶۰۲/۹-۶۰۵،طبع امداديه ملتان)

ويستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولوفي غيرحرب في الاصح.

وفي الشامية:قوله:(والاصح انه ﷺلم يفعله)لانه لم يحتج اليه،لانه توفي ولم يبلغ شيبه عشرين شعرة في راسه ولحيته،بل كان سبع عشرة كمافي البخاري وغيره وورد ان ابابكرؓ خضب بالحناء والكتم مدني.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۶۷۶

﴿داڑھی کی شرعی حدود﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چہرہ پر داڑھی کی کیا حدود ہیں؟ نیز داڑھی کے خط بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے اور چہرے کے زائد بالوں کو پوڈر وغیرہ سے صاف کرنا کیسا ہے؟

مستفتی: قاری نادر صاحب

﴿جواب﴾ داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو جبڑوں اور ٹھوڑی پر ہوں اور جو بال اس سے زائد رخسار وغیرہ پر ہوں ان کے خط بنوانے اور صاف کرنے کی گنجائش ہے،تاہم اولی یہ ہے کہ خط نہ کرایا جائے،البتہ اگر چہرے کے بال حد سے زیادہ بڑھ جائیں اور بدنما لگیں تو اس صورت میں خط بنانا بہتر ہے۔

لمافي تاج العروس:(۳۲۳/۱۰،طبع دار احياء التراث)(اللحية بالكسر شعر الخدين والذقن)

ولمافي البحرالرائق:(۲۰۲/۸،طبع ايچ ايم سعيد)

وفي المضمرات ولاباس بان ياخذالحاجبين وشعروجهه مالم يتشبه المخنث.

وكذا في الهندية:(۳۵۹/۵،طبع رشيديه كوئٹه)ومثله في الشامي:(۴۱۷/۲،طبع سعيد)

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد

۱۸ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۹۰۵

﴿شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا سخت گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے امام صاحب جماعت کے کھڑے ہونے کے موقعہ پر اکثر کہتے ہیں کہ صفیں سیدھی ہوں اور شلوار ٹخنوں سے اوپر ہو، عرض یہ ہے کہ شلوار کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا صرف نماز میں منع ہے یا نماز سے باہر بھی منع ہے؟

﴿جواب﴾ شلوار وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا مرد کیلئے تکبر کی علامت ہے اور تکبر ہر حال میں کبیرہ گناہ ہے نماز میں اس کی شناعت اور زیادہ ہو جاتی ہے، لہذا نماز کے موقع پر اس کی ترغیب دینا اچھی بات ہے، تاہم اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حکم نماز کے ساتھ خاص ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۳۸۳،طبع رحمانیه)

عن ابن عمران رسول اللهﷺقال لاینظرالله الی من جرثوبه خیلاء—عن ابی هریرة عن النبیﷺقال مااسفل من الکعبین من الازارفی النارروا هماالبخاری.

ولمافی تکملة فتح الملهم:(۴/۱۲۳،طبع دارالعلوم کراچی)

الحاصل عندهذاالعبدالضعیف عفاالله عنه ان العلة الاصلیة من وراء تحریم الاسبال هی الخیلاء کما صرح به رسول اللهﷺ فی حدیث الباب—وعلی هذاکلماتحقق الاسبال تحت الکعبین جاء المنع الافی غیرحالة الاختیار.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۳۳،طبع رشیدیه)

تقصیرالثیاب سنةواسبال الازاروالقمیص بدعةینبغی أن یکون الازارفوق الکعبین الی نصف الساق الخ.

ولمافی الشامی:(۶/۳۵۱،طبع سعید)ویکره للرجال السراویل التی تقع علی ظهرالقدمین عتابیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۲۷

﴿عورتوں کے لئے چست لباس پہننا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عورتوں میں ایسے لباس کا رواج عام ہو چکا ہے جو جسم کے اعضاء سے چپکا ہوتا ہے، اسی طرح بعض عورتیں بالکل باریک لباس استعمال کرتی ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ شریعت میں ایسا لباس پہننا کیسا ہے؟ اور اگر ایسا لباس عورت گھر میں مردوں کے سامنے پہنے تو شرعاً اسکی گنجائش ہے یا نہیں؟ مستفتی: نصیر احمد

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے ایسے باریک لباس کا استعمال جس سے جسمانی اعضاء نظر

آئیں ناجائز اور حرام ہے، یہی حکم ایسے لباس کا ہے جس کا کپڑا باریک نہ ہو لیکن وہ عورت کے جسم کے ساتھ اس طرح چپکا ہوا ہو کہ جسمانی اعضاء کی ہیئت واضح ہو، شوہر کے علاوہ کسی محرم کے سامنے بھی عورت ایسا لباس نہیں پہن سکتی اور نہ ہی ان کا اسکی طرف دیکھنا جائز ہوگا، البتہ گھر میں باریک دوپٹہ محارم کے سامنے اوڑھنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

لمافی احکام القرآن للجصاص:(۳/۴۶۱،طبع قدیمی)

روت صفية بنت شيبة عن عائشة انها قالت:نعم نساء الانصار،لم يكن يمنعهن الحياء أن يتفقهن في الدين وان يسئلن عنه لمانزلت سورة النورعمدن الى حجوز مناطقهن فشققنه فاختمرن به.....وفي ذلك دليل على ان صدر المرأة ونحرهاعورة لايجوزللاجنبي النظراليها.

ولمافي سنن أبي داؤد:(۲/۲۱۲،طبع رحمانيه)

عن عائشة ان اسماء بنت ابي بكردخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليهاثياب رقاق فأعرض عنهارسول الله صلى الله عليه وسلم،وقال:ياأسماء ان المرأة اذابلغت المحيض لم يصلح لهاان يرى منهاالاهذاوهذاواشارالى وجهه وكفيه.

ولمافي المشكوة:(ص۳۷۷،طبع سعيد)

عن علقمة عن ابي علقمة عن امه قالت:دخلت حفصة بنت عبدالرحمن على عائشة وعليها خمار رقيق فشققته عائشة وكستها خماراكثيف.

ولمافي احكام القران للتهانوي:(۳/۴۸۳،طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)

ذكر في كراهية البزازية:ولباسهاان كان ملتزقاًببدنهاورقيقاًفالنظرمن وراء هاكالنظر الى بدنها،والنظرالى العورة لايجوزالاللضرورة،قلت وقدعمت به البلوى في بلادنا من لبس الثياب الملتزقة ببدنهاوالرقيقة،وهي لاتجوزعندالمحارم ايضاًغيرالزوج فكيف بالاجانب؟والناس عنه غافلون.

ولمافي الشامي:(۹/۵۲۶،طبع امداديه)

ولاباس بالتامل في جسدهاوعليهاثياب مالم يكن ثوب يبين حجمهافلاينظراليه حينئذ،لقوله عليه السلام:"من تامل خلف امرأة ورأى ثيابهاحتى تبين له حجم عظامهالم يرح رائحة الجنة".

وفي الشامية:أقول مفاده:ان رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولوكثيفاًلاترى البشرة منه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری

۱۱جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۵۳۶

﴿عورتوں کا باریک لباس پہن کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر عورت ایسا لباس پہن کر نماز پڑھے جو اس کے جسم سے چپکا ہوا ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز اگر سر کے بال اور بازوؤں کا کچھ حصہ کھلا ہوا ہو یا سر پر باریک دوپٹہ ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: نصیر احمد

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ نماز پڑھتے وقت عورت کے لئے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے علاوہ پورے جسم کو چھپانا ضروری ہے، مذکورہ اعضاء کے علاوہ کسی عضو کا چوتھائی حصہ ایک رکن کی مقدار (جس میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی پڑھا جا سکے) کھل جائے تو نماز نہ ہوگی اور یہی حکم ایسے باریک لباس پہن کر نماز پڑھنے کا ہے جس سے اعضاء نظر آتے ہوں۔

البتہ اگر تنگ لباس کا کپڑا اتنا موٹا ہو جس سے جسمانی اعضاء نظر نہ آئیں پہن کر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی لیکن شوہر کے علاوہ کسی کے سامنے بھی ایسے لباس کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۸۱/۲،طبع امدادیہ)

(ویمنع کشف ربع عضو)قدر اداء الرکن بلا صنعہ(من عورۃ غلیظۃ اوخفیفۃ)---(والشرط سترہا عن غیرہ)ولوحکماکمکان مظلم......(وعادم ساتر)لایصف ماتحتہ.

وفی الشامیۃ:قولہ:(لایصف ماتحتہ)بان لایری منہ لون البشرۃ احترازاعن الرقیق ونحوالزجاج.....امالوکان غلیظالایری منہ لون البشرۃالاانہ التصق بالعضووتشکل بشکلہ فصارشکل العضومرئیاًفینبغی ان لایمنع جوازالصلاۃلحصول الستراھ.قال ط:وانظرھل یحرم النظرالی ذلک المتشکل مطلقاًاوحیث وجدت الشہوۃ؟---والذی یظہرمن کلامہم ہناک ہوالاول.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۳۷

﴿مردوں کے لئے کونسے رنگ کے کپڑے استعمال کرنا منع ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت نے مردوں کو کون کونسے رنگ کے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے؟ مستفتی: محمد زبیر خان

﴿جواب﴾ شریعت نے مردوں کو گل عصفر اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے

سے منع کیا ہے اور کسی علاقہ میں کوئی رنگ عورتوں کے ساتھ خاص ہو جائے تو اس سے بھی منع فرمایا ہے جبکہ سرخ رنگ مردوں کے لئے خصوصیت سے منع فرمایا ہے۔

لما في سنن ابي داؤد:(۲/۲۰۸،طبع رحمانيه)

عن عبدالله بن عمروؓ قال مرّعلى النبي ﷺ رجل عليه ثوبان احمران فسلم عليه فلم يرد عليه النبي ﷺ.وفي حاشيته عن عمران بن حصينؓ مرفوعا اياكم والحمرة فانها احب الزينة الى الشيطان.

ولما في التنوير مع الدر:(۹/۵۰۶-۵۱۵،طبع امداديه)

(يحرم لبس الحرير ولوبحائل)......(على الرجل لا المرأة الاقدر اربع اصابع)......وكره لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال)مفاده انه لايكره للنساء(ولا باس بسائر الالوان.

ولما في الهندية:(۵/۳۳۲،طبع رشيديه)

يكره للرجل ان يلبس الثوب المصبوغ بالعصفر والزعفران والورس كذافي قاضيخان.

ولما في فقه الاسلامي وادلته:(۴/۲۶۴۰،طبع رشيديه)

وكره تنزيها عند الحنفية للرجال لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاحمر والاصفر ولايكره للنساء،ولاباس لهن بسائر الالوان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۱۸جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۸۱

﴿عورتوں کا پاؤں، پنڈلیوں اور چہرے سے بال صاف کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ عورتوں کا پاوں، بازووں، پنڈلیوں اور چہرے سے بال صاف کرنا شرعاً کیسا ہے؟ مستفتی:محمد شفیع کورنگی

﴿جواب﴾ عورتوں کا ان اعضاء سے بال صاف کرنا محض زیبائش کے لئے فیشن کے طور پر یا غیر محرم کو دکھلانے کے لئے ہو تو ناجائز ہے لیکن اگر ان اعضاء پر غیر معتاد بال اگ آئیں جو بدنمائی کا سبب بن رہے ہوں اور شوہر کو ان کی وجہ سے ناگواری ہو رہی ہو تو گنجائش ہے۔

لما في سنن ابي داؤد:(۲/۲۲۱،طبع رحمانيه)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال:لعنت الواصلة والمستوصلة والنامصة و المتنمصة والواشمة والمستوشمة من غيرداء.

ولما في الشامي:(۶/۳۷۳،طبع سعيد)

النمص:نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اه.ولعله محمول على اذا فعلته لتتزين

للأجانب، والافلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه، ففي تحريم ازالته بعد، لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين، الاأن يحمل على مالاضرورة اليه لمافي نتفه با لمنماص من الايذاء، وفي تبيين المحارم ازالة الشعر من الوجه حرام الااذانبت للمرأة لحية أوشوارب فلاتحرم ازالته بل تستحب اه.

ولمافي الهندية:(۵/۳۵۸،طبع رشيديه) ولا بأس بأخذالحاجبين وشعروجهه مالم يتشبه بالمخنث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری
۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۱۰۳۵

﴿سرخ عمامہ باندھنے کا حکم اور سبز عمامہ کی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرخ عمامہ باندھنا کیسا ہے؟ نیز سبز عمامہ سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

مستفتی: ظہیر صاحب ڈیفنس فیز ۴ کراچی

﴿جواب﴾ جو رنگ مکمل سرخ ہو اور اس میں دھاریاں یا کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہ ہو تو ایسا خالص سرخ رنگ مردوں کے لئے مکروہ ہے، لہٰذا اس کا لباس اور عمامہ پہننا درست نہیں ہے، البتہ اگر دھاری دار سرخ ہو یا اس میں دوسرے رنگ کی آمیزش ہو تو ایسی صورت میں اس کا لباس بنانا یا عمامہ باندھنا جائز ہے۔

باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کو پسند فرمایا ہے اور اس رنگ کی قباء وچادر اور حلّہ استعمال بھی کیا ہے مگر آپ ﷺ سے سبز عمامہ استعمال فرمانا روایۃً منقول نہیں ہے، پس سبز عمامہ سنت سے ثابت تو نہیں لیکن اس رنگ کا عمامہ باندھنا ناجائز بھی نہیں ہے، اس لئے سبز عمامہ باندھنے کی گنجائش ہے۔

آج کل بعض لوگ سنت عمامہ کو سبز رنگ کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں، یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سبز عمامہ روایۃً منقول نہیں ہے، مجموعہ احادیث میں عمامہ کے تین رنگ سیاہ، سفید اور زرد رنگ کا ثبوت ملتا ہے۔

لمافي سنن ابي داؤد:(۲/۲۰۸،طبع رحمانيه)

عن عبدالله بن عمروؓ قال مرّ على النبي ﷺ رجل عليه ثوبان احمران فسلم عليه فلم يرد عليه النبي ﷺ. وفي حاشيته عن عمران بن حصينؓ مرفوعا اياكم والحمرة فانها

احب الزينة الى الشيطان.

ولمافى التنوير مع الرد:(۶/۳۵۸،طبع سعيد)

(وكره لبس المعصفر والمزعفر والاحمر والاصفر للرجال)......وفى الشامية:اقول ولكن جل الكتب على الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والمنتقى والذخيرة وغيرها وبه افتى العلامة القاسم وفى الحاوى الزاهدى ولا يكره فى الرأس اجماعاً

وهكذافى البحر الرائق:(۸/۱۹۰،طبع سعيد)وهكذافى قاضيخان على هامش الهندية: (۳/۴۱۲،طبع رشيديه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:عبدالرزاق

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۵۷۶

﴿مردوں کے لئے بھنویں کاٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ(۱) مردوں کیلئے بھنووں کو کاٹ کر برابر کرنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ زیادہ بڑھ گئے ہوں، نیز سینے کے بالوں کو صاف کرنا کیسا ہے؟(۲) موئے زیر ناف کو کیمیکل ملی کریم یا پاؤڈر سے صاف کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾(۱)بھنویں اگر زیادہ بڑھ گئی ہوں اور بدنما نظر آئیں یا دیکھنے میں دشواری ہو تو کاٹ کر برابر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ زیب وزینت مقصود نہ ہو اور سینے کے بالوں کو صاف کرنا خلاف ادب بتایا گیا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔(۲) موئے زیر ناف کو کیمیکل ملی کریم یا پاؤڈر سے صاف کرنا بھی جائز ہے، البتہ استرے سے صاف کرنا مستحب ہے۔

لمافى الشامى:(۶/۴۰۶-۴۰۷،طبع سعيد)

(قوله ويستحب حلق عانته)قال فى الهندية ويبتدئ من تحت السرة ولوعالج بالنورة يجوز......ولا باس باخذ الحاجبين وشعروجهه مالم يشبه المخنث......وفى حلق شعر الصدور والظهر ترك الادب كذافى القنية اه.

ولمافى الهندية:(۵/۳۵۸،طبع رشيديه)

ويبتدى فى حلق العانة من تحت السرة ولوعالج بالنورة يجوز.ولاباس باخذ الحاجبين وشعروجهه مايتشبه بالمخنث كذافى الينابيع......وفى حلق شعر الصدور والظهر ترك الادب كذافى القنية.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۵۵۳

﴿چھوٹے نرینہ بچوں کو سونے کی انگوٹھی پہنانا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیر خوار یا دوسرے نابالغ بچوں کو سونے کی انگوٹھی پہنانا جائز ہے؟ مستفتی: سہیل خان

﴿جواب﴾ اسلام نے بلا قید بلوغ مردوں کیلئے سونے کے استعمال کو ناجائز اور حرام اور عورتوں کیلئے جائز اور حلال قرار دیا ہے، لہٰذا نرینہ چھوٹے بچوں کو سونے کی انگوٹھی یا ہار پہنانا ناجائز اور حرام ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے ورنہ تو گناہ اور وبال پہنانے والے پر ہوگا۔

لمافی جامع الترمذی:(۲۰۵/۱،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ ان رسول الله ﷺ قال حرم لباس الحریر والذهب علیٰ ذکورامتی واحل لاناثهم.

ولمافی التنویر مع الرد:(۵۲۲/۹،طبع امدادیه)(وکره الباس الصبی ذهباً أوحریراً)

وفی الشامیة:قوله(وکره الخ)لان النص حرم الذهب والحریر علیٰ ذکورالامة بلا قید البلوغ،والحریة والاثم علیٰ من البسهم لانا امرنا بحفظهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۲۵۷

﴿چاندی کے خول میں تعویذ پہننا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک چھوٹا بچہ ہے جو مغرب کے بعد سے شروع ہو کر رات گئے تک روتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے ہم اس کو ایک عامل کے پاس لیکر گئے تو انہوں نے اس کیلئے تعویذات دیکر کہا کہ ان کو چاندی میں بند کر کے اس کو پہنا دو۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا چھوٹے بچے کو شرعاً چاندی پہنانے کی اجازت ہے؟

﴿جواب﴾ صرف خواتین زیورات کے طور پر سونا چاندی استعمال کرسکتی ہیں اور مرد حضرات کیلئے ایک مثقال کی حد تک چاندی کی انگوٹھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا چھوٹے بچے کو چاندی کے خول میں تعویذ پہنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی البدائع :(۵۲۶/۶،طبع:دار الکتب بیروت)

ومنها الفضة ،لان النص الوارد بتحریم الذهب علی الرجال یکون واردابتحریم الفضة دلالة ،فیکره للرجال استعمالها فی جمیع مایکره استعمال الذهب فیه الا التختم به

اذاضرب علی صیغۃ مایلبسہ الرجال ،ولایزید علی المثقال .

لمافی الشامی:(۳۵۸/۶،طبع:سعید کراچی)

ولایتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقاالابخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہااِی الفضۃ اذالم یرد بہ التزیین.

ولمافی البحر:(۱۹۰/۸،طبع:سعید کراچی)۔

ولایتحلی الرجل بالذھب والفضۃ الابالخاتم والمنطقۃ وحلیۃ السیف من الفضۃ .

ولمافی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:(۳۲۷/۵،طبع:دارالقلم)

ویحرم استعمال الذھب والفضۃ فیمایرجع للبدن ولاباس باتخاذ الاولی منہماللتجمل من غیراستعمل اصلاً.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیزاحمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۴۰۸۴

﴿مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی بیاہ کے موقع پرلڑکی کے گھر والے دولہا کے لئے سونے کی انگوٹھی بناتے ہیں اورشادی والے دن مذکورہ سونے کی انگوٹھی دولہا کو پہنائی جاتی ہے،اب سوال یہ ہے کہ کیا خوشی مثلاً شادی وغیرہ کے موقع پرمردوں کے لئے سونے کے استعمال کی گنجائش ہے؟

مستفتی آصف خان کراچی

﴿جواب﴾ دین اسلام نے مردوں کے لئے سونے کے استعمال کوحرام اورناجائز قراردیا ہے خواہ خوشی کا موقع ہویااس کے علاوہ کوئی اورموقع ،پس شادی بیاہ کے موقع پردولہا کاسونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے،البتہ ذاتی استعمال کے لئے نہیں بلکہ بیوی کوپہنانے کے لئے یابیچنے کی غرض سے ان سے وصول کرلے توکوئی حرج نہیں ہے،دلہن کے گھر والوں کوچاہیے کہ سونے کے علاوہ چاندی کی انگوٹھی یاکوئی دوسری چیز مثلاً گھڑی وغیرہ دلجوئی کے لئے دامادکودیناچاہیں تو دیدیا کریں۔

لمافی جامع الترمذی:(۲۰۵/۱،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی موسی الاشعریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال حُرّم لباس الحریروالذھب علی ذکور امتی واُحلّ لاناثھم.

ولمافی التنویرمع الدر:(۵۱۷/۹-۵۱۸،طبع امدادیہ)

(ولایتختم)الابالفضۃلحصول الاستغناء بہافیحرم (بغیرھاکحجر)......(وذھب وحدید وصفر)

وفي الشامية: قوله (فيحرم بغيرها) الماروى الطحاوى باسناده الى عمران بن حصين وابى هريرة قال: "نهى رسول الله ﷺ عن خاتم الذهب".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۵۲

﴿مردوں کے لئے کان چھدوانا ناجائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ آجکل لڑکے فیشن کے طور پر اپنے کان چھیدواتے ہیں اور اس میں عورتوں کی طرح بالی ڈالتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا مردوں کے لئے کان چھیدوانا جائز ہے؟ نیز اس طرح فیشن کے لئے مختلف دھاگوں سے کنگن کی مثل چیز بنا کر خوبصورتی کے لئے ہاتھ میں پہن لیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد شعیب کماڑی

﴿جواب﴾ اسلام نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی سے منع کیا ہے اور ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، پس کان چھیدوانا اور اسی طرح کنگن یا اسکی مثل کوئی چیز ہاتھ میں پہننا عورتوں کا خاصہ ہے، مردوں کے لئے یہ امور نا جائز ہے، ایسے امور سے ان کے لئے احتراز ضروری ہے۔

لمافي المشكوة: (۳۸۰/۲، طبع ایچ ایم سعید)

عن ابن عباس قال قال النبي ﷺ لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء المتشبهات من النساء بالرجال.

ولمافي مرقاة المفاتيح: (۲۶۹/۸، طبع رشیدیه)

قال العلامة الملاعلى القارى فى شرح قبل هذا الحديث، المتشبهين بالنساء من الرجال فى الزىّ واللباس والخضاب والصوت والصورة والتكلم وسائر الحركات والسكنات...... فهذا الفعل منهى لانه تغيير الخلق الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: عبدالرزاق

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۵۵۰

﴿فیشن کے لئے ناخن بڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض لوگ فیشن کے لئے اپنے ناخن کو بڑھا لیتے ہیں اور اس میں مرد و زن دونوں مبتلا ہیں عورتیں اپنے سارے

ناخن فیشن کے طور پر لمبا کر دیتی ہیں اور مرد حضرات اکثر چھنگلی انگلی کے ناخن کو نہیں کاٹتے اور فیشن کے طور پر اسکو لمبا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ظہیر خان کیماڑی کراچی

﴿جواب﴾ ناخن کاٹنا صرف اسلام کا حکم نہیں بلکہ فطرت انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو بڑھنے نہ دیا جائے، چنانچہ حدیث شریف عشر من الفطرۃ میں حضور ﷺ نے جہاں دوسری اشیاء کو ذکر فرمایا وہاں ناخن کاٹنے کو بھی فطرت قرار دیا۔

پس شرعاً ہفتہ میں ایک بار یعنی جمعہ والے دن ناخن کاٹنا مستحب ہے اور ان کو نہ کاٹنا یا بعض کو کاٹ دینا اور بعض کو چھوڑ دینا خلاف سنت وفطرت بلکہ درندوں کے ساتھ مشابہت ہے اس سے رزق میں تنگی آجاتی ہے۔

لہٰذا اس سے بہر صورت احتراز کرنا چاہیے لیکن پتہ نہیں آج کل نوجوان نسل میں یہ کیا وبا پھیلی ہے کہ جو چیز بھی اسلام بلکہ فطرت انسانی کے خلاف ہو تو اس کو فیشن کا نام دے دیتے ہیں اور بڑے اہتمام سے اس پر عمل کرتے ہیں "انا للہ وانا الیہ راجعون"!

لمافی سنن ابی داؤد:(۱۹/۱، کتاب الطهارة، باب سوال عن الفطرة، طبع رحمانيه)

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قصُّ الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء، وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعني الاستنجاء بالماء.

ولما في التنوير مع الدر:(۴۰۵/۶، طبع ایچ ایم سعید)

(ويستحب قلم اظافيره)......(يوم الجمعة) وكونه بعد الصلاة أفضل الا اذا أخره اليه تاخيرا فاحشا فيكره لأن من كان ظفره طويلا كان رزقه ضيقا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۷۸

﴿مصنوعی بال لگوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کے لئے مصنوعی بال لگوانے کا کیا حکم ہے؟ نیز عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

﴿جواب﴾ انسان اور خنزیر کے بالوں کے علاوہ مصنوعی بال لگوانے کی گنجائش ہے، مرد اور

عورت دونوں اس حکم میں برابر ہیں تاہم وضوء اور غسل کے بارے میں اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ بال سر کے ساتھ مستقل ملے ہوئے ہوں اس طور پر کہ سر سے الگ کرنا مشکل ہو تو وضو کے دوران ان پر مسح کرنا جائز ہے اور فرض غسل بھی اسے اتارے بغیر درست ہوگا۔

اور اگر وہ بال مستقل پیوست نہ ہوں بلکہ عارضی طور پر لگے ہوں تو ایسی صورت میں ان کے اوپر مسح جائز نہیں ہے، سر پر مسح کرنے کے لئے ان کو ہٹانا ضروری ہوگا اور فرض غسل کی صورت میں بھی اگر ان بالوں کے ہوتے ہوئے جلد تک پانی نہ پہنچے تو ان کو ہٹانا ضروری ہوگا۔

لمافی تکملہ فتح الملھم:(۱۹۰/۴-۱۹۱،طبع دارالعلوم کراچی)

قوله لعن الله الواصلة والمستوصلة......وقداختلف العلماء فی تفصیل هذاالحکم علی اقوال:الأول: یحرم الوصل مطلقاسوآء کان بشعرآدمی اوشعرغیرآدمی وسواء کان بخرقة اوصوف وهذاالقول جعله النووی الظاهرالمختاروهوالذی ذکره الحافظ فی الفتح کمذهب الجمهور،الثانی الوصل بشعرالآدمی حرام وکذلک الوصل بشعر نجس من غیرالآدمی واماالشعرالطاهرمن غیرالآدمی فیجوزالوصل به،الثالث الوصل بالشعرممنوع مطلقاسواء کان بشعرالادمی اوبشعرحیوان ولکن لاباس بوصله بصوف او خرق وغیرهاوهوقول اللیث ابن سعدالرابع :الوصل بغیرالشعر انما یحل اذا لم یلتبس بالشعر بحیث لا یظن الناظر انه من الشعر اما اذا وقع به الالتباس فلا وهو الذی قواه الحافظ فی الفتح:(۳۷۵/۱۰)والذی یظهرمن کتب الحنفیة ان الراجح عندهم القول الثانی وهوتخصیص الحرمة بشعرالآدمی.

ولمافی الهندیة:(۳۵۸/۵،طبع رشیدیه)

وصل الشعربشعرالآدمی حرام سواء کان شعرها اوشعرغیرها کذافی الاختیارشرح المختارولاباس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوائبهاشیئامن الوبرکذافی فتاوی قاضیخان وبه ظهر ان اتخاذالقرامل(وهی خیوط حریر)للنساء جائزوهوالقول الأعدل انشاء الله تعالی.

ولمافی عمدةالقاری:(۱۰۰/۲۲،طبع رشیدیه)

ونقل ابوعبیدعن کثیرمن الفقهاء ان المنع فی ذلک وصل الشعربالشعرواما اذا وصلت شعرهابغیرالشعرمن خرقة وغیرهافلایدخل فی النهی وبه قال اللیث وقال الطبری اختلف العلماء فی معنی نهیه صلی الله علیه وسلم عن الوصل فی الشعر فقال بعضهم لاباس علیهافی وصلهاشعرهابماوصلت به من صوف وخرقة وغیر ذلک وروی ذلک عن ابن عباس وام سلمة وام المومنین عائشة.

ولمافی الشامی(۳۷۳/۶سعید)ولاباس ان تعری المراةعن الشعرفتصل قرنامن قرونها بصوف اسود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد حسن پورنوی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۳۸۶

﴿عورت کا سفید لباس پہننا﴾

﴿سوال﴾ عورت کے لئے سفید لباس پہننا کیسا ہے؟ جبکہ شوہر کو بہت پسند ہو بعض لوگ کہتے ہیں عورتوں کو سفید لباس نہیں پہننا چاہیے کیونکہ اس سے تشبہ بالرجال لازم آتا ہے۔

﴿جواب﴾ عورت کیلئے ہر رنگ کا لباس پہننا جائز ہے اور اگر شوہر کو سفید رنگ کا لباس پسند ہے تو بیوی کو شوہر کی پسند کا لحاظ رکھتے ہوئے سفید لباس بھی زیب تن کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی ایسا علاقہ ہو کہ جہاں سفید لباس صرف مردوں کا شعار سمجھا جاتا ہو تو وہاں پر عورتوں کو چاہیے کہ لباس پر کوئی کڑھائی وغیرہ کر کے کپڑے پہنیں تاکہ تشبہ بالرجال لازم نہ آئے۔

لمافی الفقه الاسلامی:(۲۶۴۰/۴،طبع رشیدیه)

وكره تنزيها عند الحنفية للرجال لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر ولايكره للنساء ولابأس لهن بسائر الالوان.

ولمافی التنویرمع الدر:(۳۵۸/۶،طبع سعید)

(وكره لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال) مفاده أنه لايكره للنساء (ولا بأس بسائر الالوان)

ولمافی ردالمحتار:(۴۰۷/۶،طبع سعید)

(قوله والمعنى المؤثر) أي العلة المؤثرة في اثمها التشبه بالرجال فانه لايجوز كالتشبه بالنساء

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود

۳رجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۶۳۶

﴿سیاہ خضاب لگانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر عذر داڑھی اور سر کو خضاب لگانا کیسا ہے؟ اسی طرح کیمیکل کے ذریعے کالا رنگ دینے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ داڑھی اور سر کو سیاہ خضاب اسی طرح بال سیاہ کرنے والا کیمیکل لگانا اگر بغیر عذر کے ہو تو شرعاً ناجائز ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیگا، البتہ سیاہ کے علاوہ سرخ اور زرد یا سرخ اور سیاہ کو ملا کر نسواری رنگ سے سر اور داڑھی کو رنگنا مرغوب اور پسندیدہ ہے۔

لمافی سنن ابی داود:(۲/۲۲۶،طبع رحمانیہ)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ یکون قومایخضبون لایریحون رائحۃ الجنۃ.

ولمافی الصحیح لسلم:(۲/۱۹۹،طبع قدیمی)

عن جابربن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال اتی بابی قحافۃیوم فتح مکۃ وراسہ ..... و اجتنبواالسواد.

ولمافی تکملۃ فتح الملھم:(۴/۱۴۹-۱۵۰،طبع دارالعلوم کراچی)

والثانی ان یفعلہ الرجل للغش والخداع ولیری نفسہ شاباولیس بشاب.....والحق ان احادیث المنع عن السوادواضحۃ سطلۃ فتولیس فیھامایخصصھابارادۃ الغش والخداع ولذلک اختارعامۃ المشائخ المنع..... وھوالذی اختارہ والدی رحمہ اللہ فی جواھر الفقۃ: ۲/۲۳۰ عملا بالاحتیاط.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عزیز الرحمٰن

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر:۱۴۹۸

﴿اگر شوہر بیوی کو بال سیاہ کرنے پر مجبور کرے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے۔ کہ اپنی سر کے بالوں کو سیاہ رنگ لگائے۔

عرض مسئلہ یہ ہے کہ یہ عورت اپنی بال سیاہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ نیز عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ اصل حکم تو یہ ہے کہ سفید بالوں کو سیاہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ سخت گناہ ہے اور عام حالات میں مرد وعورت دونوں کیلئے یہی حکم ہے۔ البتہ غازی مجاہد اگر سفید بالوں کو اس غرض سے سیاہ کردے تاکہ دشمن کی نظروں میں جوان نظر آئے تو یہ پسندیدہ ہے۔ اسی طرح کسی عورت کے بال وقت سے پہلے اگر سفید ہوں اور شوہر کی رغبت میں کمی کی باعث ہوں تو ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا زیادہ مناسب معلوم ہو رہا ہے البتہ سیاہ کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ مثلاً مہندی کے ذریعہ سرخ رنگ یا نسواری (براؤن) کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

یاد رہے نسواری رنگ (براؤن) اگر دور سے کالا نظر آئے تو یہ سیاہ کہلائیگا جائز نہیں ہے۔ البتہ دور سے پہلی نظر میں بھی نسواری (براؤن) نظر آئے تو جائز ہے۔

لما فی الشامی :(۶/ ۷۵۶'طبع ایچ ایم سعید)

ومذھبنا استحباب خضاب الشیب للرجل والمرأۃ بصفرۃ أو حمرۃ وتحریم خضابہ

بالسواد على الأصح لقوله عليه الصلاة والسلام "غيروا هذالشيب واجتنبوا السواد" اه قال الحموى وهذافى حق غير الغزاة ولا يحرم فى حقهم للارهاب ولعله محمل من فعل ذلك من الصحابة ط

ولمافى صحيح المسلم:(۱۹۹/۲طبع قديمى......)

قال النووى ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أو حمرة وتحريم خضابه بالسواد على الأصح وقيل يكره كراهة تنزيه والمختار التحريم لقوله صلى الله عليه وسلم واجتنبوا السواد هذامذهبنا

ولما فى مشكوة المصابيح:(۳۸۲/۲،طبع سعيد)

عن ابن عباس عن النبى ﷺقال يكون قوم فى اخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يجدون رائحة الجنة، رواه ابوداؤد والنسائى.

ولما فى مرقاة المصابيح:(۲۷٦/۸ طبع رشيديه)

قال النووى فى الخضاب أقوال وأصحها ان خضاب الشيب للرجل والمرأة يستحب، وبالسواد حرام وفيه أيضا على صفح:(۲۹۳/۸)قال ميرك:ذهب أكثر العلماء الى كراهة الخضاب بالسواد وجنح النووى الى أنها كراهة تحريم.

ولما فى محيط البرهانى:(۸۸/۸،طبع ادارة القرآن)

وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة ليكون أهيب فى عين العدو فهو محمود منه، اتفق عليه المشائخ، ومن فعل ذلك ليزين نفسه االيهن فذاك مكروه عليهعامة المشائخ، وبنحوه ورد الأثر عن عمر وبعضهم جوزواذلك من غير كراهة و رى عن أبى يوسف أنه قال : كما يعجبنى أن تتزين لى يعجبها أن أتزين لها هذه الجملة من شرح السير الكبير

ولما فى الشامى:(۴۲۲/٦،طبع سعيد)

(قوله ويكره بالسواد أى لغير الحرب، قال فى الذخيرة:أما الخضاب با لسواد للغزو ليكون أهيب فى عين العدو فهو محمود بالأتفاق، وان ليزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة المشائخ وبعضهم جوزه بلا كراهة روى عن أبى يوسف، أنه قال كما يعجبنى أن تتزين لى يعجبها أن أتزين لها

ولما فى التنوير مع الرد:(۷۵٦/٦،طبع سعيد)

(اختضب لأجل التزين للنساء والجوارى جاز)فى الأصح ويكره بالسواد وقيل لا، (قوله جاز فى الأصح) وهو مروى عن أبى يوسف فقد قال:يعجبنى أن تتزين لى امرأتى،كما يعجبها أن أتزين لها والأصح أنه لا بأس به فى الحرب وغيره

ولما فى الهندية:(۳۵۹/۵،طبع رشيديه)

اتفق المشائخ أن الخضاب فى حق الرجال بالحمرة سنة وأنه من سيماء المسلمين وعلاما

تهم وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه وعليه المشائخ ومن فعل ذلک ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه اليهن فذاك مكروه عليه عامة المشائخ وبنحوه وبعضهم جوزه ذلک من غير كراهة وروی عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها ۔

واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۷۲

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿مرد کے لئے انگوٹھی کے نگینے میں سونے کی میخ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ مرد اپنی انگوٹھیوں کے نگینوں میں سونے کی میخ ڈالتے ہیں، ان کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

مستفتی: سکندر

﴿جواب﴾ مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے، البتہ انگوٹھیوں کے نگینوں میں سونے کی میخ ڈالنے کی گنجائش ہے۔

لمافي الهداية: (۴۵۹/۴، طبع رحمانيه)

(ولا بأس بمسمار الذهب يجعل في حجر الفص) اي في ثقبه لانه تابع كالعلم في الثوب فلا يعد لابساله.

ولمافي الشامي: (۳۶۰/۶، طبع سعيد)

(قوله وحل مسمار الذهب الخ) يريد به المسمار ليحفظ به الفص تاترخانية لانه تابع كالعلم في الثوب فلا يعد لابساله۔ (قوله في حجر الفص) اي ثقبه هداية.

ولمافي الخانية: (۴۱۲/۳، طبع قديمي) ولا بأس بمسمار الذهب في فص خاتم.

ولمافي الخلاصة: (۳۷۰/۴، طبع رشيديه) ولا بأس بمسمار الذهب.

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۵۷۰

۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿بچیوں کے کان چھیدنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ عورتیں بچیوں کے کان چھید لیتی ہیں تو کیا شریعت کی رو سے یہ کام جائز ہے؟

مستفتی: آفتاب علی سفل بانڈی

﴿جواب﴾ جی ہاں بچیوں کے کان چھیدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الدر المختار:(۶/۴۲۰،طبع سعید) ولاباس بثقب اذن البنت والطفل استحسانا ملتقط.

ولمافی الشامی:(۶/۳۸۸،طبع سعید)

(تنبیہ) لاباس بکی البھائم للعلامۃ وثقب اذن الطفل من البنات لانھم کانوایفعلونہ فی زمن رسول ﷺ من غیرانکار.

ولمافی الخلاصۃ:(۴/۳۷۷،طبع رشیدیہ) ولاباس بثقب اذن الطفل من البنات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۷۴۶

﴿خواتین کے لئے مردوں جیسا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خواتین کے لئے مردوں جیسے کپڑے مثلاً واسکٹ، کوٹ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد سلیم

﴿جواب﴾ شریعت مقدسہ میں خواتین کے لئے مردوں کی مشابہت اختیار کرنا سختی سے منع ہے، لہٰذا ایسے کپڑے جو مردوں کے ساتھ خاص ہوں واسکٹ، کوٹ، پتلون یا کوئی اور کپڑا اگر کسی علاقہ میں مردوں کے ساتھ خاص ہے تو اس کا عام پہننا عورتوں کیلئے جائز نہیں ہے، ایسی عورتوں پر احادیث میں لعنت کی گئی ہے۔

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۸/۲۷۹،طبع رشیدیہ)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال.....(من الرجال) فی الزی واللباس والخضاب والصوت والصورۃ والتکلم وسائر الحرکات والسکنات.

(من النساء) زیا وھیئۃ ورفع صوت ونحوھا الارأیا وعلما فان التشبۃ بھم محمود الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۶۴۶

﴿ریشمی نقش ونگار والی ٹوپی کے استعمال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس ٹوپی میں ریشم کے ذریعے نقش ونگار کیا گیا ہو اس ٹوپی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: منصور احمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ جس ٹوپی میں چار انگلیوں کے بقدر ریشم کے ذریعے ایک ساتھ نقش ونگار کیا گیا

ہوتو اس کی گنجائش ہے، البتہ زیادتی کی صورت میں استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور متفرق نقوش کو جمع نہیں کیا جائیگا بلکہ ہر ایک نقش کا الگ اعتبار ہوگا۔

لمافی الشامی:(۶/۵۰۲-۵۰۷،طبع امدادیه)

(الاقدر أربع أصابع الخ)لماصح عن ابن عباسؓ:انمانهی النبیﷺعن الثوب المصمت من الحریرالاموضع أصبع اواصبعین أوثلاث أواربع......القلنسوة مالم تزدعلی عرض اربع أصابع وكذابیت تكة السراویل.......فجمیع ذلک لاباس به اذاكان عرض أربع أصابع.

ولمافی الشامی:(۶/۵۰۹-۵۱۰،طبع امدادیه)

(كذاتكره القلنسوة).....یكره أن یلبس الذكور قلنسوة من الحریر أو الذهب أو الفضة أو الكرباس الذی خیط علیه ابریسم كثیر أوشیء من الذهب أو الفضة أكثر من قدر أربع أصابع اهـ وبه یعلم حكم العرقیة المسماة بالطاقیة،فاذاكانت منقشة بالحریر وكان أحد نقوشها أكثر من اربع أصابع لاتحل،وان كان اقل تحل،وان زادمجموع نقوشها علی أربع أصابع بناء علی مامر من أن ظاهر المذهب عدم جمع المتفرق.

ولمافی البحرالرائق:(۸/۱۸۹،طبع سعید)

حرم للرجل لاللمرأة لبس الحریرالاقدرأربع أصابع).....نهی عن لبس الحریر الاموضع أصبعین أوثلاثة أوأربع،الحدیث قال رحمه الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس

۱۱جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۱۴۴۷

﴿عام حالت یعنی خارج الصلوۃ میں سدل الثوب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ عام حالت یعنی خارج الصلوۃ میں سدل الثوب یعنی غیر معتاد طریقے سے کپڑا جسم پر ڈال کر لٹکانا مکروہ ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: حاجی نصیر احمد صاحب

﴿جواب﴾ نماز کی حالت میں سدل الثوب مکروہ تحریمی ہے اور عام حالت میں اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تحریمی نہیں ہے تاہم ناپسندیدہ ضرور ہے۔

(لمافی العالمگیریة المعروف بالهندیة:۱/۱۰۶،طبع رشیدیه)

واختلف المشائخ فی كراهة السدل خارج الصلاة كمافی الدرایة وصحح فی القنیة فی باب الكراهة أنه لایكره كذافی البحرالرائق

(ولمافی الردالمحتار المعروف بالشامی :۱/۶۳۹،طبع ایچ۔ایم۔سعید)

قال فی شرح المنیة:السدل هوالارسال من غیر لبس ضرورة أن ارسال ذیل القمیص

ونحوه لايسمى سدلاًاھ

ودخل في قوله ونحوه عذبة العمامة قال في البحر:وفسره الكرخي بأن يجعل ثوبه على رأسه أو على كتفيه ويرسل أطرافه من جانبه اذالم يكن عليه سراويل اھ فكراهته لاحتمال كشف العورة،وان كان مع السراويل فكراهته للتشبه بأهل الكتاب فهو مكروه مطلقاًسواء كان للخيلاء أو غيره اھ

(ولمافي البحرالرائق:۲/۲۳ طبع،ایچ،ایم،سعید)

"قوله وسدله"لنهيه عليه السلام عنه كما أخرجه أبوداؤد والحاكم وصححه يقال سدل الثوب سدلاًمن باب طلب اذا أرسله من غير أن يضم جانبه وقيل هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه على منكبيه وأسدل خطأ كذافي المغرب وذكر في البدائع أن الكرخي فسره بأن يجعل ثوبه على رأسه أو على كتفيه ويرسل أطرافه من جوانبه اذالم يكن عليه سراويل وعن أبي حنيفةؒ أنه يكره السدل على القميص وعلى الازار وقال لأنه صنيع أهل الكتاب فان كان السدل بدون السراويل فكراهته لاحتمال كشف العورة عندالركوع وان كان مع الازار فكراهته لأجل التشبه بأهل الكتاب فهومكروه مطلقاًسواء كان للخيلاء أو غيره للنهي من غيرفصل اھ

(ولمافي الرد المحتار المعروف بالشامي:۱/۶۳۹ طبع،ایچ،ایم،سعید)

"قوله وخارج صلاته في الأصح"أي اذالم يكن للتكبر فالأصح أنه لايكره قال في النهر:أي تحريماًفمقتضى مامر أنه يكره تنزيهاًاھ ومامر هوقوله لأنه صنيع أهل الكتاب قال الشيخ اسماعيل:وفيه بحث،لأن الظاهر من كلامهم أن تخصيص أهل الكتاب بفعله معتبر فيه كونه في الصلاةفلايظهر التشبه وكراهته خارجها اھ

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد سلمان غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر:۳۹۶۷

﴿باب التداوی﴾

﴿طب اور عمل جراحی دور نبوی ﷺ میں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طب اور عمل جراحی یعنی آپریشن کا رواج آپ علیہ السلام کے عہد مبارک میں بھی تھا یا نہیں؟ مستفتی:جنید فیصل

﴿جواب﴾ جناب نبی کریم ﷺ خود بڑے طبیب تھے امت کو ایسے ایسے نسخوں کی تعلیم دی ہے جن سے آج تک اور قیامت تک آنے والے انسان مستفیض ہوتے رہیں گے،اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کے مبارک دور میں عمل جراحی(آپریشن)بھی رائج تھا اگرچہ اتنا زیادہ نہیں تھا

جس طرح آج کل ہو رہا ہے دراصل اس دور میں فصد اور حجامہ کے ذریعہ سے فاسد مادہ کو جسم سے نکالنے کا عام معمول تھا اس لیے عمل جراحی کی نوبت کم پیش آتی تھی، اور آج کل انگریزی علاج کے طریقہ کی وجہ سے فاسد مادہ نکالے بغیر جسم کے اندر انٹی بائیٹک دواؤں کے ذریعہ خشک کر دیتے ہیں، بسا اوقات یہی فاسد مادہ کسی مخصوص جگہ پر اثر انداز ہو جاتا ہے پھر اپریشن کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ اپریشن مثلاً زخم وغیرہ کو جوڑنے کے لیے تو یہ عمل قدیم طب میں بھی رائج تھا طب کی کتب میں اس کے لیے مستقل ابواب قائم کئے ہیں۔

لما فی مشکوۃ المصابیح :(۳۸۷/۲،کتاب الطب والرقی)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال رمی سعید بن معاذ فی أکحلة فحسمه النبی ﷺ علیه وسلم بیده بمشقص ثم رمت فحسمه الثانية ،رواه مسلم.

وفیه ایضاً(۳۹۷/۲)

وعنه قال بعث رسول الله ﷺ الی ابی بن کعب طبیباً فقطع منه عرقاً ثم کواه علیه ،رواه مسلم.

ولما فی تکملة فتح الملهم:(۳۳۸/۲،طبع:دار العلوم)

(قوله طبیباً) قال القرطبی "یدل علی انه لایلی عمل الشیء الا من یعرفه ،قوله "فقطع منه عرقاً ثم کواه علیه" وهذا یدل علی جواز الکیاذا باشره طبیب عارف لحاجة حقیقة،وهذاانما وقع فی غزوة الاحزاب،

ولما فی المرقاة :(۳۲۳/۸،کتاب الطب والرقی،طبع رشیدیه)

عن عروة قال:قلت لعائشة انی أجدك عالمة بالطب فمن أین؟فقالت ان رسول الله ﷺ کثرت استقامه ،فکانت أطباء العرب والعجم ینعتون له فتعلمت ذلک،قال السیوطی:والاحادیث الماثورة فی علمه ﷺ بالطب لاتحصی...والمختار أن بعضه علم بالوحی الی بعض انبیاءه،وسائره بالتجارب لما روی البزاز والطبرانی عن ابن عباس عن النبی ﷺ "ان نبی سلیمان کان اذا قام یصلی رای شجرة ثابتة بین یدیه،فیقول لها:ما اسمک فتقول :کذا فیقول:لای شئ أنت؟فتقول:لکذا،فان کانت لدواء کتبت وان کانت من غرس غرست" الحدیث.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۱۸

﴿علاج کرنا بھی سنت ہے اور علاج نہ کرنا بھی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی بیمار ہے لیکن وہ علاج نہیں کرتا بلکہ بدون علاج و دوائی کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل

ازروئے شریعت کیسا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا اورتوکل کرنا یہ افضل ہے یا علاج کرنا افضل ہے؟ آپ علیہ السلام نے بھی علاج فرمایا ہے تو کیا علاج سنت نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ علاج کرنا سنت ہے اوراس کا چھوڑنا بھی سنت ہے، عام لوگوں کا ایمان وتوکل کمزور ہوتا ہے، یقین کی نظر ظاہری اسباب سے آگے بڑی مشکل سے تجاوز کرتی ہے، ایسے لوگوں کے لیے علاج کرنا سنت ہے اور بعض لوگوں کا توکل مضبوط ہوتا ہے، یقین کی نظر انکی تیز ہوتی ہے اسباب پر نہیں رکتی براہ راست مسبب الاسباب پر نظر ہوتی ہے یہ اولیاء کرام، خاص مقرب لوگوں کا مقام ہے، عام لوگ یہاں تک نہیں پہنچ پاتے، ان کے لیے علاج چھوڑنا سنت ہے احادیث میں آیا ہے کہ میری امت کے ایسے لوگ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

البتہ علاج کے بعض اسباب قوی ہوتے ہیں جن کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا عام بندوں کی نظر میں قطعی اور یقینی ہوتا ہے مثلاً پیاس ختم کرنے کے لیے پانی پینا، رگ وغیرہ کٹنے کی صورت میں پٹی وغیرہ باندھنا تاکہ خون رک جائے اور انسان کی جان بچ جائے ایسے اسباب کو اختیار کرنا واجب ہے، شریعت نے ایسے اسباب کو اختیار کرنا واجب قرار دیا ہے اس لیے بلاوجہ چھوڑنا گناہ ہے، اور بعض اسباب شفایابی کے لیے وہم کے درجہ میں ہوتے ہیں غالب گمان سے بھی کم درجہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے استعمال سے مرض دور ہوگا؟ یا اندیشہ ہو کہ علاج کی صورت میں کوئی اور مرض لگ سکتا ہے جس طرح آجکل سرطان (کینسر) کا علاج رائج ہے، یا اعضاء رئیسہ، دل ودماغ، جگر کا آپریشن کہ صحت یاب ہونے کے بارے میں محض وہم ہوتا ہے یا تعویذ، ٹونے ٹوٹکوں سے علاج، تو ایسا علاج اگرچہ جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہے لیکن توکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز لوگ ان سے گریز کرتے ہیں۔

لما فی مشکوۃ المصابیح: (۴۵۲/۲، کتاب الرقائق، طبع سعید)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفاً بغیر حساب، ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون متفق علیہ۔

ولما فی المرقاۃ: (۴۷۸/۹، طبع رشیدیہ)

(لایسترقون)......ھذا من صفۃ الاولیاء المعرضین عن اسباب الدنیا وعوائقھا الذین لایلتفتون الی شئی عن علائقھا وتلک درجۃ الخواص لا یبلغھا غیرھم واما العوام فرخص لھم فی التداوی والمعالجات، ومن صبر علی البلاء وانتظر من اللہ، ومن

لايصبر رخص له في الرقية والعلاج والدواء، الا ترى ان الصديق لما تصدق بجميع ماله لم ينكر عليه ﷺ علمامنه بيقينه وصبره،ولما اتاه الرجل بمثل بيضة الحمام من الذهب وقال لااملك غيره فضرب بحيث لو اصابه عقره.

ولما في الهنديه:(۳۵۵/۵،طبع رشيديه)

اعلم بان الاسباب المزيل للضرر تنقسم الى مقطوع به كالماء المزيل الضرر العطش والخبز المزيل لضرر الجوع والى مظنون كالفصد والحجامة وشرب المسهل وسائر ابواب الطب اعني معالجة البرودة بالحرارة ومعالجة الحرارة بالبرودة وهي الاسباب الظاهرة في الطب والى موهوم كالكي والرقية اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عند خوف الموت واما الموهوم فشرط التوكل تركه اذبه وصف رسول اللهﷺالمتوكلين،واما الدرجة المتوسطة وهي المظنونة كالمداوة بالاسباب الظاهرة عند الاطباء فعله ليس مناقضا للتوكل بخلاف الموهوم وتركه ليس محظوراً بخلاف لامقطوع به بل قد يكون افضل من فعله في بعض الاحوال وفي حق بعض الاشخاص فهو على درجة بين الدرجين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۱۴ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۲۶

بعض صورتوں میں علاج نہ کرنا گناہ ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علاج کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے، اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے اور بیماری کا علاج نہ کروانے کی وجہ سے انتقال ہوجائے تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: فیصل جنید مسجد ابوبکر صدیق

جواب علاج کرنا ایک ظاہری سبب ہے اور سنت سے ثابت عمل ہے اور شفاء دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا سنت سمجھ کر کوئی علاج کرے تو باعث اجر وثواب ہے، اور اگر توکل کے اعلیٰ درجہ پر کسی باسعادت کو اللہ تعالیٰ نے نوازا ہو اور اسکی نظر صرف حقیقی ذات باری تعالیٰ پر ہو، اسباب سے وہ صرفِ نظر کرتا ہو تو اس کے لیے علاج چھوڑنا سنت سے اعراض شمار نہ ہوگا۔

بعض اوقات علاج نہ کرنے کی صورت میں ہلاکت یقینی ہوتی ہے اور علاج کرنے کی صورت میں ہلاکت سے بچنا یقینی درجہ میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اگر علاج کرنے میں کوئی رکاوٹ اور دشواری نہ ہو تو علاج ضروری ہوتا ہے بلا وجہ چھوڑنے کی صورت میں گناہ گار ہوگا۔

لما في مشكوة المصابيح:(ص:۴۵۲،باب التوكل والصبر،طبع سعيد)

عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ يدخل الجنة من امتي سبعون الفاً بغير حساب

هم الذين لايسترقون ولا يتطيرون وعلى ربهم يتوكلون متفق عليه،

ولما فى مرقاة المفاتيح:(۲۷۸/۹،طبع رشيديه)

هذا من صفة الاؤلياء المعرضين عن اسباب الدنيا وعوائقها الذين لايلتفتون الى شئى من علائقها،وتلك درجة الخواص لايبلغها غيرهم،

ولما فى الهنديه:(۳۵۵/۵،طبع رشيديه)

اعلم ان الاسباب المزيل للضرر تنقسم الى مقطوع به كالماء المزيل لضرر العطش والخبز المزيل لضرر الجوع والى مظنون...والى موهوم...اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عند الموت،

ولما فى فتاوى البزازيه على هامش الهنديه نوع فى التداوى،(۳۶۷/۶)

امتنع عن الاكل حتى مات جوعاً اثم وان عن التداوى حتى تلف مرضاً لا،لان عدم الهلاك بالاكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۷۱۹

﴿علاج میں میانہ روی اختیار کرنا پسندیدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی بیمار ہے اور اس نے اپنے علاج پر لاکھوں روپے خرچ کر ڈالے لیکن خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوا،لیکن اس کے باوجود بھی وہ مسلسل علاج کروا رہا ہے اور مزید پیسے خرچ کر رہا ہے،تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟اور یہ توکل کے خلاف تو نہیں؟ مستفتی:فیصل جنید ابوبکر صدیق مسجد

﴿جواب﴾ بیماری سے صحت یابی کے لیے علاج کرنا اور بار بار کرنا شرعاً منع نہیں ہے اور توکل کے خلاف بھی نہیں ہے بشرطیکہ دوا کو سبب جان کر کوئی علاج کرے اور شفاء حاصل ہونے میں مؤثرِ حقیقی صرف ذات باری تعالیٰ کو جانے۔

اور پیسہ اپنا ہو تو لاکھوں خرچ کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے ہاں میانہ روی اختیار کرنا اور غلو سے بچنا ہر کام میں پسندیدہ ہے،لہٰذا علاج کے بارے میں بھی شریعت سادہ،آسان اور سستا طریقہ اختیار کرنے کی سفارش کرتی ہے۔

لما فى مشكوة المصابيح:(۳۸۸/۲)

عن اسامة بن شريك قال قالوا يا رسول الله افنتداوى ؟ قال نعم يا عباد الله تداووا فان

الله لم يصنع داء الا وضعه له شفاء غير داء واحد الهرم

ولما في مرقاة المفاتيح:(۳۰۷/۸،طبع رشيديه)

"قال نعم "يعني تعتبر الطب او نتوكل على الله ونترك التداوى فلا خفاء انه لايلائمه الجواب بقوله نعم ايضاً جعل التوكل من قسم ترك التداوى غير صحيح في المعنى "يا عبدالله "اشارة الى ان التداوى لاينافي العبودية ولايدفع التوكل على صاحب الربوبية ولذا قال في الحديث" اعقل وتوكل "تداووا تاكيدا لما فهم من قوله نعم والمعنى تداووا ولاتعتمدوا في الشفاء على التداوى بل كونوا عبادالله متوكلين ومفوضين الامور اليه.

ولما في الهنديه:(۳۵۴/۲)الاشتغال بالتداوى لابأس به اذا اعتقدان الشافي هوالله تعالى.

ولما في الهنديه:(۳۵۵/۵)

اعلم ان الاسباب المزيل للضرر تنقسم الى مقطوع..والى مظنون..والى موهوم..اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عند خوف الموت واماالموهوم فشرط التوكل تركه اذ به وصف رسول الله ﷺ المتوكلين،واما الدرجة المتوسطة وهي المظنونة كالمدواة بالاسباب الظاهرة عند الاطباء فعله ليس مناقضا للتوكل بخلاف الموهوم وتركه ليس محظورا بخلاف لا متطوع به بل قد يكون افضل من فعله في بعض الاحوال وفي حق بعض الاشخاص فهو على درجة بين الدرجين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۴ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۶۰

﴿اعضاء کی پیوند کاری کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض غیر مسلم ممالک میں لوگ مرنے سے پہلے اپنی آنکھ اپنی رضامندی سے نکلوادیتے ہیں تاکہ کسی کی ضرورت اس سے پوری ہو، اس طرح کی آنکھیں بعض اداروں کے پاس آتی ہیں اور وہ بلا معاوضہ ہمیں دیدیتے ہیں کہ کسی ضرورت مند کو ہم لگا کردیں، تو اس طرح کی آنکھ ہم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟۔

سوال یہ ہے کہ انسانی اعضاء بے شک محترم ہیں لیکن ایسی صورت میں ہم لگانے والے اور جس کو لگا کردیتے ہیں، اس آنکھ کے احترام کے منافی کچھ نہیں کرتے بلکہ ہم تو اس آنکھ کو کارآمد بنالیتے ہیں، ویسے یہ قیمتی چیز ضائع ہوجائے گی اور شروع میں اگر بے حرمتی کی ہے تو اس غیر مسلم نے کی ہے، اب تو یہ آنکھ ضائع ہونے سے بچانے میں احترام معلوم ہورہا ہے؟

﴿جواب﴾ جمہور علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان اپنی جان اور جسم کے اعضاء

کا خود مختار و مالک نہیں ہے اور کسی مردے کے اعضاء کو استعمال میں لانا بھی جائز نہیں ہے اگرچہ استعمال میں لانے سے وہ کارآمد ہو جائیں گے اور استعمال میں نہ لانے سے بے کار ہو جائیں گے ،اس لئے کہ یہ انسان کے احترام کے منافی ہے اور ضرورت کی وجہ سے اجازت دینے میں اس جواز سے غلط فائدہ اٹھانے کا قوی اندیشہ ہے، چنانچہ اس دور میں چند پیسوں کے لئے انسانوں کی جانوں کا ضیاع عام ہو رہا ہے، پھر تو بعید نہیں کہ ڈاکٹر لوگ بھی کسی مرض کے علاج کے بہانے صحیح سلامت اعضاء کو بھی کاٹنا شروع کر دے اور اس قسم کے واقعات سنائے ہو چکے ہیں ،اس لئے فائدہ اور ضرورت کی خاطر بعض ممنوع چیزوں کی شریعت بھی اگرچہ اجازت دیدیتی ہے لیکن جہاں ساتھ ساتھ اس طرح کے خطرات کا بھی اندیشہ ہو تو ایسی ضروریات کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

بعض عرب کے علماء بلکہ پاک وہند کے بھی بعض علماء مشروط طور پر اجازت دیتے ہیں اور سوال میں مذکورہ جیسی کوئی صورت ہو کہ باہر سے کسی نے اپنے نظریہ کے تحت اپنے اعضاء کو پیش کر دیا اور کسی بھی موقع پر اس کا مالی معاوضہ کے ذریعہ لینا دینا نہ ہو تو ایسی خاص صورتوں میں ہم بھی ان علماء کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں یعنی جائز سمجھتے ہیں البتہ اس کی عام اجازت ہرگز نہیں۔

لمافی صحیح مسلم ،۲۰۳/۲،طبع: قدیمی

"عن ابن عمران رسول الله ﷺ لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة". قال الامام النووی رحمه الله: "واماالواصلة فهی التی تصل شعرالمرأة بشعر آخر والمستوصلة التی تطلب من یفعل بهاذالک ویقال لهاموصولة ،وهذه الاحادیث صریحة فی تحریم الوصل ولعن الواصلة والمستوصلة مطلقاً وهذاهوالظاهرالمختار ــــ وفی الحدیث ان وصل الشعرمن المعاصی الکبائرللعن فاعله وفیه ان المعین علی الحرام یشارک فاعله فی الاثم کماان المعاون فی الطاعة یشارک فی ثوابها والله اعلم ــــ وفاعلة هذاالواشمة وقدوشمت تشم وشماوالمفعول بهاموشومة فان طلبت فعل ذالک بهافهی مستوشمة وهوحرام علی الفاعلة والمفعول بهاباختیارها والطالبة له".

ولمافی تکملة فتح الملهم ،۱۹۵/۴،طبع: مکتبه دارالعلوم

"والحاصل: ان کل مایفعل فی الجسم من زیادة اونقص من اجل الزینة بمایجعل الزیادة اوالنقصان مستمرامع الجسم وبمایبدومنه انه کان فی اصل الخلقة هکذا فانه تلبیس وتغییرمنهی عنه".

ولمافی سنن ابی داؤد،۲۰۳/۲،طبع: قدیمی

"عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال: کسرعظم المیت ککسره حیا".

ولمافی فتاویٰ قاضی خان ۳۰۶/۳، طبع: قدیمی

"مضطر لم یجد میتۃ وخاف الھلاک فقال لہ رجل: اقطع یدی وکلھا او قال: اقطع منی قطعۃ فکلھا لا یسعہ ان یفعل ذالک ولا یصح امرہ بہ کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من لحم نفسہ فیأکل".

ولمافی الشامی ۳۳۸/۶، طبع: سعید

"وان قال لہ آخر: اقطع یدہ وکلھا لا یحل لان لحم الانسان لا یباح فی الاضطرار لکرامتہ".

ولمافی الھدایۃ ۸۵/۵، طبع: رحمانیہ

"ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شئ من اجزائہ مہاناً مبتذلاً".

ولمافی الشامی ۸۵/۵،

"والآدمی شرع مکرماً وان کان کافراً فایراد العقد علیہ وابتذالہ بہ والحاقہ بالجمادات اذلال لہ".

ولمافی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۱۲۲/۷، طبع: رشیدیہ

"سادساً: یجوز نقل عضو من میت الی حی تتوقف حیاتہ علی ذالک العضو او تتوقف سلامۃ وظیفۃ اساسیۃ فیہ علی ذالک بشرط ان یأذن المیت او ورثتہ بعد موتہ او بشرط موافقۃ ولی المسلمین ان کان المتوفی مجہول الھویۃ او لا ورثۃ لہ".

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ‏ ‏ واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ ‏ ‏ فتویٰ نمبر: ۳۶۳۱

﴿عورت مجبوری میں مرد ڈاکٹر سے علاج کرواسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بھابی کے کان میں تکلیف ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ صفائی کروانی پڑیگی، لیکن لیڈی ڈاکٹر نہیں مل رہی ہے جس کی وجہ سے کافی دن گزر گئے لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا، تو آیا اس صورت میں مرد ڈاکٹر سے صفائی کرواسکتے ہیں یا نہیں؟

مستفتی: عابد بیگ

﴿جواب﴾ عورت کو کوئی مرض لاحق ہوجائے اور علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر میسر ہو تو اس سے علاج کرانا ضروری ہے، لیڈی ڈاکٹر قابل علاج میسر نہ ہو تو مرد ڈاکٹر سے علاج کرنے کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں بقدر ضرورت مرد ڈاکٹر عورت کی مرض والی جگہ کو دیکھ سکتا ہے باقی بدن کو اس کے سامنے کھولنا منع ہے۔

لما فی الدر المختار:(۲۷۰/۶، ۲۷۱،کتاب الحظروالاباحه،فصل فی النظر والمس).

وامتنع نظره الی وجهها الا لحاجة..... ومداواتها ينظر الی موضع مرضها بقدر الضرورة اذا لضرورات تتقدر بقدرها..... فینبغی ان یعلم امراۃ تداويها لان نظر الجنس الی الجنس اخف.

ولما فی الشامی تحت هذا القول.

اذا كان المرض فی سائر بدنها غير موضع الفرج يجوز النظر اليه عند الدواء لانه موضع ضرورة،وان كان فی موضع الفرج،فينبغی ان يعلم امراة تداويها فان لم توجد وخافوا عليها ان تهلک او يصيبها وجع لاتحتمله يستتروا منها كل شئی الا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع الا عن موضع الجرح.

ولما فی الهنديه:(۳۰۷/۵، كتاب الكراهية طبع قديمی).

امرأة اصابتها قرحة فی موضع لايحل للرجل ان ينظر اليه لايحل ان ينظر اليها لكن تعلم امراة تداويهافان لم يجدوا امراة تداويها ولاامراة تتعلم ذالک اذا علمت وخيف عليها البلاء اوالوجع اوالهلاك فانه يستر منها كل شئی الا موضع تلک القرحة ثم يداويها الرجل ويغض بصره مااستطاع الا عن ذالک الموضع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۶۲۰

﴿بوجہ عذر اسقاط حمل کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو چالیس دن کا حمل ہے، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس عورت کا بدن مزید خون نہیں بناتا اور پورے نو ماہ علاج کروانا پڑے گا، بلڈ پریشر بھی low رہتا ہے اور اس عورت کی موت کا بھی خطرہ ہے، کیا ایسی صورت میں اس عورت کے لیے حمل کا ضائع کروانا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جلد از جلد اس مسئلہ کا جواب عنایت فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔　　　　مستفتیہ:ایک سائلہ بلال کالونی کورنگی

﴿جواب﴾ عام حالات میں حمل ضائع کرنا جائز نہیں ہے سخت گناہ ہے، البتہ عورت کی ہلاکت کا اندیشہ ہو یا کسی بڑی بیماری میں مبتلاء ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں چار ماہ سے پہلے ضائع کرنے کی گنجائش ہے لیکن یہ واضح رہے کہ اس کا فیصلہ دیندار، سمجھدار ڈاکٹر لوگ ہی کریں گے جن کو اس میدان میں تجربہ حاصل ہو کسی نرس یا محلے کی خواتین کے بتانے سے حمل ضائع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۱۷۶/۳،مطلب فی حکم اسقاط الحمل،طبع سعید)

(قوله وقالوا الخ)قال فی النهر:بقی هل یباح الاسقاط بعد الحمل؟نعم یباح مالم یتخلق منه شیء ولن یکون ذلک الابعدمائة وعشرین یوما،وهذایقتضی انهم ارادوابالتخلیق نفخ الروح والافهو غلط،لان التخلیق یتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة کذافی الفتح، واطلاقهم یفیدعدم توقف جواز اسقاطهاقبل المدة المذکورة علی اذن الزوج......وفی کراهیة الخانیة:ولااقول بالحل اذالمحرم لوکسربیض الصیدضمنه لانه اصل الصیدفلماکان یواخذبه بالجزاء فلااقل من ان یلحقهااثم هنااذااسقطت بغیرعذراه. قال ابن وهبان:ومن الاعذاران ینقطع لبنهابعدظهورالحمل ولیس لابی الصبی ما یستاجربه الظئرویخاف هلاکه......نقل عن الذخیرة لوارادت الالقاء قبل مضی زمن ینفخ فیه الروح هل یباح لهاذلک ام لا؟ اختلفوافیه وکان الفقیه علی بن موسی یقول انه یکره فان الماء بعدماوقع فی الرحم مآله الحیاةفیکون له حکم الحیاة کمافی بیضة صیدالحرم،ونحوه فی الظهیریة. قال ابن وهبان:فاباحةالاسقاط محمولةعلی حالة العذر،اوانهالاتأثم اثم القتل.

ولمافی الهندیة:(۳۵۶/۵،طبع رشیدیه)

امرأةمرضعةظهربهاحبل وانقطع لبنهاوتخاف علی ولدهاالهلاك ولیس لابی الولد سعةحتی یستاجرالظئریباح لهاان تعالج فی استنزال الدم مادام نطفةاومضغةاو علقة لم یخلق له عضووخلقه لایستبین الابعدمائةوعشرین یومااربعون نطفةواربعون علقة واربعون مضغةکذافی خزانةالمفتین.وهکذافی فتاوی قاضیخان.

ولمافی کتاب الاختیارلتعلیل المختار:(۲۰۹/۴،طبع قدیمی)

امرأةعالجت فی اسقاط ولدهالاتأثم مالم یستبن شیء من خلقه.

والله اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفاالله عنه

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفاالله عنه

فتویٰ نمبر:۲۶۴۹

۲۹ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿مانع حیض انجکشن اورادویات کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں،علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض خواتین رمضان المبارک میں روزوں کی قضا سے بچنے کے لئے مانع حیض انجکشن لگواتی ہیں یا دوسری ادویات استعمال کرتی ہیں،کیاازروئے شرع اس کی گنجائش ہے؟نیز شرعی احکام پر اس کے کیااثرات پڑیں گے؟

مستفتی:رحمت نذیر صاحب

﴿جواب﴾ عورت کے لئے حیض کا آنا ایک فطری اور طبعی امر ہے اور شریعت مطہرہ نے ان مخصوص ایام میں عورت کومعذور سمجھ کربعض عبادات کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا ہے اورقدیم

وجدید اطباء کے ہاں حیض کا آنا عورت کی صحت اور تندرستی کے لئے ضروری فطری عمل ہے۔

تاہم اگر کوئی عورت ادویات یا انجکشن کے ذریعے اس کو روکے تو اس کی گنجائش ہے اور جب تک خون نہ آئے عورت پاک شمار ہوگی، نماز وروزہ کا بدستور اہتمام کرنا ضروری ہوگا چونکہ یہ عمل عورت کی صحت کے لئے نقصان کا باعث ہے، لہٰذا اس سے احتراز بہتر ہے، البتہ حج وعمرہ کے لئے اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

لمافی التاتارخانیة:(۲/۲۶۱،طبع قدیمی)

وشرط صحة الأداء وهو الوقت القابل وهو اليوم المتعرى عن الاكل والشرب وطهارة المتوديين من الحيض والنفاس.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۲۵۱/۱،طبع رشیدیه)

اعلم بأن الصوم هو الكف عن المفطرات شرعا في وقته بنية يشترط باهله العاقل البالغ المسلم وفي المرأة الطهارة من الحيض والنفاس شرط.

ولمافی الهندية:(۳۸/۱،طبع رشیدیه کوئٹه)

لا يثبت حكم كل منهما الا بخروج الدم وظهوره وهذا هو ظاهر مذهب اصحابنا وعليه عامة مشائخنا وعليه الفتوى. هكذا في المحيط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم غفرلہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۱۰

﴿الکحل ملی اشیاء کے استعمال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ آج کل ایسے پرفیوم کثرت سے ملتے ہیں جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، اس کے علاوہ دوائیوں میں بھی الکحل ملایا جاتا ہے اور الکحل شراب سے تیار کیا جاتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے پرفیوم اور دیگر اشیاء کے استعمال کا شرعا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ الکحل شراب سے تیار کیا جاتا ہے لیکن ہر شراب نجس وناپاک نہیں ہے بلکہ وہ شراب جو صرف انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو وہ نجس ہے اور تھوڑی مقدار میں بھی اس کا استعمال حرام ہے، اسے عربی میں خمر کہتے ہیں، خمر کے علاوہ بھی ہزاروں اقسام کی شراب ہیں جن کو نشہ کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، نشہ سے کم مقدار بھی اگر چہ خوردنی اشیاء میں بلاضرورت استعمال کرنا ممنوع ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق پرفیوم اور بعض دواؤں میں جس الکحل کی آمیزش ہوتی ہے وہ عموماً خمر کے علاوہ دوسری اقسام کی شراب سے تیار کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی کو تحقیق سے یا غالب گمان سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس پرفیوم یا دوا میں واقعی خمر سے حاصل شدہ الکحل کی آمیزش ہے تو اس کے لئے استعمال جائز نہ ہوگا، اس کی تحقیق نہ ہو تو چونکہ خمر کے علاوہ شراب غالب ہے اور ایسی چیزوں میں غالب پر حکم لگایا جاتا ہے، الہٰذا ان چیزوں کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، البتہ کوئی اس سے بھی بچنا چاہے تو بہتر ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

یکم رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۶۸

﴿ٹی بی کا علاج بندر کے گوشت سے کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ٹی بی کا علاج بندر کے گوشت سے کیا جاتا ہے اور تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس نے بھی کھایا ہے تو بالکل ٹھیک ہوگیا ہے، کیا ٹی بی کے مریض کے لئے بقدر ضرورت بندر کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: سجاد علی کاغانی

﴿جواب﴾ ٹی بی کا علاج اگرچہ لمبا اور اہتمام طلب ہے لیکن آج کل یہ لاعلاج مرض نہیں رہا، تقریباً ہر شہر میں اس کے لئے دوائی بآسانی مل جاتی ہے کسی بھی مرض کا علاج اگر پاک دواؤں اور حلال غذاؤں سے ممکن ہو تو حرام اور ناپاک چیزوں سے اس کا علاج جائز نہیں ہے، بندر درندوں میں شمار ہوتا ہے، اس کا گوشت حرام ہے، ٹی بی کے مریض کا علاج اگر دواؤں سے ممکن ہے تو بندر کے گوشت سے علاج کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ تجربہ کار ڈاکٹروں سے علاج کرنے کے باوجود دواؤں سے شفایاب نہ ہو تو مجبوری کے درجہ میں اس کی گنجائش ہے۔

لمافی الهندية: (۵/۳۵۵، طبع رشيديه)

يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاءه فيه ولم يجد من المباح مايقوم مقامه، وكذافي البحر الرائق: (۸/۲۱۹، طبع سعيد)

ولمافي الشامي: (۷/۴۸۰، طبع امداديه)

وان الاستشفاء بالحرام انما لايجوز اذالم يعلم ان فيه شفاءه، أما اذا علم وليس له دواء غيره يجوز.

ولمافی بدائع الصنائع:(۳۹/۵،طبع سعید)

وعن الزهري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل ذى ناب من السباع حرام فذوالناب من سباع الوحش مثل الاسد والذئب والضبع والفهدوالثعلب والنمر والقرد والفيل ونحوهافلاخلاف فى هذه الجملة انهامحرمة.وكذافى الهندية:(۲۸۹/۵،رشيديه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۲ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۷۸۸

﴿شراب کوبطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں جس علاقہ میں رہتی ہوں، وہاں بچے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں جس کے لئے بوڑھی عورتیں ٹوٹکے بتاتی ہیں، بچے کی پیدائش پرعورت کا جسم کھل جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ درست ہوجاتا ہے مگر جسم پھر بھی ڈھیلا رہتا ہے،وہاں بوڑھی عورتیں مشورہ دیتی ہیں کہ شراب کوتھوڑا سا روئی میں لیکر جسم میں داخل کرنے سے جسم اپنی ہیئت پرآجاتا ہے،سوال یہ ہے کہ انتفاع خمرتو حرام ہے،کیاشراب کا استعمال مذکورہ بالاطریقے سے جائز ہے یانہیں؟　　　　مستفتیہ:معلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ اصل شراب یعنی خمر کے علاوہ بھی موجودہ دور میں شراب کی ہزاروں قسمیں ہیں جن کے حکم میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ بقدرنشہ پینا تمام قسمیں حرام اورموجب حد ہیں لیکن اس سے کم مقدار میں پینا موجب حدنہیں علاج کے لئے ہوتو جائز ہے،خصوصا جسم کے کسی حصہ پرلگانے میں کوئی کراہت بھی نہیں اور بازاروں میں عام ملنے والی شراب عموماخمرکے علاوہ ہی ہوتی ہے، اس لئے مذکورہ بالا بیماری کے لئے استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لمافى التنويرمع الدر:(۴۵۲/۶-۴۵۳،طبع سعيد)

(والحلال منها)اربعةانواع(الاول نبيذالتمروالزبيب ان طبخ ادنىٰ طبخة)يحل شربه .....(ومالم يسكر)فلوشرب مايغلب علىٰ ظنه انه مسكرفيحرم،لان السكرحرام فى كل شراب.

ولمافى الهندية:(۴۱۲/۵،طبع رشيديه)

واماماهوحلال عندعامةالعلماء فهوالطلاء وهوالثلث ونبيذالتمروالزبيب فهوحلال شربه مادون السكرلاستمرارالطعام والتداوى وللتقوى علىٰ طاعةالله لاللتلهى والمسكرمنه حرام وهوالقدرالذى يسكر وهوقول العامةواذاسكريجب الحدعليه.

ولمافى تكملةفتح الملهم:(۶۰۰/۳،طبع دارالعلوم كراچى)

والقسم الثالث الاشربةالمسكرةالاخرىٰ غير الاقسام الاربعةالمذكورةمثل نبيذ التمر اوالزبيب

المطبوخ ادنیٰ طبخۃ او عصیر العنب المطبوخ الذی ذھب ثلثاہ وکذلک نبیذ العسل والتین والحنطۃ والشعیر والحبوب الاخری وحکم ھذا القسم عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ انہ لایحرم منہ شرب القلیل الذی لایسکر وانما یحرم منہ القدر المسکر.

ولما فی الفقہ الاسلامی وادلتہ:(۳۴۷/۷،القھوۃ والدخان،طبع دار الفکر،دمشق)

ویحل القلیل النافع من البنج وسائر المخدرات للتداوی ونحوہ لان حرمتہ لیست لعینہ وانما للضررہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبد الوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۳۷۱

﴿کسی عذر سے بچے کی پیدائش میں وقفہ کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام کہ اگر بیوی کی صحت اور تندرستی کا متاثر ہونا پیش نظر ہو تو اولاد کی پیدائش میں مناسب وقفہ کرنا کسی دوا کے ذریعے جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بچوں کی پیدائش میں وقفہ کرنا اگر خاندانی منصوبہ بندی کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی مصلحت (مثلاً بیوی کی صحت کی خرابی یا حمل کی وجہ سے پہلے والے بچے کے لئے دودھ کی قلت) کی بناء پر ہو تو جائز ہے، تاہم اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس قسم کی دواؤں کا استعمال عام طور پر عورت کی صحت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، اس لئے بجائے دواء کے پرہیز سے کام لیں تو زیادہ بہتر ہے۔

لما فی الشامی:(۶۱۵/۹،طبع امدادیہ)

قولہ:(وجاز لعذر) کالمرضعۃ اذا ظھر بھا الحبل وانقطع لبنھا ولیس لأبی الصبی مایستاجر بہ الظئر ویخاف ھلاک الولد.....الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۳۸

﴿چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل کا معقول عذر ہو تو جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون کو سات دن کا حمل ہے اور اس کے شوہر کو ہیپا ٹائٹس کی بیماری ہے اور حمل بھی اسی بیماری کے ایام میں ٹھہرا ہے جبکہ ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ اگر یہ بچہ پیدا ہوا تو اس میں اس بیماری کے اثرات ہوں گے، لہذا

اس عذر کو سامنے رکھتے ہوئے میاں بیوی کا ارادہ ہے کہ اس حمل کو ساقط کردیا جائے کیا از روئے شرع ان کے لئے اسکی گنجائش ہے؟۔ مستفتی: محمد عدنان میر پور خاص

﴿جواب﴾ ڈاکٹر حضرات کا کہنا کہ اگر یہ بچہ پیدا ہوا تو اس میں اس بیماری کے اثرات ہوں گے، معلوم نہیں یہ بات ایک تخمینہ اور اندازے کے درجہ میں ہے یا کئی مرتبہ تجربہ ہوکر حقیقت کے درجہ میں ہے، بہرحال صرف اندیشہ کی بنیاد پر حمل ضائع کرنا کوئی سمجھداری نہیں ہے، البتہ واقعی ایسا ہونے کا ظن غالب ہو تو چار ماہ سے پہلے پہلے ضائع کرنے کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۳۱۸/۶،طبع رشیدیه)

تحت قوله واذا الموؤدة سئلت أسند ابو يعلى وغيره عن عبيد بن رفاعة عن أبيه قال جلس الى عمر، على، الزبير، وسعد رضي الله عنهم في نفر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فتذاكر العزل فقالوا لا بأس به فقال رجل منهم انهم يزعمون انها الموؤدة الصغرى فقال علي، لاتكون موؤدة حتى لاتمر عليها التارات السبع...... قال وهل يباح الاسقاط بعد الحبل قال يباح مالم يتخلق شئي منه ثم في غير مواضع قالوا ولايكون ذلك الا بعد مائة وعشرين يوما. وكذافي الشامي:(۱۷۶/۳،طبع سعيد) وكذافي قاضيخان:(۳۱۲/۳،طبع قديمى)

ولمافي الشامي:(۳۰۲/۱،طبع سعيد)

قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوما، وانما أباحوا ذلك لانه ليس بآدمي اه كذافي النهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۷۶

﴿حاملہ عورت اگر مرجائے اور بچہ زندہ ہو تو پیٹ چاک کرنا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ ایک عورت حالت حمل میں تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا اور پیٹ میں بچہ زندہ ہے جو حرکت کرتا دکھائی دے رہا ہے تو کیا اب اس صورت میں ماں کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالنا شرعاً درست ہے؟ اگر ہم اس کو نکالنے میں دیر لگائیں تو بچہ بھی چند لمحوں کے بعد مر جائیگا۔

﴿جواب﴾ ماں حالت حمل میں فوت ہوجائے اور پیٹ میں بچہ ہو تو اگر قرائن اور علامات کے ذریعے بچے کے زندہ ہونے کا ظن غالب ہوجائے تو اس صورت میں ماں کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالا جائے گا کیونکہ ایک انسان کی زندگی کو بچانے کے واسطے دوسرے انسان کی

عظمت واحترام کونظر انداز کیا جاسکتا ہے، تاہم پیٹ چاک کرتے وقت سہولت اور آسانی والا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں تعدی اور اذیت کا پہلو نمایاں نہ ہو۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۱۴۵، طبع امدادیه)

(حامل ماتت وولدها حي) يضطرب (شق بطنها) من الايسر (ويخرج ولدها) ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لوميتا والالا، كمافي كراهة الاختيار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:

﴿خاندانی منصوبہ بندی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے متعلق کہ بذریعہ آپریشن عورت کی بچہ دانی کو نکالنا یا دوسرا کوئی ایسا عمل کرنا جس سے عورت میں تولید کی طاقت باقی نہ رہے شرعاً جائز ہے؟ واضح رہے کہ عورت تندرست اور صحت مند ہے کسی قسم کی کوئی بیماری نہیں یہ محض اس وجہ سے کیا جارہا ہے کہ بچے بہت ہیں مزید کیا کرینگے یہی زندہ رہیں تو ہمارے لئے کافی ہیں۔

﴿جواب﴾ مستقل مانع حمل تدابیر (مرد کی نسبندی، عورت کا آپریشن) جس سے مرد وعورت کی صلاحیت تولید ختم ہوجاتی ہے، ناجائز اور حرام ہے، یہ اختصاء بنی آدم کی نظیر ہے جبکہ اختصاء بنی آدم حرام ہے، صحابہؓ نے حضور ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی حتیٰ کہ صحابہؓ نے تبتل یعنی عورتوں سے علیحدگی یا نکاح نہ کرنے کی اجازت چاہی اس کی بھی اجازت نہیں ملی، نیز نسبندی اور آپریشن میں ''تغییر خلق بھی ہے'' جسکو قرآن نے شیطانی عمل قرار دیا ہے۔

لمافی قوله تعالى:(سورة نساء، آيت ۱۱۹)

﴿ولأضلنهم ولأمنينهم ولآمرنهم فليبتكن أذان الانعام ولآمرنهم فليغيرن خلق الله﴾

لہٰذا عام اور غیر اضطراری حالات میں نسبندی اور اسطرح کا آپریشن حرام اور ناجائز ہے، البتہ عورت کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ بچہ دانی دور کئے بغیر جان کا خطرہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

لمافی المشكوٰة:(۲/۲۶۷، طبع سعيد)

وعن سعد بن ابي وقاص قال رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن له لاختصينا (متفق عليه)

ولما فی شرح صحیح مسلم للنووی:(۲۲۹/۱،طبع قدیمی)

وھذامحمول علی انھم کانوایظنون جوازالاختصاء باجتھادھم ولم یکن ظنھم ھذاموافقاًفان الاختصاء فی الادمی حرام صغیراًکان او کبیراً.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۱۹ربیع الاول ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر:۵۳

﴿الکحل کی آمیزش والی ادویات﴾

﴿سوال﴾ ہومیو پیتھک کی مروّجہ دوائیاں جن میں اکثر الکحل کی آمیزش ہوتی ہے۔ شریعت کی روسے ایسی دواؤں کا استعمال جائز ہے؟ مستفتی:محمد عزیز صاحب

﴿جواب﴾ انگور یا تر کھجور کی شراب کے علاوہ دوسری کسی شراب کی اتنی مقدار جونشہ آور نہ ہو اگر کسی دواء وغیرہ میں ملادی جائے تو استعمال کرنا جائز ہے۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آج کل کا مروّجہ ''الکحل'' اسکی آمیزش دواء وغیرہ میں ہوتی ہے، انگور یا تر کھجور کی شراب سے نہیں بنایا جاتا بلکہ دیگر اشربہ سے ماخوذ ہوتا ہے، اس لئے کسی بھی ماکول یا مشروب میں یا دواء (خصوصاً ہومیو پیتھک کی دواؤں) میں اگر اُس کی تھوڑی سی مقدار (جو کہ نشہ آور نہ ہو) شامل ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۴۱۲/۵،طبع رشیدیہ)

واماماھوحلال عندعامۃ العلماء فھوالطلاء وھوالمثلّث ونبیذالتّمروالزبیب فھو حلال شربہ مادون السّکرلاستمراء الطعام والتداوی وللتّقوی علیٰ طاعۃ اللہ تعالیٰ لاللتّلھی والمسکرمنہ حرام وھوالقدرالّذی یسکروھوقول العامۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۱ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر:۸۳

﴿کتے کی کھال علاج کے غرض سے استعمال کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک ساتھی بیمار ہے اس کو کسی نے یہ علاج بتایا ہے کہ کتے کی کھال پہن لوتو آپ کی یہ بیماری صحیح ہو جائیگی، اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں وہ کتے کی کھال کو پہن سکتا ہے؟ جب کہ کتے کی کھال نجس بھی ہے

﴿جواب﴾ آپ کے ساتھی کو معلوم نہیں کونسی ایسی بیماری لگی ہے کہ اس کا علاج صرف کتے

کی کھال پہننے میں ہے؟ اور بتانے والا کوئی مستند تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر ہے یا ویسا ہی عام آدمی ہے جس کی بات میں کوئی وزن نہیں، تاہم واقعی کسی تجربہ کار معالج نے اس کا یہی علاج بتایا ہو تو کتے کو باقاعدہ شرعی طریقہ سے ذبح کریں تو اس کی کھال پاک ہوتی ہے اور علاج کیلئے پہننا جائز ہوتا ہے طبیعت گوارہ کرے تو اس ترتیب میں پہننے کی اجازت ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۰۳-۲۰۴،طبع سعید)

(وكل اهاب)ومثله المثانة والكرش قال القهستاني:فالاولى وما (دبغ)ولو بشمس (وهو يحتملها طهر)فيصلى به ويتوضأ منه(ومالا) يحتملها(فلا.....وما)اى اهاب (طهربه)بدباغ(طهربذكاة)على المذهب.

ولمافی الشامی:(۱/۲۰۵،طبع سعید)

والحاصل ان ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه ان كان الحيوان ماكولا ،والافان كان نجس العين فلاتطهر شيئا منه والافان كان جلده لايحتمل الدباغة فكذلك،لان جلده حينئذيكون بمنزلة اللحم،والافيطهر جلده فقط.

ولمافی الهندية:(۱/۲۸،طبع قديمی)

كل اهاب دبغ دباغة حقيقية بالادوية اوحكمية بالتتريب والتشميس والالقاء فى الريح فقد طهروجازت الصلوٰة فيه والوضوء منه الاجلدالآدمى والخنزير.....وماطهر جلده بالدباغ طهرجلده بالزكاة.

ولمافی البحر:(۱/۱۰۰،طبع سعید)

جازاستعماله شرعاالاجلدالخنزير لنجاسة عينه وجلدالادمى لكرامته.....ويدخل ايضا فى عمومه قوله كل اهاب جلدالكلب فيطهر بالدباغ.

واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد　　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۰۲　　　۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿ریچھ کی چربی کے استعمال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ گنج پن کے نقص کو ختم کرنے کیلئے ریچھ کی چربی استعمال کرتے ہیں جو کہ بال اگانے میں بڑی موثر سمجھی جاتی ہے، کیا ایسی ناپاک چیز کو بطور دواء استعمال کرنے کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ ریچھ کو شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو تو اسکی چربی خارجی استعمال کیلئے پاک

ہوجائیگی، بالوں کو اگانے کی غرض سے لگانا جائز ہوگا، البتہ نماز کے وقت سر دھولینا چاہیے، بازاروں میں ریچھ کی جو چربی پائی جاتی ہے چونکہ وہ غیر مذبوح کی چربی ہوتی ہے، اس لئے ضرورت شدیدہ کے بغیر اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الرد:(۳۲۶/۹،طبع امدادیه)

(وذبح مالایوکل یطهر لحمه وشحمه وجلده)......وفی الشامیة:حتیٰ لو وقع فی الماء القلیل لایفسده وهل یجوز الانتفاع به فی غیر الاکل؟ قیل لایجوز اعتباراً بالاکل وقیل لایجوز کالزیت اذاخالطه ودك المیتة،والزیت غالب لایوکل وینتفع به فی غیر الاکل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین چترالی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿بیوی کا دودھ پینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایسا مریض ہے جس کا علاج عورت کا دودھ ہے اب اس آدمی نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تیرا نکاح ٹوٹ گیا، سوال یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے بیوی کا دودھ پینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: سعید الرحمٰن

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں نکاح تو برقرار ہے لیکن عورت کا دودھ پینا مرد کے لئے حرام ہے اور سخت گناہ ہے، اس دور میں ہر قسم کی ادویات عام ہیں، وہ کونسا مرض ہوسکتا ہے جس کا علاج صرف عورت کا دودھ ہی ہو؟ لہٰذا جب تک پوری تحقیق اور نیک و دیندار مستند ڈاکٹر یا حکیم ایسا حکم نہ دیں تو عورت کے دودھ پینے کی جرأت نہ کریں۔

لمافی الدرمع الرد:(۲۲۱/۴،طبع امدادیه)مص رجل ثدی زوجته لم تحرم.

وفی الشامیة:قیدبه احترازا عما اذاکان الزوج صغیراً فی مدة الرضاع فانها تحرم علیه.

ولمافی الهندیة:(۳۳۵/۵،طبع قدیمی)ولابأس بأن یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۹۳

﴿ضبط تولید کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ضبط تولید کی جو

صورتیں اختیار کی جاتی ہیں ان میں سے ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جاتی ہے جیسے بچہ دانی کا نکلوا دینا وغیرہ دوسری صورت منع حمل کی ہے یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کی جاتی ہے کہ قوت تولید تو باقی رہے مگر حمل قرار نہ پائے جیسے وقفے کا ٹیکہ، گولیاں، فرودھ ولوپ وغیرہ ان ہر دو صورتوں میں کونسی جائز اور کونسی ناجائز ہے اور عذر کی صورت میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ضبط تولید کی پہلی صورت جو آپ نے ذکر کی ہے بالاتفاق حرام ہے خواہ اس میں کتنے ہی فوائد اور اس کی دواعی کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں اور دوسری صورت یعنی عارضی طور پر روکنا درج ذیل اعذار کیوجہ سے بلا کراہت جائز ہے:

(۱) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید اندیشہ ہو۔ (۲) عورت اتنی کمزور ہو کہ حمل کے بار کا تحمل نہیں کر سکتی۔ (۳) زوجین کے باہمی تعلق کے ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا ارادہ ہو۔ (۴) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کے مستقل قیام و قرار کا ارادہ نہیں اور سفر سخت مشقت والا ہے۔ (۵) یہ خطرہ ہو کہ فساد زمان کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب بنے گا لیکن کسی ایسی غرض سے روکنا جو اسلامی اصول کے خلاف ہو تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا مثلاً کثرت اولاد سے تنگی رزق کا خیال یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی تو رسوائی ہوگی یا خاندانی منصوبہ بندی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حمل کو روکے وغیرہ۔ ضبط تولید اور اسقاط حمل کی ناجائز صورتوں میں عدم جواز کے علاوہ دینی و دنیاوی لحاظ سے بہت زیادہ مفاسد پائے جاتے ہیں مثلاً:

(۱) طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں خاندانوں کے درمیان لڑائی اور جھگڑے اور فسادات کا ہونا عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق کو مضبوط کرنے میں اولاد کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے جب اولاد نہ ہوگی تو زوجین کیلئے ایک دوسرے کو چھوڑنا بہت آسان ہوگا۔ (۲) صحت کی خرابی: ضبط تولید کی وجہ سے زوجین کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے مرد کی نسبت عورت کی صحت پر زیادہ اثر پڑتا ہے، ضبط تولید کی خاطر جو تدابیر اختیار کیجاتی ہیں وہ عورت کی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے، عمر گزرنے سے ان کے مضر اثرات آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں مثلاً عصبی

نظام میں برہمی، بدمزاجی اور چڑچڑاپن، حافظہ کی خرابی، جنون سرطان، اگر کبھی حمل ہوجائے تو وضع حمل کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے وغیرہ۔

لہٰذا بغیر ضرورت شدیدہ کے ان تدابیر کو اختیار نہ کیا جائے، البتہ اس مقصد کے لئے جماع سے پرہیز یا عزل سے کام چلانا ہی مناسب ہے۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۱/۴۶۴،طبع قدیمی)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انه اخبره قال اصبنا سبایا فکنا نعزل ثم سالنا رسول الله ﷺ عن ذلک فقال لنا وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون وانکم لتفعلون ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا وهی کائنة.

قال العلامة النووی رحمہ اللہ تحت هذا الحدیث: ثم هذه الاحادیث مع غیرها یجمع بینهما بان ما ورد فی النهی محمول علی الکراهة التنزیه وما ورد فی الاذن فی ذلک محمول علی انه لیس بحرام ولیس معناه نفی الکراهة.

ولما فی التنویر مع الدر:(۴/۳۳۵،طبع امدادیه)

(ویعزل عن الحرة) وکذا الکتابیة نهر بحثا (باذنها) لکن فی الخانیة انه یباح فی زماننا لفساده. قال الکمال: فلیعتبر عذرا مسقطا لاذنها.

وفی الشامیة: قوله:(لکن فی الخانیة) عبارتها علی ما فی البحر: ذکر فی الکتاب انه لا یباح بغیر اذنها وقالوا فی زماننا یباح بغیر اذنها وقالوا: فی زماننا یباح لسوء الزمان اه. قوله:(قال الکمال) عبارته: وفی الفتاوی: ان خاف من الولد السوء فی الحرة یسعه العزل بغیر رضاها لفساد الزمان فلیعتبر مثله من الاعذار مسقطا لاذنها اه. فقد علم مما فی الخانیة ان منقول المذهب عدم الاباحة وان هذا تقیید من مشائخ المذهب لتغیر بعض الاحکام بتغیر الزمان، واقره فی الفتح، وبه جزم القهستانی ایضا حیث قال: وهذا اذا لم یخف علی الولد السوء لفساد الزمان والا فیجوز بلا اذنها اه. لکن قول الفتح فلیعتبر مثله یحتمل ان یرد بالمثل ذلک العذر کقولهم مثلک لا یبخل ویحتمل انه اراد الحاق مثل هذا العذر به کأن یکون فی سفر بعید، او فی دار الحرب فخاف علی الولد، او کانت الزوجة سیئة الخلق ویرید فراقها فخاف ان تحبل، وکذا ما یأتی فی اسقاط الحمل عن ابن وهبان فافهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۶۹۷

﴿بچے کی پیدائش (ولادت) نہ ہوتی ہوتو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حاملہ عورت کے

پیٹ میں زندہ بچہ ہے اور کسی بیماری کی وجہ سے بچہ کی ولادت نہیں ہو رہی اور لیڈی ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بچے کی پیدائش سے ماں فوت ہو جائیگی اور ماں کی زندگی بچانے کے لئے ضروری ہے کہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں جان سے مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جائے، سوال یہ ہے کہ ماں کی زندگی بچانے کیلئے بچے کو مار کر ٹکڑے کر کے نکالنا کیسا ہے؟ نیز اگر بچہ مردہ ہو اور پھر ٹکڑے کر کے نکالنے کی صورت میں کیا حکم ہے؟ اور اگر ماں مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس کو نکالنے کا کیا حکم ہے؟

بابو گل حسن خان چالیار سواتی

﴿جواب﴾ ماں کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو ماں کی جان بچانے کیلئے بچے کو قتل کرنے ٹکڑے کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے، آپریشن کے ذریعے نکالے، ہاں یقین ہو کہ بچہ اندر مرا ہوا ہے تو ایسی صورت میں ماں کی جان بچانیکی خاطر مردہ بچے کو کاٹنے کی گنجائش ہے اور اگر ماں مرگئی اور پیٹ میں بچہ زندہ تڑپتا ہوا معلوم ہو تو ماں کے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکالا جائے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۲۳۸، طبع سعید)

(حامل ماتت وولدها حی) یضطرب (شق بطنها) من الأیسر (ویخرج ولدها) ولو بالعکس وخیف الأم قطع وأخرج لو میتا والالا.

وفی الشامیة:(قوله ولو بالعکس) بأن مات الولد فی بطنها وهی حیة (قوله قطع) ای بأن تدخل القابلة یدها فی الفرج وتقطعه بآلة فی یدها بعد تحقق موته...... (قوله والالا) أی ولو کان حیا لا یجوز تقطیعه، لأن موت الأم به موهوم فلا یجوز قتل آدمی حی لأمر موهوم.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۵۷، طبع رشیدیه)

امرأة ماتت والولد یضطرب فی بطنها قال محمد یشق بطنها ویخرج الولد لا یسع الا ذلک وکذا فی قاضی خان علی هامش الهندیة:(۱/۱۸۸ طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۳۵۴

﴿باب فی الغناء واللعب والتصاویر وما یتعلق بها﴾

﴿موسیقی، لہو لعب اور تصاویر سے متعلق مسائل﴾

﴿گانے بجانے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کہ شادی وغیرہ خوشیوں

کے موقعوں پر گانا، غزل پڑھنا، گیت اور دف وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ گانا بجانا شریعتِ مطہرہ کی رو سے بالکل حرام ہے، البتہ گیت یا غزل یا گانے وغیرہ ایسے ہوں جن میں چند شرائط پائی جائیں تو انہیں گا لینا جائز ہے۔

مثلاً (۱) خلافِ شرع اشعار پر مشتمل نہ ہوں (۲) گانے اور سننے کا مقصد بھی محض لہولعب نہ ہو بلکہ فصاحت وبلاغت کا حصول یا وحشت وتنہائی سے چھٹکارا پانا پیشِ نظر ہو (۳) شادی وغیرہ کے موقع پر اظہارِ مسرت مدنظر ہو (۴) غلط مضمون پر بھی مشتمل نہ ہو (۵) عورت یا بے ریش لڑکے کی آواز (جو فتنے کا سبب بنے) بھی نہ ہو تو پھر گانے اور غزل پڑھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، بشرطیکہ دینی امور میں خلل پیدا نہ ہو اور کسی خوشی کا بھی موقع ہو۔

مذکورہ صورتوں میں دف بھی جائز ہے، تاہم ڈھول، باجے وغیرہ کی تو شریعت میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۹/۵۰۲-۵۰۳، طبع امدادیه)

وفی السراج:ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام.....قال ابن مسعود:صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب.

وفی الشامیة:وقیل ان تغنی لیستفیدنظم القوافی ویصیرفصیح اللسان لاباس به وقیل ان تغنی وحده لنفسه لدفع الوحشه لاباس به وبه اخذ السرخسی......

أقول وفی شهادات فتح القدیربعدکلام عرفنامن هذاان التغنی المحرم ماکان فی اللفظ مالایحل کصفة الذکوروالمرئة المعینة الحیة ووصف الخمرالمهیج الیهاالیٰ اخره.....وقدمناان انشاده للاستشهادلایضرومثله فیمایظهرانشاده اوعمله لتشبیهات بلیغة واستعارات بدیعة.

ولمافی المظهری:(۷/۲۱۳۸-۲۳۹، طبع رشیدیه)

"ومن الناس من یشتری لهوالحدیث"الخ قالت الفقهاء:الغناء حرام بهذه الأیة لکونه لهوالحدیث وبماذکرناه من الاحادیث......والجواب عن النصوص ان الأیة ناطقة بالحرمة لماهولهوالحدیث.وسماع الصوفیة لیس منه والاحادیث الموجبة لحرمة الغناء مخصوصة بالبعض لورود احادیث أخردالة علی الا باحة فحملنا احادیث حرمة الغناء علیٰ ماکان منه علیٰ قصداللهو لالغرض مشروع داعیاالی الفسوق فلنذکرالاحادیث الدالة علیٰ اباحة الغناء بل علیٰ اباحة ضرب الدف ایضا.منها حدیث الربیع.وحدیث عائشةؓ قالت.....فقال نبی اللهﷺ ماکان معکم لهوفان الانصاریعجبهم اللهو(رواه البخاری).....وعن عائشةؓ قالت قال رسول اللهﷺ واضربواعلیه بالدفوف.

وعنها......قالت قال رسول الله ﷺ یا عائشة الاتغنين فان هذالحي من الانصار يحبون الغناء، وعن ابن عباسؓ......قال ارسلتم معهامن تغني قالت لاقال رسول الله ﷺ ان الانصار قوم فيه غزل، وعن عامرابن سعد......فقالا اجلس ان شئت فاستمع معناوان شئت فاذهب فانه قدرخص لنا في اللهو عندالعرس. وعن عائشة......فكشف النبي ﷺ عن وجهه فقال دعهمايا ابابكر فانهاايام عيد (رواه البخاري) فظهران المحرم من الغناء ما يدعوالي الفسق ويشغل عن ذكرالله وماليس كذلك فليس بحرام.

معلوم ہوا کہ کوئی بھی گانا یا گیت یا غزل وغیرہ جس میں مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں، نیز وہ قواعد موسیقی کے مطابق بھی نہ ہو، گانا جائز ہے اور دف بھی اگر قاعدہ موسیقی سے ہٹ کر کسی خوشی وغیرہ کے موقع پر بجایا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی　　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۵۴　　　۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

﴿شادی بیاہ میں دف بجانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض احادیث سے جو شادی بیاہ کے موقع پر دف کا جواز معلوم ہوتا ہے کیا یہ صرف دف کے ساتھ خاص ہے یا دیگر آلات موسیقی بھی شادی کے موقع پر استعمال کرنا جائز ہے۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ احادیث مبارکہ میں جس دف کا ذکر آیا ہے اس سے مراد وہ سادہ دف ہے جس سے مقصود نکاح کا اعلان اور تشہیر ہوتی تھی، چنانچہ اگر دف میں مندرجہ ذیل شرائط ہوں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے:

(۱) یہ دف ایک طرف سے کھلا ہوا ہو جو دف ہر دو طرف سے بند ہو جیسے ڈھول وغیرہ تو اس کا استعمال ممنوع ہے۔ (۲) اس میں جھانجھ اور جلاجل وغیرہ نہ ہو چنانچہ اگر دف میں جھانجھ ہو یا بجانے والے کے ہاتھ میں گھنگرو وغیرہ ہو جس سے جھنکار پیدا ہوتی ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے۔ (۴) اس دوران کوئی رقص وسرور یا طرب ومستی نہ ہو۔ (۳) بجانے والا بچے یا بچیاں ہوں اور اگر بالغہ عورت ہو تو سننے والے، صرف عورتیں ہوں۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ کے موقع پر کسی قسم کی موسیقی، ناچ گانا وغیرہ ناجائز اور حرام ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔

لمافی أحكام القرآن:(۲۰۲/۳،سورۃلقمان آیت۲،طبع ادارۃالقرآن)

"ومن الناس من يشترى لهوالحديث"قال ابن المسعود"هووالله الغناء"..... منه قوله تعالىٰ واستفززمن استطعت منهم بصوتك على مافسره مجاهدبقوله هوالغناء والمزاميروالللهووالباطل اخرجه ابن المنذر.

ولمافی صحيح البخارى:(۸۳۵۲/۲،كتاب الاشربة،طبع رحمانيه)

ليكونن من امتى اقوام يستحلون الجروالحريروالخمروالمعازف.

ولمافی احكام القران:(۲۰۷/۳،طبع ادارۃالقرآن)

عن عمران بن حصين رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"فى هذه الامةخسف ومسخ وقذف"فقال رجل من المسلمين:يارسول الله ومتى ذلك؟قال اذاظهرت القيان والمعازف وشربت الخموررواه الترمذى وقال حديث غريب.

ولمافی صحيح البخارى:(۷۶۹/۲،باب ضرب الدف فى النكاح والوليمة،طبع قديمى)

عن الربيع بنت معوذبن عفراء:جاء النبى صلى الله عليه وسلم حين بنى على فجلس على فراشى كمجلسك منى فجعلت جويريات لنايضربن بالدف ويندبن من قتل آبائى يوم بدر.....فقال دعى هذه وقولى بالذى كنت تقولين.

ولمافی جامع الترمذى:(۱۲۹/۱،طبع فاروقى ملتان)

عن عائشةرضى الله عنهاعن النبى عليه السلام اعلنوالنكاح واضربوعليه بالدف.

ولمافی مرقاةالمفاتيح:(۲۴۵/۶،طبع رشيديه)

المرادبه الدف الذى فى زمن المتقدمين وامامّاعليه الجلاجل فينبغى ان يكون مكروهابالاتفاق.

ولمافی البحرالرائق:(۸۸/۷،طبع سعيد)

وفى المعراج الملاهى نوعان محرم وهوآلالات المطربةمن غيرالغناء كالمزمارسواء كان من عوداوقصب كالشبابةاوغيره كالعودوالطنبورلماروى ابوامامةانه عليه السلام قال بعثنى الله رحمةللعالمين وامرنى بمحق المعازف والمزاميرولانه مطرب مصدعن ذكرالله تعالى والنوع الثانى مباح وهوالدف فى النكاح.

ولمافی الشامى:(۵۵/۶،طبع سعيد)

لمافى الاجناس:ولاباس ان يكون ليلةالعرس دف يضرب به ليعلن به النكاح.

ولمافی الدرمع الرد:(۳۱۲/۶،طبع سعيد)

والدف الذى يباح ضربه فى العرس فمضمون اتفاقا......وفى الشامية:احترزعن المصنج ففى النهاية عن ابى الليث ينبغى ان يكون مكروها.

ولمافی الشامى:(۳۸۲/۵،طبع سعيد)

(قوله ضرف الدف فيه)جوازضرب الدف فيه خاص بالنساء لمافى البحرعن المعراج

بعد ذکرہ انہ مباح فی النکاح ومافی معناہ من حادث سرور قال: وھو مکروہ للرجال علی کل حال للتشبہ بالنساء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی
۲ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
فتویٰ نمبر: ۲۸۹۱

﴿شادی، بیاہ، وغیرہ کی ایسی تقریبات جن میں لہو، ولعب ہو تو ان میں شرکت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں آج کل ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں عموماً پردے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بدنظری کا غالب گمان ہوتا ہے، اسی طرح گانے، کھڑے ہو کر کھانا کھانا وغیرہ بھی عام ہوتا جارہا ہے تو اس طرح کی تقاریب میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟ دوسری طرف یعنی شرکت نہ کرنے کی صورت میں قریبی رشتہ دار بھی قطع تعلق کرنے میں دیر نہیں کرتے جس کی وجہ سے آپس میں دوریاں اور اختلافات بڑھتے ہیں۔

مستفتی: محمد ندیم

﴿جواب﴾ جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو وہاں جانے سے گریز کرنے کا بلاشبہ شریعت حکم دیتی ہے لیکن دعوت قبول کرنے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق وجوڑ قائم رکھنے کی بھی شریعت میں بڑی تاکید آئی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں نظروں کی حفاظت کرتے ہوئے گانے وغیرہ کی آواز سے توجہ ہٹاتے ہوئے کھانا لیکر الگ کسی کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر کچھ کھالے تاکہ قبول دعوت کے علاوہ خلاف سنت کھڑے ہو کر کھانے والوں کے لئے اپنے عمل کے ذریعے دعوت بھی ہو تو یہ بہتر ہے، موقع ملے تو زبانی دعوت بھی چلائیں کہ یہ طریقہ ہم مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا اور اگر غالب گمان ہو کہ منع کرنے سے رک جائیں گے تو باقاعدہ منع کرنے کی کوشش بھی کریں۔

اس طرح کی تقریبات میں شرکت سے مکمل طور پر منع کرنے میں دینداروں کے لئے کافی دشواریاں ہیں تقریبات کے علاوہ بازاروں میں دفتروں میں بھی عورتوں کے اختلاط سے بچنا ممکن نہیں رہا اب دیندار آدمی کہاں جائے؟ البتہ جہاں تک ممکن ہو بچنے کا حکم ہے، لہٰذا اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور عام معاشرے سے فساد، دور کرنے کی کوشش کریں، ہاں کوئی بڑے عالم ہوں مقتداء ہوں تو ان کو ایسی تقریب میں جانا منع ہے تاکہ انکے عمل کی وجہ سے ناجائز کو عام لوگ جائز نہ سمجھنے لگے۔

لمافی المشکوٰۃ:(ص۴۲۰،طبع سعید)

قال رسول اللہﷺمامن ذنب احری ان یعجل اللہ لصاحبہ العقوبۃفی الدنیامع مایدخر لہ فی الاخرۃمن البغی وقطیعۃالرحم......وعن عائشۃؓقالت قال رسول اللہﷺالرحم متعلقۃبالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ(متفق علیہ)

ولمافی الھندیۃ:(۳۴۳/۵،طبع رشیدیہ)

من دعی الی ولیمۃ فوجدثمۃ لعباًاوغناًفلاباس ان یقعدویاکل فان قدرعلی المنع یمنعھم ان لم یقدریصبروھذااذالم یکن مقتدی بہ امااذاکان ولم یقدرعلی منعھم فانہ یخرج ولایقعدولوکان ذالک علی المائدلاینبغی ان یقعدوان لم یکن مقتدی بہ وھذاکلہ بعدالحضورواما اذاعلم قبل الحضورفلایحضرلانہ لایلزمہ حق الدعوۃ بخلاف ما اذاھجم علیہ لانہ قدلزمہ کذافی السراج.

ولمافی البحرالرائق:(۱۸۸/۸،طبع سعید)

(من دعی الی ولیمۃ وثمۃ لعب وغناء یقعد ویاکل)یعنی احدث اللعب والغداء بعد حضورہ یقعدویاکل ولایترک ولایخرج......وعللوذلک بان اجابۃ الدعوۃ لقولہ علیہ الصلاۃوالسلام من لم یجب الدعوۃ فقدعصی اباالقاسم فکان یترکھالمااقترن بھامن البدعۃ کصلاۃالجنازۃ لاجل النائحۃ فان قدرعلی المنع منا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:افتخاراحمد گلگتی

۸جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۳۴۷

﴿ٹی وی دیکھنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ٹی وی دیکھنا کیساہے؟ جب کہ اس پرمفیدپروگرام بھی دکھائے جاتے ہیں — مستفتی:بھائی ارشدصاحب بکری والا

﴿جواب﴾ ٹیلی ویژن دیکھناجس میں فحش تصاویرکی نمائش ہوتی ہے،ایک اعتبارسے اس میں انسان کیلئے گناہ کی دعوت بھی ہے اوربہت سارے مفاسدپرمشتمل ہے،اس لئےٹیلی ویژن رکھنااوردیکھنادونوں حرام ہے مثلاً(۱)تصویربینی(۲)تصویرسازی(۳)تصویرنمائی(۴) آلہ معصیت(۵)اسکی خریداری پرمال ضائع کرنا(۶)(۷)ملائکہ رحمت سے دوری(۸)استحقاق لعنت(۹)کفارسے مشابہت(۱۰)مردوں کاغیرمحرم عورتوں کودیکھنا(۱۱)عورتوں کاغیرمحرم مردوں کودیکھنا(۱۲)پہلوان،تیراکی،اورکھلاڑی،عموماًنیم برہنہ ہوتے ہیں توان کے ستر پر نظرپڑناوغیرہ وغیرہ،تقریباًیہ تمام گناہ اپنی جگہ کبیرہ اورسخت وعیدوں کے مصداق ہیں۔مثلاً

آلات معصیت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: (پ ۲۱، سورۃ لقمان، آیت ۶)

﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم و يتخذها هزوا اولئک لهم عذاب اليم ..... الاية﴾

ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خریدار ہیں کھیل کود کی باتوں کے تاکہ گمراہ کردیں اللہ تعالی کے راستے سے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہیں۔

لہو الحدیث کے تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: (پ ۲۱، سورۃ لقمان آیت ۶)

الغناء، والذى لااله الا هو يردد ها ثلاث مرات.....الاية.

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس سے مراد گانا ہی ہے اور یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: تفسیر ابن جریر: (۱۲۹/۲۰، طبع بیروت)

قال المغنى والمغنية بالمال الكثير والاستماع اليه والى مثله من الباطل.

اس سے مراد گانے والا غلام اور گانے والی لونڈی خریدنا اور ان سے گانا سننا اور گانے جیسی دوسری خرافات سننا ہے۔

مذکورہ بالا تمام مفاسد کے علاوہ اس شیطانی چرخہ کو مسلم آبادیوں میں عام کرنا باقاعدہ ایک منصوبہ کے تحت ہے کہ کسی طرح ان لوگوں میں بے حیائی عام ہوجائے اور غیروں کے تہذیب وتمدن سے سادہ لوح مسلمان اثر لے کر دین سے دور ہو جائیں اور صد افسوس کہ ایک حد تک دین اسلام کے دشمن اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں۔

اور اگر مان لیا جائے کہ اسکے کچھ فائدے بھی ہیں تب بھی اس میں غالب چونکہ شر ہی ہے، لہذا چند فائدوں کی خاطر ٹیلی ویژن دیکھنا ہرگز جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لما فى الدر المختار: (۳۷۲/۶، طبع سعيد) وفيه النظر الى ملاة الاجنبية بشهوة حرام.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتوی نمبر: ۷۴۵

﴿ٹی وی کی خرید وفروخت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ٹی وی کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ٹی وی زیادہ تر مفاسد اور گناہ کی چیزوں پر مشتمل ہے اگرچہ اس کے استعمال

کے کچھ جائز طریقے بھی ہیں، فقہاء کرام نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی چیز برائی کے لئے استعمال ہوتی ہو جبکہ اس کے استعمال کے جائز طریقے بھی ہوں تو ایسی چیز کی خرید وفروخت جائز ہے، تاہم ٹی وی جو کہ ایک شیطانی چرخہ ہے اس سے ہر طرح دور رہنے میں زیادہ خیر اور بچت ہے، لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی خرید وفروخت سے گریز کیا جائے۔

لمافی الشامی:(۹/۵۶۱،طبع امدادیه)

وعلم من هذاانه لایكره بیع مالم تقم المعصیة به كبیع الجاریة المغنیة والكبش النطوح والحمامة الطیارة والعصیروالخشب ممن یتخذمنه المعازف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر: ۹۷۸

﴿عشاء کی نماز کے بعد گیم کھیلنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر کمپیوٹر پر گیم کھیلنے بیٹھ جاتا ہوں، اس طرح کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ جبکہ گیم میں کوئی فحش چیز بھی نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ عشاء کی نماز کے بعد فضول گوئی سے احادیث مبارکہ میں نہی وارد ہے اور مطلق کلام سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کرتے تھے، اس لئے اگر کمپیوٹر پر کوئی ضروری کام نہ ہو صرف گیم کھیلنے بیٹھنا صحیح نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے جہاں تک ہو سکے اس سے گریز کریں لیکن اگر فجر کی نماز قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو گیم کھیلنا نہ صرف مکروہ بلکہ سخت گناہ ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۸۰،باب مایكره من النوم قبل العشاء،طبع قدیمی)

حدثنا محمدبن سلام......عن ابی برزة ان رسول اللهﷺكان یكره النوم قبل العشاء والحدیث بعدها.

ولمافی الشامی:(۲/۲۶-۲۷،طبع امدادیه)

[تنبیه]أشرناالیٰ أن علة استحباب التأخیرفی العشاء هی قطع السمرالمنهی عنه وهوالكلام بعدها،قال فی البرهان:ویكره النوم قبلهاوالحدیث بعدهالنهی النبیﷺ عنهماالاحدیثافی خیر......وقال الزیلعی:وانماكره الحدیث بعدهالأنه ربمایؤدی الیٰ اللغوأوالیٰ تفویت الصبح اوقیام اللیل لمن له عادة به،واذاكان لحاجة مهمة فلا بأس وكذاقرأة القرآن والذكروحكایات الصالحین والفقه والحدیث مع الضیف اھ۔

والمعنیٰ فیه أن یكون اختتام الصحیفة بالعبادة ،كماجعل ابتداء هابهالیمحیٰ مابینهما

من الزلات، ولذا کرہ الکلام قبل صلوٰۃ الفجر، وتمامہ فی الامداد.

وئما فی فقہ السنۃ: (۱/ ۹۳، طبع دار الکتب پشاور)

یکرہ النوم قبل صلاۃ العشاء والحدیث بعدھا..... وعلۃ کراھۃ النوم قبلھا والحدیث بعدھا لان النوم قد یفوت علی النائم الصلاۃ فی الوقت المستحب اوصلوٰۃ الجماعۃ کان السمر بعدھا یؤدی الی السہر المضیع لکثیر من الفوائد فان اراد النوم وکان معہ من یوقظہ أو تحدث بخیر فلا کراھۃ حینئذ فعن ابن عمر قال: "کان رسول اللہ ﷺ یسمر عند ابی بکر اللیلۃ کذلک فی امر من امور المسلمین، وأنا معہ" رواہ احمد والترمذی وحسنہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۶۴

جاندار چیز کی تصویر بنانا، رکھنا، کھینچنا، سب گناہ کبیرہ ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پینٹر ہوں اور جاندار اشیاء کی تصویر نہیں بناتا حالانکہ میں یہ ہنر جانتا ہوں کبھی میرے پاس اسکول کے طالب علم آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے لئے مکڑی یا مچھلی کی تصویر یا کسی جاندار چیز کی تصویر بنا دو اگر میں نہیں بناتا تو وہ کہیں اور سے بنوا لیتے ہیں جس سے میری دوکانداری خراب ہوتی ہے۔

نیز اگر کوئی شخص (جبراً) زبردستی تصویر بنانے کو کہے جس کی بات نہ ماننے کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

مستفتی: عبد الرشید شاہکار پینٹر کراچی

جواب: احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ "رضوان اللہ علیہم اجمعین" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جاندار چیز کی تصویر بنانا، رکھنا، کھینچنا، سب گناہ کبیرہ ہیں۔ چنانچہ اس پر سخت وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل پیدائش میں مشابہت اختیار کرنا قرار دیا ہے، لہٰذا کاروبار کے خراب ہونے کا عذر پیش کرنا جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے ابن عباس! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی صنعت پر ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وہ بیان کرتا ہوں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

ہے کہ جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے والے ہیں یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں روح ڈال دے اور وہ شخص کبھی بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا، یہ سن کر اس شخص نے ایک لمبی سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ارے بھائی اگر تو بنانا ہی چاہتا ہے تو اس درخت کی تصویر بنا اور اس چیز کی تصویر بناؤ جس میں روح نہ ہو۔ بحوالہ صحیح البخاری: (۱/۲۹۶، کتاب البیوع، باب بیع التصویر، طبع قدیمی)

لمافی الشامی: (۲/۴۱۶، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، طبع امدادیہ)

وظاھر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان، وقال: وسواء صنعہ لمایمتھن أولغیرہ، فصنعتہ حرام بکل حال، لأن فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ.

ولمافی الشامی: (۲/۴۲۰، طبع امدادیہ)

تنبیہ: ھذاکلہ فی اقتناء الصورۃ، وأمافعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لأنہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ کما مر.

ولمافی البحر الرائق: (۲/۲۷، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھما، طبع سعید)

وظاھر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم تصویرہ صورۃ الحیوان فانہ قال قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صور الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث یعنی مثل ما فی الصحیحین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم أشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون یقال لھم احیوا ما خلقتم ثم قال وسواء صنعہ لما یمتھن أولغیرہ فصنعتہ حرام علی کل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ.

ولمافی صحیح البخاری: (۲/۴۰۴-۴۰۵، باب عذاب المصورین یوم القیٰمۃ، طبع رحمانیہ)

فقال سمعت عبداللہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذابا عنداللہ المصورون.

تصویر بنانے میں آپ پر کوئی اگر زبردستی کرے اور نہ ماننے کی صورت میں نقصان کا اندیشہ ہو تو صرف دنیاوی معمولی سا نقصان بھی اگر برداشت کرنا پڑے تو برداشت کر لیں، البتہ نہ ماننے میں جان کا اندیشہ یا ہاتھ، پاؤں توڑنے کا قوی اندیشہ اگر ہو تو ایسی صورت میں ظالم کے ظلم سے بچنا ضروری ہے، تصویر بنانے کا گناہ آپ کو نہیں، بنوانے والے کو ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر: (۹/۱۸۴، طبع امدادیہ)

(فان أکرہ علی أکل میتۃ أودم أولحم خنزیر أوشرب خمر باکراہ) غیر ملجی (بحبس أوضرب أوقید لم یحل)......(و) ان أکرہ بملجی (بقتل أوقطع) عضو أوضرب مبرح. ابن

كمال(حلّ)الفعل بل فرض(فان صبر فقتل أثم)

وفي الشامية:(فان أكره على أكل ميتة الخ)الاكراه على المعاصي انواع:نوع يرخص له فعله ويثاب على تركه كاجراء كلمة الكفر وشتم النبي ﷺ وترك الصلاة وكل ماثبت بالكتاب،وقسم يحرم فعله ويأثم باتيانه:كقتل مسلم أوقطع عضوه أوضربه ضربا متلفا أوشتمه أوأذيته والزنا،وقسم يباح فعله ويأثم بتركه:كالخمر وماذكرمعه، طوري عن المبسوط،وزادفي الخانية رابعاً:وهومايكون الفعل وعدمه سواء كالاكراه على اتلاف مال الغير لكنه مخالف لماسيأتي كماسننبه عليه.....قوله:(حل الفعل)لأن هذه الاشياء مستثناة عن الحرمة في حل الضرورة،والاستثناء عن الحرمة حل ابن كمال،بحواله بالا)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن کوئٹہ

۲۴محرم الحرام ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر:۱۸۷۴

﴿تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تصویر بنانے اور بنوانے والے کا کیا حکم ہے؟نیز پاسپورٹ سائز تصاویر پر تصویر کے احکام لاگو ہونگے یا نہیں؟ پاسپورٹ یا دیگر ضروریات کے لئے جو تصاویر بنوائی جاتی ہیں تو بنوانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تصویر بنانا یا بنوانا گناہ کبیرہ ہے،احادیث مبارکہ میں تصاویر بنانے سے متعلق بڑی وعیدیں آئی ہیں،چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے تصاویر کی حرمت پر اجماع امت نقل کیا ہے،پاسپورٹ سائز تصاویر پر بھی تصویر کا حکم لاگو ہوگا،چنانچہ پاسپورٹ سائز تصاویر بھی بلاضرورت بنوانا حرام اور ناجائز ہے،تاہم جہاں ضرورت شدیدہ ہو جیسا کہ آج کل شناختی کارڈ کے بغیر اپنے ملک میں رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے،اسی طرح پاسپورٹ کے بغیر حج اور عمرہ سے بھی آدمی محروم رہتا ہے تو ایسی ضرورت کے پیش نظر پاسپورٹ سائز تصویر ضرورت کی حد تک بنوانے کی گنجائش ہے۔

اور بنوانے کی گنجائش ہے تو بنانے کی بھی گنجائش معلوم ہورہی ہے لیکن بنانے والے کا مقصد ضرورت پوری کرنا نہ ہو بلکہ اس کا مقصد کاروبار اور ذریعہ معاش ہی ہو تو اس کی گنجائش محل نظر ہے اس لئے اس کا مشورہ نہیں دیا جاتا،البتہ حکومت کی طرف سے کسی کی ڈیوٹی ہو تو اس کے لئے گنجائش معلوم ہورہی ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''تصویر کے شرعی احکام'' (ص ۸۱/ طبع ادارۃ المعارف) میں لکھتے ہیں:

''بعض ممالک بعیدہ کے سفر کے لیے عام حکومتوں کی طرف سے مسافر کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ پاسپورٹ حاصل کرے اور اپنا فوٹو کھنچوائے اگر یہ سفر کسی ضرورت شرعی کے لئے یا معاش کی شدید ضرورت کے لئے ہو تو بوجہ اضطرار کے فوٹو کھنچوانا جائز ہے''۔

لما فی شرح السیر الکبیر وان تحققت الحاجة الیٰ استعمال السلاح الذی فیه تمثال فلاباس باستعماله لان موضع الضرورة مستثناة من الحرمة کمافی تناول المیتة''.

لمافی البخاری:(۲/ ۲۰۳-۲۰۵،رقم الحدیث:۵۹۵۰،کتاب اللباس،طبع رحمانیه)

عن مسلم قال کنامع مسروق فی داریسار بن نمیرفری فی صفته تماثیل فقال سمعت عبد الله قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان اشدالناس عذاباعندالله المصورون......عن عبدالله بن عمران رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الذین یصنعون هذه الصوریعذبون یوم القیامةیقال لهم احیواماخلقتم.

ولمافی عمدۃالقاری:(۲۲/ ۱۱۰،طبع رشیدیه)

وفی(التوضیح)قال اصحابناوغیرهم تصویرصورةالحیوان حرام اشدالتحریم وهو من الکبائروسواء صنعه لمایمتهن اولغیره فحرام بکل حال لان فیه مضاهاةلخلق الله وسواء کان فی ثوب الخ.قال جماعةالعلماء مالک والثوری وابوحنیفةرحمهم الله وغیرهم.

ولمافی الشامی:(۱/ ۶۴۷،طبع سعید)

وظاهرکلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علیٰ تحریم تصویرالحیوان.

ولمافی شرح معانی الآثارللطحاوی:(۲/ ۳۰۳،باب التصاویر،طبع سعید)

عن أبی هریرةقال الصورةالراس فکل شیء لیس له راس فلیس بصورة.

ولمافی الاشباه مع الحموی:(۱/ ۲۵۱-۲۵۲،طبع ادارةالقرآن کراتشی)

الضرورات تبیح المحضورات ومن ثم جازاکل المیتةعندالمخمصة......مـا ابیح للضرورةیتقدربقدرها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ ھوالموفق للصواب: عبدالوھاب لقمانی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ | فتویٰ نمبر: ۲۷۱۳

﴿پوشیدہ رکھی ہوئی تصویر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک سرکاری ملازم تصویریں کھینچوا کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے تا کہ ایمرجنسی کی

صورت میں ان کو استعمال کرے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ "لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب أو تصاویر" والی حدیث کی وعید میں داخل تو نہیں؟ مستفتی: عبید اللہ واپڈا ٹاؤن لاہور

﴿جواب﴾ ضرورت اور مجبوری کے درجہ میں تصویر کھینچ وانے کی علماء کرام نے اجازت دی ہے، لہٰذا مستقبل میں ایسی ضرورت پیش آنے کا غالب گمان ہو تو اس نیت سے رکھنے کی گنجائش معلوم ہورہی ہے لیکن بٹوہ یا کسی دوسری چیز میں چھپا کر رکھیں فریم میں بند کرکے یا ویسے ہی نمائش کے لئے رکھ لی تو حدیث شریف میں مذکور وعید میں ایسی تصاویر بھی داخل ہونگی۔

لمافی الشامی: (۱/۶۴۷، طبع سعید)

والتمثال خاص بمثال ذی الروح، ویاتی أن غیر ذی الروح لایکرہ قال القهستانی: وفیه اشعار بانه لاتکرہ صورۃ الرأس، وفیه خلاف کمافی اتخاذھا کذافی المحیط.

ولمافی الدر المختار: (۱/۶۴۸-۶۴۹، طبع سعید)

(أو کانت صغیرۃ) لاتتبین..... (أو مقطوعة الرأس أو الوجه) أو ممحوۃ عضو لاتعیش بدونه.

وفی الشامیة: (قوله لا المستتر بکیس أو صرّۃ) بأن صلی ومعه صرۃ او کیس فیه دنانیر او دراھم فیھا صور صغار فلاتکرہ لاستتارھا..... (قوله أو ممحوۃ عضو الخ) تعمیم بعد التخصیص، وھل مثل ذلک مالو کانت مثقوبة البطن مثلا. والظاھر أنه لو کان الثقب کبیزایظیر به نقصھا فنعم والافلا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۰۹۲

﴿تصویر بنانا ہر حال میں حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرا پرنٹنگ کا کام ہے جس میں کبھی پہلے سے بنی ہوئی تصویر بھی پرنٹ کرنی پڑتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ شرعا اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: بھائی یوسف

﴿جواب﴾ دین اسلام میں ذی روح کی تصویر بنانے کی گنجائش نہیں ہے، احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، آپ پرنٹنگ کے کام میں تصویر والے کام سے گریز کریں، البتہ اصل کام کچھ اور ہو اور ضمنا کوئی ایک دو تصویر بھی پرنٹ کرنا پڑے تو اس کو ناجائز سمجھتے ہوئے استغفار کریں اور تصویر والے حصہ کے بقدر آمدنی کا حصہ صدقہ کریں۔

لمافی صحیح البخاری: (ص۲۹۶، کتاب البیوع، طبع قدیمی)

عن سعید بن أبی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذا اتاہ رجل فقال یا ابا عباس انی

انسان انما معیشتی من صنعة یدی وانی اصنع هذه التصاویر فقال ابن عباس لااحدثک الا ما سمعت رسول الله ﷺ یقول سمعته یقول من صور صورة فان الله معذبه حتی ینفخ فیها الروح ولیس بنافخ فیها ابدا فربا الرجل ربوة شدیدا واصفر وجهه فقال ویحک ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بهذا الشجر کل شئ لیس فیه روح.

ولمافی مشکوٰة المصابیح:(ص۳۸۵،طبع سعید)

عن عبدالله ابن مسعودؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اشد الناس عذابا عندالله المصورون متفق علیه.

ولمافی التنویر مع الرد:(۱/۶۴۷،طبع سعید)(ولبس ثوب فیه تماثیل)

وفی الشامیة:(قوله ولبس ثوب فیه تماثیل)...... وظاهر کلام النووی فی شرح المسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان،وقال:وسواء صنعه لمایمتهن اولغیره ،فصنعته حرام بکل حال،لان فیه مضاهاة لخلق الله تعالی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد احمد غفرلہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۰۶

﴿تصویر سازی کا مفصل حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ شریعت مطہرہ کے اندر جاندار کی تصویر بنانے والے کے بارے میں کیا وعیدیں وارد ہوئی ہیں؟ برائے مہربانی احادیث کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

نیز یہ بھی بیان فرمائیں کہ آپ علیہ السلام نے جاندار کی تصویر بنانے سے کیوں منع فرمایا ہے؟ اس کی حرمت کی کیا وجہ ہے؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ کے اندر تصویر سازی کی ممانعت ہے اور تصویر سازی کی حرمت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ہم چند احادیث مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

(۱)عن ابی طلحة عن النبی ﷺ قال لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولاصورة.صحیح مسلم :(۲/۲۰۰،طبع:قدیمی)

ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو تو اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(۲)وعنها عن النبی ﷺ قال اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله .متفق علیه،مشکوٰة المصابیح :(۳۸۵)

ترجمہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن سب لوگوں سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔

(۳)عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ان اشد الناس عذابا یوم القیامة من قتل نبیا او قتله نبی او قتل احد والدیه والمصورون وعالم لم ینتفع بعلمه.مشکوۃ(۳۸۷)

ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن سب لوگوں سے سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے اپنے نبی کو قتل کیا ہو یا نبی نے اس کو قتل کیا ہو یا اپنے والدین میں سے اس نے کسی کو قتل کیا ہو، اور تصویر بنانے والا، اور وہ عالم جو اپنے علم سے نفع نہ اٹھائے۔

(۴)قال ابن عباس سمعت رسول الله ﷺ یقول من صور صورة فی الدنیا کلف ان ینفخ فیه الروح یوم القیامة ولیس بنافخ.مسلم :(۲۰۲/۲)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے جس نے دنیا میں کوئی صورت بنائی تو قیامت کے دن وہ اس بات پر مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے، حالانکہ وہ روح ڈالنے والا نہ ہوگا۔

(۵)عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول قال الله تعالی ومن اظلم ممن ذهب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرة اولیخلقوا حبة اوشعیرة متفق علیه .(مشکوۃ ۳۸۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تصویریں بنانے لگے، یہ لوگ ایک ذرہ تو بنا کے دکھائیں، یا ایک دانہ اور ایک جو تو بنا کے دکھائیں۔

(۶)عن نافع ابن عمر اخبره رسول الله ﷺ قال الذین یصنعون الصور یعذبون یوم القیامة یقال لهم احیوا ما خلقتم .(مسلم ۲۰۷/۲)

ترجمہ: آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "جاندار کی تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنی اس بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالو۔

آپ نے یہ سوال بھی کیا ہے کہ تصویر حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اس کے متعلق اولاً تو یہ عرض ہے کہ اسلام کی معنی ہی انقیاد و تابعداری کے ہیں یعنی آدمی بغیر کسی چوں چرا کے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے، چاہے بات ہماری سمجھ میں

آئے یا نہیں بہر حال چونکہ آپ نے سوال کیا ہے تو لہذا فقہاء کرام نے تصویر کی حرمت کی کچھ وجوہات بیان فرمائی ہیں ہم وہ مختصراً تحریر کرتے ہیں۔

پہلی وجہ: تصویر بنانا شرک کی طرف بڑھنے کا پہلا قدم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاص یعنی ''خالق'' کی صفت خلق عملی طور پر اپنی طرف منسوب کرنا ہے، اور اس سے پہلے بھی یہی تصاویر اور مورتیاں شرک کیلئے بنیادی وجہ بنی تھیں۔

دوسری وجہ حرمت یہ ہے کہ بت پرستی کی ابتداء بھی تصاویر اور مورتیوں سے ہوئی جیسا کہ گذشتہ اقوام کے حالات سے بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ تصویر آرائش وزیبائش کی چیز ہے لوگ اس میں بے تحاشا مال خرچ کرتے ہیں ایک تو تصویر خود حرام ہے دوسرے اس میں اسراف کا گناہ بھی ہے پھر بعض دفع اس میں دکھاوا اور آپس میں تفاخر بھی شامل ہوتا ہے لہذا یہ تو گناہوں کا مجموعہ ہے۔

لہذا اسلام نے سد باب کے طور پر تصویر سازی سے بھی ممانعت فرمادی۔

لمافی حجة الله البالغة:(۲/۲۲۸،۲۲۹،طبع:قدیمی)

ومنها:صناعة التصاویر فی الثیاب والجدران والانماط فنهی عنها النبی ﷺ ومدار النهی شیئان:احدهما انه احد وجوه الارفاه والزینة فانهم کانوا یتفاخرون بها ویبذلون اموالا خطیرة فیها فکانت کالحریر،وهذا المعنی فی موجود فی صورة الشجروغیرها.
وثانیها:ان المضاهرة بالصور واتخاذها وجریان الرسم بالرغبة فیها یفتح باب عبادة الاصنام وینوه بها ویذکرها لاهلها.ومانشأت عبادة الاصنام فی أکثر الطوائف الامن هذه،وهذا المعنی یختص بصورة الحیوان،ولذالک امر بقطع رأس التماثیل لتصیر کهیئة الشجر،وخف فساد صناعة صور الاشجار.

ولمافی حاشیة المسلم:(۲/۱۹۹،طبع:قدیمی)

قال اصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر...لان فیه مضاهاة بخلق الله تعالی هکذفی اوجز المسالک :(۱۵/۱۵۳،طبع:دار الکتب العلمیة)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۱۲رجب المرجب ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر:۲۲۲۲

﴿اخبارات ورسائل میں تصاویر دیکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اخبارات ورسائل میں جو

مرد وزن کی تصاویر ہوتی ہیں ان کا دیکھنا کیسا ہے۔ مستفتی: عبدالقدیر پنڈ سلطانی

﴿جواب﴾ جن چیزوں کی تصویر بنانا شرعاً ناجائز ہے، ان کا دیکھنا بھی اگر قصداً ہو تو ناجائز ہے، لہذا اخبارات ورسائل میں اگر تصاویر کو ارادے اور قصد سے دیکھا جائے تو جائز نہیں ہے، البتہ اگر مقصود مضمون پڑھنا ہو اور بغیر قصد وارادے کے تصاویر پر بھی نظر پڑ جائے تو گنجائش ہے لیکن دل کی نورانیت پر ہر صورت میں ان گندی چیزوں کا اثر ہونا لازمی امر ہے اس لیے دور رہنے میں احتیاط ہے

وضاحت اور تفصیل کے لیے ''تصویر کے شرعی احکام'' مصنفہ مفتی محمد شفیع دیکھیں

(لما فی صحیح البخاری ۲/۲۰۵)

عن عبد الله ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال: ان الذین یصنعون هذه الصور یعذبون یوم القیمة یقال لهم احیوا ما خلقتم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکمی

۱۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر

﴿غیر اختیاری طور پر جاندار کی تصویر بن جائے تو اس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر آدمی مکان یا درخت کی تصویر بنائے لیکن اچانک بندہ یا جانور سامنے آجائے اور انکی تصویر بھی بن جائے تو کیا تصویر بنانے والا گناہگار ہوگا؟ مستفتی: قمر الدین

﴿جواب﴾ چونکہ تصویر بنانے والے کا قصد اور ارادہ غیر ذی روح چیز کی تصویر کشی کا ہے اگرچہ تبعاً اور غیر اختیاری طور پر ذی روح کی تصویر بھی آگئی لھذا گناہ نہیں ہوگا کیونکہ اعمال کا دارومدار آدمی کی نیت اور ارادہ پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، لھذا تصویر کشی کا گناہ نہیں ہوگا لیکن بعد میں ذی روح کی تصویر کو اپنے اختیار سے اگر چھوڑے گا تو اس کا گناہ ہوگا۔

لما فی صحیح البخاری: (۱/۲ طبع: قدیمی کتب خانہ)

قال رسول الله ﷺ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امراة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه

ولما فی الاشباه والنظائر: (ص: ۳۱) القاعدة الثانیة: الامور بمقاصدها

ذكر قاضيخانؒ في فتاواه ان بيع العصير ممن يتخذه خمراً ان قصد به التجارة فلا يحرم ،وان قصد به لأجل التخمير حرام.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۶۸

﴿بچوں کا چندہ کر کے ٹورنامنٹ کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں بچے صبح سکول جاتے وقت والدین سے پیسے لیجاتے ہیں اور وہاں جا کر ان پیسوں سے چندہ کر کے ٹورنامنٹ منعقد کراتے ہیں اور اس میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ جو ٹیم بھی جیت جائے گی، اس کو اتنا ملے گا اور دوسرے نمبر پر آنے والی ٹیم کو اتنا ملے گا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ ان بچوں کے والدین حالات سے باخبر ہونے کے باوجود ان کو منع بھی نہیں کرتے، نیز بالغ و نابالغ لڑکے سب ملکر یہ ٹورنامنٹ کراتے ہیں سب کا حکم یکساں ہے یا مختلف؟ شریعت کی رو سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ کے مطابق بچوں (خواہ بالغ ہوں یا نابالغ) کا چندہ کر کے ٹورنامنٹ کرانا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ دور حاضر میں مقابلہ کی مروجہ صورتیں جس میں ہر ٹیم کو ایک مخصوص مقدار میں انٹری یا فیس ادا کرنی پڑتی ہے، انعامی رقم جیتنے والی ٹیم کو ملتی ہے اور دوسروں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے، یہ قمار یعنی جوئے کی صورت ہے کیونکہ ہر شریک ایک مبہم نفع اور نقصان کے درمیان رہتا ہے اور اسی کا نام قمار ہے جو نص قرآنی سے حرام ہے، والدین باوجود علم کے منع نہ کریں تو وہ بھی گناہ میں شریک ہونگے۔

لما في قوله تعالى:(سورة المائدة، آيت ۹۰)

يآايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون.....الأية.

ولما في احكام القران للمفتي محمدشفيعؒ:(۲۰۲/۳،طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)

ومايلعب به الصبيان من الجوازوالبوتام(بٹن)والكرات الزجاجية(گولیاں)وامثا لها فانهاتشتمل على القمار،فالواجب على اوليائهم أن يمنعوهم عنها.

ولما في روح المعاني:(۲۹۳/۲،طبع رشيديه)

وفي حكم ذلك جميع انواع القمارمن النرد والشطرنج وغيرهما حتى ادخلوافيه لعب

الصبيان بالجوز والكعاب والقرعة في غير القسمة وجميع انواع المخاطرة والرهان وعن ابن سرين كل شيء فيه خطر فهو من الميسر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۲۲۸

﴿باب الستر والحجاب﴾

﴿لڑکی کو پردہ کس وقت کرانے کا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی کو پردہ کرنے کا حکم کب کیا جائیگا؟ مستفتی: جمال الدین تاجکی

﴿جواب﴾ لڑکی جب ایسی عمر کو پہنچے کہ لوگوں کی نظریں اس کیطرف مائل ہوں، فقہی اصطلاح میں اسکو مشتہات کہتے ہیں تو اس کو پردہ دینا چاہئے عام طور پر نو سال سے کم عمر کی لڑکی ایسی نہیں ہوتی اور نو سال کے بعد عموماً لڑکی مشتہات ہوجاتی ہے، اور آخری حد اس کیلئے بلوغت ہے. بالغ ہونے کے بعد وہ خود بھی مکلف ہوجاتی ہے. اور پردہ لازم ہوجاتا ہے.

لقوله تعالى: ﴿وقل للمومنات يغضضن من ابصارهن و يحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها و ليضربن بخمرهن على جيوبهن.الآيه (النور آية ۳۱)﴾

لما في الفقه الاسلامي وادلته :(۴۴۷۳/۶ طبع رشيدية)

و يعرف البلوغ في الانثى بالحيض لخبر رواه الخمسة الا النسائي (لايقبل الله صلاة حائض الابخمار) او بالحبل لان الحمل دليل على انزال المرأة﴾ فيحكم بلوغها منذ حملت وأدنى مدة البلوغ للغلام اثنتا عشرة سنة، و للأنثى تسع سنين، وهو المختار عند الحنفية.

لما في الدر المختار:(۲۰۸،۲۰۷/۱ كتاب الصلاة. مطلب في النظر الى وجه الامرد.طبع سعيد)

لا عورة للصغير جدا، ثم مادام لم يشته فقبل و دبر ثم تغلظ الى عشر سنين، ثم كبالغ.

لما في الشامية:(قوله ثم كبالغ)اى عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين.

ثم بعد السترين: واختلفوا في تقدير حد الشهوة، فقيل سبع، و قيل تسع ،وسيأتي في باب الامامة تصحيح عدم اعتباره بالسن، بل المعتبر أن تصلح للجماع ، بأن تكون عبلة ضخمة، وهذا هو المناسب اعتباره ههنا، فتدبر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند

۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۵۴۳

﴿قریب البلوغ لڑکے سے پردہ کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کس عمر کے لڑکے سے پردہ کرنا واجب ہو جاتا ہے؟
مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ بالغ اور مراہق یعنی بلوغ کے قریب عمر تک کوئی لڑکا پہنچے تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے لئے سال متعین کرنا مشکل ہے اس لئے کہ بعض لڑکے سولہ سال پر بالغ ہوتے ہیں اور بعض بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں، صحت اور مزاج پر اس کا مدار ہوتا ہے، بارہ سال کی عمر والے لڑکوں سے پردہ کرنے میں احتیاط ہے۔

لما فی روح المعانی :(۲۶۳/۱۸طبع رشیدیة)

(اوالطفل الذین لم یظهرو علی عورات النساء)قال علامة آلوسیؒ "الذین لم یبلغوا حدالشهوة والقدرة علی الجماع"

ولما فی المرقاة :(۲۵۷/۲طبع رشیدیة)

عن عمر وبن شعیب عن ابیه عن جده قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "مرو ا أولادکم بالصلاة وهم ابناء سبع سنین ،واضربوهم علیها وهم ابناء عشر سنین ،وفر قوا بینهم فی المضاجع ،،(وهم أبناء عشر سنین) لأنهم بلغوا أو قاربوالبلوغ.

ولما فی الفقه الاسلامی وادلته:(۴۴۷۳/۶طبع رشیدیة)

وادنی مدة البلوغ للغلام اثنتا عشرة سنةولأنثی تسع سنین وهو المختار عند الحنفیة.

واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی غفرلہ ولوالدیہ — الجواب صحیح: [signature] عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲/۳۷ — ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

﴿سالی سے پردے کا اہتمام جبکہ رشتہ داری بھی متاثر نہ ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے شادی کی، اسکے گھر میں اسکی بیوی کی بہنوں کا کثرت سے آنا جانا ہے تو کیا زید کیلئے ان سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: ملک خان

﴿جواب﴾ بیوی کی بہن غیر محرم ہوتی ہے، لہٰذا زید کو چاہیے کہ وہ اپنی سالیوں سے پردے کا اہتمام کرے اور ساتھ ساتھ رشتہ داری کے تعلق کو بھی متاثر نہ ہونے دے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النسآء،آیت۲۴)وأحل لکم ماورآء ذلکم ان تبتغوابا موالکم......الأیة.

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۲۲۸/۸،کتاب المناسک،طبع موقع المشکاةالاسلامیة)

ألمحرم من النسآء التی یجوزله النظر الیهاوالمسافرةمعهاکل من حرم نکاحهاعلی

التابيدبسبب مباح لحرمتها،فخرجت بالتابيداخت الزوجة وعمتها وخالتها.

ولمافي الشامي:(۱۱۶/۳،فصل في المحرمات،طبع امداديه)

فرع:ماتت امرأته له التزوج بأختها بعديوم من موتهاكذافي الخلاصةعن الأصل،وكذافي المبسوط لصدرالاسلام والمحيط والسرخسي والبحروالتاترخانيةوغيرهامن الكتب المعتمدة.

ولمافي البدائع:(۲/۲۶۳،طبع سعيد)

ولوبأمرأته ثم طلقهالم يتزوج أختهاحتى تنقضي عدتها،لأنه وجبت عليها العدة بالخلوة.

ولمافي البحر:(۲/۲۱۵،واجبات الحج،طبع سعيد)

قوله على التابيدالخ مخرج أخت زوجته وعمتهاوخالتهافان حرمتهامقيدة بالنكاح.

ولمافي الأشباه والنظائر:(ص ۳۲۳،أحكام المحارم،طبع قديمي)

المحرم عندنا:من حرم نكاحه على التأبيدبنسب أومصاهرة أورضاع ولوبوطء حرام، فخرج بالأول ولدالعمومة والخؤولة وبالثاني أخت الزوجة وعمتها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۷۴

﴿سوتیلی پھوپھی، خالہ اور رضاعی پھوپھی، خالہ سے پردے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے والد (بکر) نے دوسری شادی کی ہے، کیا زید کیلئے خالدہ (سوتیلی ماں) کی بہن یعنی سوتیلی خالہ اور سوتیلی پھوپھی سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح رضاعی خالہ اور پھوپھی سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد سیف اللہ العادل اسلام آبادی

﴿جواب﴾ سوتیلی ماں کی بہن محرم نہیں ہے غیر محرم ہے، اس سے نکاح جائز ہے، اس لئے اس سے پردہ کا بھی حکم ہے اور سوتیلی پھوپھی کا رشتہ وضاحت طلب ہے بظاہر سوتیلی پھوپھی سے والد صاحب کی سوتیلی بہن مراد لی جاتی ہے، سو والد صاحب کی بہن اگرچہ سوتیلی ہے وہ محرم ہے، اس لئے اس سے کوئی پردہ نہیں۔

اسی طرح رضاعی خالہ اور رضاعی پھوپھی محرم ہیں، ان کیساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، البتہ اس فساد کے دور میں رضاعی بہن، خالہ اور پھوپھی کے پاس بے تکلف آنے جانے کی گنجائش نہیں۔

لمافي صحيح البخاري:(رقم الحديث:۲۶۴۵،بيروت)يحرم من الرضاع مايحرم من النسب.

ولمافی الشامی:(۲/۲۱۵،طبع سعید)

وبیان ذلک ان الحدیث دل علی ان کل ما یحرم من النسب یحرم نظیرہ من الرضاع، فیقال:تحرم الام نسباًفکذاتحرم الام رضاعاًوتحرم البنت نسباًفکذاتحرم البنت رضاعاًوھکذاالی آخرالمحرمات النسبیۃ.

ولمافی الشامی:(۳/۳۰-۳۱،طبع سعید)

والمرادمن قولہ لأمہ أن تکون العمۃأخت أبیہ لأم احترازأعمااذاکانت أخت أبیہ لأب أولأب وأم فان عمۃ ھذہ العمۃ لاتحل لأنھاتکون أخت الجدأبی الأب.... ولاتحرم بنت زوج الأم ولاأمہ ولاأم زوجۃالأب ولابنتھاولاأم زوجۃالابن ولابنتھاولا زوجۃالربیب ولازوجۃالراب.

ولمافی الھندیۃ:(۱/۳۴۳،طبع رشیدیہ)وأخوالمرضعۃ خالہ وأختھاخالتہ.

ولمافی الھندیۃ:(۱/۲۷۷،طبع رشیدیہ)لابأس بأن یتزوج الرجل امرأۃویتزوج ابنہ ابنتھا أوأمھا.

ولمافی الدرمع الرد:(۹/۵۲۹-۵۳۰،طبع امدادیہ)والخلوۃبالمحرم مباحۃالاالأخت رضاعاً.

وفی الشامیۃ:قال فی القنیۃ:وفی استحسان القاضی الصدرالشھیدوینبغی للأخ من الرضاع أن لایخلوبأختہ من الرضاع،لأن الغالب ھناک الوقوع فی الجماع وأفادہ العلامۃالبیری أن ینبغی معناہ الوجوب ھنا.

ولمافی کتاب الاختیارللتعلیل المختار:(۱-۳/۱۰۶،طبع قدیمی)

والمحرمات بالرضاع کل من تحرم بالقرابۃوالصھریۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ذیقعدہ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۷۵۹

﴿دروازوں پر پردے لٹکانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ دروازوں پر پردے لٹکانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ضرورت کے لئے جائز ہے،تکبراور نمائش کی نیت سے لٹکانا مکروہ ہے۔

لمافی الشامی:(۶/۳۵۲،طبع سعید)

وفی الغیاثیۃ:ارخاء الستر علی الباب مکروہ نص علیہ محمدفی السیرالکبیر،لانہ زینۃوتکبروالحاصل ان کل ما کان علی وجہ التکبریکرہ وان فعل لحاجۃ وضرورۃ لاوھوالمختاراھ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۰رجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۵۳۶

﴿تنہائی میں بھی ستر چھپانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں، اس کے علاوہ ہمارا کوئی عزیز رشتہ دار ہمارے ساتھ نہیں رہتا، میں سونے اور کام کے لئے آدھی آستین کی قمیص استعمال کرتی ہوں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تنہائی میں لباس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ اس کے علاوہ اگر میں کسی دینی کتاب کا مطالعہ یا ذکر کروں تو مجھے کس طرح کا لباس استعمال کرنا چاہیے؟ میں گھر سے باہر جاتے ہوئے لباس اور شرعی پردے کا خاص خیال کرتی ہوں لیکن گھر میں بعض دفعہ لون کے ایسے کپڑے بھی پہننے پڑتے ہیں جو بہت باریک ہوتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ مستفتیۃ: بنت عارف

﴿جواب﴾ تنہائی میں بھی ستر چھپانا ضروری ہے، البتہ کسی غرض سے مثلاً سونے یا کام کاج کے لئے آدھی آستین کی قمیص یا ایسے باریک کپڑے جن سے جسم نہ جھلکتا ہو پہننے پڑ جائیں تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ غیر محرم کے سامنے نہ ہو۔

لمافی احکام القرآن للتهانوی:(۲/۲۰۶،طبع ادارة المعارف والعلوم الاسلامية)

والوجه الثانی:ان ستر العورة فرض فی خاصته مع قطع النظر عن رؤية الناس وعدمها،وفی الصلوٰة وخارجها ولذلک وجب فی الخلوة ایضاً علی الصحیح الخ.

ولمافی البحر الرائق:(۱/۲۶۹،طبع سعید)

واعلم ان ستر العورة خارج الصلوٰة بحضرة الناس واجب اجماعاًالافی مواضع وفی الخلوة فیه خلاف والصحیح الوجوب اذالم یکن الانکشاف لغرض صحیح کذافی شرح المنية.

ولمافی العالمگيرية:(۵/۳۲۸،طبع رشيديه)

یباح له ان ینظر منهاالی موضع زینتهاالظاهرة والباطنة وهی الرأس والشعر والعنق والصدر والاذن والعضد والساعد والکف والساق والرجل والوجه الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹۵

﴿متعلمہ کا اپنے استاذ کو دیکھنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کوئی متعلمہ (طالبہ) اپنے استاذ (بزرگ شخصیت) کو پردہ کی اوٹ سے دیکھ سکتی ہے یا کہ نہیں، جبکہ متعلمہ (طالبہ) کا

مقصد دیکھنے سے صرف اللہ کے نیک بندے کی زیارت ہو۔ مستفتیہ: معلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ عورت کے لئے کسی مرد کو دیکھنا فی نفسہ جائز ہے، البتہ اگر شہوت کا اندیشہ ہو یا فتنہ میں مبتلاء ہونے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں دیکھنا منع ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں معلمہ (طالبہ) کا اپنے استاذ (بزرگ شخصیت) کو پردے کی اوٹ سے دیکھنا فی نفسہ جائز ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ قصداً نہ دیکھے۔

لمافی بذل المجهود فی حل ابی داود:(۵/۲۰،طبع الشیخ)

حدثنامحمدبن العلاء نا......عن ام سلمة رضی الله عنهاقالت كنت عندالنبی ﷺ وعنده میمونة فاقبل ابن ام مكتوم وذلك بعد ان امرنابالحجاب فقال احتجبامنه فقلنايارسول الله الیس اعمی لایبصرنافقال النبی ﷺ افعمياوان انتماالستما تبصرانه قال صاحب بذل المجهودفيه دليل علی ان المرأة لايجوزلهاالنظرالی الرجل قال النووی وهوالاصح وقال الجمهوريجوزنظرالمرأة الی بدن الاجنبی سوی بين سرته وركبته ان لم يكن خوف الفتنة والدليل عليه حديث عائشة انهانظرت الی الحبشة وهم يلعبون فی المسجدوحديث فاطمة ابن قيس وقوله صلی الله عليه وسلم لهااعتدی فی بيت ام مكتوم فانه رجل اعمی تضعين الثياب عنده فوقع التعارض بين الاحاديث بالمنع والرخصة فقيل المنع محمول علی الورع و حديث الحبشة وغيرهامحمول علی الرخصة وقيل المنع محمول علی خوف الفتنة والرخصة فی حالة الامن وبعضهم قال ان المنع فی ازواج النبی ﷺ خاصة والرخصة فی غيرها وقداشارابوداودٌ وهذالازواج النبی ﷺ خاصة.

ولمافی المحیط البرهانی :(۸/۲۵،طبع ادارة القرآن)

وامابيان القسم الثالث فنقول نظرالمرأةالی الرجل الاجنبی كنظرالرجل الاجنبی الی الرجل الاجنبی ينظرالی جميع جسده الا مابين سرته حتی يجاوزركبته___فالنظراليه مباحاللرجال والنساء جميعا......وماذكرنافی الجواب فيمااذاكانت المرأة تعلم قطعا ويقينا انهالونظرت الی بعض ماذكرنامن الرجل لا يقع فی قلبهاشهوة واماان علمت انه يقع فی قلبهاشهوةاوشكت ومعنی الشك استواء الظنين فاحب الی ان تغض بصرهامنه هكذاذكرمحمدٌ فی الاصل وهذالان النظرعن شهوة نوع زناقال عليه السلام "العينان تزنيان وزناهماالنظر" والزنا حرام بجميع انواعه وكذافی الشامی :(۶/۳۷۱،طبع سعيد) وكذافی الجوهرة النيرة فی كتاب الحظروالاباحة:(۲/۳۶۳،طبع میرمحمد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۵۱

﴿سوتیلی ساس کے لئے سوتیلے داماد سے پردہ ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی اپنی سوتیلی ساس کے ساتھ حرام کا مرتکب ہوا، کیا اس وجہ سے مذکورہ شخص پر اپنی بیوی حرام ہوتی ہے؟ نیز اس سے پردے کا کیا حکم ہے؟

سائل: لائق شاہ
کورنگی

﴿جواب﴾ اس شخص پر اس قبیح کام کی وجہ سے اپنی بیوی حرام تو نہیں ہوئی لیکن اس عورت کے اصول وفروع یعنی اسی عورت کی بیٹی، ماں وغیرہ ہمیشہ کیلئے اس شخص پر حرام ہیں، اسی طرح اس آدمی کی اصول وفروع بھی مذکورہ عورت پر ہمیشہ کیلئے حرام ہیں اور گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونے کیوجہ سے دونوں پر صدقِ دل سے توبہ کرنا اور ایک دوسرے سے پردہ کرنا اور دور رہنا ضروری ہے۔

لمافی احکام القرآن لظفر احمد العثمانیؒ:(۲/۲۱۵،طبع ادارۃ المعارف والعلوم الاسلامیۃ)

ومن المصاهرة يحرم على المرءة اصول الزوج وفروعه مطلقا وعلى الرجل اصول الزوجة مطلقا وفروعها بشرط الدخول بها.

ولمافی التنویرمع الدر:(۳/۳۹،طبع ایچ ایم سعید)

(فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها)......لانه لو فرضت المرأة او امرأة الابن أو السيدة ذكرا لم يحرم بخلاف عكسه.

ولمافی الهداية:(۲/۲۷۷،طبع رحمانیہ)

ومن زنى بامرءة حرمت عليه امها وبنتها فيصير اصولها فروعها كاصوله وفروعه وكذلك على العكس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبیداللہ عابد

۲۶ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۳۲

﴿عورت کے لئے کسی اجنبی شخص کی آواز سننا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عورت کے لئے کسی اجنبی شخص کی آواز میں تقریر، حمد نعت یا نظم کی کیسٹ یا براہ راست پردہ کے پیچھے سے سننا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: شاہد سبحان

﴿جواب﴾ عورت کے لئے فی نفسہ مرد کی آواز سننا جائز ہے، تاہم اگر خوف فتنہ ہو اور ذہن میں پراگندہ خیالات پیدا ہوتے ہوں تو ممنوع ہے۔

لما فی الشامی:(۳۷۲/۶،طبع سعید)

ویؤخذمما هنا تقییده بما اذا کان بغیر شهوة فلو بها منع مطلقا والعلة والله اعلم خوف الفتنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۴۱

﴿عورت کے لئے نعت پڑھنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت اگر نعت پڑھے اور مرد بھی اس کو سنیں تو مردوں کے لئے سننا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ نظر نہیں آرہی اور خود اس عورت کے لئے ایسی جگہ نعت پڑھنا کیسا ہے؟ جہاں مرد بھی سامعین ہوں۔ مستفتیہ: حنطلہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ جس طرح عورت کے لئے چہرے کا پردہ لازم ہے، اسی طرح اس کی خوش الحان آواز کا بھی پردہ ضروری ہے جوان عورت کی سریلی آواز میں نعت سننا اس سے گانا سننے کے مترادف ہے بلکہ گانے سے بھی زیادہ گناہ ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں نعت جو کہ عبادت ہے فتنہ کا ذریعہ بننے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا اس طرح کا اندیشہ ہوتے ہوئے پڑھنا، سننا دونوں گناہ کے کام ہیں۔

لمافی الشامی:(۴۰۶/۱،طبع سعید)

ومقابله مافی النوازل:نغمة المرأة عورة،وتعلمها القرأن من المرأة أحب قال علیه الصلاة والسلام "التسبیح للرجال،والتصفیق للنساء" فلایحسن أن یسمعها الرجل —ثم نقل عن خط العلامة المقدسی:ذکرالامام ابوالعباس القرطبی فی کتابه فی السماع:ولایظن من لافطنة عنده أنااذاقلنا صوت المرأة عورة انانرید بذلک کلامها، لان ذلک لیس بصحیح،فانانجیزالکلام مع النساء للاجانب ومحاورتهن عندالحاجة الیٰ ذلک،ولانجیزلهن رفع اصواتهن ولاتمطیطها ولاتلینها وتقطیعها،لمافی ذلک من استمالة الرجال الیهن وتحریک الشهوات منهم،ومن هذا لم یجزأن تؤذن المرأة اه.قلت ویشیر الیٰ هذاالتعبیرالنوازل بالنغمة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۰۱

﴿بارات کیساتھ عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ آج کل شادی کے موقع پر ایک رسم یہ بھی ہے کہ جب دلہن کو لانے کے لئے

دولہا کے گھر والے جاتے ہیں تو دولہا کی چند رشتہ دار خواتین جیسے اس کی بہنیں یا بھتیجیاں وغیرہ بھی ان کے ساتھ دلہن کو لانے کے لئے جاتی ہیں، کیا ان کا یہ جانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ چونکہ رشتہ ازدواج انسانی زندگی کا اہم ترین معاملہ ہے جس کے انجام پانے میں عورتوں کے تعاون کے بغیر بسا اوقات دشواریاں پیدا ہوجانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے مندرجہ بالا (فی السوال) صورت میں دولہا کے ساتھ اس کی محرم خواتین جیسے بہنوں، بھتیجیوں وغیرہ کا جانا جائز ہے بشرطیکہ پردے کا پورا اہتمام کرتے ہوئے شرع کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے دولہا کے ہمراہ چلی جائیں۔

لما فی روح المعانی (۲۱-۲۲/۲۵۸-۲۶۰، طبع رشیدیہ)

وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ...... الأیۃ، وھذا لاینافی خروجھن للحج اولما فیہ مصلحۃ دینیۃ مع التستر وعدم الابتذال...... بان الامر بالاستقرار فی البیوت والنھی عن الخروج لیس مطلقا والا لما اخرجھن صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزول الأیۃ للحج والعمرۃ ولما ذھب بھن فی الغزوات ولما رخصھن لزیارۃ الوالدین وعیادۃ المرضیٰ وتعزیۃ الاقارب وقد وقع کل ذلک کما تشھد بہ الاخبار۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد حسین چترالی عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ

فتویٰ نمبر: ۲۰۱

﴿کیا عورت کے لئے ٹیلیفون اٹھانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہونے کی صورت میں عورت ٹیلی فون اٹھا کر بات کرسکتی ہے؟ نابالغہ بچی کا اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ گھر میں اگر مرد موجود نہ ہو یا کوئی ایسا بچہ جو کال کرنے والے کو جواب دیکر مطمئن کرسکے موجود نہ ہو اور ٹیلیفون اٹھانے کی ضرورت بھی ہو تو ایسی صورت میں عورت ٹیلی فون اٹھا کر بات کرسکتی ہے الا یہ کہ خاوند یا ولی منع کردیں، تاہم نرم لہجہ استعمال کرنے سے پھر بھی گریز کرے۔ رہا نابالغہ (بچی) کا مسئلہ سو اگر وہ حد شہوت کو نہ پہنچی ہوئی ہو تو اس کا حکم خواتین جیسا نہیں ہے اور اگر حد شہوت کو پہنچی ہو تو اس کا حکم بھی پردہ وغیرہ کے سلسلے میں بڑی عورتوں جیسا ہے۔

لما فی قولہ تعالی (الاحزاب، آیت ۵۳) ﴿واذا سألتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب﴾

ولمافی قوله تعالی:(سورة الاحزاب،آیت۳۲)

فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا.....الآیة.

ولمافی قوله تعالی:(سورة النور،آیت۳۱) ﴿ولا یضربن بارجلهن لیعلم مایخفین من زینتهن﴾

ولمافی الشامی:(۲/۲۰۱،طبع سعید)

(قوله یمسه المحرم الخ).....ولومعهن صبیة لم تبلغ حدالشهوة واطاقت غسله علمنها غسله لان حکم العورة غیر ثابت فی حقها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد شریف حسین چترالی

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۸۲

﴿رضاعی بیٹے کی ماں اجنبی ہے﴾

﴿سوال﴾ زیداورعمرودونوں نے چاہا کہ آپس میں رشتہ جُڑجائے، چنانچہ زیدکی بیوی نے عمرو کے بچے کودودھ پلایااورعمروکی بیوی نے زید کے بچے کودودھ پلایا، کیااب زیدکی بیوی عمرو کے سامنےاورعمروکی بیوی زید کے سامنے آسکتی ہے یعنی کیااُن دونوں کے درمیان پردہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دودھ پلانے کےسبب سے زیدکی بیوی عمرو کے بچے کی رضاعی ماں تو بن گئی تاہم وہ خودعمرو کے حق میں اجنبیہ (غیرمحرم) ہی ہے، اسی طرح عمروکی اہلیہ اورزید کے بچے کے درمیان محرمیت توپائی گئی تاہم وہ خودزید کے حق میں بدستوراجنبیہ ہی ہے، نیزعمروزید کے بچے کارضاعی باپ توبن گیا، تاہم اُن کی اہلیہ کے حق میں بدستوراجنبی ہی ہے بالکل اسی طرح زیدبھی عمرو کے بچے کارضاعی باپ توبن گیالیکن اُن کی اہلیہ کے حق میں اجنبی قرارپائے گا۔

لہٰذااُن کی بیویوں کے ایک دوسرے کے بچوں کودودھ پلانے سے اُن (مردوزن) کی آپس میں محرمیت ثابت نہیں ہوتی، اسلئے ایک دوسرے سے پردہ ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالی:(النور،آیت۳۰)﴿قل للمومنین یغضوامن ابصارهم ویحفظوافروجهم﴾

یادرہے کہ ہروہ دومردوعورت جن کے درمیان کوئی نسبی یارضاعی یاسسرالی محرمیت (رشتہ داری) نہ ہوتواُن کاایک دوسرے سے پردہ ضروری ہے۔

لمافی روح المعانی:(جزء۱۸،ص۱۴۰،طبع رشیدیه)

"وقل للمومنٰت"الآیة:فلاینظرن الی مالایحل لهن النظرالیه.وفی الزواجرلابن حجرالمکیؒ:کمایحرم نظرالرجل المرأةحرم نظرهاالیه ولوبلاشهوةولاخوف فتنة،نعم ان

کان بینھما محرمیۃ نسب أو رضاع أو مصاھرۃ نظر کل الیٰ ماعدا بین سرۃ الأخر ورکبتہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۷ رجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۵۴۵

اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو۔۔۔

﴿سوال﴾ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کسی اجنبی عورت کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے گناہ نہیں ہوتا، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ہم نظر جما کر ایک ہی بار دیکھتے ہیں بار بار نہیں دیکھتے یعنی ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں، کیا واقعی حدیث میں اس طرح آیا ہے؟ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ بات اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، برائے مہربانی شریعت کا حکم بتادیں۔

﴿جواب﴾ کسی اجنبی عورت کی طرف ٹکٹکی باندھنا یعنی مسلسل گھورتے رہنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، جس حدیث میں اچانک پہلی نظر پڑ جانے کے معاف ہونیکا ذکر ہے وہ یہ ہے:

لمافی مشکوۃ المصابیح: (ص ۲۶۹، طبع سعید)

عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لاتتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الاخرۃ رواہ احمد والترمذی وابوداود والدارمی.

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو نظر بلا قصد وارادہ کسی اجنبی عورت پر پڑ جاتی ہے چونکہ وہ انسان کے اختیار سے باہر ہے، اس لئے وہ معاف ہے، اس میں اصل چیز قصد وارادہ ہے پہلی نظر کا ذکر اس لئے کر دیا کہ وہ عموماً بغیر ارادہ کے اچانک پڑتی ہے۔

چنانچہ خود مشکوۃ کے محشی نے وضاحت کردی ہے کہ اعتبار قصد وارادے کا ہوگا اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بھی مسلسل گھورتے رہنے کی صریح ممانعت آئی ہے، چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ اپنی نظر کو پھیر دو، قرآن پاک میں تو شروع ہی سے نظر کو نیچے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اچانک نظر پڑ جانے کی نوبت ہی نہ آئے معلوم نہیں وہاں حسن فانی کے دلدادہ کیا تاویل کریں گے؟

خلاصہ یہ ہے کہ بدنظری بدترین گناہ ہے جو بنص قرآنی ناجائز اور حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے والے اور جو بن سنور کر نکلے (تاکہ میری طرف کوئی دیکھے) دونوں پر لعنت

فرمائی ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اس سے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ کے ہر حکم کے سامنے بغیر تاویل کے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۴۳

﴿منہ بولی بیٹی کا پردے اور میراث وغیرہ سے متعلق﴾

﴿سوال﴾ ہندہ نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے کسی لاوارث بچی کو اپنی بیٹی بنالیا سگی بیٹی کی طرح اس کو پالتی رہی اور شوہر بھی اس پر ہندہ سے راضی ہے بعد میں اور بچے پیدا ہونے لگے، اب اس منہ بولی بیٹی اور سگے بچوں کو بغیر فرق کے پالتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس منہ بولی بیٹی کو ہندہ کے بھائی یا محرم رشتہ داروں سے پردہ کرنا چاہیے یا اسکی حیثیت سگی بیٹی کی ہے؟ نیز بعد میں میراث لینے میں یہ منہ بولی بیٹی میراث کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ منہ بولی بیٹی شرعاً بیٹی قرار نہیں پاتی اپنی طرف نسبت کرنا بھی غلط ہے اس لئے ہندہ کے تمام محرم رشتہ داروں سے پردہ لازم ہے اور ہندہ کے رشتہ داروں کو بھی احتیاط کرنا لازم ہے، اسی طرح میراث کے مطالبہ کا بھی اس کو شرعاً حق حاصل نہیں الغرض سگی بیٹی کے احکام اس پر جاری نہیں ہونگے، مذکورہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس منہ بولی کا کسی مناسب شخص (جن میں ہندہ کی اولاد اور رشتہ دار بھی شامل ہیں) سے عقد نکاح کرادیا جائے باقی پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے حسن سلوک جاری رکھنا پسندیدہ ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ (سورۃ الاحزاب، آیت ۴-۵)

﴿وما جعل ادعیاء کم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آبائھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم......الآیۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۴

﴿غیر محرم سے مصافحہ کرنے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ

دستور اور رواج چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص دور کے سفر سے کافی مدت کے بعد آجائے تو عام لوگوں کے علاوہ قریبی رشتہ دار خواتین بھی خیر خیریت معلوم کرنے آتی ہیں، سلام کرتی ہیں اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہیں جن میں بعض جوان بھی ہوتی ہیں، بعض صرف ''خیر راغلے'' (دعائیہ جملہ ہے) پر اکتفاء کر لیتی ہیں۔

ہمارے علاقے میں مستقل پردے کا رواج زیادہ نہیں، البتہ چادر کا اہتمام تو گھر میں بھی ہر عورت کرتی ہے لیکن چہرہ عموماً نظر آتا ہے، دین دار لوگ خصوصاً علماء طلباء اور تبلیغی جماعت کے لوگ اس مسئلہ میں کافی پریشان ہیں مثلاً کوئی قریبی رشتہ دار جوان یا ادھیڑ عمر کی خاتون گھر آکر خیریت معلوم کرتی ہے یا مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے تو ایسا موقع بڑی آزمائش کا ہوتا ہے،!

مصافحہ سے اعراض کرنا بھی طبعی طور پر مشکل ہو جاتا ہے، قوی اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے کہ اس کا دل دکھے گا، اسی طرح خیریت معلوم کرنے پر جواب نہ دینا یا دینے سے چہرہ موڑنا بھی اس کی دل آزاری کا باعث ہے، واضح رہے کہ عموماً فتنہ یا شہوت کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شریعت میں کس قدر گنجائش ہے؟ کیا سختی سے منع کرے خواہ مسلمان کی دل آزاری ہو؟ براہ کرم تفصیلی جواب دیں۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ آپ کے علاقے کے علماء اور دیگر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ حکمت اور بصیرت کیساتھ پورے شرعی پردے کو رواج دیں، مردوں اور عورتوں پر محنت کریں تا کہ شرعی پردہ عام رائج ہو اور تمام شرعی احکام کا عام ذہن بن جائے پھر ایسی دشواری پیش نہیں آئیگی اور جب تک مذکورہ غلط رواج کا غلبہ ہو تو ضرورت کا درجہ دیکر مندرجہ ذیل تفصیل پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

واضح رہے کہ شہوت یا فتنہ کے اندیشہ کی صورت میں عورت کے چہرہ کو دیکھنا، بات کرنا، مصافحہ کرنا سب منع ہے، شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو بات کرنا یا سلام کا جواب دینا عمر رسیدہ اور (جوان عورت کے ساتھ بھی جائز ہے) چہرے کی طرف دیکھنا اسی طرح مصافحہ کرنے میں جوان اور عمر رسیدہ عورت کا حکم الگ الگ ہے۔

چنانچہ عمر رسیدہ عورت کے چہرے کو دیکھنا یا اس سے مصافحہ کرنا بلا ضرورت بھی جائز ہے؛

جوان عورت کے چہرے کو دیکھنا جبکہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تب بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ ضرورت کی صورت میں خواہ مذکورہ بالا درجہ کی ضرورت ہو دیکھنا بلا کراہت جائز ہے، تاہم نظروں کو بچاتے ہوئے خیریت معلوم کرنے کے لئے مکالمہ کو مختصر کرنے کی کوشش کریں، اسی طرح شہوت اور فتنہ کے اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں بلا ضرورت جوان عورت سے مصافحہ منع ہے، البتہ ضرورت کی صورت میں گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

سوال میں ذکر کردہ صورت حال کو بھی ضرورت کا درجہ دیکر مصافحہ کرنے کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے، دیگر مفتیان کرام سے بھی معلوم کریں، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مصافحہ کی صورت ہو مصافحہ نہ ہو، لہذا عورت کے ہاتھ پر کپڑا نہ ہو تو مرد خود اپنے ہاتھ پر کپڑا ڈال کر معمولی سے مصافحہ پر اکتفاء کریں یعنی پنجہ کو پنجہ میں لئے بغیر صرف ہاتھ کے انگلیاں ملانے پر اکتفاء کریں تاکہ مصافحہ نہ ہو اور بظاہر مصافحہ سے اعراض بھی نہ ہو۔

لمافی الهندية:(۵/۳۲۸-۳۲۹،طبع رشيديه)

وماحل النظراليه حل مسه ونظره وغمزه من غيرحائل ولكن انمايباح النظراذاكان يامن على نفسه الشهوةفاماإذاكان يخاف على نفسه الشهوةفلايحل له النظر وكذلك المس انمايباح له اذاامن على نفسه وعليهاالشهوةواماإذاخاف على نفسه اوعليهاالشهوة فلايحل المس له...... ولايحل له ان يمس وجهها ولا كفهاوان كان يامن الشهوةوهذااذاكانت شابةتشتهى فان كانت لاتشتهى لاباس بمصافحتهاومس يدهاكذافي الذخيرة.

الجواب صحیح:عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:اسرار عزیز دیروی

۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۶۶۰

﴿حجاب کا ادنی درجہ نیز اجنبی عورت سے متعلق چند مسائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ دستور ورواج چلا آرہا ہے کہ شادی بیاہ، فوتگی، نیز سفر سے آنے کے موقع پر عام لوگوں کی طرح پڑوسن اور رشتہ دار خواتین بھی خیر خیریت معلوم کرنے آتی ہیں، دعا وسلام کرتے وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہیں جن میں بعض خواتین محرم اور بعض غیر محرم ہوتی ہیں۔

یہاں علاقہ چونکہ پسماندہ ہے، اس وجہ سے اکثر گھروں کی خواتین اپنے مردوں کے شانہ بشانہ زمینوں وغیرہ میں کام کاج کرتی ہیں، اسی طرح خواتین جنگل سے لکڑی اور جانوروں کے

لئے گھاس وغیرہ لاتی ہیں، بعض اوقات اپنے بچہ کو بیمار ہونے کی صورت میں ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہیں، ہمارے علاقے میں مستقل پردے کا رواج زیادہ تر نہیں ہے لیکن بازاروں اور شہروں کی طرح بے پردگی بھی نہیں ہے۔

پوچھنا یہ ہے (۱) مذکورہ صورت حال میں عورتوں کے لئے گھروں سے نکلنا کام کاج کرتے وقت اپنے چہرہ، ہتھیلی اور قدم کھولنا کیا جائز ہے؟ (۲) کیا مرد اجنبی عورت کے چہرہ، ہتھیلی اور قدم کو دیکھ سکتا ہے؟ (۳) کیا اجنبی عورت کے سلام کا جواب دینا اور اس سے بات کرنا جائز ہے؟ (۴) کیا غیر محرم رشتہ دار عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟ شریعت مقدسہ کی روشنی میں جواب دیکر ہماری الجھن کو دور فرمائیں۔ مستفتی: حبیب الرحمٰن شورکوٹی

﴿جواب﴾ جوابات عرض کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر دو باتیں سمجھ لیں جن سے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

پہلی بات یہ ہے کہ سوال میں جن ضروریات اور حاجات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا حکم ضرورت شرعی اور اضطراری حالت سے مختلف ہے، اس لئے مذکورہ بالا ضروریات کو مطلقاً جواز کیلئے بنیاد نہیں بنایا جاسکتا بلکہ شہوت اور فتنہ سے مامون ہونے کی شرط بھی ملحوظ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حجاب کے ادنیٰ درجہ پر عمل کرنا جوان عورت کے لئے بوقت ضرورت اور بوڑھی خاتون کیلئے بغیر ضرورت کے بھی جائز ہے۔

حجاب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب عورت گھر سے باہر نکلے تو اس کا پورا بدن سر سے لیکر پاؤں تک ڈھکا ہوا ہو، البتہ ضرورت کے وقت چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم کھول سکتی ہے۔ اس تمہید کے بعد جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) اگر واقعتاً آپ کے علاقہ میں مذکورہ بالا مجبوریاں ہیں تو پھر خواتین ادنیٰ درجہ کے حجاب کا اہتمام کرتے ہوئے اپنی گھریلو حاجات اور دیگر ضروریات زندگی کو حاصل کرنے کیلئے اپنے گھروں سے نکل سکتی ہیں اور بوقت ضرورت چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم بھی کھول سکتی ہیں بشرطیکہ فتنے سے مامون ہوں، نیز گھر سے باہر کام کاج کی اصلی ذمہ داری چونکہ مردوں کی ہے، اس لئے خواتین حتی الامکان نکلنے سے گریز کریں۔

(۲) جہاں تک مردوں کا اجنبی عورت کے چہرہ، ہتھیلی اور قدم کی طرف دیکھنے کا مسئلہ ہے اگر لذت حاصل کرنے کی نیت سے ہو یا فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ناجائز اور حرام ہے، ہاں اگر فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور لذت حاصل کرنا بھی مقصود نہ ہو تو پھر جوان عورت کو بوقت ضرورت دیکھنے کی گنجائش ہے، جب کہ بوڑھی خاتون کو ضرورت کے بغیر بھی دیکھنا مباح ہے۔

لمافی المظھری:(سورۃالنور،آیت ۳۱،طبع رشیدیہ)

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولایبدین زینتھن الاماظھرمنھا......والمستثنی ھوالوجہ والکفان عندأبی حنیفۃ ومالک واحمد والشافعی.

ولمافی المبسوط لسرخسی:(المجلدالخامس والجزء العاشر،ص ۲۶۳،طبع بیروت)

ولکنانأخذبقول علی وابن عباسؓ فقدجائت الاخبارفی الرخصۃ بالنظرالی وجھھاوکفھا......ثم لاشک انہ یباح النظرالی قدمیھاایضا وھکذا ذکرالطحاوی لانھاکماتبتلی بابداء وجھھافی المعاملۃ مع الرجال وبابداء کفیھافی الاخذوالاعطاء تبتلی بابداء قدمیھااذامشت حافیۃ اومتنعلۃ الی قولہ وھذاکلہ اذالم یکن النظرعن شھوۃ فان کان یعلم انہ ان نظراشتھی لم یحل لہ النظرالی شیء منھا.

(۳) جوان عورت کے سلام کا جواب دل میں دینا چاہیے، ہاں اگر کسی ضرورت کے موقع پر بات کا آغاز ہی سلام سے کریں تو پھر زبان سے جواب دینا اور بات کرنا ضرورت کے بغیر بھی جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور لذت کا حصول بھی مقصود نہ ہو، ورنہ جائز نہیں ہے جبکہ بوڑھی خاتون کو سلام کا جواب دینا اور بات کرنا ضرورت کے بغیر بھی جائز ہے۔

لمافی الشامی:(۹/۵۹۲،طبع ایچ ایم سعید)

واذاسلمت المرأۃالاجنبیۃ علی رجل ان کانت عجوزاردالرجل علیھاالسلام بلسانہ بصوت تسمع وان کانت شابۃ ردعلیھافی نفسہ.

ولمافی الشامی:(۱/۴۰۶،طبع ایچ ایم سعید)

فانانجیزالکلام مع النساء للاجانب ومحاورتھن عندالحاجۃالی ذلک ولانجیزلھن رفع اصواتھن ولاتمطیطھاولاتلیینھاوتقطیعھا.

(۴) خاتون اگر بوڑھی ہے تو مصافحہ شہوت سے مامون ہونے کی حالت میں مباح ہے اور اگر جوان ہے تو پھر مصافحہ کرنا عمومی طور پر ناجائز ہے، البتہ سوال میں ذکر کردہ صورت میں گنجائش معلوم ہو رہی ہے بشرطیکہ مرد و عورت شہوت سے مامون ہوں، ورنہ جائز نہیں ہے، لہٰذا جب تک

اس رسم کا خاتمہ ہو تو مصافحہ کی ظاہری صورت پر اکتفاء کریں یعنی ہاتھ پر کپڑا ہو اور صرف انگلیوں کو ملائیں، ہتھیلی کو ہتھیلی میں نہ لیں تا کہ مصافحہ نہ ہو اور بظاہر مصافحہ سے اعراض بھی نہ ہو لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے دیگر مفتیان کرام سے بھی معلوم کریں۔

لمافی فتح القدیر (۱۰/ ۳۰، کتاب الکراھیۃ، طبع رشیدیہ)

والاصل فیہ ماروی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصافح العجائز فی البیعۃ ولا یصافح الشواب الخ۔

ولمافی العالمگیریۃ (۵/ ۳۲۹، طبع رشیدیہ)

ولا یحل لہ ان یمس وجھہا ولا کفہا وان کان یأمن الشھوۃ وھذا اذا کانت شابۃ تشتھی فان کانت لاتشتھی لاباس بمصافحتہا ومس یدھا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ — فتویٰ نمبر: ۸۶/۷

﴿غیر محرم کے ساتھ عورت کا سفر کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ میں ایک کوٹھی میں ڈرائیوری کرتا ہوں کوٹھی کی مکین عورتیں کبھی خلوت میں میرے ساتھ سفر کرنے جاتی ہیں جبکہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ بھی نہیں، نوکری کا مسئلہ ہے روک بھی نہیں سکتا ہوں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی حالت میں انکے لئے میرے ساتھ سفر کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

مستفتی: عنایت اللہ اورنگی ٹاؤن کراچی

﴿جواب﴾ غیر محرم کے ساتھ خلوت اختیار کرنا، سفر کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے، آپ کو چاہیے کہ ان کو روکنے کی کوشش کریں یا عورت کے محرم کو ساتھ لے جانے کی کوشش کریں، نہ روک سکیں تو کم از کم اس عمل کو دل سے برا جانیں توبہ استغفار کرتے رہیں جب تک ہو سکے تو کہیں اور نوکری تلاش کریں۔

لمافی سنن النسائی (۲/ ۲۶۹، طبع قدیمی)

من رأی منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔

ولمافی الشامی (۲/ ۴۶۴، طبع سعید)

(قولہ فی سفر) ھو ثلاثۃ ایام ولیالیھا فیباح لہا الخروج الی مادونہ لحاجۃ بغیر محرم بحر وروی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف کراھۃ خروجہا وحدھا مسیرۃ یوم واحد وینبغی ان

یکون الفتوی علیه لفساد الزمان شرح اللباب ویؤیده حدیث الصحیحین "لایحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تسافر مسیرة یوم ولیلة الامع ذی محرم علیها" وفی لفظ المسلم "مسیرة لیلة" وفی لفظ "یوم".

ولما فی الشامی:(۶/۳۶۸،طبع سعید)

(قوله الخلوة بالأجنبیة) ای الحرة لما علمت من الخلاف فی الأمة،وقوله:حرام قال فی القنیة مکروهة کراهة تحریم وعن أبی یوسف لیس بتحریم اه.

ولما فی الدر المختار:(۶/۳۷۰،طبع سعید)

(وعبدها کالاجنبی معها) فینظر لوجهها وکفیها فقط:نعم یدخل علیها بلا اذنها اجماعا، ولا یسافر بها اجماعا خلاصة. وهکذا فی الهندیة:(۵/۳۳۰،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۴۸۲

﴿شادی بیاہ کے موقع پر عورتوں کے نکلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ عورتوں کے لئے شادی بیاہ کے موقع پر نکلنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ شادی کسی قریبی رشتے دار کی ہو اور نہ جانے میں ناراضگی کا خدشہ ہو۔

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے اصل حکم تو یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلیں اور اگر ضرورت کے باعث نکلنا بھی پڑے تو چند شرائط کے ساتھ نکلنے کی گنجائش ہے:

(۱) نکلتے وقت خوشبو نہ لگائیں اور زیادہ زیب و زینت کا لباس نہ پہنیں۔(۲) ایسا زیور پہن کر نہ نکلیں جس میں آواز ہو۔(۳) زمین پر اس طرح پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کے خفیہ زیور کی آواز کسی کے کان میں پڑے۔(۴) راستے کے درمیان میں نہ چلیں بلکہ کناروں پر چلیں۔ (۵) اپنی چال میں اترانے اور مٹکنے کا انداز اختیار نہ کریں کہ کسی کے لئے کشش کا باعث ہو۔(۶) اپنی نظروں کو پست رکھیں حتی الوسع نامحرم پر ان کی نظر نہیں پڑنی چاہیے۔(۷) مردوں کے مجمع میں نہ گھسیں۔(۸) اجنبی سے بات کرنیکی ضرورت پیش آئے تو اس کے لب ولہجہ میں نرمی اور نزاکت نہ ہو۔(۹) اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں۔(۱۰) نکلتے وقت برقعہ یا بڑی چادر اوڑھ لیں جس سے سر سے پاؤں تک پورا پردہ ہو سکے۔

ان تمام شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عورتوں کا شادی بیاہ کے موقع پر نکلنا جائز ہے جبکہ

وہاں پر کوئی خلاف شرع کام نہ ہو اور بے پردگی کا اندیشہ بھی نہ ہو وغیرہ تو نکلنے کی گنجائش ہے کیونکہ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف عورتیں ہی کرسکتی ہیں اور خاص طور پر یہ بھی کہ اگر وہ قریبی رشتے دار ہوں اور قطع رحمی کا اندیشہ ہو تو جانے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۲۸۴،باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس،طبع رحمانیه)

عن انس بن مالک قال ابصر النبی ﷺ نساء وصبیانا مقبلین من عرس فقام ممتنا فقال اللهم انتم من احب الناس الی. قال المحشی: کانه ترجم بهذا لئلا یتخیل احد کراهیة ذلک فاراد انه مشروع بغیر کراهیة.

ولمافی المرقاۃ:(۶/۳۳۹-۳۴۰،طبع رشیدیه)

وعن عبد الله بن عمران رسول الله ﷺ قال "اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها" متفق علیه. وفی روایة لمسلم "فلیجب عرسا کان اونحوه".

(قوله ﷺ :فلیجب عرسا کان اونحوه) ای کالعقیقة والختان والظاهران عرسا کان أونحوه مدرج من کلام الراوی...... قیل اجابة الولیمة واجبة فیاثم التارک بلاعذر لقوله ﷺ "من ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله" وقیل مستحبة هذا فی الحضور واما الاکل فندب اذا لم یکن صائما واما اجابة غیر الولیمة فندب لقوله ﷺ "لو دعیت الی کراع لاجبت" کذا ذکره الطیبی وابن الملک قالا ومن الاعذار المسقطة للوجوب او الندب ان یکون فی الطعام شبهة او یختص بها الاغنیاء اوهناک من یتاذی بحضوره او لاتلیق به مجالسته اویدعی لدفع شره اولطمع فی جاهه اولیعاونه علی باطل اوهناک منهی کالخمر او اللهو اوفرش الحریر وغیر ذلک ولایخفی ان فی هذا الزمان لایخلو من هذه الاعذار ان لم تکن کلها مرجودة ولهذا قالت الصوفیة: حلت العزلة بل ینبغی ان یقال وجبت فان من اختار العزلة اختار العزلة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد [illegible] کمالوی

۱۵ رجب ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: [illegible]

﴿شادی سے پہلے منگیتر سے تعلقات قائم کرنا غلط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح سے پہلے منگیتر کے ساتھ فون پر بات چیت کرنا اور تعلقات قائم کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ رخصتی سے پہلے منگیتر سے میل جول اور بات چیت کرنے کا شرعا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نکاح کے ارادے سے نامحرم عورت کو ایک نظر دیکھنے کی شریعت نے گنجائش دی

ہے اور اس کے مزاج و سمجھ کو معلوم کرنے کی غرض سے کچھ بات کرنے کی بھی گنجائش معلوم ہو رہی ہے ، براہ راست خواہ فون کے ذریعہ سے ہو، لیکن اس سے زیادہ تعلقات قائم رکھنا مثلاً بالمشافہ ملاقات کرنا گھومنا پھیرنا اور میل جول رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، یاد رہے کہ نکاح سے پہلے منگیتر اجنبی غیر محرم عورت کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ عقد نکاح سے وہ بیوی بن جاتی ہے اگر چہ رخصتی میں دیر ہو پھر ملنا جلنا جائز ہوتا ہے۔

لمافی مرقاة المفاتيح على شرح مشكوة المصابيح :٦/٢٥٣(طبع رشيديه)

عن عقبة بن عامر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياكم والدخول على النساء أي غير المحرمات على وجه التخلية أوعلى وجه التكشف.

ولمافی الدر:٦/٣٧٠(طبع سعيد)

لو أكتفى باالنظر اليهابمرة حرم الزائد لأنه ابيح للضرورة فيتقد بها.

ولمافی الشامی :٦/٣٦٨(طبع سعيد)الخلوة بالاجنبة مكروهة وان كانت معهاالخرى كراهة تحريم

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۴۰۷۸

﴿نظر الی المخطوبة کا حکم﴾

﴿نکاح کے ارادہ سے ایک نظر دیکھنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے گھر والے ایک جگہ میرا رشتہ کرانا چاہتے ہیں اور ابھی تک اس لڑکی کو نہ دیکھنے کی وجہ سے مجھے اطمینان نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے اس لڑکی کو دیکھنے کی گنجائش ہے؟ تاکہ اطمینان قلب کے بعد اپنی رائے کا اظہار کر دوں۔

﴿جواب﴾ نکاح مرد و عورت دونوں کے لئے معاشرتی زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہوتا ہے، اس لئے دین اسلام نے مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنے کی نہ صرف گنجائش دی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے اور پسندیدہ قرار دیا ہے تاکہ یہ نازک رشتہ بعد میں ٹوٹنے نہ پائے یا دونوں تلخ زندگی گذارنے پر مجبور نہ ہوں بشرطیکہ اسی غرض سے ایک دوسرے کو بقدر ضرورت دیکھیں نظروں کا لطف اٹھانا مقصود نہ ہو۔

لمافی التنوير مع الدر:(٩/٥٣٢-٥٣٣،طبع امداديه)

(وكذامريدنكاحها)ولوعن شهوة بنية السنة لاقضاء الشهوة......وفی الشامية:(قوله

بنیۃ السنۃ) الاولی جعلہ قیداللجمیع ..... ولواراد ان یتزوج امرأۃ فلاباس ان ینظر الیھا وان خاف ان یشتھیھا لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام للمغیرۃ بن شعبۃ حین خطب امرأۃ "انظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما" رواہ الترمذی والنسائی وغیرھما ولان المقصود اقامۃ السنۃ لاقضاء الشھوۃ اھ..... وھل یحل لھا ان تنظر للخاطب مع خوف الشھوۃ؟ لم ارہ والظاھر: نعم للاشتراک فی العلۃ المذکورۃ فی الحدیث السابق، بل ھی اولی منہ فی ذلک لانہ یمکنہ مفارقۃ من لا یرضاھا بخلافھا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۳۰۹

﴿نیک عورتوں کا فاجرہ عورتوں سے پردے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھروں میں فاجرہ عورتیں (جو مردوں کے ساتھ گھومتی ہیں اور بازاروں سے خود خریداری کرتی ہیں) چوڑیاں وغیرہ بیچنے کے لئے آتی ہیں تو ایسی عورتوں سے ہمیں پردہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ عیسائی عورتیں اکثر گھروں کی صفائی کے لئے آتی ہیں تو ایسی عورتوں سے پردے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ آزاد گھومنے والی فاجر قسم کی عورتیں جن سے یہ اندیشہ ہو کہ ہماری باپردہ عورتوں کے بارے میں مردوں کو بتایا کریں گی گھر میں آنے کی مطلق اجازت دینا گناہ ہے، کسی ضرورت کے لئے آئیں تو عورتوں سے ان کا اختلاط نقصان دہ ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسی عورتوں سے پردہ کریں ضرورت کے لئے عیسائی عورتوں کو بھی گھر میں اندر آنے کی اجازت ہے، ان سے خدمت لینا کوئی منع نہیں۔

لمافی التنویر مع الرد: (۶/۳۷۱، طبع سعید)

(والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلاتنظر الی بدن المسلمۃ)

وفی الشامیۃ: (قولہ فلاتنظر الخ) ..... لایحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یھودیۃ او نصرانیۃ او مشرکۃ الا ان تکون امۃ لھا کمافی السراج، ونصاب الاحتساب..... لانھا تصفھا عند الرجال، فلاتضع جلبابھا ولاخمارھا کمافی السراج اھ۔

ولمافی الھندیۃ: (۱/۳۲۷، طبع رشیدیہ)

ولاینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الی المرأۃ الفاجرۃ لانھا تصفھا عند الرجال فلاتضع جلبابھا ولاخمارھا عندھا ولایحل ایضا لأمرأۃ مؤمنۃ ان تکشف عورتھا عند أمۃ مشرکۃ او

کتابیۃ الاان تکون أمةلهاکذافی السراج الوهاب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿عورت کے کٹے ہوئے اعضاء کو دیکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ میں کہ غیر محرم عورت کے کسی کٹے ہوئے عضو کو مثلاً کٹا ہوا بازو جو کہ اس کے جسم سے الگ کیا گیا ہو یا گرے ہوئے بال وغیرہ کو دیکھنا ازروئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟ کشمیر کے زلزلہ میں ایسی صورت پیش آئی تھی۔ بینوا و توجروا۔

﴿جواب﴾ انسانی جسم کے وہ اعضاء جن کو حالتِ صحت یعنی جسم سے جدا کرنے سے پہلے دیکھنا جائز نہیں، الگ ہونے کے بعد بھی اس کی حرمت باقی رہے گی، اس کو بھی دیکھنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں غیر محرم عورت کے کٹے ہوئے بازو اور گرے ہوئے بالوں وغیرہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۷۱/۶،کتاب الحظروالاباحة،طبع سعید)

(وكل عضولايجوزالنظراليه قبل الانفصال لايجوزبعده)ولوبعدالموت كشعرعانة وشعررأسهاوعظم ذراع حرةميتةوساقهاوقلامةظفررجلهادون يدهامجتبى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ظہوراحمد شمس

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۶۳

﴿باب المصافحة والسلام﴾

﴿سلام اور مصافحہ کے آداب﴾

﴿مصافحہ ایک ہاتھ سے ہونا چاہیے یا دونوں ہاتھوں سے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ کیا مصافحہ سنت ہے؟ اگر ہے تو دونوں ہاتھوں سے یا ایک ہاتھ سے؟ وضاحت فرمائیں۔

مستفتی: محمد عثمان لاہور

﴿جواب﴾ مصافحہ سنت ہے لقولہ علیہ السلام "ان المؤمن اذالقی المؤمن فسلم علیه، واخذبیده، فصافحه، تناثرت خطایاهما، کما یتناثر ورق الشجر" (المعجم الاوسط:۸۴/۱، مکتبہ

شامله،طبع بیروت) مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے نہ کہ ایک ہاتھ سے۔

لمافی الدرمع الرد:(۳۸۱/۶،طبع سعید)

السنة فی المصافحة بکلتایدیه وتمامه فیماعلقته علی الملتقی.........وفی الشامیة:هی الصاق صفحة الکف بالکف واقبال الوجه بالوجه فأخذ الاصابع لیس بمصافحة خلافاًللروافض،والسنة أن تکون بکلتایدیه، وبغیرحائل من ثوب أو غیره وعندااللقاء بعدالسلام وأن یأخذالابهام،فأن فیه عرقاینبت المحبة کذا جاء فی الحدیث ذکره القهستانی وغیره اهـ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ راستہ میں ایک دوسرے کوسلام کرتے وقت ہاتھ اٹھاسکتے ہیں یانہیں؟بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئے کیونکہ ہاتھ اٹھانے میں یہودونصاری کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ زبان سے سلام کہے بغیرصرف ہاتھ سے اشارہ کرنا دینِ اسلام میں کوئی سلام نہیں ہے یہودونصاری کے ساتھ مشابہت ہے،البتہ زبان سے سلام کے الفاظ بول کرخبر دینے کی غرض سے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بھی اشارہ کوئی اگر کرلےتو یہ یہودونصاری کے ساتھ مشابہت کے زمرہ میں نہیں آتا،بعض اوقات اس کی ضرورت پیش آتی ہے،مثلاً دور سے کسی کوسلام کرنا ہویا شوروغل میں سلام کی آواز نہیں پہنچتی تو ایسی صورت میں سلام کے الفاظ بول کرہاتھ سے بھی اشارہ کرنادرست ہے۔

لما فی مرقاة:۴۷۰/۸،طبع رشیدیه.

عن اسماء بنت زید ان رسول الله ﷺ مر فی المسجد یوما وعصبته من النساء قعود،فألوی بیده بالتسلیم،قال الترمذی هذا حدیث حسن وهو محمول علی انه جمع بین اللفظ والاشارة.

ولما فی عرف الشذی: ۱۶۱/۲،طبع فاروقی.

قالوا ان الاکتفاء باشارة الید فی السلام من صنیع الیهود والنصاری نعم اذا کان الرجل المسلم بعیدا تجوز الاشارة ولا بد من التکلم باللسان ایضا ولا یکتفی باشارة الید فقط.

ولما فی الکوکب الدری:۲/۱۳۶،طبع سعید.

کراهية اشارة اليد فی السلام ای مكتفيا بها مقتصرا عليها فاما اذا كان التلفظ بلفظ التسليم ايضا فلا.

ولما فی حاشية الطحطاوی:۳۲۰،طبع قدیمی.

وفی رسالة المصافحة للشرنبلالی عن شيخ مشايخه الحانوتی: التحية بالركوع واسترخاء الرأس مكروهة لكل احد مطلقا، ومثله السلام باليد كما نصت عليه الحنفية قال الشرنبلالی:بُعدومحل كراهة الاشارة باليد اذا اقتصر عليها وذكر حديثا يفيد انه ﷺ جمع بين اللفظ والاشارة.

ولما فی احكام القرآن للقرطبی: ۲۷۹/۵،طبع رشيدية.

والسنة فی السلام والجواب الجهر؛ ولا تكفی الاشارة بالاصبع والكف عند الشافعی، وعندنا تكفی اذا كان علی بُعد.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عمر فاروق لاہوری

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۸۶

﴿رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس طرح ملاقات کی شروع میں سلام کرنا مسنون ہے تو کیا رخصت ہوتے وقت یا مجلس برخاست ہوتے وقت بھی مسنون ہے یا نہیں؟ مستفتی: ام نعمان پشاور

﴿جواب﴾ جس طرح ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون عمل ہے اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔

لما فی سنن ابی داؤد:(۳۶۷/۲،كتاب الادب ،طبع رحمانيه)

قال قال رسول اللهﷺاذا انتهی احدكم الی المجلس فليسلم فاذا اراد ان يقوم فليسلم فليست الاولی باحق من الاخرة.

ولما فی تفسير المظهری:(۱۷۵/۲،طبع رشيديه)

ويسن السلام ايضا عند الوداع عن قتادة قال قال النبی ﷺ اذا دخلتم بيتا فسلموا علی اهله فاذا خرجتم فاودعوا اهله بالسلام .وعن ابی هريرة عن النبی ﷺاذا انتهی احدكم الی مجلس فليسلم فان بداله ان يجلس فليجلس ثم اذا قام فليسلم فليست الاولی باحق من الاخرة.

ولمافی مرقاة المفاتيح:(۴۷۸/۸،باب السلام ، طبع رشيديه)

ان السلام سنة عند الانصراف كما هو سنة عند اللقاء فكما يجب الرد عند اللقاء

کذلک عند الانصراف وھذا ھو الصحیح اھ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ   فتوی نمبر: ۳۷۷۹

﴿کسی سے مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو چومنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی معزز شخص سے ملتا ہے تو مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو چومتا ہے، شرعاً یہ فعل درست ہے؟

﴿جواب﴾ دینی اعتبار سے کسی معزز شخصیت کے ہاتھ کو چومنے کی گنجائش ہے لیکن مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو چومنا مکروہ ہے اور جہل پر مبنی بات ہے۔

لمافی الھندیۃ: (۵/۳۶۹، طبع رشیدیہ)

ومایفعلہ الجھال من تقبیل یدنفسہ بلقاء صاحبہ فذالک مکروہ بالاجماع.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ   فتوی نمبر: ۳۲۷

﴿دوران سلام جھکنے اور بوسہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں سلام کرنے کا انداز ایسا ہے کہ بڑی عمر کے مرد اور عورت سے سلام کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہیں یعنی چومتے ہیں چومتے وقت اپنے سر کو جھکاتے ہیں اور ان کے ہاتھ کو اوپر نہیں کیا جاتا

اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا سلام کرنے کا یہ انداز درست ہے یا نہیں؟ اگر چومنا درست ہے تو کس کس کو والد، چاچو، ماموں، سسر وغیرہ؟ ہم نے سنا ہے کہ سر کو جھکانا نہیں چاہیے کیونکہ یہ تعظیم کے طور پر ہوتا ہے اور تعظیم صرف اللہ کی ہوتی ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس طرح سجدے سے مشابہت ہوتی ہے حالانکہ ہماری یہ نیت قطعاً نہیں ہوتی۔

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں دو باتیں جواب طلب ہیں (۱) دوران سلام بوسہ لینے کے لئے جھکنا (۲) آپس میں ملنے کے دوران کن کن لوگوں کا بوسہ لینا درست ہے؟

(۱) کسی شخص کی تعظیم کے لئے اس کے سامنے جھکنا یا جھکنے کی سی کیفیت اختیار کرنا شرعاً جائز

نہیں ہے، البتہ جھکنا اس مقصد کے لئے نہ ہو جیسا کہ دوران سلام ہاتھ وغیرہ کا بوسہ لینے کے لئے جھکنا پایا جاتا ہے تو یہ صورت صورت ممنوعہ کے تحت داخل نہ ہوگی۔

لمافی الشامی:(۶/۳۸۳،طبع سعید)

قال التمرتاشی: وفی الظھیریۃ یکفر بالسجدۃ مطلقا وفی الزاھدی الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ اھ.

ولمافی الھندیۃ:(۵/۳۶۹،طبع رشیدیہ)

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس کذافی جواھرالاخلاطی ویکرہ الانحناء عندالتحیۃ وبہ وردالنھی کذافی التمرتاشی تجوزالخدمۃ لغیراللہ تعالی بالقیام واخذالیدین والانحناء ولایجوزالسجودالاللہ تعالی.

(۲) بوسہ لیتے ہوئے شہوت کا اندیشہ ہو تو مطلقاً منع ہے صرف میاں بیوی کے لیے جائز ہے باقی کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے جوان ہو خواہ بوڑھا، مرد کا بوسہ ہو یا عورت کا اور کتنا ہی قریبی ہو شہوت کا اندیشہ ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے، شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو عورت دوسری عورت کا اسی طرح مرد کسی مرد کا بوسہ لے اور رشتہ داری یا دینداری یا کسی عمر رسیدہ اور بزرگی کا اکرام واحترام مقصود ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

غیر محرم مرد کے لئے کسی عورت کا، اسی طرح عورت کے لئے کسی مرد کا بوسہ لینا جائز نہیں ہے ہاں آپس میں محرم ہیں تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ شہوت کا کچھ بھی اندیشہ نہ ہو ورنہ محرم کا بھی بوسہ لینا جائز نہیں ہے لیکن جوان مرد یا عورت کا بوسہ لینا اگرچہ محرم ہوں احتیاط کے منافی ہے، پرہیز بہتر ہے، اسلئے کہ شہوت کا اندیشہ اگرچہ نہ ہو خدانخواستہ کسی ایک جانب کو ہوگئی تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، بعض صورتوں میں بڑے ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہو جاتا ہے۔

لمافی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص۲۱۹،طبع قدیمی)

ان النبی ﷺ کان یقبل یدہ ورجلہ وکان ﷺ یقبل الحسن ،وفاطمۃ وقبل ﷺ عثمان بن مظعون بعدموتہ وکذلک قبل الصدیقؓ رسول اللہ ﷺ بعدموتہ وقبل رسول اللہ ﷺ ابن عمہ جعفر أبین عینیہ ثم قال البدرالعینی:فعلم من مجموع ماذکرنا اباحۃ تقبیل الیدوالرجل والکشح والرأس والجبھۃ والشفتین وبین العینین ولکن کل ذلک اذاکان علی وجہ المبرۃ والاکرام واما اذاکان ذلک علی وجہ الشھوۃ فلا یجوز الا فی حق الزوجین ای والسیدوامتہ وفی رفع العوائق عن البحرالزاخر لابأس بتقبیل ید العالم،والسلطان العادل،وفی غیرھما ان اراد شیئاًمن عرض الدنیافمکروہ وان اراد

تعظیم المسلم واکرامه فلابأس به.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۰،طبع سعید)

(وکره)تحریماقهستانی(تقبیل الرجل)فم الرجل اویده اوشیئامنه وکذاتقبیل المرأة المرأة عندلقاء اووداع قنیة وهذالوعن شهوة واماعلی وجه البرفجائزعندالکل خانیة وفی الاختیارعن بعضهم لابأس به اذاقصدالبروأمن الشهوة کتقبیل وجه فقیه ونحوه.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۳،طبع سعید)

(ولابأس بتقبیل ید)الرجل(العالم)والمتورع علی سبیل التبرک درروتقل المصنف عن الجامع انه لا بأس بتقبیل یدالحاکم والمتدین (السلطان العادل)وقیل سنة مجتبی (وتقبیل رأسه)ای العالم(اجود)کمافی البزازیة(ولا رخصة فیه)ای فی تقبیل الید (لغیرها)ای لغیرعالم وعادل هوالمختارمجتبی وفی المحیط ان لتعظیم اسلامه واکرامه جازوان لنیل الدنیا کره—کما یکره تقبیل المرأةفم اخری او خدها عند اللقاء اوالوداع کما فی القنیة متدما للتقبیل—واما تقبیل ید صاحبه عند اللقاء فمکروه بالاجماع.

وفی الشامیة:(قوله هوالمختار)قدم علی الخانیةوالحقائق ان التقبیل علی سبیل البر بلاشهوة جائزبالاجماع—(قوله کمایکره)الاولی حذفه فانه نقله سابقاًعن القنیةط وهذالوعن الشهوة—(قوله فمکروه بالاجماع) ای اذالم یکن صاحبه عالماًولا عادلا ولاقصد تعظیم اسلامه ولااکرامه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۱۸ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۶۰۳

﴿نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ نمازی حضرات نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرتے ہیں،شرعی طور پراس طرح مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت کا عمل ہے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور باعث اجروثواب ہے،رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفرلهما قبل أن یتفرقا"(سنن ابن ماجہ:ص۲۶۳،طبع قدیمی)

اس حدیث پاک سے مصافحہ کی فضیلت معلوم ہوئی،اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرے،رہا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کا مسئلہ اس میں اگرکوئی امام سے ملاقات کی غرض سے آیا ہوتو مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن

نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے کی عادت بنالینا یا ثواب سمجھنا یا مصافحہ نہ کرنے والوں کو برا سمجھنا کسی طرح سے جائز نہیں ہے، یہ روافض کا طریقہ ہے، اس لئے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ اور بدعت لکھا ہے، لہٰذا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

لما فی الشامی:(۳۸۱/۶،طبع سعید)

ان المواظبة علیها بعد الصلاة خاصة قد یؤدی الجهلة الی اعتقاد سنیتها فی خصوص هذه المواضع وأن لها خصوصیة زائدة علی غیرها مع أن ظاهر کلامهم أنه لم یفعلها أحد من السلف فی هذه المواضع، وکذا قالوا بسنیة قرأة السور الثلاثة فی الوتر مع الترک احیانا لئلا یعتقد وجوبها ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد اداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة رضی الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض اه ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعیة أنها بدعة مکروهة لا اصل لها فی الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ	فتویٰ نمبر: ۱۸۳

﴿کن لوگوں کو سلام کا جواب دینا چاہیے اور کن کو نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی ٹیلی فون کرتا ہے آگے سے کوئی عورت فون اٹھا کر ہیلو کرتی ہے تو کیا اس کو سلام کرنا جائز ہے؟ نیز تفصیل کیساتھ بیان کریں کہ کن کن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور کن لوگوں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ ٹیلی فون اٹھا کر ہیلو کرنے والی عورت اگر محرم ہے پھر تو اسے سلام کرنا چاہیے، اور اگر غیر محرم ہے لیکن عمر رسیدہ بڑھیا خاتون ہے تو اس کو بھی سلام کر سکتے ہیں اور اگر غیر محرم جوان عورت ہے اور دل میں غلط وسوسے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر اسے سلام کرنا جائز نہیں ورنہ درست ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ مواقع ایسے ذکر کئے ہیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے، ان میں (۱) نمازی کو (۲) تلاوت کرنے والے کو (۳) ذکر کرنیوالے کو (۴) حدیث بیان کرنے والے کو (۵) خطیب کو (۶) جو آدمی ان کو غور سے سن رہا ہو اس کو (۷) فقہ کا تکرار کرنیوالے کو (۸) فیصلہ کرنے بیٹھنے والے کو مثلاً حاکم، امیر وغیرہ کو (۹) فقہی مسائل میں بحث کرنے والوں کو (۱۰) مؤذن کو (۱۱) مدرس کو (۱۲) نوجوان اجنبیات کو (۱۳) شطرنج کھیلنے والے کو۔

(۱۴) اسی طرح کی دوسری لغویات میں مشغول لوگوں کو (۱۵) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ سرگوشی وغیرہ کررہا ہواسکو (۱۶) کافر کو (۱۷) جسکا ستر کھلا ہواسکو (۱۸) پیشاب کرنے والے کو۔

صاحب درمختار نے اس مضمون کو نظم کی صورت میں ذکر کیا ہے: (۶۱۶/۱، طبع سعید)

سلامک مکروہ علی من ستسمع ☆ ومن بعدما أبدی یسن ویشرع
مصل وتال ذاکر ومحدث ☆ خطیب ومن یصغی الیہم ویسمع
مکرر فقہ جالس لقضائہ ☆ ومن بحثوا فی الفقہ دعہم لینفعوا
مؤذن ایضا أو مقیم مدرس ☆ کذا الاجنبیات الفتیات امنع
ولعاب شطرنج وشبہ بخلقہم ☆ ومن ہو مع اہل لہ یتمتع
ودع کافرا ایضا ومکشوف عورۃ ☆ ومن ہو فی حال التغوط اشنع

اور سلام کا جواب دینا جن لوگوں پر واجب نہیں ان میں وہ شخص جو نماز میں ہو یا کھانے میں مشغول ہو یا پینے میں مشغول ہو یا قراءت کررہا ہو یا دعا مانگ رہا ہو یا ذکر کررہا ہو یا خطبہ میں ہو یا تلبیہ کہہ رہا ہو یا قضاء حاجت کررہا ہو یا اقامت میں ہو یا اذان میں ہو یا بچے نے سلام کیا ہو یا نشے کی حالت میں کسی نے سلام کیا ہو یا نوجوان عورت نے سلام کیا ہو جس سے فتنے میں پڑنے کا خوف ہو یا فاسق نے سلام کیا ہو آج کل کے دور میں فاسق کو سلام کا جواب دینا چاہیے یا اونگھنے والے نے سلام کیا ہو یا سوئے ہوئے نے سلام کیا ہو یا حالت جماع میں ہو یا فیصلہ کررہا ہو یا حمام میں ہو یا مجنون ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو نظم کی صورت میں جمع کیا ہے جسے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: (۶۱۸/۱، طبع سعید)

وقد نظم الجلال السیوطی المواضع التی لایجب فیہا رد السلام ونقلہا عنہ الشارح فی ہامش الخزائن فقال:

رد السلام واجب الاعلی ☆ من فی الصلاۃ أو باکل شغلا
أو شرب أو قرأۃ أو أدعیہ ☆ أو ذکر أو فی خطبۃ أو تلبیہ
أو فی قضاء حاجۃ الانسان ☆ أو فی اقامۃ أو الأذان
أو سلم الطفل أو السکران ☆ أو شابۃ یخشی بہا افتتان
أو فاسق أو ناعس أو نائم ☆ أو حالۃ الجماع أو تحاکم
أو کان فی الحمام أو مجنونا ☆ فواحد من بعدہا عشرونا

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۵۹

﴿جو شخص گانے سن رہا ہو اس کو دعوت کی نیت سے سلام کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جو شخص گانے سن رہا ہو اس کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: مولوی محمد تنویر

﴿جواب﴾ جو شخص گانے سن رہا ہو یا دوسرے کسی گناہ میں مشغول ہو تو اس کو دعوت کی نیت سے سلام کرنا چاہیے بشرطیکہ اس کے بارے میں آپ کو یقین ہو کہ آپ کے سلام کرنے سے وہ اس گناہ کو چھوڑ دے گا یا تھوڑی دیر کے لئے اس گناہ سے رک جائیگا۔

لمافی الشامی: (۶۱۷/۱، طبع: سعید کراچی)

ویسلم علی قوم فی معصیة وعلی من یلعب بالشطرنج ناویاان یشغلهم عماهم فیه عندابی حنیفة، کره عندهماتحقیرألهم.

ولمافی عالمگیریه: (۳۲۶/۵، طبع: رشدیه کوئٹه)

ولوکان له جیران سفهاء ان سالمهم یترکون الشرحیاء منه وان اظهرخشونة یزیدون الفواحش یعذرفی هذه المسئلة کذافی القنیه فی المتفرقات. ولابأس بالسلام علی الذین یلعبون الشطرنج للتلهی وان ترک ذلک بطریق التأدیب والزجرلهم حتی لایفعلوامثل ذلک فلابأس به وان کان لتشحیذالخاطرلاباس بالتسلیم علیهم. وکتب فی المستزادلم یرابوحنیفة بالتسلیم علی من یلعب بالشطرنج باسایشغله ذلک عماهوفیه وکره ابویوسف تحقیرألهم کذافی الذخیرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالی — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۷۹۹

﴿بے ہودہ کام میں مشغول لوگوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں آج کل جگہ جگہ لوگ موبائل فون لیکر گانے سن رہے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں پر گزرتے ہوئے سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں!

﴿جواب﴾ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بے ہودہ کام میں مشغول لوگوں پر سلام اس ارادہ سے سلام کرنا چاہئے تا کہ سلام کی وجہ سے یہ لوگ کام چھوڑ دیں گے یا کم از کم انکے اس بے ہودہ کام میں خلل واقع ہو جائیگا، البتہ صاحبین رحمہما اللہ ایسے لوگوں کو سلام کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں، اس

لئے کہ سلام کرنے میں انکی تکریم ہے حالآنکہ وہ اس کام کی وجہ سے تحقیر کے لائق ہیں!

موجودہ دور میں صاحبین کے قول پر عمل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہورہا ہے، اس لئے کہ اس دور میں اس قسم کے لوگ سلام سے کوئی اچھا اثر نہیں لیتے، بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ آپ کے سلام کو توجہ بھی نہیں دیں گے۔

رہا یہ کہ آپ کے سلام کیوجہ سے بےہودہ کام کو چھوڑ دیں گے تو اس طرح لوگوں سے یہ توقع رکھنا مشکل ہے! البتہ متعارف لوگ ہوں اور سلام کرنے سے خیر کی امید ہو تو سلام کرنا چاہئے۔

لمافی الشامیة (۶۱۷/۱)سعید

ویسلم علی قوم هم معصیة ،وعلی من یلعب بالشطرنج ناویاأن یشغلهم عماهم فیه عندأبی حنیفة وکره عندهماتحقیرا لهم.

ولمافی السراجیة (۷۲)باب التسلیم

اذامرّعلی قوم وهم فی معصیة یسلم علیهم علی قصد أن یشغلهم عماهم فیه .

ولما فی الهندیة(۳۲۶/۵)رشیدیه

ولابأس بالسلام علی الذین یلعبون الشطرنج للتلهی ،وان ترک ذلک بطریق التأدیب والزجرلهم حتی لایفعلوا مثل ذلک ،فلابأس به ،وان کان لتشحیذ الخاطر لابأس بالتسیلم علیهم ،وکتب فی المستزادلم یرأبوحنیفة بالتسیلم علی من یلعب بالشطرنج بأسألیشغله عماهوفیه ،وکره أبویوسف ذلک تحقیرا،کذافی الذخیرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ | فتویٰ نمبر:

﴿جنابت کی حالت میں سلام کا جواب دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی جنابت کی حالت میں ہو تو سلام کرنے والے کو جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد اسماعیل روڈوی

﴿جواب﴾ حالت جنابت میں سلام کرنا یا اس کا جواب دینا کوئی منع نہیں ہے، اسی طرح تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکر وتسبیح بھی جائز ہے۔

لما فی تنویر الابصار(۲۹۳/۱ طبع سعید)

ولابأس(لحائض وجنب(بقراءة ادعیة ومسها وحملها وذکرالله تعالی وتسبیح)

ولما فی التاتارخانیه (۱۲۲/۱ طبع قدیمی)

وکذلک اذا ذکر دعاء فی القرآن وهوآیة تامة یرید به الدعاء لا یکره ولا یکره له قراءة

دعاء القنوت فی ظاهر مذهب اصحابنا رحمهم الله تعالی لانه لیس

ولما فی غنية المستملی (ص ۵۰ طبع نعمانیه)

وان قرء ما دون الأية بقصد القرآن او قراءة الفاتحة لا بقصد القرآن بل علی قصد الدعاء۔۔۔۔ وکذا قراءة بسم الله الرحمٰن الرحیم علی وجه الثناء لا علی قصد القرآن یجوز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

یکم صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　فتوی نمبر: ۳۲۵۱

﴿خط کے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص خط میں سلام لکھ کر بھیج دیں تو اس خط کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو فورا جواب دینا واجب ہے یا بعد میں خط کا جواب لکھتے وقت؟ اور اسی طرح خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟　　　مستفتی: عطاء اللہ مرغز صوابی

﴿جواب﴾ خط کے ذریعہ موصول ہونے والے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے چاہے اسی وقت زبانی جواب دے یا خط لکھ کر سلام کا جواب بھیج دیں دونوں طرح سلام کا جواب ہوجاتا ہے، البتہ خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو تو زبانی جواب اسی وقت دینے کا اہتمام کرے، اس لئے کہ تاخیر کی صورت میں بھول جانے کا اندیشہ ہے۔

لما فی الدرمع الرد (۶/۴۱۵، طبع ایچ ایم سعید) ویجب رد کتابة التحیة کرد السلام.

وفی الشامیة تحته (ویجب رد جواب کتاب التحیة) لان الکتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبی والناس عنه غافلون ط۔۔۔۔ أقول: المتبادر من هذا ان المراد رد سلام الکتاب لا رد الکتاب، لکن فی الجامع الصغیر للسیوطی رد جواب الکتاب حق کرد السلام قال شارحه المناوی ای اذا کتب لک رجل بالسلام فی کتاب ووصل الیک وجب علیک الرد باللفظ او بالمراسلة وبه صرح جمع شافعية، وهو مذهب ابن عباس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر: ۲۵۷۸

﴿غائب کو سلام پہنچانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ مشہور ہے

کہ مہمان کو رخصت کرتے وقت اسے یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہنا، مثلا اپنے والد صاحب سے میرا سلام کہہ دینا، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا سلام پہنچانے کا یہ مروّجہ طریقہ شریعت کی رو سے صحیح ہے، اور جسے یہ کہا جائے تو کیا اس پر لازم ہے کہ اس کا سلام اس شخص تک پہنچادے؟ براہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

مستفتی: ثناء اللہ بونیری

﴿جواب﴾ کوئی شخص کسی دوسرے کو اگر اپنے دوست، استاد یا رشتہ دار کو سلام پہنچانے کا کہہ دے مثلا یہ کہہ دے کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دینا تو ایسا کرنا جائز ہے اور دوسرے نے اگر ذمہ داری قبول کر لی تو اس پر غائب تک اب سلام پہنچانا ضروری ہو جاتا ہے اسلئے ذمہ داری قبول کرتے ہوئے انشاء اللہ کہہ دینا چاہیے تا کہ وجوب کے درجہ میں نہ ہو پھر جب غائب کو سلام پہنچ جائے تو اس کے جواب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی غائب کو سلام کا پیغام پہنچے تو وہ جواب میں وعلیک وعلیہ السلام کہہ دے۔

لما فی الهندية ٥/٣٢٦ رشيدية

اذا أمر رجلا أن يقرأ سلامه على فلان، يجب عليه ذالك، كذا في الغياثية، ذكر محمد ؒ في باب الجعائل من السير حديثا يدل على أن من بلغ انسانا سلاما من غائب كان عليه أن يرد الجواب على المبلغ أولا ثم على ذالك الغائب، كذا في الذخيرة.

ولما في الدر والرد ٦/٤١٥ سعيد

ولو قال لآخر، اقرأ فلانا السلام يجب عليه ذالك، قال العلامة الشاميؒ (يجب عليه ذالك) لأنه من ايصال الأمانة لمستحقها والظاهر أن هذا اذا رضى بتحملها تأمل. ثم رأيت في شرح المناوى عن ابن حجرؒ، التحقيق أن الرسول ان التزمه أشبه الأمانة والا فوديعة اهأى فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة، قال الشرنبلاليؒ......وقال أيضا ويستحب أن يرد على المبلغ أيضا فيقول وعليك وعليه السلام ......وزاد وعن ابن عباسؓ يجب اه، لكن قال في التاتارخانية ذكر محمدؒ حديثا يدل......قال الشاميؒ وظاهره الوجوب تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿سلام کا سنانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص بعض دفعہ دوسرے کو سلام کرتا ہے اتنی پست آواز سے کہ سامنے والے

کو سنائی نہیں دیتی یا بلند آواز سے کرتا ہے لیکن سامنے والا ذہنا حاضر نہیں ہوتا یا مشغول اس قدر ہوتا ہے کہ اس کو پتہ تک نہیں چلتا، کیا اب اس کے ذمے فرض باقی رہا؟

﴿جواب﴾ سلام کرنے والے کا سلام جب سامنے والے کو نہ پہنچے یا سنائی نہ دے تو اس کے ذمے میں اس کا جواب واجب نہیں کیونکہ سلام کا جواب بغیر سنے دینا واجب نہیں، اسی طرح سلام کا جواب بھی اتنی آواز سے ہو کہ سلام کرنے والے کو پہنچ جائے ورنہ آپ کے ذمے واجب باقی رہے گا۔

لمافی البزازیة علی هامش الهندیة:(٦/٣٥٥،طبع رشیدیه)

وجواب السلام اذالم یسمعه المسلم لاینوب عن الفرض لان الردلایجب بلا سماع فکذاالجواب لایحصل الابه وان المسلم اصم یریه الرادتحریک الشفتین وکذا فی جواب العاطس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز چترالی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۰

﴿سلام کا جواب دینا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ سلام کا جواب دیتے ہوئے "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته" کے بعد ومغفرتہ وغیرہ کے الفاظ بڑھا دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جب دو آدمی ایک دوسرے کو ایک ساتھ سلام کریں تو جواب دونوں پر واجب ہے یا ایک پر؟

مستفتی سجاد احمد

﴿جواب﴾ سلام کا جواب "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته" سے دینا چاہیے مزید الفاظ بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

لمافی الهندیة:(٥/٣٢٥،طبع رشیدیه)

ولأفضل للمسلم أن یقول السلام علیکم ورحمةالله وبرکاته والمجیب کذالک یرد ولاینبغی أن یزادعلی البرکات شئ قال ابن عباس رضی الله عنهمالکل شئ منتهی ومنتهی السلام البرکات.

ولمافی الدرمع الرد:(٦/٤١٣،طبع سعید)ولایزیدالرادعلی وبرکاته.

وفی الشامیة:قال فی التاترخانیة:والأفضل للمسلم أن یقول:السلام علیکم ورحمته الله وبرکاته والمجیب کذلک یرد،ولاینبغی أن یزادعلی البرکات شئ اھ.

اس طرح جب دونوں ایک دوسرے کو ایک ساتھ سلام کریں تو جواب دونوں پر واجب ہے۔

لمافی الشامی:(۶/۴۱۶،طبع سعید)

أتلنة أقال فی التاتارخانية:.....واذاالتقيافافضلهمايسبقهما،فان سلمامعاًيرد كل واحد.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۱۳۹

﴿دوآدمیوں کا ایک ساتھ سلام کرنا، مجمع میں چھینکنے والے کے جواب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) دوآدمیوں نے ملاقات کے وقت ایک ساتھ سلام کیا، اب جواب کا طریقہ کیا ہوگا؟ (۲) چھینکنے والے کا جواب مجمع میں ہر فرد پر ضروری ہوتا ہے یا بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ مستفتی: عبداللہ ڈیروی

﴿جواب﴾ (۱) جواب بھی ہر دونوں پر واجب ہے۔

لمافی الشامی:(۶/۴۱۶،طبع سعید)واذاالتقيافافضلهمايسبقهما،فان سلمامعايرد كل واحد.

ولمافی الهندية:(۵/۳۲۵،طبع رشيديه)واذاالتقيافافضلهمااسبقهمافان سلمامعايرد كل واحد.

(۲) چھینکنے والے کا جواب مجمع میں ہر فرد پر ضروری نہیں ہوتا ہے بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ ہر فرد دیدے۔

لمافی الشامی:(۶/۴۱۲،طبع سعید)

ولوشمته بعض الحاضرين اجزأعنهم،والافضل ان يقول كل واحدمنهم لظاهرالحديث.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۳۹۷

﴿کسی بزرگ یا عالم دین اور عام آدمی کے ہاتھ کو بوسہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی بڑے بزرگ یا عالم دین کے ہاتھ یا پیشانی کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ اس کے علاوہ عام آدمی کے ہاتھ کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ نیز بعض لوگ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد ایک دوسرے کا ہاتھ چومتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مستفتی: حنیف خان

﴿جواب﴾ کسی بڑے بزرگ یا عالم دین اسی طرح بادشاہ وقت اگر عادل ہوں تو ان کے

ہاتھ یا پیشانی پر تبرک کے لئے بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ عام آدمی کے ہاتھ کو بوسہ دینا منع ہے، اسی طرح ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھوں کو چومنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۳،طبع سعید)

(ولا بأس بتقبيل يد)الرجل(العالم)والمتورع على سبيل التبرك.....(وتقبيل رأسه)أي العالم(اجود)كمافي البزازية(ولا رخصة فيه)أي في تقبيل اليد(لغيرهما)اى لغير عالم وعادل هو المختار مجتبى.....واماتقبيل يدصاحبه عنداللقاء فمكروه بالاجماع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۱۴رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۵۶

﴿عورت کا عورت کو بوسہ دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ جب عورتیں اپنے رشتہ داروں سے ملتی ہیں تو عورتیں ایک دوسرے کا بوسہ لیتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر مرد ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ مرد کا مرد کو اور عورت کا عورت کو بوسہ دینا جائز ہے بشرطیکہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۰،طبع سعید)

(وكره)تحريما قهستاني(تقبيل الرجل)فم الرجل أويده أوشيئامنه وكذاتقبيل المرأة المرأة عندلقاء أووداع قنية وهذالوعن شهوة،وأماعلى وجه البرفجائزعندالكل خانية،وفي الاختيار عن بعضهم لابأس به اذاقصدالبروأمن الشهوة كتقبيل وجه فقيه ونحوه.

ولمافی الهندية:(۵/۳۶۹،طبع رشيديه)

فان كانت المعانقة فوق قميص اوجبة أوكانت القبلة على وجه المبرة دون الشهوة جاز عندالكل كذافي فتاوى قاضي خان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:حبیب الوہاب سواتی عفا اللہ عنہ

۱۹ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۵۸

﴿ملاقات کے وقت جھکنا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دینی یا دنیوی اعتبار سے

جو بڑے حضرات ہوتے ہیں، ان سے ملاقات کے وقت بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جھکتے ہیں یا صرف سر نیچے کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: حماد پشاوری

﴿جواب﴾ بزرگوں سے یا عام بڑے لوگوں سے ملاقات کے وقت جھکنا یا سر نیچے کر کے ملنا منع ہے، اس میں مجوسیوں سے مشابہت ہے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

لمافی الشامی: (۶/۳۸۳، طبع سعید)

وفی الزاھدی: الایماء فی السلام الیٰ قریب الرکوع کالسجود وفی المحیط أنه یکره الانحناء للسلطان وغیره.

ولمافی الهندیة: (۵/۳۶۹، طبع رشیدیه)

الانحناء للسلطان أو لغیره مکروه لانه یشبه فعل المجوس کذافی جواهر الاخلاطی، ویکره الانحناء عندالتحیة وبه وردالنهی کذافی التمرتاشی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۳

﴿باب معاملات المسلمين بأهل الكتاب والمشركين﴾

﴿غیر مسلموں کو ان کے مذہبی تہوار پر مبارکباد اور ہدایا دینا بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہبی تہوار پر مبارکباد اور ہدایا دینا کیسا ہے؟ نیز بعض عیسائی طلباء ہمارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں، ہمارا ان سے تعلق رکھنا ہنسنا کھیلنا اور دوستوں کی طرح رہنا کیسا ہے؟ مستفتی: جہانزیب صدیق

﴿جواب﴾ غیر مسلموں کو انکے مذہبی تہوار پر مبارکباد دینا اور ہدایا دینا محبت اور مودت کی علامت ہے، گویا ان کے مذہبی شعار اور تہوار میں شریک ہونا ہے جو کہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے اگر ان کے شعار اور ایام کی تعظیم کرتے ہوئے کوئی ہدیہ وغیرہ دے تو موجب کفر ہے "العیاذ باللہ" اگر کسی نے ایسی حرکت کی ہے تو اس پر توبہ لازم ہے، تجدید ایمان کرے اور تجدید نکاح بھی، نیز اپنے ساتھ پڑھنے والے غیر مسلم طلباء کیساتھ قلبی تعلق رکھنا اور دوستوں کی طرح رہنا جائز نہیں، البتہ رسمی تعلق (صرف ضرورت کی حد تک) جائز ہے، ہاں اچھے کردار اور عمدہ اخلاق سے پیش آنا شریعت کے منافی نہیں ہے بلکہ مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

لما فی قوله تعالی:(سورة المائدة،آیت ۵۱)﴿یاایها الذین امنوا لاتتخذوا الیهود والنصاری اولیاء﴾

ولما فی قوله تعالی:(سورة الممتحنة،آیت ۱)﴿یاایها الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء﴾

ولما فی مشکاة المصابیح:(ص ۴۲۶،طبع سعید) المرء مع من احب(متفق علیه)

ولما فی التاتارخانية:(۵/۳۵۴،طبع قدیمی)

وفی التخییر:واتفق مشائخنا ان من رای امر الکفار حسنا فهو کافر الخ.

ولما فی مجمع الانهر:(۲/۵۱۳،طبع المنار کوئٹه)

ویکفر بخروجه الی نیروز المجوس.والموافقة معهم فیمایفعلونه فی ذالک الیوم وبشرائه یوم نیروز شیالم یکن یشتریه قبل ذلک تعظیماللنیروز لاللاکل والشرب وباهدائه ذلک الیوم للمشرکین.ولو بیضة تعظیمالذلک الیوم.

ولما فی شرح کتاب الفقه الاکبر:(ص ۳۰۶،طبع دار الکتب العلمية بیروت)

ومن اشتری یوم النیروز شیئا ولم یکن یشتریه قبل ذلک اراد به تعظیم النوروز کفر۔ای لانه عظم عیدالکفرة الخ......ومن اهدی یوم النوروز الی انسان شیا واراد تعظیم النوروز کفر.

واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب کان اللہ لہ　　　الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۲۳۰۷　　　۲صفر ۱۴۳۱ھ

﴿عیسائی اُستاد سے دینی تعلیم حاصل کرنا حماقت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست جو کہ برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کو ایک ایسے اسکول میں داخل کروایا ہے جہاں مسلمان بچوں کو ان کے مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن ان کے لئے جو استاد مقرر کیے گئے ہیں وہ عیسائی ہیں جو ان کو اسلامیات کا مضمون پڑھاتے ہیں جس میں بچوں کو اسلام کے اُرکان خمسہ اور اس سے متعلق دیگر مواد پڑھایا جاتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ایک عیسائی استاد سے اسلامیات کا مضمون پڑھنا مسلمان بچوں کے لئے جائز ہے؟　　　مستفتی:محمد امداد اللہ

﴿جواب﴾ عیسائی اسلامی تعلیمات کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، وہ زبان سے اسلامی تعلیمات کی تعلیم اگر دے گا تو دل سے لازماً مخالفت بھی کرے گا اور ایسی صورت میں بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ ہوگا، مسلمان بچوں کے والدین کی ذمہ داری ہے کہ بنیادی عقائد و مسائل کی تعلیم ضرور دیں یہ ان کا حق ہے اور صحیح العقیدہ استاد کا انتظام کئے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہونا مشکل ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۱۷۷،طبع سعید)

ويمنع النصرانى من مسه وجوزه محمداذا اغتسل ولاباس بتعليمه القران والفقه عسى يهتدى

وفى الشامية:(قوله ويمنع النصرانى)فى بعض النسخ الكافر،وفى الخانية الحربى أوالذمى (قوله من مسه)أى المصحف بلاقيده السابق(قوله وجوزه محمداذااغتسل) جزم به فى الخانية بلاحكاية خلاف.قال فى البحروعندهمايمنع مطلقا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ لکی مروت

۳ رجب ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۳۷۶

﴿غیر مسلموں کی عزت واکرام کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاں مہمان بن کر آجائے تو مسلمان کو انکی عزت وتوقیر کی اجازت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ غیر مسلموں کیساتھ محض معاشرتی تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں دوستانہ تعلقات قائم رکھنا جس سے یہ تأثر ملے کہ مذہب اور غیر مذہب والے برابر ہیں جائز نہیں اور کاروباری لین دین کی وجہ سے وہ کبھی مہمان بن کر ٹھہر جاتا ہے تو ضرورت کے درجے میں اس کی مہمان نوازی بھی جائز ہے لیکن مسلمان مہمان کی طرح اس کا اکرام وتوقیر جائز نہیں ہے، البتہ دین اسلام کی طرف ترغیب مقصود ہو تو اکرام وخدمت بھی باعث اجر وثواب ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۲۰۸،طبع ایچ ایم سعید)

(قوله وينبغى أن يلازم الصغار)......وجب على المسلمين عدم تعظيمهم لكن قال فى الذخيرة:اذادخل يهودى الحمام ان خدمه المسلم طمعافى فلوسه فلاباس به،وان تعظيماله فان كان ليميل قلبه الى الاسلام فكذلك وان لم ينوشيئا مماذكرناه كره...... وان قام تعظيمالذاته وماهوعليه كفر لان الرضاء بالكفر كفرفكيف بتعظيم الكفراه. قلت:وبه علم انه لوقام له خوفامن شره،فلاباس به ايضابل اذاتحقق الضرر،فقديجب وقديستحب على حسب حال ما يتوقعه.

ولمافى الهندية:(۵/۳۴۸،طبع رشيديه)

وفى مجموع النوازل:اذادخل يهودى الحمام هل يباح للخادم المسلم ان يخدمه قال ان خدمه طمعافى فلوسه فلاباس به وان خدمه تعظيماله ينظران فعل ذلك ليميل قلبه الى الاسلام فلا باس به وان فعل تعظيماللیهودى دون ان ينوى شيئامماذكرناه كره له ذلك......وان قام تعظيماله من غيران ينوى

شيئا مماذكرنا اوقام طمعاالغذاء كره له ذلك كذافي الذخيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۵۹۵

﴿مسلمانوں کا غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں شرکت جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض مسلم حکمران غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنے کے لئے ان کے گرجا گھروں اور مندروں میں جاتے ہیں تو شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟　　　مستفتی: شہزاد احمد

﴿جواب﴾ کسی مسلمان کا غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنے کے لئے ان کی عبادت گاہوں میں جانا جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ شیاطین کی آماجگاہیں ہیں، نیز اس سے ان کی جمعیت میں کثرت ہوتی ہے جس پر حدیث مبارک میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

لمافي كنزالعمال:(۱۱/۹، رقم الحديث: ۲۴۷۳۰، طبع رحمانيه)

من كثرسوادقوم فهومنهم ومن رضي عمل قوم كان شريكافي عمله(الديلمي عن ابن مسعود)

ولمافي الشامي:(۶/۳۸۷، طبع سعيد)

(قوله وجازدخول الذمي مسجدا)....وفي الهندية عن التتمة يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة وانمايكره من حيث انه مجمع الشياطين لامن حيث أنه ليس له حق الدخول اه.

ولمافي البحر:(۸/۲۰۳، طبع سعيد)

ولاباس بطعام المجوس كلها الا الذبيحة وفي التتمة يكره للمسلم دخول البيعة والكنيسة لأنها مجمع الشياطين اه.

ولمافي البحر:(۷/۲۱۴، طبع سعيد)

(قوله ولايحلفون في بيوت عبادتهم)لأن القاضي لايحضرها بل هوممنوع عن ذلك كذافي الهداية ولوقال المسلم لايحضرها لكان أولى لمافي التاتارخانية يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة وانمايكره من حيث أنه مجمع الشياطين لامن حيث أنه ليس له حق الدخول والظاهرانها تحريمية لأنها المرادة عنداطلاقهم وقدافتيت بتعزيرمسلم لازم الكنيسة مع اليهود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب غفرلہ ولوالدیہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۲۵

﴿غیر مسلم کو سلام کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں ایک فیکٹری میں ملازمت کرتا ہوں جہاں کچھ عیسائی ملازمین بھی ہیں، فیکٹری میں آتے وقت ان سے سلام و جواب ہوتے رہتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے ان کو سلام کرنا اور اسی طرح ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد زبیر اورنگی ٹاون

﴿جواب﴾ سلام کرنے میں چونکہ ان کی تعظیم ہے اور شریعت میں کافر کی اہانت کا حکم ہے، اس وجہ سے ان کو سلام کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی غیر مسلم سے کوئی ضرورت درپیش ہو تو اس وقت اسے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور سلام "السلام علی من اتبع الهدی" کے الفاظ سے کیا جائے گا، باقی ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے لیکن جواب میں اگر سلام کرنے والا ایک ہو تو صرف (وعلیک) اور اگر ایک سے زائد ہو تو پھر (وعلیکم) کہے اس پر اضافہ نہ کرے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۹۲۵،باب کیف الرد علی اهل الذمة السلام،طبع رحمانیه)

قال حدثنا انس بن مالک قال رسول اللهﷺ اذا سلم علیکم اهل الکتاب فقولوا وعلیکم.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۴۱۲،طبع سعید)

(ویسلم)المسلم (علی اهل الذمة)لوله حاجة الیه والا کره هو الصحیح کما کره للمسلم مصافحة الذمی......وفی شرح البخاری للعینی فی حدیث "ای الاسلام خیر؟قال:تطعم الطعام وتقرا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف"قال وهذا التعمیم مخصوص بالمسلمین ،فلایسلم ابتداء علی الکافر لحدیث "لاتبدء وا الیهود ولا النصاری بالسلام فاذا لقیتم احدهم فی الطریق فاضطروه الیٰ اضیقه" رواه البخاری......وفی الشامیة:(قوله ویسلم المسلم علی اهل الذمة الخ)......لکن فی الشرعة اذا سلم علی اهل الذمة فلیقل :السلام علی من اتبع الهدی وکذالک یکتب فی الکتاب الیه.اه...... (قوله لوله حاجة الیه)ای الی الذمی المفهوم من المقام قال فی التاترخانیة:لان النهی عن السلام لتوقیره ولا توقیر اذا کان السلام لحاجة.

ولمافی الدرالمختار:(۴/۲۰۸،طبع سعید)

ویحرم تعظیمه وتکره مصافحته.ولایبدء بسلام الالحاجة ولایزاد فی الجواب علی وعلیک.

ولمافی البحرالرائق:(۸/۲۰۴،طبع سعید)

ویرد السلام علی الذمی ولایزده علی قوله وعلیک لانه علیه الصلاة والسلام لم یزده علی ذلک ولایبدؤه بالسلام لان فیه تعظیماله فان کان له الیه حاجة فلاباس ببداء ته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۳۰۴۴

﴿غیر مسلم کو قرآن سکھانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک غیر مسلم کہہ رہا ہے کہ مجھے قرآن سکھادو، سوال یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو قرآن مجید سکھانا کیسا ہے؟ مستفتی: ظاہر شاہ

﴿جواب﴾ دوسرے مذہب کے لوگوں کو قرآن سکھانا جائز ہے کیونکہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے اس کو اسلام جیسی نعمت سے مالا مال فرمائے مگر قرآن مجید کو ہاتھ لگانے سے منع کر دینا چاہیے۔

لمافی الدرالمختار: (۱۷۷/۱، طبع سعید)
ویمنع النصرانی من مسه، وجوزه محمداذااغتسل ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى يهتدى.

ولمافی فتاویٰ قاضی خان: (۳۳۱/۳، طبع قدیمی)
كافر من اهل الذمة اومن اهل الحربطلب من مسلم ان يعلمه القرآن والفقه قالوالا بأس بان يعلمه القرآن والفقه في الدين لانه عسى ان يهتدى الى الاسلام فيسلم الاان الكافرلايمس المصحف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ
۱۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۷۲۹

﴿مسلمان کا مندر اور گرجا گھر کی تعمیر و مرمت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان میں اکثر جگہ ہندوؤں کے مندر اور عیسائیوں کے گرجا گھر واقع ہیں، ان میں تعمیر اور مرمت کا کام ہوتا ہے تو اکثر مسلمان مستری اور مزدوران کی مرمت کا کام کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ان مندروں اور گرجا گھروں کی تعمیر اور مرمت کا کام کرنا جائز ہے یا نہیں یعنی تعمیر و مرمت تعاون علی الاثم تو نہیں؟

﴿جواب﴾ ہندو وغیرہ سے اجرت لیتے ہوئے مندر، گرجا گھر وغیرہ کی تعمیر کرنا جائز ہے، البتہ ایسی مزدوری سے پرہیز کرنے میں تقویٰ ہے۔

لمافی الشامی: (۳۹۱/۶، طبع ایچ ایم سعید)
(قوله وجازتعمير كنيسة) قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لاباس به لانه لامعصية في عين العمل.

ولمافی الهندية:(۴/ ۴۵۰،طبع رشيديه)

ولواستاجر الذمی مسلماليبنی له بيعةاو كنيسة جاز ويطيب له الاجر كذافی المحيط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عدنان خدا بخش

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۶۸۸

﴿شیعہ کے ہوٹل کے کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں جس مارکیٹ میں کام کرتا ہوں، وہاں کے دوکاندار ایسے ہوٹل سے کھانا منگواتے ہیں جو شیعہ کا ہے اور ملازمین بھی سب شیعہ ہیں، ہمارے لئے ان کے ہوٹل کا کھانا جس میں سبزیاں اور گوشت ہو استعمال کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ مسلم آبادی میں کسی ہوٹل کا ہندو مالک ہو تو جواز کے درجہ میں اس ہوٹل کا بھی کھانا کھا سکتے ہیں اگر چہ پکانے والے بے دین، فاسق فاجر لوگوں کے اثرات اس کھانے میں ضرور ہونگے، البتہ ہندو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

لمافی الصحيح لمسلم:(۲/ ۳۱،طبع قديمی)

عن عائشةؓان رسول الله ﷺ اشترى من يهودی طعاماالی اجل ورهنه درعاله من حديد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۵۴۰

﴿مسلمان کا غیر مسلم ہندو وغیرہ کی دعوت میں شرکت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں غیر مسلم ہندو رہتے ہیں، یہ لوگ ہمارے ملازم بھی ہیں، وہ ہمیں کھانے کی دعوت بھی دیتے ہیں، کیا ہمارا (مسلمانوں کا) ان کی دعوت میں شرکت کرنا درست ہے؟

مستفتی:محمد اکرم کراچی

﴿جواب﴾ مسلمانوں کے لئے غیر مسلم ہندو وغیرہ کی دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کھانا حلال ہو، حرام نہ ہو اور چاہیے کہ کسی دینی یا کم از کم دنیوی مصلحت کی خاطر انکی دعوت میں شرکت کرے دوستانہ تعلقات کی بنیاد پر نہ ہو اسلئے کہ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا منع ہے۔

لمافی الهندية:(۵/ ۳۴۷،طبع رشيديه)

ولم يذكر محمد رحمه الله تعالى الاكل مع المجوسی ومع غيره من اهل الشرك انه هل

يحل ام لا وحكى عن الحاكم الامام عبدالرحمن الكاتب انه ان ابتلى به المسلم مرة اومرتين فلاباس به واماالدوام عليه فيكره كذا فى المحيط.

ولمافى خلاصة الفتاوىٰ:(۳۴۶/۴،طبع رشيديه)

والاكل والشرب فى اوانى المشركين مكروه ولاباس بطعام المجوس الاذبيحتهم وفى الاكل معهم وعن الحاكم عبدالرحمن لوابتلى به المسلم مرةاومرتين لاباس به اما الدوام عليه فمكروه ولاباس بالذهاب الى ضيافةاهل الذمة.

الجواب صحيح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عدنان خدابخش

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۶۸۵

﴿غیر مسلموں کے ساتھ کھانے پینے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم دس افراد ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں جن میں دو تین غیر مسلم بھی ہیں، ہم اپنے کھانے پینے کا انتظام الگ کرتے ہیں، اور وہ لوگ الگ کرتے ہیں، لیکن کبھی کبھار وہ آ کر ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتے ہیں، تو کیا ہمارا اس طرح مشترک کھانا جائز ہے یا نہیں؟　　مستفتی:محمد عامر بونیری

﴿جواب﴾ غیر مسلموں کے ساتھ ایک ساتھ کھانے پینے کو معمول بنانا گناہ ہے، کبھی کبھار اس طرح اتفاق ہوجائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دراصل غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا سخت منع ہے ایک ساتھ کھانے کو معمول بنادینے سے دوستانہ تعلقات قائم ہو سکتے ہیں اس۔لیے منع ہے۔

لما فى خلاصة الفتاوى:(۳۴۶/۴:كتاب الكراهية طبع رشيديه).

والاكل والشرب فى اوانى المشركين مكروه ولا باس بطعام المجوس الا ذبيحتهم، وفى الاكل معهموعن الحاكم عبدالرحمن لو ابتلى به المسلم مرة او مرتين لا باس به اماالدوام عليه فمكروه

ولما فى الهنديه:(۳۴۶/۵:كتاب الكراهيه الباب الرابع عشر).

ولا باس بطعام المجوس كله الا الذبيحة فان ذبيحتهم حرام ولم يذكر محمد رحمه الله تعالى الاكل مع المجوس ومع غيره من اهل الشرك انه هل يحل ام لا؟ وحكى عن الحاكم الامام عبدالرحمن الكاتب انه ان ابتلى به المسلم مرة او مرتين فلا باس به واما الدوام عليه فيكره كذا فى المحيط.

ولما فى فتاوى البزازيه:(۳۵۹/۶:كتاب الكراهيه).

الاكل والشرب فى اوانى المشركين يكره والاكل مع الكفار لو ابتلى به المسلم لاباس

لو مرة او مرتين اما الدوام عليه يكره.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر: ۳۶۶۰

﴿ضرورت کے وقت عیسائی بچے کو خون دینا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس بظاہر ایک غریب شخص آیا اور کہنے لگا کی میرا بیمار بیٹا ہسپتال میں داخل ہے، اس کو خون کی ضرورت ہے، میں اس کے ساتھ چلا گیا خون دینے سے پہلے پتہ چلا کہ عیسائی کا بچہ ہے تو شرم کی وجہ سے انکار نہ کر سکا اور خون دیدیا کالج میں دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ آپ نے کافر بچے کو خون دیکر ناجائز کام کیا ہے، براہ مہربانی شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ کن صورتوں میں خون دینا جائز ہے اور کن صورتوں میں ناجائز ہے؟ مستفتی: محمد ایوب ٹانک

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں چڑھانا اصلاً ناجائز ہے اور فقہاء احناف کا اصل فتوی یہی ہے کہ جو چیزیں ناجائز اور حرام ہیں، ان سے علاج کرانا بھی درست نہیں ہے، تاہم متاخرین فقہاء کرام نے ضرورت کی بناء پر از راہ علاج حرام اشیاء کے استعمال کی بھی گنجائش دی ہے اور قرآن وحدیث کی بھی بعض تصریحات سے ضرورت کی خاطر جواز معلوم ہوتا ہے۔

البتہ چند شرائط ہیں وہ پائی جائیں تو جائز ورنہ ناجائز ایک یہ کہ خون کے علاوہ کوئی متبادل دواء نہ ہو جس سے مریض کی جان بچ سکتی ہو، دوسری یہ کہ کوئی ماہر طبیب وڈاکٹر خون ضروری قرار دے، تیسری یہ کہ محض قوت جسمانی یا جسمانی حسن میں اضافہ مقصود نہ ہو۔

آپ کا عیسائی بچے کو خون دینا جائز ہے کیونکہ دین اسلام نے کافر کے ساتھ بھی احسان کرنے کی ترغیب دی ہے، لہٰذا آپ نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا بلکہ ثواب کا کام کیا ہے۔

لما في الشامي: (۳۸۹/۶، طبع سعید)

(قوله وجوزه في النهاية الخ) يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاءه فيه ولم يجد من المباح مايقوم مقامه، وان قال الطبيب يتعجل شفاؤك به فيه وجهان — الخ.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۵۵،طبع رشیدیه)

ولابأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء وفی شرب لبن المرأة للبالغ من غیر ضرورة اختلاف المتأخرین کذافی القنیة....یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذااخبره طبیب مسلم ان شفاء ه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه وان قال الطبیب یتعجل شفائک فیه وجهان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سلمان احمد

۱۵ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۲۱

﴿غیر مسلم کے ہاں نوکری کا حکم﴾

﴿سوال﴾ زید ایک شخص کی خدمت کرتا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ عیسائی ہے، اب زید اس کی خدمت جاری رکھے یا چھوڑ دے؟ واضح رہے کہ زید چوکیداری کرتا تھا اور کبھی بازار سے سودا وغیرہ لاتا تھا۔بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ کسی غیر مسلم کے ہاں ایسی نوکری کرنا جس میں اپنے نفس کی تذلیل ہو یا کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب لازم آئے جائز نہیں ہے، مسؤلہ صورت میں چونکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، اس لئے ایسی نوکری جائز ہے لیکن غیر مسلم کے تحت نوکری کرتے ہوئے ماحول سے متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

اس لئے کسی دیندار مسلمان کے ہاں مناسب نوکری کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ نیک ماحول ملے۔

لمافی البزازیة علی هامش الهندیة:(۵/۱۲۵،طبع رشیدیه)أجر نفسه من کافر للخدمة یجوز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿غیر مسلموں کے ساتھ لین دین جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مسلموں کو مکان کرائے پر دینا یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح باقی دنیاوی معاملات کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ غیر مسلموں کو مکان کرائے پر دینا یا فروخت کرنا جائز ہے، البتہ مالک کے علم

میں ہو کہ یہ مکان شراب خانہ یا سودی کاروبار وغیرہ کے لئے لیا جا رہا ہے، یہ مکان مسلمانوں کی آبادی میں واقع ہو تو ایسے معاملہ سے اعراض کرنا چاہیے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ کوئی بھی معاملہ ہو جائز ہے بشرطیکہ ممانعت کی کوئی اور وجہ نہ ہو۔

لمافی فتح القدير:(١٠/٤٣،طبع رشيديه)

ثم انه ذكر فى الذخيرة والمحيط اذا استاجر الذمى من المسلم دارا ليسكنها فلاباس بذلك، لان الاجارة وقعت على امر مباح فجازت، وان شرب فيها الخمر او عبد فيها الصليب او ادخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم فى ذلك شئ، لان المسلم لم يؤاجرها لها انما اجر للسكنى فكان بمنزلة ما لو اجر دارا من فاسق كان مباحا وان كان قد يعصى فيها.

ولمافی الهندية:(٥/٣٣٦-٣٣٨،طبع رشيديه)

قوم من اهل الذمة اشتروا من المسلمين دارا فى المصر ليتخذوها مقبرة قال لما ملكوها يفعلون فيها ما شاءوا وان اضر ببيوت الجيران بخلاف ما لو اتخذوا بيعة او كنيسة او بيت نار فى المصر لم يملكوا ذلك كذا فى خزانة الفتاوى...... لا باس بان يكون بين المسلم والذمى معاملة اذا كان مما لا بد منه كذا فى السراجية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حیات کمالوی

۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۴۲۳

﴿غیر مسلم کا مال تلف کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میں یونان کے شہر اتھنک میں رہائش پزیر ہوں یہاں پر ایک باغ میں چوکیداری کرتا ہوں جیسا ہمارے ملک میں گائے بھینس پالنے کے فارم ہوتے ہیں اسی طرح یہاں سؤر یعنی خنزیر پالنے کے فارم ہوتے ہیں، میں جس باغ میں کام کرتا ہوں اس کے قریب بھی سؤر پالنے کا ایک بڑا فارم ہے جس کے ارد گرد باڑ موجود ہے کچھ دن پہلے اتفاق سے اس فارم سے سؤر کا ایک بچہ ہمارے باغ میں گھس آیا، میں نے ایک لکڑی اس کے سر پر ماری، جس سے وہ تیزی سے اپنے فارم میں داخل ہوا اور وہاں گر کر مر گیا میری اس حرکت کا کسی کو پتہ نہیں لیکن مجھے تو اپنی غلطی کے بارے میں معلوم ہے۔ اب آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً مجھ پر اس کا تاوان دینا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ اسکی قیمت کم از کم بیس ہزار پاکستانی روپے بنتے ہیں براہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔ مستفتی: یوسف سعید یونان

﴿جواب﴾ یونان ایک غیر مسلم ملک ہے جس میں داخل ہونے کیلئے ویزا حاصل کرتے

وقت آپ نے یہاں کے قوانین کی پابندی کا معاہدہ کیا ہے اسلئے آپ جب تک یہاں موجود ہیں آپ کیلئے شرعاً اس ملک کے جائز قوانین کی پابندی لازم ہے سو آپ کیلئے سؤر کے اس بچے کو قتل کرنا یا مارنا شرعاً اور قانوناً جائز نہیں تھا کیونکہ ان کے ہاں یہ ایک قیمتی چیز ہے اسلئے آپ اسکے مالکان کو اپنی غلطی کا بتادیں وہ اگر معاف کردیں تو اچھی بات ہے اور تاوان کا مطالبہ اگر کریں تو تاوان دینا لازمی ہوگا، البتہ یہ قابل تحقیق ہے کہ سؤر کا یہ بچہ واقعی آپ کے مارنے سے مرا ہے؟ آپ کے مارنے سے موقع پر کیوں نہیں گرا، اپنے فارم تک صحیح حالت میں کیسے پہنچا اس سے آپکی جنایت مخدوش ہورہی ہے لہذا یہ قابل تحقیق ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: (۱۶۶/۴، طبع: سعید)

باب المستامن (دخل مسلم دار الحرب بأمان حرم تعرضه لشيء) من دم ومال وفرج (منهم) اذ المسلمون عند شروطهم.

قال العلامة الشامي (قوله اذ المسلمون عند شروطهم) لأنه ضمن بالاستئمان أن لا يتعرض لهم والغدر حرام (فلو أخرج) الينا (شيئاملكه) ملكا (حراما) للغدر (فيتصدق به) وجوبا قيدبالاخراج لأنه لوغصب منهم شيئا ردّه عليهم وجوبا (قوله قيد بالاخراج لأنه لوغصب الخ) يعني ولم يخرجه لأنه محترز القيد وعبارته في الدرّ المنتقى قيد بالاخراج لأنه لو لم يخرجه وجب ردّه عليهم للغدر

ولما في حاشية الطحطاوي على الدر: (۴۵۸/۲، طبع: رشيدية)

(قوله لأنه لو غصب منهم شيئاالخ) الغصب ليس بقيد اذ لو سرق أو أغار كان الحكم كذلك كمالايخفى حلبي والاولى أن يقول لأنه لو أخذه ولم يخرجه (قوله ردّه عليهم) أي ما دام في دارهم بقرينة قوله قيد بالاخراج قاله الحلبي وقوله وجوبا المراد منه الافتراض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۲۳ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۲۸۹

﴿غیر مسلم کو سلام کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری گلی میں زیادہ تر ہندو اور عیسائی رہتے ہیں تو کیا ان کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن الفاظ سے؟ اگر وہ لوگ سلام کریں تو ہم ان کے سلام کے جواب میں کیا کہیں؟ مستفتی: چوہدری ذوالفقار صاحب

﴿جواب﴾ بغیر ضرورت اور حاجت کے غیر مسلم کو سلام کرنا مکروہ ہے، ہاں ان سے کوئی

کام ہوتو پھر سلام کر سکتے ہیں، سلام بھی ان الفاظ کے ساتھ "السلام علی من اتبع الھدی" اگر وہ لوگ سلام کریں تو جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ جواب میں صرف وعلیک کہیں۔

لمافی الھندیۃ:(۵/۳۲۸،طبع رشیدیہ)

وقال مجاھدؒ اذاکتبت الی الیھودی اوالنصرانی فی الحاجۃفاکتب السلام علی من اتبع الھدی

ولمافی التنویرمع الدر:(۶/۴۱۲-۴۱۳،طبع سعید)

(ویسلم)المسلم(علی اھل الذمۃ)لوله حاجۃالیه والاکرہ ھوالصحیح.....ولوسلم یھودی اونصرانی اومجوسی علی مسلم فلاباس بالرد(و)لکن (لایزیدعلی قوله وعلیک)

وفی الشامیۃ:لکن فی الشرعۃاذاسلم علی اھل الذمۃ فلیقل:السلام علی من اتبع الھدی

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:اسرارعزیز

۲۳جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۹۱۱

﴿غیر مسلم کی عیادت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب نے مسجد کے بیت الخلاؤں کی صفائی کرنے والے ایک عیسائی خاکروب کی بیمار ہونے کی وجہ سے عیادت کی، اب محلہ کے بعض لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑدی ہیں، شریعت کی روشنی میں امام صاحب کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ اور غیر مسلم کی عیادت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ دین اسلام جس طرح مسلمانوں کو آپس میں اچھارویہ اور حسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح غیر مسلموں کیساتھ بھی اچھارویہ اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیتا ہے، غیر مسلم کی عیادت نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے، محلّہ کے بعض لوگوں نے اگر اسی وجہ سے امام صاحب کی اقتداء میں نماز چھوڑی ہے تو یہ ان کی جہالت ہے، ان پر توبہ واستغفار کے علاوہ امام صاحب کی دلی رنجش اور کدورت کو زائل کرنا بھی لازم ہے، لہذا چاہیے کہ وہ امام صاحب سے معافی مانگیں۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۸۱،باب عیادۃالمشرک،طبع قدیمی)

عن انس قال کان غلام یھودی یخدم النبی صلی اللہ علیه وسلم فمرض فاتاہ النبی صلی علیه وسلم یعودہ فقعدعندرأسه فقال له اسلم فنظرالی أبیه وھوعندہ فقال اطع ابا القاسم فاسلم فخرج النبی صلی اللہ علیه وسلم وھویقول الحمدللہ الذی أنقذہ من النار.

ولمافی صحیح البخاری:(۶۲۳/۲،طبع رحمانیه)

عن انس أن غلاما الیهود کان یخدم النبی صلی الله علیه وسلم فمرض فأتاه النبی صلی الله علیه وسلم یعوده فقال اسلم فأسلم.

ولمافی التنویر مع الدر:(۳۸۸/۶،طبع سعید)(و)جاز(عیادته)بالاجماع.

وفی الشامیة:(قوله وجاز عیادته)ای عیادة مسلم ذمیانصرانیااویهودیا،لانه نوع برفی حقیهم ومانهیناعن ذلک،وصح ان النبی ﷺ عادیهودیامرض بجواره.هدایة.

ولمافی البحرالرائق:(۲۰۲/۸،طبع سعید)

(وعیادته)یعنی تجوز عیادة الذمی المریض لماروی أن یهودیا مرض بجوار النبی صلی علیه وسلم فقال قوموا بنا نعود جارنا الیهودی فقاموا ودخل النبی صلی علیه وسلم وقعد عند رأسه وقال له قل أشهدأن لااله الاالله وأن محمدارسول الله فنظر المریض الی أبیه فقال أجبه فنطق بالشهادة فقال صلی علیه وسلم الحمدلله الذی أنقذبی نسمة من النار ولأن العیادة نوع من البروهی من محاسن الاسلام فلا بأس بها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد طیب عفااللہ عنہ

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۳۰۳۰

﴿غیر مسلموں کی عیادت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں عیسائی، ہندو رہتے ہیں ان میں سے بعض مسلمانوں کی بیمار پرسی کرتے ہیں، غرض یہ ہے کہ اگر ان میں کوئی بیمار ہوجائے تو ہم مسلمان ان کی عیادت کرسکتے ہیں یانہیں؟ بینواتوجروا۔ مستفتی:اسلم سکھر

﴿جواب﴾ یہود اور عیسائیوں کی عیادت تو خود آپ ﷺ نے فرمائی ہے، البتہ ہندوؤں کی عیادت کرنا دعوت اور اچھے اخلاق سے متاثر کرنے کی نیت سے ہو تو امید ہے کہ بڑا اجر ملیگا۔

لمافی الهدایة:(۴۷۸/۴،طبع رحمانیه)

قال ولاباس بعیادة الیهوی والنصرانی لانه نوع برفی حقهم ومانهیناعن ذلک وصح ان النبی علیه السلام عادیهودیامرض بجواره.

ولمافی التنویرمع الدر:(۳۸۸/۶،طبع سعید)

(و)جاز(عیادته)بالاجماع وفی عیادة المجوسی قولان.......وفی الشامیة:(قوله وجاز عیادته)ای عیادة مسلم ذمیانصرانیااویهودیا،لانه نوع برفی حقهم ومانهیناعن ذلک،وصح ان النبی ﷺ عادیهودیامرض بجواره هدایة(قوله وفی عیادة المجوسی قولان)قال فی العنایة فیه اختلاف المشائخ فمنهم من قال به،لانهم اهل

الذمة وهو المروى عن محمد، ومنهم من قال هم ابعد عن الاسلام من اليهود والنصارى...... قلت: وظاهر المتن كالملتقى وغيره اختيار الاول لارجاعه الضمير فى عيادته الى الذمى ولم يقل عيادة اليهودى والنصرانى، كما قال القدورى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۹۴

﴿قادیانیوں کیساتھ تعلقات قائم رکھنا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں قادیانیوں کیساتھ تعلقات قائم رکھنا جائز ہے؟

مستفتی: خادم حسین

﴿جواب﴾ مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں، جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ کافر و مرتد ہیں، ان سے تعلقات اور میل جول رکھنا صحیح نہیں اور ان کیساتھ خرید و فروخت وغیرہ ہر قسم کا لین دین ناجائز ہے اور ان سے دوستانہ تعلق رکھنا اور محبت سے پیش آنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے، زندیق ہونے کیوجہ سے ان کے احکام دوسرے کفار سے زیادہ سخت ہیں۔

لمافی قواعد الفقه: (ص ۳۱۵، طبع میر محمد)

الزنديق هو من يبطن الكفر ويعترف بنبوة نبينا ﷺ ويعرف ذلك من اقواله واعماله وقيل من لا يتدين بدين.

ولمافی فیض الباری: (۶/۲۰۱، طبع رشیدیه)

وقال العلامة الكشميرى: قلت والزنديق من يحرف فى معانى الالفاظ مع ابقاء الفاظ الاسلام كهذا اللعين فى القاديان يدعى انه يومن بختم النبوة ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعده الختم دليلا على فتح باب النبوة فهذا هو الزندقة حتى اى التغير فى المصاديق وتبديل المعانى على خلاف ما عرفت عند اهل الشرع وصرفها الى اهوائه مع ابقاء اللفظ على ظاهره والعياذ بالله.

ولمافی الهداية: (۲/۵۸۷، طبع رحمانيه)

وما باعه او اشتراه او اعتقه او وهبه او رهنه او تصرف فيه من امواله فى حال ردته فهو موقوف فان اسلم صحت عقوده وان مات او قتل اولحق بدار الحرب بطلت.

ولمافی الشامی: (۴/۱۹۹، طبع ایچ ایم سعید)

[تنبیه] قال فى الفتح قالو الوجاء زنديق قبل ان يؤخذ فاخبر بانه زنديق وتاب تقبل توبته، فان اخذ ثم تاب لا تقبل توبته ويقتل لأنهم باطنية يعتقدون فى الباطن خلاف ذلك فيقتل ولا تؤخذ منه الجزية اه. وسيأتى فى باب المرتد أن هذا التفصيل هو المفتى به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿عیسائیوں کو سلام کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں میڈیکل کالج میں پڑھتا ہوں، میرے بعض ساتھی غیر مسلم یعنی عیسائی ہیں، وہ سامنے آتے ہی سلام کر لیتے ہیں اور میں بھی ان کو سلام کرتا ہوں، ان کو سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ سلام کریں تو انکو جواب دینا چاہیے؟

﴿جواب﴾ غیر مسلم (عیسائی) کو سلام میں پہل نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر وہ پہل کرلیں تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جواب میں صرف "وعلیک یا والسلام علی من اتبع الھدی" کہدیا کریں۔

لمافی المشکوۃ:(ص ۳۹۸،طبع سعید)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تبدوا الیہود ولا النصاری بالسلام واذا لقیتم احد ہم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ (رواہ مسلم)

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۱۲/۶،طبع سعید)

فلا یسلم ابتداء علی کافر لحدیث لا تبدء وا الیہود ولا النصاری بالسلام فاذا لقیتم احدہم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ،رواہ البخاری،وسلم یہودی أو نصرانی أو مجوسی علی مسلم فلا بأس بالرد(و)لکن (لا یزید علی قولہ وعلیک)(قولہ ولکن لا یزید علی قولہ وعلیک)لانہ قد یقول السام علیک أی الموت کما قال بعض الیہود للنبی ﷺ فقال لہ"وعلیک"فرد دعاء ہ علیہ وفی التاترخانیۃ قال محمد یقول المسلم وعلیک ینوی بذلک السلام لحدیث مرفوع الی رسول اللہ ﷺ أنہ قال:"اذا سلموا علیکم فردوا علیہم".

ولمافی الہندیۃ:(۳۲۵/۵،طبع رشیدیہ)

قال الفقیہ أبو اللیث ان مررت بقوم وفیہم کفار فأنت بالخیار ان شئت قلت السلام علیکم وترید بہ المسلمین وان شئت قلت السلام علی من اتبع الہدی کذافی الذخیرۃ.

ولمافی المشکوۃ:(ص ۳۹۸،طبع سعید)

عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ اذا سلم علیکم اہل الکتاب فقولوا وعلیکم متفق علیہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۵

﴿فصل فی متفرقات الحظر والاباحۃ﴾

﴿مجبوری کی صورت میں زیر ناف بال کٹوانے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو فالج ہو گیا

ہے۔اور اس کی بیوی بھی نہیں تو کیا اس کے زیر ناف بال کوئی دوسرا شخص کاٹ سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ مجبوری کی صورت میں کوئی بھی دوسرا آدمی زیر ناف بال کاٹ سکتا ہے۔البتہ جتنا بھی ممکن ہو سکے چھونے اور دیکھنے سے بچتا رہے۔

لما فی الهندية:(۳۵۸/۵،طبع رشیدیه،کوئٹه)

حلق العانة بيده وحلق الحجام جائز ان غض بصره كما فى التتار خانية.

ولما فى البحر الرائق:(۲۰۵/۸،طبع:سعید، کراچی)

وفی جا مع الجوامع حلق العانة بيده وان حلق الحجام جاز ان غض بصره.

ولما فى الشامى :(۱۵۳/۱۱،طبع :امدادیه،ملتان)

لا بأس للحمامی أن يطلى عورة غيره بالنورة انتهى.لكن قل فى الهندية بعد أن نقل عن التاتر خانية أن ابا حنيفة كا لا يرى بأساً بنظر الحمامى الى عورة الرجل،ونقل أنه ما يباح من النظر للرجل من الرجل يباح المس، ونقله عن الهدايةونقل ما قلنا ،لكن قيده بما اذاكان يغض بصره،ونقل عن الفقيه أبى الليث أن هذا فى حالة الضرورة لا فى غيرها،وقال:وينبغى لكل واحد أن يتولى عانته بيده اذا تنور كما فى المحيط،فليحفظ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:تنویر الرحمٰن غفر لہ ولوالدیہ

۲۵ صفر الخیر ۱۴۳۴ھ   فتوی نمبر:۳۵۴۹

﴿قضائے حاجت کے دوران شرم گاہ کو دیکھنا، پاخانے میں تھوکنا خلاف ادب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قضائے حاجت کے وقت اپنی شرم گاہ کو دیکھنا یا پاخانہ وغیرہ میں تھوکنا شرعاً کیسا ہے۔برائے کرم وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قضائے حاجت کے وقت قصداً اپنی شرمگاہ کو دیکھنا یا پاخانہ وغیرہ میں تھوکنا ادب کے خلاف ہے لہٰذا اس طرح کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لمافی الشامی (۳۴۵/۱،سعید)

ولاينظرالى عورته ولاالى مايخرج منه ،ولايبزق فى البول ،ولايطيل القعودفانه يولد الباسور،ولايمتخط ،ولايتنحنح ،ولايكثرالالتفات ولايعبث ببدنه ،ولايرفع بصره الى السماء،وينكس رأسه حياء مماابتلى به ويدفن الخارج......

ولمافى الهنديه (۵۰/۱،رشیدیه)

فان عطس يحمدالله بقلبه ولايحرك لسانه ولاينظرلعورته الالحاجة ولاينظرالى مايخرج منه ولايبزق ولايمتخط ولايتنحنح ولايكثرالالتفات ولايعبث ببدنه ولايرفع

بصره الى السماء، ولايطيل القعود على البول والغائط،

ولمافى التاتارخانيه:(۱/۷۶،طبع:قديمى)

وينبغى ان لايلقى البزاق فى البول لانه يورث كثرة وسوسة وايضافيها:۷۸،ويكره كشف العورة لاسباغ الوضوء كذا النظر الى العورة.

والله اعلم بالصواب: دوست محمد روغانی — الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۴۲۳۷ — ۷ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

﴿کوزہ گھمانے، ناخن اور شیشہ پر عمل کرنے سے چور کی شناخت شرعاً معتبر نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض عامل کوزہ، ناخن اور شیشہ وغیرہ پر ایک خاص عمل کرتے ہیں، جس کے ذریعہ چور وغیرہ کی نشاندہی کرتے ہیں، اس قسم کے اعمال کا کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا اور کرانا جائز ہے؟ بعض لوگ اپنے بزرگوں کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔ بینوا توجروا

مستفتی: فیاض علی ابوبکر مسجد

﴿جواب﴾ کسی کو چور قرار دینے کے لئے شرعی ثبوت گواہ ہے یا اس کا خود اقرار۔ شیشے یا ناخن میں اس کی صورت نظر آئے یا کوزہ اس کے نام پر گھومے یہ کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے۔ دراصل اس عمل میں عامل کی توجہ کارفرما ہوتی ہے یا جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اکثر وبیشتر جھوٹ ثابت ہوتا ہے، اور عوام اس کو یقین کا درجہ میں ثبوت جانتے ہیں، پولیس کے حوالے کرتے ہیں، اور ہمارے ملک کی پولیس مار پیٹ ظلم اور تشدد کے ذریعے غیر چور سے بھی چوری کا اقرار کروالیتی ہے، مشہور کہاوت ہے کہ ہماری پولیس تو ہاتھی سے بھی کہلوادے کہ ''ہاں ہاں میں بکری ہوں'' اس لئے شرعاً اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے گناہ کا کام ہے اور بڑے فتنے کا باعث ہے۔

بعض عملیات کی کتابوں میں ایسے اعمال کا ذکر آتا ہے جن کی نسبت ہمارے اکابر کی طرف بھی کی جاتی ہے، اول تو ان کتب کی نسبت یقینی نہیں ہے اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ ہمارے اکابر نے اس طرح کے اعمال بتائے ہیں تو ان حضرات نے صرف قرینہ کے درجے میں تسلیم کیا ہے یا درج کیا ہے، لیکن کمزور ایمان والے لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں اس لئے انکی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب

(کمالات عزیزی میں صفحہ ۶۰) پراس طرح کے عمل کے ذیل میں لکھتے ہیں ''میں کہتا ہوں کہ جو شخص یہ عمل یا ایسا کوئی عمل کرکے چور پر مطلع ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کے چرانے پر یقین نہ کرے اور اس کو بدنام نہ کرے بلکہ قرائن کی پیروی کرے کہ یہ عمل بھی اتباع قرائن کا ایک طریقہ ہے، حق تعالیٰ شانہ نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے ''ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر...... الى آخر الاية'' ہمارے اکابر نے خواص وعلماء کے لئے کچھ ایسے اعمال اگر بتائے ہیں، تو وہ جانتے تھے کہ علماء کرام ایسے اعمال کو کیا درجہ دیں گے۔ اب تو بعض نام کے علماء بھی بطور دھندہ یہ اعمال کرتے رہتے ہیں بلاشبہ یہ بڑا گناہ اور بڑا فتنہ ہے۔

لما فی المشکوة :(ص ۳۹۳، کتاب الطب والرقی ،باب الکهانة) طبع سعيد

''وعن حفصة رضي الله عنها قالت :قال رسول الله ﷺ من أتى عرافا فسئله عن شيئ لم يقبل له صلوة أربعين ليلة''. (رواه مسلم)

''عن ابن عباس رضي الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ من أتى كاهنا فصدقه بما يقول أو أتى امرأة حائضا أو أتى امرأته في دبرها فقد برئ مما أنزل على محمد''. (رواه احمد وابو داؤد)

ولما فی شرح الفقه الأكبر (ص ۲۵۰ تا ۲۵۳) طبع دار الکتب العلمية بيروت

قال القونوي :والحديث يشمل الكاهن والعراف والمنجم فلايجوز اتباع المنجم والرمال وغيرهما كالضارب بالحصى وما يعطى هؤلاء حرام بالاجماع كما نقله البغوي ....وقال شارح العقيدة الطحاوية :الواجب على ولي الأمر كل قادر أن يسعى في ازالة هؤلاء المنجمين (الكهان) والعرفين واصحاب الضرب بالرمل والحصى والقرع والفالات ومنعهم من الجلوس في الحوانيت أو الطرقات أو أن يدخلوا على الناس في منازلهم.....ولهذا ذكر في الفتاوى أن قول القائل عند رؤية هالة القمر أي دائرته يكون مطر مدعيا علم الغيب لا بعلامة كفر.

ولما فی الشامی: ۲۴۲/۴، ۲۴۳، طبع سعيد

والعراف :المنجم ،وقال الخطابي :هو الذي يتعاطى معرفة مكان المسروق والضالة ونحوهما ،والحاصل أن الكاهن من يدعي معرفة الغيب بأسباب وهي مختلفة ....والكل مذموم شرعا محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر ،وفي البزازية يكفر بادعاء علم الغيب وباتيان الكاهن وتصديقه وفي التتارخانية :يكفر بقوله أنا أعلم المسروقات أو أنا أخبر عن اخبار الجن اياي لكن في حظر الخانيه :لو استعمله للتجربة والامتحان ولايعتقده لا يكفر.

ولما فی النبراس :ص ۳۴۳، ۳۴۴، طبع حقانيه ملتان

رابعها :أخبار المنجم والرمال لأن النجوم والرمل علمان استدلاليان مذلان على

الأنبياء ثم اندرسا وخلط الناس فيهما فمن استدل بقاعدة نبوية أصاب في الخبر خامسها: خبر الكاهن لأنه مما يخبره الجن عن مشاهدة أو سماع عن الملئكة الذين عرفوا الكوائن المستقبلة بالوحي ثم تقول قد نطق كثير من الأحاديث وأقوال السلف بكفر المنجم والكاهن ومن يصدقها وذكر غير واحد من المحققين أن التكفير خاص بمن يدعى علم الغيب أو يزعم النجوم مدبرة بالاستقلال او يزعم الجن عالمة بالغيب، قلت: ومع هذا ليس الاشتغال بالنجوم والكهانة وتصديقهما من فعل الصالحين ولاشك أن فيهما اخلالا بعقائد ضعفاء المسلمين لزعمهم أن المخبر عالم بالغيب على أن الكاهن يصعب أن يسلم ايمانه لاستمداده من الشياطين۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفر لہ ولوالدیہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۷۲۹

﴿محمد یزدان نام رکھنا مناسب نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد یزدان نام رکھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ یزدان فارسی لفظ ہے جس کا معنی ہے نیکی اور خیر کا خالق یعنی اللہ تعالیٰ۔ تو پھر محمد یزدان کا معنی ہوتا ہے (محمد اللہ)۔ لہذا اس نام کا کوئی صحیح مفہوم نہ ہونے کیوجہ سے رکھنا غلط ہے، دوسرا کوئی اچھے مفہوم کا نام رکھنا چاہیے۔

لما فی فیروز اللغات اردو: ص، ۱۵۳۳ مکتبہ فیروز سنز لمیٹڈ

یزداں (ف۔ا۔مذ) نیکی اور خیر کا خالق، پارسیوں کا خدا

ولما فی الهندية: ۳۶۲/۵ طبع قديمی کتب خانه

والتسمية باسم يوجد في كتاب الله تعالىٰ كعليّ والكبير والرشيد والبديع جائز لأنه من الاسماء المشتركة ويراد في حق العباد غير ما يراد في حق الله تعالىٰ كذا في السراجية، وفي الفتاوى: التسمية باسم لم يذكره الله تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استعمله المسلمون تكلموا فيه والأولىٰ أن لا يفعل كذا في المحيط.

ولما في شرح فقه الأكبر: ص، ۲۱۶ طبع دار الكتب العلمية بيروت

ومن قال لمخلوق: يا قدوس أو القيوم أو الرحمن، أو قال: اسما من أسماء الخالق كفر انتهى، وهو يفيد أنه من قال لمخلوق ياعزيز ونحوه يكفر ايضا الا ان أراد بهما المعنى اللغوى لا الخصوص الاسمى، والأحوط أن يقول يا عبد العزيز ويا عبد الرحمن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفر لہ ولوالدیہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۷۸۸

﴿مجسمے کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں ایک بت تھا، سونے کا پانی اس پر چڑھا تھا، میں نے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) میں خریدا تھا، لیکن کم پیسوں یعنی پچیس (۲۵۰۰۰) ہزار میں بیچ دیا، رقم اب بھی اس کی پڑی ہے، اس رقم کا کیا حکم ہے؟ اس کے علاوہ ایک گھوڑا ایک ہاتھی ہے، اس کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ دو عورتوں کی تصویر اس طرح ہے کہ چہروں پر پردہ ہے، سر پر مٹکے ہیں، چہرے نظر نہیں آرہے۔ ان تصاویر کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔ مستفتیہ: معلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ جاندار اشیاء کے مجسمے اور تصاویر کی خرید وفروخت اور گھر میں رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اگر غلطی سے خرید وفروخت ہوئی ہے تو اس پر توبہ کریں اور اس سے جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ صدقہ کریں، پیسہ خود استعمال کرنا جائز نہیں۔ گھوڑے اور ہاتھی کی شکل وصورت باقی ہو تو بیچنا جائز نہیں ہے۔ شکل وصورت مسخ کرنے کے بعد اگر ان میں قابل فروخت کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو اس کا بیچنا جائز ہے۔ عورتوں کے چہرے اگر نظر نہیں آتے تو یہ درخت وغیرہ کے حکم میں ہے، یعنی ان کی گنجائش ہے، اگرچہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ ایسی چیزوں سے اپنے گھر کو پاک رکھیں۔

لما فی الصحیح البخاری: ۲۹۸/۱ طبع قدیمی کتب خانہ

حدثنا قتیبۃ ..... عن جابر بن عبد اللہ أنہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول عام الفتح وھو بمکۃ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام فقیل یا رسول اللہ أرأیت شحوم المیتہ فانہ یطلی بھا السفن وتدھن بھا الجلود ویستصبح بھا الناس فقال لا ھو حرام ثم قال رسول اللہ ﷺ عند ذالک قاتل اللہ الیھود ان اللہ لما حرم علیھم شحومھا أجملوہ ثم باعوہ فأکلوثمنہ۔

ولما فی المرقاۃ: ۱۲/۶، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال) طبع رشیدیہ

(حرم بیع الخمر) ..... وکذا معنی قولہ (والمیتہ والخنزیر والاصنام) أی وان کانت من ذھب أو فضۃ۔

ولما فی عمدۃ القاری: ۷۸/۱۲ (کتاب البیوع باب بیع المیتۃ والاصنام) طبع رشیدیہ

والاجماع قائم علی أنہ لایجوز بیع المیتۃ والاصنام لانہ لایحل الانتفاع بھا ووضع الثمن فیھا اضاعۃ مال، وقد نھی الشارع عن اضاعتہ، قلت: علی ھذا التعلیل اذا کسرت الاصنام وأمکن الانتفاع برضاضھا جاز بیعھا عند بعض الشافعیۃ وبعض الحنفیۃ۔

ولما فی الشامی: ۱/۶۴۷، ۶۵۰، طبع سعید

وظاہر کلام النووی فی شرح مسلم ألاجماع علی تحریم تصویر الحیوان ..... جوّز فی الخلاصة لمن رأی صورة فی بیت غیره ان یزیلها ،وینبغی ان یجب علیه ..... ولو هدم بیتا فیه تصاویر ضمن قیمته خالیا عنها.

ولما فی الشامی: ۱/۶۴۸تا۶۵۰، طبع سعید

ولا یکره لو کانت تحت قدمیه ..... أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لاتعیش بدونه ..... هذا کله فی اقتناء الصورة وأما فعل الصورة فهو غیر جائزمطلقا.

ولما فی بذل المجهود: (۱/۳۷، باب فرض الوضوء) طبع مکتبة الشیخ

وأما اذا کان عند رجل خبیث فاما ان ملکه بعقد فاسد أو حصل له بغیر عقد ولا یمکنه ان یرده الی مالکه ویریدان یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة الا ان یدفع الی الفقراء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۸ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۷۱۴

﴿کتا پالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھر میں شوقیہ یا لڑائی کرانے کیلئے کتا پالنے کا کیا حکم ہے (۲) شکار یا گھر، باغ اور جانوروں کی رکھوالی کے لئے کتا رکھنے کا کیا حکم ہے؟ (۳) کیا کتا بیچنا جائز ہے؟ (۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف کا بھی کتا تھا اور وہ ان کے ساتھ جنت میں جائے گا تو پھر کتے سے نفرت کیوں کرنی چاہیئے؟

﴿جواب﴾ حضور ﷺ نے جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑنے پر ابھارنے سے منع فرمایا ہے۔

لمافی جامع الترمذی: (۱/۲۰۲، طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عباسؓ نهی رسول الله ﷺ عن التحریش بین البهائم.

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شکاری کتے یا جانوروں کے محافظ کتے کے علاوہ کتا پالتا ہے تو ہر روز اس کے اجر میں سے دو قیراط کم ہو جاتے ہیں۔

لمافی مرقاة المفاتیح: (۸/۳۱، طبع رشیدیه)

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من اقتنی کلبا الا کلب ماشیة اوضار نقص من عمله کل یوم قیراطان (متفق علیه)

کتے سے پیار کرنا اور اس کو شوقیہ پالنا مسلمان کے شایانِ نشان نہیں کیونکہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو اور آنحضرت ﷺ کو نفرت ہو اس سے کسی سچے مسلمان کو ایسی الفت ہو سکتی ہے!؟ مسلم شریف کی حدیث میں ہے، جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

لمافی صحیح لمسلم:(۲/۲۰۰،طبع قدیمی)

عن ابی طلحۃؓ عن النبی ﷺ لاتدخل الملائکۃ بیتافیہ کلب ولاصورۃ قال العلامۃ النوویؒ تحت ھذاالحدیث (قولہ ﷺ لاتدخل الملائکۃ الخ) قال العلماء سبب امتناعھم من بیت فیہ صورۃ کونھامعصیۃ فاحشۃ......وسبب امتناعھم من بیت کلب لکثرۃ اکلہ النجاسات ولان بعضھایسمی شیطانا......والملائکۃ ضد الشیاطین ولقبح رائحۃ الکلب والملائکۃ تکرہ الرائحۃ القبیحۃ......واماھولاء الملائکۃ الذین لایدخلون بیتافیہ کلب اوصورۃ فھم یطوفون بالرحمۃ والتبریک والاستغفار۔

اس کے علاوہ کتے کے منہ سے رال ٹپکتی رہتی ہے جو کہ نجس ہے، جو شخص کتے سے اختلاط رکھتا ہے عموما اس کے کپڑے ناپاک رہتے ہیں، اس کا لعاب نجس ہونے کے علاوہ زہریلا بھی ہے، جس شخص کو کتا کاٹ لے اسکے بدن میں یہی زہر سرایت کر جاتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھویا جائے اور ایک مرتبہ مٹی سے مانجھا جائے۔

لمافی صحیح لمسلم:(۱/۱۳۷،طبع قدیمی)

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ طھوراناء احدکم اذاولغ فیہ الکلب ان یغسلہ سبع مرات۔

اس کے علاوہ صحبت ورفاقت بھی اخلاق کے منتقل ہونے کا ایک موثر اور قوی ذریعہ ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نیک کی صحبت ورفاقت آدمی کو نیک بناتی ہے اور بد کی رفاقت سے بدی آتی ہے، یہ اصول صرف انسان کی صحبت ورفاقت تک محدود نہیں ہے بلکہ جن جانوروں کے پاس آدمی رہتا ہے ان کے اخلاق بھی غیر محسوس طور پر منتقل ہوتے ہیں، اور کتے کے اندر کتنے اوصاف ایسے ہیں جو اس کی فطرتی نجاست کو نمایاں کرتے ہیں، اس کا انسان کو کاٹنا، اپنی برادری سے برسرِ پیکار رہنا، اس کا مردار خوری کی طرف رغبت کرنا، گندگی کو بڑے شوق سے کھانا وغیرہ، اسلام نہیں چاہتا کہ کتے کے اوصاف واخلاق انسان کے اندر منتقل ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کتا رکھنے کی

ممانعت کردی کیونکہ کتے کی مصاحبت ورفاقت سے آدمی میں باطنی نجاست وگندگی منتقل ہوگی۔

(۲) کتے میں اگرچہ بری صفات کا غلبہ ہے لیکن اس میں کچھ اچھی صفات بھی ہیں اس لئے اسلام نے گھر کی یا کھیتی باڑی اور مویشیوں کی حفاظت یا شکار کی ضرورت کے لئے کتا رکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔

لمافی البحرالرائق:(۱۷۳/۶،طبع سعید)

وفی الفتح القدیروانتفاع بالکب للحراسة والاصطیادجائزاجماعالکن لاینبغی ان یتخذفی داره الاان خاف اللصوص اوعدوا.

(۳) کتا اگر شکار یا رکھوالی کی غرض سے ہو یا شکار وغیرہ کا تربیت یافتہ ہو یا اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس طرح کے کتے کی بیع وشراء جائز ہے۔

لمافی البحرالرائق:(۱۷۲/۶،طبع سعید)

(صح بیع الکلب والفهد والسباع والطیور)لماروواه ابوحنیفةؒ انه ﷺ رخص فی ثمن کلب الصیدولانه مال متقوم الة الاصطیاد فصح بیعه کالبازی بدلیل ان الشارع اباح الانتفاع به حراسة واصطیادا فکذا بیعاوهذاعلی قول المفتی به من طهارةعینه بخلاف الخنزیرفانه نجس العین......اطلقه فشمل المعلم وغیره العقوروغیره هکذااطلق فی الاصل فمشی القدوری علی هذاالاطلاق ونص فی نوادرهشام عن محمدفی جوازبیع العقوروتضمین من قتله قیمته وعن ابی یوسفؒ منع بیع العقوروذلک فی المبسوط انه لایجوزبیع الکلب العقورالذی لایقبل التعلیم وقال هوالصحیح من المذهب وهکذافی فتح القدیر:(۲۴۵/۶،طبع رشیدیه)وهکذافی الهندیة:(۱۱۴/۳،طبع رشیدیه)وهکذافی الشامی:(۲۲۷/۵،طبع سعید)

(۴) شوقیہ کتا رکھنے یا لڑانے کی غرض سے رکھنے پر اصحاب کہف کے کتے سے استدلال کرنا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے شوقیہ یا لڑانے کی غرض سے نہیں رکھا تھا بلکہ وہ رکھوالی کے لئے تھا اور بعید نہیں کہ ان کی شریعت میں کتا رکھنا جائز تھا۔

البتہ اس کتے کے اکرام واعزاز سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ نیک لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر ومنزلت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿استمناء بالید بہت بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک لڑکی جس کی شادی کسی وجہ سے نہ ہوسکی اور چالیس سال کے قریب پہنچ گئی ہو، جب اس پر شہوت غالب آجائے تو کیا وہ اکیلے میں خود اپنے ہاتھ سے اپنی شہوت توڑ سکتی ہے؟ جیسا کہ لڑکے کے لئے زنا کے خوف کے وقت ہاتھ سے کام لینے میں شریعت نے اجازت دی رکھی ہے، صریح جزئیہ کے ساتھ شرعی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ عام حالت میں استمناء بالید بہت بڑا گناہ ہے، آپ علیہ السلام نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے، لہذا یہ کہنا کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، غلط ہے، شائد مستفتی کا مطلب فقہاء کرام کا وہ قول ہے کہ زنا میں مبتلاء ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بڑے گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کیا تو امید ہے کہ مؤاخذہ نہ ہوگا، یہ اجازت تو نہیں ہوئی!

اور یہی حکم عورت کے لئے بھی ہوگا بشرطیکہ بڑے گناہ کا قوی اندیشہ ہو اور اس سے بچنے کے لئے اس گناہ کو اختیار کیا ہو۔

لمافی الشامی:(۶/۳،کتاب النکاح،طبع سعید)

قلت:وکذافیمایظهرلوکان لایملکه منع نفسه عن النظرالمحرم أوعن الاستمناء بالکف،فیجب التزوج وان لم یخف الوقوع فی الزنا،(قوله:فان تیقن الزناالابه فرض) ای بأن کان لایمکنه الاحترازعن الزناالابه لأن مالایتوصل الی ترک الحرام الابه یکون فرضا،بحر.

ولمافی البحر:(۲/۲۷۲،کتاب الصوم،طبع سعید)

وهل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان ان أرادالشهوة لایحل لقوله علیه السلام ناکح الیدملعون،وان أرادتسکین الشهوة،یرجی أن لایکون علیه وبال کذافی الولوالجیة،وظاهره أنه فی رمضان لایحل مطلقاً.

ولمافی قاضی خان:(۱/۱۸۵،کتاب الصوم،الفصل الخامس،طبع قدیمی)

ومن الناس من قال:لایفسدصومه فی الاستمتاع بالکف وهل یباح له أن یفعل ذلک فی غیررمضان ان أرادالشهوة لایباح،وان أرادتسکین الشهوة،قالوانرجوأن لا یکون اثماً.

ولمافی فتح القدیر:(۳/۱۶۸،کتاب النکاح،طبع رشیدیه)

وفی النهایة:ان کان له خوف الوقوع فی الزنابحیث لایتمکن من التحرزالابه.

ولمافی نورالأنوار:(ص۱۰۹،مبحث نوعی اتصال السببیة والتعلیل،طبع امدادیه)

لأن الحکم یحتاج الی العلةمن حیث الثبوت والعلةمحتاجةالی الحکم من حیث

الشرعية اذلم تشرع العلة الاللحكم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ   فتوی نمبر: ۲۸۲۵

﴿بیوی کے ساتھ لواطت کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ شوہر کا اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ کام گناہ کبیرہ ہے یا نہیں؟ ازراہ کرم احادیث کی روشنی میں جواب فرمادیں۔   مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ شوہر کا اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرنا انتہائی قبیح وشنیع ہونے کیساتھ ساتھ حرام اور گناہ کبیرہ بھی ہے، احادیث میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محرومی کا باعث بتایا ہے، بعض احادیث میں کفر قرار دیا ہے۔

لمافی جامع الترمذی: (۱/۱۳۹، طبع فاروقی ملتان)

عن علی بن طلق قال اتی اعرابی رسول اللهﷺ...... ولا تأتوا النساء فی اعجازهن فان الله لایستحی من الحق...... عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ لاینظر الله الی رجل أتی رجلاأوامرأة فی الدبر.

ولمافی مشكوة المصابيح (ص ۲۷۶، طبع سعيد)

عن ابن عباس قال اوحی الی رسول اللهﷺ نسائکم حرث لکم فأتوا حرثکم الآية اقبل وادبرواتق الدبر والحيضة رواه الترمذی...... عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ملعون من أتی أمرأته فی دبرها (رواه احمد وأبوداؤد)

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ان الذی یأتی امرأته فی دبرها لاینظر الله الیه...... عن خزيمة بن ثابت ان النبیﷺ قال ان الله لایستحی من الحق لاتاتوا النساء فی ادبارهن رواه احمد والترمذی وابن ماجة والدارمی.

ولمافی مرقاة المفاتيح: (۶/۳۲۰، طبع رشيديه)

(لاتاتوا النساء فی ادبارهن) وهذا فی شان النساء فكيف بالرجال قال فی شرح العقائد وفی استحلال اللواطة بامراته لایکفر علی الأصح...... وفيه دليل تحريم ادبار الزوجات المملوكات، ومن اجازه فقد اخطأ خطأعظيما. قال الطيبی: هذا أن فعله بأجنبية حكمه حكم الزنا، وان فعله بأمرأته أوبأمته فهو محرم لكن لايرجم ولايحد لكن يعزر.

ولمافی البحر: (۸/۱۹۳، طبع سعيد)

وفی الينابيع ولايحل له ان يأتی زوجته فی الدبر الاعند اصحاب الظاهر وهو خلاف الاجماع.

ولمافی النبراس:(ص ۲۲۲،طبع حقانیه ملتان)

قال الشیخ الامام ابوطالب المکی الصوفی تتبعت الاحادیث فوجدتها سبعة عشر الشرك بالله ...... واکل مال الیتیم والربوا والزنا واللواطة.

ولمافی أحکام القرآن للجصاص:(۱/ ۲۸۰،طبع قدیمی)

(وقوله تعالیٰ فأتوا حرثکم أنی شئتم) واختلف فی اتیان النساء فی ادبارهن.فکان اصحابنا یحرمون ذلك وینهون عنه اشدالنهی......عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لاتأتوا النساء فی ادبارهن......عن النبی صلی الله علیه وسلم قال (هی اللوطیة الصغری) یعنی اتیان النساء فی ادبارهن......عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال "من اتی حائضا او امرأة فی دبرها فقد کفر بما انزل علی محمد".

والله اعلم بالصواب: حبیب الوہاب عفا اللہ عنہ الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۱۳۲ ۱/۲/۱۴۲۹ھ

﴿زیر ناف بالوں کی حدود اربعہ کیا ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زیر ناف بالوں کی حد اوپر سے نیچے تک کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخرج نجاست کے اردگرد کے بال کاٹنا بھی ضروری ہیں، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ کیا مخرج نجاست کے اردگرد کے بال کاٹنے پر کوئی حدیث موجود ہے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: محمد سیف اللہ العارف اسلام ابادی

﴿جواب﴾ ناف سے لے کر رانوں کی جڑ تک اور آگے پیچھے شرمگاہ کے اردگرد کے بالوں کی صفائی کرنا شرعاً ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو۔

باقی رہا مخرج نجاست کے اردگرد کے بال کاٹنے کیلئے کوئی حدیث موجود ہے؟ سو ہر جزوی بات کا حکم صراحۃً حدیث میں مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ ان بالوں کا کاٹنا اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ان سے نجاست لگ کر مزید گندگی نہ پھیلے خصوصاً پتھر، ٹیشو پیپر وغیرہ سے استنجاء کرنے کی صورت میں اور یہ معقول دلیل ہے۔

لمافی الشامی:(۶/ ۴۰۶،طبع سعید)

(قوله ویستحب حلق عانته) قال فی الهندیة ویبتدئ من تحت السرة.

ولمافی الشامی:(۲/ ۴۸۱،فصل فی الاحرام،طبع سعید)

والازالة شاملة لقص الأظفار والشارب وحلق العانة أونتفها أواستعمال النورة وکذا نتف

الابط والعانة الشعر القريب من فرج الرجل والمرأة ومثلها شعر الدبر بل هو أولى بالازالة لئلا يتعلق به شيء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر.

ولما في تبيين الحقائق:(۱/۶۰،كتاب الطهارت،في الغسل،طبع سعيد)

لقوله عليه الصلاة والسلام "عشر من الفطرة...... وحلق العانة وانتقاص الماء" ولنا قوله تعالى "وان كنتم جنباً فاطهروا" اى فطهروا ابدانكم ،فكل ما امكن تطهيره يجب غسله ......وقال عليه الصلاة والسلام تحت كل شعرة جنابة فبلوا الشعر وانقوا البشرة.

ولما في حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح:(ص۵۲۷،باب الجمعة،طبع قديمى)

ثم العانة هى الشعر الذى فوق الذكر وحواليه ،وحوالى فرجها ،ويستحب ازالة شعر الدبر خوفاً من أن يعلق به شئ من النجاسة الخارجة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　فتوی نمبر:۲۷۸۰

﴿ ناجائز امور کے لئے لاؤڈ سپیکر کرایہ پر دینا جائز نہیں ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہم لاؤڈ سپیکر اور ٹینٹ وغیرہ کو کرایہ پر دینے کا کاروبار کرتے ہیں، ہمارے پاس مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں اور مختلف پروگراموں کے لئے لاؤڈ سپیکر کرایہ پر لے لیتے ہیں، بعض لوگ وعظ، تقاریر، شبینے اور دیگر دینی محافل اور مجالس کے لئے کرایہ پر لے لیتے ہیں جبکہ بعض لوگ گانے بجانے، شادیوں پر فسق وفجور اور مختلف قسم کے میوزک پروگراموں کے لئے لے جاتے ہیں، پوچھنا یہ کہ آیا ہمارے لئے ان پروگراموں اور مجالس میں استعمال ہونے والے لاؤڈ سپیکرز کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ لاؤڈ سپیکرز کو کرایہ پر دیتے وقت اگر آپ کو یقین یا غالب گمان ہو کہ یہ شخص ان کو جائز کاموں میں استعمال کرے گا تب تو کرایہ پر دینا بھی جائز اور کرایہ لینا بھی حلال ہوگا چاہے پھر وہ کسی بھی کام میں استعمال کرے آپ انشاء اللہ گنہگار نہیں ہونگے اور اگر کسی کے بارے میں پہلے سے خیال ہو کہ وہ گانے بجانے، میوزک پروگراموں اور دوسرے غیر شرعی محافل میں استعمال کرے گا تو اس صورت مین کرایہ پر دینا اور اس کی اجرت لینا مکروہ تحریمی ہے۔

اور ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کچھ بھی معلوم نہ ہو تو اچھا گمان کر کے دیدے کہ چونکہ مسلمان ہے اس لئے یہ جائز کام کے لئے ہی استعمال کرے گا تو انشاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

لما فی المبسوط:(ج۱۶ص۳۷-۳۸،طبع دار المعرفة)

"ولا تجوز الاجارة على شيئى من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيئى من اللهو لأنه معصية والاستئجار على المعاصي باطل".

ولما فی جواهر الفقه:(۲/۴۵۳،طبع دار العلوم کراچی)

"ثم السبب ان كان سبباً محركاً وداعياً الى المعصية فالتسبب فيه حرام كالاعانة على المعصية بنص القرآن "ولاتسبوا الذين يدعون من دون الله الآية.....وان لم يكن محركاً وداعياً بل موصلا محضاً وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج فى اقامة المعصية به الى احداث صنعة من الفاعل كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً أوبيع الأمرد ممن يعصى به واجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسة أوبيت نار وأمثالها فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان فانه ان لم يعلم بها البائع كان معذوراً وان صرح كان داخلاً فى الاعانة المحرمة". وكذا فى المبسوط السرخسى :(ج۱۶ص۳۸،طبع دار المعرفة)

ولما فی المبسوط:(ج۱۶ص۳۹،طبع دار المعرفة)

"ولابأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمى ليسكنها فان شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم اثم فى شيئى من ذلك لأنه لم يؤاجرها لذلك والمعصية فى فعل المستأجر وفعله دون قصد رب الدار فلااثم على رب الدار فى ذلك".

ولما فی الأشباه:(ص۳۱،طبع قدیمی)

أن بيع العصير ممن يتخذه خمراً ان قصد به التجارة فلايحرم،وان قصد به لأجل التخمير حرم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالباری فتحی

۱۵ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۳۰۵۰

﴿انگریزی سیکھنے کے لئے عورت کا مخلوط ماحول میں جانا بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک مدرسۃ البنات کی انتظامیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ یہاں اسباق کے گھنٹوں کے علاوہ بقیہ تمام اوقات میں انگلش ہی بولی جائے گی اور کوئی زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

اب وہاں کی خواتین اساتذہ انگلش سیکھنے کے لئے لینگویج سینٹر جارہی ہیں جس میں مخلوط ماحول ہوتا ہے اور پڑھانے والا ٹیچر بھی مرد ہے، کیا اس قانون کی وجہ سے مخلوط ماحول میں انگلش سیکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتیہ:ہمشیرہ انیس طالب

﴿جواب﴾ عورت کے لئے بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے

دین اسلام نے اس کے نان نفقہ کا خرچہ اس کے شوہر، باپ بھائی وغیرہ پرڈالدیا ہے، البتہ بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کے لئے یا دیگر طبعی ضروریات کے لیئے نکلنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ پردے کا مکمل اہتمام ہو، انگریزی زبان سیکھنا کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی طبعی ضرورت، مردوں کے لئے کسی درجہ میں معاشرتی ضرورت کہنا قابل غور ہے۔

لیکن عورت کے لئے انگریزی سیکھنا قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے جس کے لئے باہر نکلنے کی بھی عورت کو اجازت ملے، کسی خاص حالت میں ضرورت بھی ہو تب بھی مخلوط ماحول میں جانے کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں ہے۔

مدرسۃ البنات کی انتظامیہ کو اسکا علم ہو اور بجائے روکنے کے وہ حوصلہ افزائی کریں تو دیندار لوگوں سے قطعی اس کی توقع نہیں کی جاسکتی، ہاں چونکہ ایک زبان ہے جسکے سیکھنے کی گنجائش ہے، مدرسہ والوں کو اس کا شوق ہو تو مدرسہ کے اندر کسی خاتون استانی کا انتظام کریں تو منع نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالى:(سورة الاحزاب،پ۲۲،آیت ۳۳)

وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ......الأية.

ولمافی احکام القرآن للجصاص :(۵۲۹/۳،طبع قدیمی)

وفيه دلالة علىٰ ان النساء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج......فهذه الامور كلهامماادب الله به نساء النبى صلى الله عليه وسلم صيانة لهن وسائرنساء المومنات مرادات بها.

ولمافی مشكوة المصابيح:(ص۲۶۹،طبع سعيد)

عن ابن مسعودعن النبى صلى الله عليه وسلم المرءة عورة اذاخرجت استشرفها الشيطان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۶۰۶

﴿انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا مفصل فتوی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام درج ذیل مسائل کے متعلق کہ (1) کسی مریض کو آنکھ یا گردہ کی ضرورت ہو، کوئی شخص راضی ہوجائے کہ میں آنکھ یا گردہ دینے کے لئے تیار ہوں تو کیا اپنی آنکھ یا گردہ کسی مریض کو دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جبکہ خون دینا جائز ہے۔

(2) انسان کے مرنے کے بعد اس سے کوئی عضو نکالنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(3) شرعی نکتہ نگاہ سے پیوندکاری کی مضرتیں کیا ہیں؟ (4) شرعاً اسکی کوئی متبادل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: ڈاکٹر لعل محمد صاحب سواتی

﴿جواب﴾ (۱) باوجود یہ کہ دینے والا بڑی ایثار سے کام لے رہا ہے لیکن اس کا یہ فعل شرعاً قابلِ مذمت ہے، شرعاً اس کو اس تصرف کی ہرگز اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس کی اپنی ملکیت ہے ہی نہیں اور تکریمِ انسانی کی بھی خلاف ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة بنی اسرئیل آیت ۷۰)﴿ولقد کرمنا بنی أدم وحملناهم فی البر والبحر﴾

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۷۸، رقم الحدیث:۴۱۹۲، طبع رحمانیه)

قال قتادة بلغنا أن النبی صلی الله علیه وسلم بعد ذلک یحث علی الصدقة وینهی عن المثلة.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲/۲۰۳، طبع قدیمی)

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۵۴، طبع رشیدیه)

واذا کان برجل جراحة یکره المعالجة بعظم الخنزیر والانسان لانه یحرم الانتفاع به.....الخ.

البتہ اپنے جسم کے کسی عضو کا اپنے ہی جسم کے کسی دوسرے عضو میں پیوندکاری کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ اطمینان ہو کہ اس آپریشن کا متوقع فائدہ اس نقصان سے زیادہ ہے جو اس آپریشن سے پیدا ہوگا، نیز یہ شرط بھی ضروری ہے کہ یہ عمل کسی مفقود عضو کو وجود میں لانے یا اس کی اصل صورت کو بحال کرنے یا اس کے مفقود وظیفے کو بحال کرنے یا کسی عیب کی اصلاح یا ایسی بدصورتی کے ازالے کے لئے کیا گیا ہو جو کسی شخص کے لئے جسمانی یا نفسیاتی اذیت کا موجب ہو۔

لمافی اسلامی اکیڈمی جدہ(۱۸/۲۳/۱۴۰۸ھ بمطابق 1988/11/6ء)

ولمافی بدائع الصنائع:(۵/۱۳۲، طبع سعید)

ولا اهانة فی استعمال جزء نفسه فی الاعادة الی مکانه.

انسانی بدن کا خون بھی حرام ہے لیکن فقہاء کرام نے حالتِ اضطرار میں اسکے استعمال کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ عورت کے دودھ کو بطورِ دوا کے استعمال کی اجازت دی ہے بشرطیکہ مسلمان حاذق طبیب یہ کہیں کہ اس کے علاوہ دوسری دوا ممکن یا مؤثر نہیں ہے، اس لئے کہ دودھ اور خون انسانی جسم میں اپنی کمی کو جلد پورا کر لیتے ہیں۔

لمافی الهندیة:(۵/۳۵۵، طبع رشیدیه)

ولا بأس بأن یسعط الرجل المرأة ویشربه للدواء...... یجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل

المیتۃ للتداوی اذا أخبره طبیب مسلم أن شفاء ه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه.

(2) جیسا کہ حالتِ حیات میں شرافت وتکریمِ انسانی کی وجہ سے ناجائز ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی ناجائز ہے۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۱۰۳/۲، رقم الحدیث:۳۲۰۷، طبع رحمانیہ)

عن عائشۃ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کسر عظم المیت ککسره حیاً.

لمافی شرح السیر الکبیر:(۱۲۸/۱، طبع بیروت)

والآدمی محترم بعد موته علی ماکان علیه فی حیاته فکما لایجوز التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراماً له فکذلک لایجوز التداوی بعظم المیتۃ.

(3) اس تبادلہ اعضاء انسانی میں بلاشک وشبہ جزوی طور پر بعض ضرورتمند لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے بہت سے مضر پہلو بھی ہیں جو عمومی ہیں اور پورے انسانی معاشرہ کے لئے تباہی وبربادی کا اعلان ہے، جن میں کچھ درج ذیل ہیں:

(1) انسان کے کھال، بال اور اعضاء کو قطع وبرید کرنا انسانی شرافت وتکریم اور منشاء تخلیقِ کائنات اور حکمت کے خلاف ہے، جواز دینے کی صورت میں اس سے صرف نظر ہے۔

(2) اللہ سبحانہ وتعالی نے انسانی بدن میں بولنے، دیکھنے، سننے اور سمجھنے وغیرہ کے لئے ایسی نازک خودکار مشینیں ''جو درحقیقت ایک چلتی پھرتی فیکٹری ہے'' ودیعت وامانت کے طور پر لگادی ہیں، انسان کو ان چیزوں کا مالک نہیں بنایا، لہذا جس طرح خودکشی حرام ہے، اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی کو رضاکارانہ طور پر بلامعاوضہ دینا یا اس کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے۔

(3) تبادلہ اعضاء انسانی کا سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کے لئے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہوسکتا ہے، بقول ایک بڑے ڈاکٹر کے یہ کام اب بھی ہو رہا ہے۔

(4) آج اگر میت کے اعضاء کو پیوندکاری کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو کل اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ نئی طبی تحقیقات کے نتیجہ میں انسانی لاشوں کا گوشت دوا کے طور پر استعمال کیا جانے لگے اور اسکی ہڈیوں کو کیمیاوی عمل سے نسخہ شفاء بنالیا جائے گا جبکہ آپ ﷺ نے خبیث دوا سے منع فرمایا ہے (ماخوذ از رسالہ ''انسانی اعضاء کی پیوندکاری'' حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ)

لمافی الصحیح لمسلم:(۱/۷۲،طبع قدیمی)

عن ثابت بن الضحاک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:"لیس علی رجل نذر... ومن قتل نفسہ بشیء فی الدنیا عذب بہ یوم القیامۃ...الخ.

لمافی سنن أبی داؤد:(۲/۱۸۵،رقم الحدیث:۳۸۷۰،کتاب الطب،طبع رحمانیہ)

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدواء الخبیث.

(4) شرعاً اسکی متبادل دو صورتیں ہیں جو قدیم زمانہ سے جاری ہے:

(1) غیر ذی روح یعنی جمادات اور نباتات سے پیوندکاری کی جائے، جیسے مصنوعی دانت، مصنوعی آلہ سماعت، مصنوعی ٹانگ وغیرہ۔

لمافی قولہ تعالی:(سورۃ البقرۃ آیت۲۹)خلق لکم مافی الارض جمیعاً...الآیۃ.

ولمافی بدائع الصنائع:(۵/۱۳۲،طبع سعید)

وأما شد السن المتحرک بالذھب فقد ذکر الکرخی أنہ یجوز ولم یذکر خلافاً الخ وکذا الوجدع أنفہ فاتخذ أنفاً من ذھب لایکرہ بالاتفاق،لأن الأنف ینتن بالفضۃ فلابد من اتخاذہ من ذھب،فکان فیہ ضرورۃ،فسقط اعتبار حرمتہ وقد روی أن عرفجۃ أصیب أنفہ یوم الکلاب،فاتخذ أنفاً من ورق،فأنتن فأمرہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یتخذ أنفاً من ذھب.

(2) مذبوح جانوروں کے اعضاء سے پیوندکاری کی جائے۔

مذکورہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی اور اجتماعی ہر حیثیت سے بے خطر و بے ضرر ہیں اور شریعت ومذہب کے روسے جائز اور حلال بھی ہیں بلکہ حال کے طبی تحقیقات اور سرجری ترقیات نے اس میں نئے نئے انکشافات کئے ہیں اگر ماہرین فن حضرات اس طرف پوری توجہ دیں تو اس معاملہ میں بہت سے نئے انکشافات اور زیادہ سے زیادہ مفید اور کامیاب معالجات کی بڑی امید کی جاسکتی ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۵/۳۵۴،طبع رشیدیہ)

اذاکان الحیوان ذکیاً لأن عظمہ طاہر رطباً کان أو یابساً یجوز الانتفاع بہ... وأما اذاکان الحیوان میتاً،فانما یجوز الانتفاع بعظمہ اذاکان یابساً ولایجوز الانتفاع اذاکان رطباً.

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ　　الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۲۹۲۳　　۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿اعضاء انسانی کو قیمتاً فروخت کرنا یا بلا قیمت کسی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ اپنے گردے یا دوسرے اعضاء جسمانی مثلاً آنکھ وغیرہ قیمتاً فروخت

کرتے ہیں اور بعض لوگ بلا قیمت بھی دیدیتے ہیں اور بعض لوگ وصیت کرجاتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے اعضاء مثلاً آنکھیں، گردے وغیرہ کسی کو دیدیئے جائیں، کیا ان لوگوں کا یہ فعل درست ہے؟ اور جو لوگ خرید کر جسم میں لگاتے ہیں کیا انکے لئے یہ لگانا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کرسکے اسی بنا پر اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دیدے، اس کی بہت سی نظائر کتب فقہ میں ہیں۔

لما فی الهندية:(۵/۴۱۶-۴۱۷،طبع قديمی)

مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاك فقال له رجل:اقطع يدی و كلها أو قال اقطع منی قطعة فكلها لا يسعه أن يفعل ذلك ولايصح أمره به كمالايسع للمضطر أن يقطع قطعة من لحم نفسه فياكل.

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے، اس لئے کہ کوئی شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہے کہ اسے ضائع کردے، لہٰذا کسی زندہ یا مردہ انسان کے گردے یا دوسرے اعضاء بذریعہ آپریشن وغیرہ نکال کر فروخت کرنا یا خرید کر اپنے جسم میں لگوانا جائز نہیں۔ الاشباہ والنظائر: (ص: ۸۸، طبع قدیمی) میں ہے "الضرر لایزال بالضرر" ضرر کو ضرر سے دفع نہیں کیا جاسکتا۔

لما فی الهندية:(۵/۳۵۴،طبع رشيديه)

الانتفاع باجزاء الآدمی لم يجز قيل للنجاسة وقيل للكرامة هوالصحيح كذافی جواهر الاخلاطی.

یہ سابقہ جمہور علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے اور اسی میں احتیاط ہے، تاہم آج کل بعض علماء کرام نے گردہ وغیرہ ہبہ کرنے کو چند شرائط کیساتھ جائز قرار دیا ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿عشاء کے بعد گفتگو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عشاء کے بعد قصے کہانیاں سنانا اور دیر تک گپ شپ میں مشغول رہنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے سنا ہے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے،

نیز اچھی اور بری باتوں میں کوئی فرق ہو تو واضح کردیں۔ مستفتی: محمد آصف: لانڈھی کراچی

﴿جواب﴾ عشاء کے بعد جن باتوں کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، ان سے وہ باتیں مراد ہیں جو بے جا ہنسی مذاق، جھوٹی کہانیوں اور خبروں پر مشتمل ہوں یا پھر ایسی بے مقصد گفتگو جس میں دین و دنیا دونوں کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

البتہ ایسی گفتگو جن میں دینی امور کا تذکرہ ہو یا دنیوی مباح غرض کیلئے کوئی با مقصد گفتگو ہو یا باہمی انس ومحبت کے لئے صاف وشفاف گفتگو ہو تو جائز ہے، تاہم انس ومحبت کے مکالمہ سے پرہیز پھر بھی بہتر ہے تاکہ صبح تہجد یا نماز فجر کے لئے آسانی کیساتھ بیدار ہو سکے، مذکورہ حکم اُس شخص کے لئے ہے جو گفتگو کے باوجود فجر کی باجماعت نماز میں آسانی کیساتھ شریک ہوسکتا ہو۔

اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوسکے گا تو اس کے لئے عشاء کے بعد جلدی سونا ضروری ہے تاکہ فجر کی باجماعت نماز میں آسانی کیساتھ شریک ہو سکے۔

لما فی الهندیة (۵/۳۷۷،طبع رشیدیه)

قال الفتیه رحمه الله تعالیٰ السمر علی ثلثة اوجه أحدهاأن یکون فی مذاکرة العلم فهو افضل من النوم والثانی أن یکون السمر فی أساطیر الاولین ؤالاحادیث الکاذبة والسخریة والضحک فهو مکروه والثالث ان یتکلموا للمؤانسة ویجتنبوا الکذب وقول الباطل فلابأس به والکف عنه أفضل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۱۹۷

﴿صبح سویرے دُکان کھولنا باعث برکت ہے﴾

﴿سوال﴾ دکان کی برکت کے بارے میں بتائیں صبح سویرے نماز کے بعد دکان کھولنا بہتر ہوتا ہے یا جب سورج نکل آئے؟ کیا شریعت میں اس کے بارے میں کوئی حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اس سے متعلق شریعت مطہرہ کا باقاعدہ اور مستقل کوئی حکم نہیں ہے تاہم شریعت کی رو سے صبح سویرے دکان کھولنا (حلال روزی کی تلاش میں نکلنا) وغیرہ ممدوح و پسندیدہ ضرور ہے، نیز حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سونا نہیں چاہیے کیونکہ اس وقت بندوں کا رزق تقسیم ہوتا ہے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(ص ۲۵۲،طبع سعید)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین غفرلہ

۲۸ رجب ۱۴۲۷ھ　　　　　فتوی نمبر: ۵۷۷

﴿چرس اور افیون کی اسمگلنگ﴾

﴿سوال﴾ کیا چرس اور افیون کی اسمگلنگ جائز ہے؟　　　　　مستفتی: امجد

﴿جواب﴾ اسمگلنگ قانوناً جرم ہے جس میں مال وعزت وغیرہ کے نقصان کا خطرہ ہے۔

لہٰذا منفعت کے حصول کیلئے اپنی عزت نفس، یا مال وجان کو وغیرہ کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں ہے، رہی مذکورہ اشیاء (چرس، افیون) کی محض تجارت چونکہ دواؤں میں بھی ان کا بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس لئے ضرورت کی وجہ سے علماء کرام نے ان کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے۔

ہاں اگر کسی شخص کے بارے میں یہ غالب گمان ہوجائے کہ وہ اس سے نشہ آور اشیاء (جیسے ہیروئن وغیرہ) بنائے گا تو اس کو بیچنا تعاون علی المعصیت ہونے کی بناء پر مناسب نہیں ہے۔

لمافی قولہ تعالیٰ:(سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۵)

ولاتلقوابأیدیکم الی التھلکۃ......الأیۃ.ومثلہ فی البحر الرائق:(۲۰۰/۲،طبع سعید)

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۴/۱۰،طبع امدادیہ)

(وصح بیع غیر الخمر)مما مر،ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والأفیون.

ولمافی الشامی:(۴۰/۱۰،طبع امدادیہ)

أقول:.....ان مراد صاحب الھدایۃ وغیرہ اباحۃ قلیلۃ للتداوی ونحوہ،ومن اراد صرح بحرمتہ أراد بہ القدر المسکر منہ،یدل علیہ مافی غایۃ البیان عن شرح شیخ الاسلام: أکل قلیل السقمونیا والبنج مباح للتداوی،ومازاد علی ذلک اذا کان یقتل أویذھب العقل حرام اھ.....یحرم تناول القدر المضر منھا دون القلیل النافع، لأن حرمتھا لیست لعینھا بل لضررھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین غفرلہ

فتوی نمبر: ۵۳۰　　　　　فتوی نمبر:

﴿بیرون ممالک سے بلیک پر چیزیں لانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ پشاور سے بیرون ممالک کی چیزیں بلیک پر لانا مثلاً چائے کا تھرماس، جرمن کی

بنی ہوئی لالٹین وغیرہ، کیا یہ بلیک جائز ہے؟ نیز راستے میں کسٹم اہلکاروں کو پتہ چلے تو ہم کچھ رقم ان کو دے دیتے ہیں، کیا یہ رشوت میں شمار ہوگا؟ کیا ہم اس سے گنہگار ہوں گے؟ مستفتی: زاہد

﴿جواب﴾ جو اشیاء بیرون ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر حکومت تاجروں سے ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کے نام سے کچھ رقم وصول کرتی ہے، بسااوقات ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ کردیا جاتا ہے اگر یہ ٹیکس مناسب اور جائز انداز میں لیا جاتا ہو اور قومی خزانہ میں جمع ہوکر قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہو تو پھر سامان تجارت چوری چھپے لانا مناسب نہیں کیونکہ حکومت وقت درآمد کردہ اشیاء پر ضروری ٹیکس لگانے کی مجاز ہے۔

البتہ اگر حکومت ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت اضافہ کرکے تاجروں کو تنگ کرتی ہو اور ٹیکس کے نام سے وصول کی گئی رقم قومی خزانہ کے بجائے ذاتی خواہشات اور ضروریات میں صرف کرتی ہو تو ایسی صورت میں مال لانے والا ٹیکس سے بچنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دروغ گوئی، خیانت اور دھوکہ بازی سے بہرحال اجتناب ضروری ہے۔

قال القاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین الفراء ان کان البلد ثغراً یتاخم دار الحرب وکانت اموالهم اذا دخلت دار السلام معشورة من صلح استقر معهم اثبت فی الدیوان عقد صلحهم وقدر الماخوذ منهم من عشر او خمس او زیادة او نقصان منه وان کان یختلف باختلاف الأزمنة والاموال فصلت فیه وکان الدیوان موضوعاً لاخراج رسومه والاستفاء مایرفع الیه من مقادیر الأمتعة المحمولة الیه (الأحکام السلطانیة: (ص ۲۳۶، طبع) بحواله حقانیه: (۶/ ۷۰، طبع اکوڑہ خٹک حقانیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۰ رجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۵۱۹

﴿دوران تلاوت آپ ﷺ کے اسم مبارک پر درود شریف پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کلام پاک کی تلاوت کے دوران نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک آجائے تو کیا اسی وقت درود پڑھ کر آگے گذرے یا تلاوت ختم کرنے کے بعد پڑھیں؟ مستفتی: حافظ وقاص احمد کوٹھا

﴿جواب﴾ ایک مجلس میں پہلی بار نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک سننے پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگرچہ ہر بار درود پڑھنا مستحب اور افضل ہے لیکن دوران تلاوت آپ

ﷺ کا اسم مبارک اگر آجائے تو درود پڑھنا واجب نہیں ہوتا، لہٰذا تلاوت کو اسی ترتیب کے مطابق جاری رکھیں، البتہ تلاوت سے فراغت کے بعد درود شریف پڑھنا بہتر اور افضل ہے۔

ولما فی الشامی:(۵۱۶/۱،طبع ایچ ایم سعید)

وحاصله أن الوجوب يتداخل فى المجلس فيكتفى بمرة للحرج كمافى السجود الا انه يندب تكرار الصلاة فى المجلس الواحد بخلاف السجود.

لمافی الشامی:(۵۱۹/۱،طبع ایچ ایم سعید)

ولوقرأ القرآن فمر على اسم نبى فقراءة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلاة على النبى ﷺ فى ذلك الوقت فان فرغ ففعل فهو افضل والافلا شيء عليه كذافى الملتقط اه.

ولمافی الفتاوی الهندية:(۳۱۵/۵-۳۱۶،طبع رشیدیہ کوئٹہ)

رجل سمع اسمامن اسماء الله تعالى يجب عليه ان يعظمه ويقول سبحان الله وما اشبه ذلك ولوسمع اسم النبى عليه السلام فانه يصلى عليه فان سمع مرارافى مجلس واحداختلفوافيه قال بعضهم لايجب عليه ان يصلى الامرة كذا فى فتاوى قاضى خان وبه يفتى......ولوسمع اسم النبى صلى الله عليه وآله واصحابه وهو يقرألايجب ان يصلى وان فعل ذلك بعدفراغه من القرآن فحسن كذافى الينابيع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۰۶

﴿ناپ تول میں کمی بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ دکاندار ہے بعض مرتبہ ہم کسی خوشبو وغیرہ کے اسپرے کو اپنے کپڑوں پر بھی استعمال کرلیتے ہیں پھر یہ اسپرے گاہک کو مرضی کے ریٹ پر بیچ دیتے ہیں گاہک اسپرے کو کھول کر دیکھ بھی لیتا ہے جس میں بوتل میں واضح عطر کی مقدار دکھائی دیتی ہے لیکن ایک دو مرتبہ استعمال سے مقدار میں کوئی واضح کمی نظر نہیں آتی، کیا یہ ناپ تول کی کمی میں آئے گا؟ ریٹ میں ہم کوئی کمی نہیں کرتے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ خوشبو کی شیشی میں موجود عطر میں چونکہ معیوب کمی واقع نہیں ہوتی، اس لئے اس کی فروخت میں کوئی حرج نہیں تاہم خریدنے والے کو اپنے قول یا فعل کے ذریعے یہ تاثر نہ دے کہ یہ بالکل نیا پیک ہے، غیر استعمال شدہ ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۲۲۰/۷،طبع امدادیہ)

فروع:لايحل كتمان العيب فى مبيع او ثمن لأن الغش حرام.

ولما فی المشکوٰۃ:(ص ۲۴۸،طبع سعید)

وعن ابی هریرۃؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرعلی صبرۃ طعام فادخل یده فیها فنالت اصابعه بللاً فقال ما هذا یا صاحب الطعام قال اصابته السماء یارسول الله قال افلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس من غش فلیس منی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۱۱ رجب ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۵۲۱

﴿ایزی لوڈ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض ٹیلی کام کمپنیاں ایزی لوڈ کے نام سے ایک سہولت فراہم کرتی ہیں کہ صارف جتنا چاہے اتنا بیلنس اپنے موبائل میں لوڈ کر سکتا ہے، اس میں ہوتا یہ ہے کہ صارف بیلنس ڈلوانے دکان پر جاتا ہے تو پیسے کی ادائیگی پہلے کرتا ہے اور بیلنس بعد میں بھیجا جاتا ہے، بسا اوقات دکاندار کے پاس بیلنس نہیں ہوتا پیسے وصول کرتا ہے اور جب اس کے پاس بیلنس آتا ہے تو بھیج دیتا ہے، کیا شرعاً یہ بیع درست ہے؟　　　مستفتی:عمران خان

﴿جواب﴾ صارف کا دکاندار کے ساتھ مندرجہ بالا معاملہ شریعت کی رو سے بالکل درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ صارف پیسوں کے ذریعہ ایک سہولت خرید لیتا ہے اگرچہ موبائل ریکارڈ سسٹم میں بجائے سہولت کے صرف رقم ظاہر ہوتی ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۷/۱۰ تا ۱۲،طبع امدادیہ)

(هو مبادلة شیئ مرغوب فیه بمثله علی وجه مخصوص)ای بایجاب أوتعاط......

(ویکون بقول اوفعل، اما القول فالایجاب والقبول)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۵۸

﴿موبائل فون میں قرآن کریم محفوظ ہو تو اس کیساتھ بیت الخلاء جانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل موبائل میں یہ سسٹم ہوتا ہے کہ اس میں پورے قرآن کو محفوظ کیا جاتا ہے، اب یہی موبائل جیب میں ہوتا ہے اور آدمی بیت الخلاء میں جاتا ہے یادیگر نامناسب مقامات سے گزرتا ہے، اس میں کوئی گناہ تو

نہیں ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ مستفتی: بخت نواز دیروی

﴿جواب﴾ مذکورہ موبائل سیٹ ''جس میں قرآن کریم محفوظ ہو'' کو لے کر بیت الخلاء جانا جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے، زیادہ ادب کا تقاضہ تو یہ ہے کہ باہر ہی کسی جگہ محفوظ کرے اور قضاء حاجت سے فارغ ہو جائے یا کسی کپڑے، پرس وغیرہ میں بند کر کے جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، مذکورہ موبائل سیٹ کو لے کر دیگر نامناسب جگہوں (جیسے استنجاء خانہ وغیرہ) میں جانے کا بھی یہی حکم ہے جو مذکور ہوا۔

لمافي مجمع الأنهر:(۱/۴۳،طبع المنار)

وكذادخول الخلاء،وفي اصبعه خاتم فيه شئ من القرآن،أومن أسمائه تعالىٰ لمافيه من ترك التعظيم،وقيل:لاتكره ان جعل فصه الى باطن الكف،ولوكان مافيه شئ من القرآن أومن اسماء الله تعالىٰ في جيبه لاباس به،وكذالوكان ملفوفافي شئ لكن التحرزأولى.

ولمافي حاشية الطحطاوي:(ص۳۰،طبع قديمي)

(ويكره الدخول للخلاء ومعه شئ مكتوب الخ)...ثم محل الكراهة ان لم يكن مستوراً فان كان في جيبه فانه حينئذلابأس به وفي القهستاني عن المنية:الأفضل أن لا يدخل الخلاء وفي كمه مصحف الااذااضطرونرجوأن لاياثم بلااضطرار.

ولمافي الفقه الاسلامي وأدلته:(۱/۳۰۸،طبع دارالفكر)

ألايحمل مكتوباذكراسم الله عليه،أوكل اسم معظم كالملائكة والعزيزوالكريم و محمدوأحمدلماروى انس(رضي الله عنه)"أن النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه" (رواه ابن ماجة وأبوداؤد) وكان فيه:محمدرسول الله، فان احتفظ به، واحترز عليه من السقوط فلابأس.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۵ رجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۵۵۲

﴿عام اوراق اور مقدس اوراق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ عام لکھائی (جس پر کوئی مقدس کلمہ نہ ہو) کے حروف والے کاغذ یا مقدس نام یا قرآن کی آیتوں والے کاغذ جلانے چاہیے یا کسی نہر میں ڈالنے چاہیے؟ ہمارے علاقہ میں نہر نہیں ہے (۲) کیا عام لکھائی کے کاغذات بھی زمین پر ڈالنا گناہ ہے؟ نیز انگریزی زبان میں مقدس نام لکھا ہوا ہو تو بھی گرانا نہیں چاہیے؟

﴿جواب﴾ قرآنی آیات پر مشتمل اوراق کو جلانا نہیں چاہیے بلکہ کسی محفوظ مقام پر انہیں

دفن کرنا چاہیے اگر لحد (بغلی گڑھا) بنا کر اس میں دفن کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ مٹی کے ساتھ ملوث نہ ہو۔ دیگر مقدس الفاظ پر مشتمل اوراق، کاغذات (اگر چہ انگریزی لکھائی میں کیوں نہ ہوں) میں سے پہلے ان (مقدس) ناموں وغیرہ کو نکال کر الگ کرنا چاہیے پھر انہیں جلانا چاہیے۔

عام لکھائی (یعنی غیر مقدس الفاظ) پر مشتمل اوراق، کاغذات وغیرہ کو زمین پر ڈالنا (یا رکھنا) گناہ نہیں ہے، البتہ ادب و احترام کے خلاف ہے، لہٰذا ادھر ادھر پھینکنے کے بجائے انہیں جلانا وغیرہ زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے، اس لئے کہ کاغذ علم کا ذریعہ ہے۔

واضح رہے کہ قرآنی آیات یا مقدس الفاظ پر مشتمل اوراق وغیرہ کو دفنانا اگر مشکل ہو تو انہیں نہر میں ڈالنا، دریا میں ڈالنا، سمندر کنویں میں ڈالنا بھی جائز ہے۔

لمافی الدر مع الرد: (۶/۴۲۲، طبع سعید)

الکتب اللتی لاینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بأن تلقی فی ماء جار کماھی أو تدفن وھو أحسن کمافی الانبیاء...... وفی الشامیۃ: والدفن أحسن کما فی الأنبیاء والأولیاء اذاماتوا، وکذاجمیع الکتب اذابلیت وخرجت عن الانتفاع بھا اہ یعنی ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم، لان أفضل الناس یدفنون. وفی الذخیرۃ: المصحف اذاصار خلقاو تعذر القراءۃ منہ لایحرق بالنار، الیہ أشار محمد وبہ نأخذ، ولایکرہ دفنہ، وینبغی، أن یلف بخرقۃ طاھرۃ ویلحدلہ، لأنہ لوشق ودفن یحتاج الیٰ اھالۃ التراب علیہ، وفی ذلک نوع تحقیر الااذا جعل فوقہ سقف، وان شاء غسلہ بالماء اووضعہ فی موضع طاھر لاتصل الیہ یدمحدث ولاغبار، ولاقذر تعظیما لکلام اللہ عزوجل اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:

﴿قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق جلانا مناسب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن پاک کے بوسیدہ ورق، اخبار یا کاپی میں لکھی گئی آیتِ قرآنی کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ پڑے رہنے کی صورت میں تحقیر کا اندیشہ ہو؟ مستفتی: زبیر

﴿جواب﴾ قرآن پاک کے بوسیدہ ورق یا اخبار میں لکھی گئی آیت کو اس غرض سے جلانا (کہ پڑے رہنے کی صورت میں تحقیر و توہین کا اندیشہ ہے) مناسب نہیں ہے بلکہ اس طرح کے

اوراق یا اخبار کو ایسی جگہ دفن کرنا چاہیے جہاں اس کی توہین کا اندیشہ نہ ہو، دفن کرنے کا طریقہ بھی احترام والا اپنائے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ میت کی طرح ایسے اوراق کو دفن کیا جائے۔

لمافی الشامی:(۹/۲۰۵،طبع امدادیه)

وفی الذخیرۃ:المصحف اذاصار خلقاوتعذر القراءۃ منه لایحرق بالنار الیه أشار محمدوبه ناخذ،ولایکره دفنه،وینبغی ان یلف بخرقة طاهرة،ویلحدله،لانه لوشق ودفن یحتاج الی اهالة التراب علیه وفی ذلک نوع تحقیر،الااذاجعل فوقه سقف،وان شاء غسله بالماء او وضعه فی موضع طاهرلاتصل الیه یدمحدث ولا غبارولاقذرتعظیمالکلام الله تعالی اھ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۳۰جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۴۹۸

﴿قرآن پاک کو صرف خیر وبرکت کی نیت سے گھر میں رکھنا﴾

﴿سوال﴾ایک آدمی گھر میں قرآن پاک خیر وبرکت کی نیت سے رکھتا ہے جبکہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، کیا اس طرح بغیر تلاوت کے رکھنا شرعاً جائز ہے؟ مستفتی:نعیم الحق

﴿جواب﴾قرآن پاک گھر میں رکھنا باعث خیر وبرکت ہے اگرچہ اس کی تلاوت نہ کرے، البتہ تلاوت کئے بغیر گھر میں بند کر کے رکھنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کا اصل حق تو یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اس کے احکامات پر عمل کیا جائے۔

لمافی الهندیة:(۵/۳۲۲،طبع رشیدیه)

رجل أمسک المصحف فی بیته ولایقرأقالواان نوی به الخیروالبرکة لا یاثم بل یرجیٰ له الثواب کذافی فتاویٰ قرضیخان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۲۳جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۳۲۹

﴿جس کو مسلسل چھینکیں آرہی ہو اس کو جواب دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک آدمی کو زکام کی وجہ سے بار بار چھینک آتی ہے تو کیا بار بار جواب دینا ضروری ہے یا ایک بار کافی ہے؟ مستفتی:غلام نبی

﴿جواب﴾ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کئی حقوق ہیں، ان میں سے ایک چھینکنے والے کے "الحمدللہ" کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا بھی ہے اگر مسلسل چھینکیں

آ رہی ہوں تو تین مرتبہ جواب دینا کافی ہے،اس سے زیادہ جواب نہ دینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر جواب دیا تو بہتر ہے بشرطیکہ چھینکنے والا ''الحمدللہ'' کہتا رہے۔

لمافی الھندیۃ:(۵/۳۲۶،طبع رشیدیہ)

تشمیت العاطس واجب ان حمدالعاطس فیشمته الی ثلاث مرات وبعدذالک هو مخیر کذافی السراجیة وینبغی لمن یحضرالعاطس أن یشمت العاطس اذاتکرر عطاسه فی مجلس الی ثلاث مرات فان أعطس أکثرمن ثلاث مرات فالعاطس یحمدالله تعالیٰ فی کل مرة فمن کان بحضرته ان شمته فی کل مرة محسن وان لم یشمت بعد الثلاث فحسن ایضا کذا فی فتاویٰ قاضیخان.

ولمافی الشامی:(۶/۵۹۳-۵۹۲،طبع امدادیه)

وانمایستحق العاطس التشمیت اذاحمدالله تعالی،وأمااذالم یحمدلا یستحق الدعاء لأن العطاس نعمة من الله تعالی،فمن لم یحمد بعد عطاسه لم یشکرنعمة الله تعالی، وکفران النعمة لایستحق الدعاء،والماموربه بعدالعطاس أن یقول الحمدلله أویقول الحمدلله رب العالمین،وقیل الحمدلله علی کل حال..... واذا تکرر العطاس قالوا: یشمته ثلاثا ثم یسکت.قال قاضیخان:فان عطس أکثرمن ثلاث یحمدالله تعالی فی کل مرة، ومن کان بحضرته یشمته فی کل مرة فحسن ایضا اھ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم:صلاح الدین بن خان

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ | فتویٰ نمبر:۱۸۳

﴿آلات لہو ولعب کی خرید وفروخت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بڑوں کے باجے، بانسری یا بچوں کے باجے بانسری بیچنا جائز ہے؟ نیز کیا ساز سننا بھی گناہ ہے؟ مستفتی:امجد

﴿جواب﴾ موسیقی شریعت مطہرہ کی رو سے حرام ہے،اس لئے آلات موسیقی (جیسے ڈول، بانسری، باجے وغیرہ) کا استعمال اور بیچنا بھی ناجائز ہے،البتہ بچوں کی بانسری میں کچھ تفصیل ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) محض بچوں کو کھلانے اور بہلانے کے لئے جس میں کوئی خلاف شرع آواز، ساز کچھ نہیں ہوتا مباح ہے،اس کی نظیر حضرت عائشہ صدیقہ کی گڑیاں ہیں جس میں ناک،کان وغیرہ واضح نہیں تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی تھی۔

(۲) بچوں کی ایسی بانسری جس میں باقاعدہ موسیقی کے طرز پر ساز وآواز وغیرہ ہوتی ہے،کا

استعمال اور بیچنا ناجائز ہے، یعنی بڑوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچوں کو خلاف شرع اشیاء مہیا کریں، ایسا" ساز سننا جو موسیقی کے طرز پر ہو ناجائز ہے۔

لمافی الشامی:(۹/۵۶۶،طبع امدادیہ)

قوله (وكره كل لهو) اى كل لعب وعبث......والأطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص......والمزمار والصنج والبوق......واستماع ضرب الدف والمزمار وغيرذلك حرام وان سمع بغتة يكون معذوراويجب أن يجتهدأن لايسمع.قهستانى.

ولمافى مشكوٰة المصابيح:(ص ۲۸۲،طبع سعيد)

وعن عائشةؓ قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم ميں غزوة تبوك أو حنين وفى سهوتهاستر فهبت ريح فكشفت ناحية الستر عن بنات لعائشة لعب فقال ماهذا يا عائشة اقالت بناتى ورائ بينهن فرساله جناحان من رقاع فقال ماهذاالذى ارىٰ وسطهن قالت فرس قال وماالذى عليه قالت جناحان قال فرس له جناحان قالت أما سمعت ان لسليمان خيلالهاجنحة قالت فضحک حتى رأيت نواجذه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:

﴿ساحر کی کمائی حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی ہے جس نے سحر کو پیشہ بنایا ہوا ہے اور اس کے ذریعے سے کماتا ہے، کیا اس شخص کی کمائی حلال ہے؟ جبکہ سحر بھی غلط اور ناجائز طریقے سے کرتا ہے مثلاً آپس میں دشمنی اور زوجین میں تفریق وغیرہ۔

﴿جواب﴾ سحر سیکھنے اور کرنے کی شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، سخت گناہ ہے اور بعض حضرات نے تو کفر کا قول کیا ہے، اس طرح اس پر اجرت لینا بھی حرام ہے، لہٰذا مذکورہ شخص کی کمائی حرام ہے۔

لمافى الدرمع الرد:(۶/۹۲،طبع سعيد)وفيها:استاجره ليكتب له تعويذالاجل السحرجاز.

وفى الشامية:(قوله لاجل السحر)اى لاجل ابطاله والافالسحرنفسه معصية بل كفرلايصح الاستنجار عليه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۳۰

﴿چھوٹے سائز کے قرآن کریم چھپوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بعض ناشرین بہت ہی چھوٹے سائز کے قرآن مجید چھاپتے ہیں، دو تین انگل کے برابر سائز ہوتا ہے اور چند اوراق ہوتے ہیں، نہایت باریک لکھائی ہوتی ہے جو عام انسانی آنکھ سے واضح طور پر پڑھا بھی نہیں جا سکتا "میگنیفائنگ گلاس" کی مدد سے حروف نظر آتے ہیں، ایسے قرآن مجید چھاپنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن کریم کی طباعت جہاں بہت بڑی سعادت ہے وہاں ایک اہم ذمہ داری بھی ہے، اس کی طباعت میں ان تمام خوبیوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو اس عظیم کتاب کی شان کے مطابق ہوں، اس کی جلد، کاغذ اور رسم الخط میں تمام باتوں کا خیال رکھنا بے حد اہم ہے۔

لکھائی موٹی اور واضح ہو جس میں ایک عام آدمی آسانی سے تلاوت کر سکے، ایسے چھوٹے سائز کے قرآن مجید چھاپنا جس میں تلاوت ممکن نہ ہو مکروہ ہے اور اس طرح کے قرآن مجید کی حفاظت بھی مشکل ہوتی ہے۔

لمافی الهندية:(۵/ ۳۲۳،طبع رشیدیه)

عن الحسن عن ابی حنیفةؒ انه یکره ان یصغر المصحف وان یکتبه بقلم دقیق وهو قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ قال وبه ناخذقال رحمه الله تعالیٰ لعله اراد کراهة التنزیهیة لا الاثم،وینبغی لمن اراد کتابة القرآن ان یکتبه باحسن خط وابینه علی احسن ورقة وابیض قرطاس بافخم قلم وابرق مدادویفرّج السطورویفخم الحروف ویضخم المصحف ویجرده عما سواه من التعاشیر وذکرالای وعلامات الوقف صوناً لنظم الکلمات کماهومصحف الامام عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه، کذافی القنیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۲۲

﴿زلزلہ کے وقت گھر سے بھاگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ زلزلہ کے وقت گھر سے بھاگنا کیسا ہے؟ ہمارے ہاں اکثر لوگ بھاگ جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ اپنے گھروں سے نہیں بھاگتے کیا ان کا نہ بھاگنا درست ہے؟ نہ بھاگنے کی صورت میں کچھ گناہ ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بھاگنا مستحب ہے، نہ بھاگنے کی صورت میں گناہ نہیں ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۷۵۶،طبع سعید)

(أخذته الزلزلة في بيته ففرالى الفضاء لايكره)بل يستحب لفرار النبى صلى الله عليه وسلم عن الحائط المائل.وهكذافي الهندية:(۵/۳۷۹،طبع رشيديه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۴۲۹ھ

﴿کھٹملوں کو گرم پانی سے مارنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کھٹملوں سے بچاؤ کے واسطے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا کیسا ہے؟ بعض احباب کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے، وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ شریعت نے موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت دی ہے، تاہم ایسے جانوروں کو آگ میں زندہ جلانے سے بھی منع کیا ہے کہ یہ صفت خداوندی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(۲/۳۰۷،طبع سعید)

قال انه لاينبغى ان يعذب بالنار الارب النار(رواه ابوداودؒ)

ولمافی الهندية:(۵/۳۶۱،طبع رشيديه)

احراق القمل والعقرب بالنارمكروه وطرح القمل حيًامباح لكن يكره من طريق الادب كذافي الظهيرية.

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ:(۴/۳۶۳،طبع دارالعلوم کراچی) میں اس مسئلے کے تحت فرماتے ہیں کہ کھٹملوں سے نجات کا کوئی اور طریقہ مؤثر نہ ہو تو پھر اس صورت میں جائز ہے اور ذیل کا حوالہ دیا ہے:

لمافی الشامی:(۴/۱۲۹،طبع سعید)

لكن جوازالتحريق والتغريق مقيدكمافى شرح السير بمااذالم يتمكنو من الظفربهم بدون ذلك،بلامشقة عظيمة فان تمكنوابدونهافلا يجوز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

فتویٰ نمبر:۱۳۵

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿ایذا دینے والے کتوں اور بلیوں کو مارنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض کاٹنے والے

کتوں کی وجہ سے اور چوزوں وغیرہ کو کھانے والی بلی کی وجہ سے لوگوں کا نقصان ہوتا ہے تو کیا کتے اور بلی کے ایذا اور نقصان پہنچانے کی وجہ سے ان کو مارنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ کتے اور بلی کو عام حالات میں مارنا جائز نہیں لیکن اگر ان کی وجہ سے تکلیف اور نقصان پہنچے تو اس وقت ان کو مارنا جائز ہے، البتہ مارنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جلدی اور آسانی کے ساتھ ان کی جان نکل جائے زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱۰/۲۸۲،طبع امدادیه)

(وجاز قتل مایضر منها ككلب عقور وهرة)تضر(ويذبحها)أي الهرة(ذبحا) ولايضر بها لانه لايفيد ولايحرقها.

ولمافي الهندية:(۵/۳۶۱،طبع رشيديه)

قرية فيها كلاب كثيرة ولأهل القرية منها ضرر يؤمر ارباب الكلاب أن يقتلوا الكلاب فان أبوا رفع الأمر الى القاضي حتى يلزمهم ذلك كذافي محيط السرخسي.....ألهرة اذا كانت مؤذية لاتضرب ولاتعرك أذنها بل تذبح بسكين حاد كذافي الوجيز للكردري.

(ومثله في البحر الرائق:(۲/۲۰۰،طبع ايچ ايم سعيد)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر:

﴿شوقیہ کتا پالنا بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ ہمارے علاقے کے بعض سرمایہ دار قسم کے لوگ اپنے گھروں میں کتا پالتے ہیں حالانکہ ہمارا علاقہ کافی حد تک پُرامن ہے، بظاہر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی، کیا اس کے باوجود مذکورہ لوگوں کا کتا رکھنا جائز ہے؟ نیز یہ بھی وضاحت ہو کہ باہر ممالک سے کافی خرچہ کر کے کتا درآمد کرنا صرف شوق اور فخر کے لئے انھیں رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ مزید یہ کہ کن کن صورتوں میں شریعت نے کتا رکھنے کی اجازت دی ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ ضرورت کے بغیر محض شوق وغیرہ پورا کرنے کے واسطے کتا رکھنا جائز نہیں ہے، نیز بیرون ممالک سے بھی بلاضرورت کتا درآمد کرنا اسراف میں داخل ہے، جس سے قرآنِ کریم نے صاف طور پر منع فرمایا ہے، البتہ مندرجہ ذیل کاموں کے لیے کتا رکھنا جائز ہے:

(۱) شکار کے واسطے (۲) زمین وغیرہ کی حفاظت کی غرض سے (۳) ڈاکو، چور اور دشمن وغیرہ

سے حفاظت کے لئے۔

لمافی الشامی:(۵/۲۲۷،طبع سعید)

(قوله لاینبغی اتخاذکلب)الأحسن عبارة الفتح،وأمااقتناء ه للصید وحراسة الماشیة والبیوت والزرع،فیجوزبالاجماع لکن لاینبغی ان یتخذه فی داره الاان یخاف لصوصاًاواعداءً للحدیث الصحیح"من اقتنیٰ کلباًالأکلب صید أوماشیة نقص من أجره کل یوم قیراطان".

ولمافی الهدایة:(۲/۱۰۷،طبع رحمانیه)انه علیه السلام نهی عن بیع الکلب الأکلب صیدأوماشیة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم:محمد شریف حسین چترالی عفااللہ عنہ

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۲۳۷

﴿کیا کسی صورت میں جھوٹ بولنا جائز ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ کیا جھوٹ بولنا کسی صورت میں جائز ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو حدیثِ پاک میں جو تین مواضع کا ذکر آیا ہے،اس کا کیا مطلب ہے؟ بینواتوجروا۔

﴿جواب﴾ شریعتِ مطہرہ کی رو سے جھوٹ بولنا حرام ہے،البتہ حدیث شریف میں ایسے تین مقامات کا ذکر ہے،جن میں جھوٹ بولنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے:(۱)دومسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے(۲)اپنی بیوی کی دلجوئی کے لئے(۳)میدانِ جنگ میں اہلِ حرب کے ساتھ،تاہم علماء کرام نے مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ان تین صورتوں میں بھی واضح طور پر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ صرف توریہ اور تعریض"ایسا لفظ استعمال کرنا جوذومعنیین ہو"کی گنجائش ہے۔

لمافی الشامی:(۶/۴۲۷،طبع سعید)

قال علیه الصلاة والسلام"کل کذب مکتوب لامحالة الاثلاثة الرجل مع امرأته أوولده والرجل یصلح بین اثنین والحرب فان الحرب خدعة"قال الطحاوی وغیره وهو محمول علی المعاریض،لان عین الکذب حرام.

قلت:وهوالحق قال تعالیٰ-قتل الخراصون-وقال علیه الصلاةوالسلام"الکذب مع الفجوروهمافی النار"ولم یتعین عین الکذب للنجاة وتحصیل المرام اهـ.

ولمافی شرح المسلم للنووی:(۱۲/۴۵،باب جوازالخدع فی الحرب،طبع بیروت)

وقدصح فی الحدیث جوازالکذب فی ثلثة اشیاء احدهافی الحرب قال الطبری انمایجوزمن الکذب فی الحرب المعاریض دون حقیقة الکذب فانه لایحل هذا کلامه

والظاهر اباحة حقيقة نفس الكذب لكن الاقتصار على التعريض افضل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی عفا اللہ عنہ

٦ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۲۶٦

﴿شارع عام پر گزرنے سے روکنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک بستی ہے جس میں زید اور عمر و دونوں رہتے ہیں، ان کا راستہ بھی مشترک ہے بلکہ وہ عام راستہ ہے جس میں ہر خاص و عام چلتا ہے۔

تاہم جس مرحلے میں آ کر زید کی زمین کا احاطہ شروع ہوتا ہے اس کے بارے میں زید کا کہنا ہے کہ میں یہاں سے عمر و کو گزرنے نہیں دوں گا، چنانچہ انہوں نے عمر و کو وہاں سے گزرنے سے منع کر دیا، اب عرض ہے کہ کیا ایسا کرنا جبکہ راستہ مشترک ہے، درست ہے؟ مستفتی: رحمت ولی

﴿جواب﴾ عام راستہ چونکہ پوری قوم میں مشترک ہوتا ہے اور سب کا حق اس سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے کسی فرد واحد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو وہاں سے گزرنے سے روکے، اگر چہ وہ اسکی زمین کے بیچ میں سے ہی کیوں نہ گزرتا ہو کیونکہ جب ایک مرتبہ اس پر عام راستہ (شارع عام) ہونے کا اطلاق ہو چکا ہے اور اس (زید) نے بھی ایک مرتبہ اس کے شارع عام ہونے کو تسلیم کر لیا ہے تو اب وہ (راستہ کی مقدار) اسکی ملکیت نہیں رہی۔

لہٰذا اب کسی کو یہ اختیار بالکل نہیں کہ وہ اس میں ناحق تصرّف کرے مثلاً کسی کو گزرنے سے روکے وغیرہ۔

لما في التنوير مع الرد: (۲۵۷/۱۰، طبع امدادیه)

(اخرج الى طريق العامة كنيفا — ولكل احدمن اهل الخصومة منعه ومطالبته بنقضه بعده هذا اذابنىٰ لنفسه بغيراذن الامام)

وفي الشامية: قوله: (الى طريق العامة) اى النافذة الواقعة في الامصار والقرى — وطريق العامة — مالايحصى قومه، وماتركه للمرور قوم بنوادوراقي ارض غيرمملوكة فهي باقية على ملك العامة، وهذا مختار شيخ الاسلام والاول مختار الامام الحلواني.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۱٦۴

﴿نظر بد سے بچنے کی تدبیر﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں لوگ سبزی وغیرہ کے کھیتوں میں کپڑے یا چمڑے وغیرہ

سے بنی ہوئی شکلیں نصب کرتے ہیں تاکہ کھیتوں پر نظر نہ لگ جائے کیا اسکی کوئی اصل ہے؟

﴿جواب﴾ اگر ان شکلوں کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے اور نہ ہی وہ شکلیں واضح ہوں تو نصب کرنے کی گنجائش ہے، نیز زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے اپنے کھیتوں کو جانوروں وغیرہ سے محفوظ رکھنے کا قصد کیا جائے جس سے دونوں فائدے بھی حاصل ہونگے اور اعتقاد خراب ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہوگا۔

لمافی الهندية:(۵/۳۵۶،طبع رشيديه)

لاباس بوضع الجماجم فی الزروع والمبطخة لدفع ضرر العين عرف ذلک بالآثار.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم :عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹ھ　　　　فتوی نمبر:

﴿ایک پودے کی قلم دوسرے میں لگانا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں پودوں میں قلم لگانے کا رواج ہے، ایک قسم کے درخت سے دوسرے درخت میں قلم لگانا یا اعلیٰ قسم کے درخت سے ادنیٰ قسم کے درخت میں قلم لگانا عام طور پر لوگ کرتے ہیں، کیا ازروئے شریعت ایسا معاملہ درست ہے؟　　　　مستفتی :امیر نواز

﴿جواب﴾ پودوں میں قلم لگانا بلاشبہ درست ہے خواہ اعلیٰ درخت کا قلم ادنیٰ میں لگایا جائے یا ادنیٰ کا قلم اعلیٰ میں، بہر صورت صحیح اور جائز ہے۔

لمافی الصحيح لمسلم:(۲/۱۸۳۲،طبع بيروت)قال(النبیﷺ)أنتم أعلم بأمر دنياكم.

ولمافی الشامی:(۷/۴۱۱،طبع امداديه)لان مالم يرد فيه نص يعتبر فيه العرف اتفاقا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم :محمد شریف حسین

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر:۲۰۱

﴿ڈیکوریشن پیس اور سگریٹ جلانے والے لائٹر کے بیچنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ڈیکوریشن پیس جس پر مسجد یا خانہ کعبہ وغیرہ بنا ہوا ہوتا ہے، بیچنا درست ہے؟ نیز سگریٹ جلانے کے لئے لائٹر بیچ سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ ڈیکوریشن پیس کے بیچنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ اگر کسی شخص

کے بارے میں یہ علم ہو کہ وہ مذکورہ اشیاء (یعنی پیس وغیرہ) کی بے ادبی کرے گا (مثلاً تصویروں کے ساتھ رکھے گا یا کسی غیر مناسب جگہ میں اُنہیں آویزاں کریگا) تو مذکورہ ڈیکوریشن پیس اس کو بیچنا درست نہیں ہے، نیز سگریٹ جلانے والے لائٹر بیچنا بھی جائز ہے۔

لمافي الشامي:(۱/۱۷۸-۱۷۹،طبع ایچ ایم سعید)

بساط اوغیره کتب علیه الملک لله یکره بسطه واستعماله لاتعلیقه للزینة.وینبغی ان لایکره کلام النّاس مطلقا.

وفی الشامیة:قوله(مطلقا)ای سواء استعمل اوعلّق.....أقول:فی فتح القدیر:وتکره کتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدّراهم والمحاریب والجدران ومایفرش اه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم:محمد شریف حسین

۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:

﴿ایسی لکڑی جلانے کا حکم جس میں چیونٹیاں ہوں﴾

﴿سوال﴾ ہم لوگ اپنے علاقے میں لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور پھر سردی میں ان کو جلاتے ہیں لیکن اس پر کافی عرصہ گذر جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں چیونٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں جلانے کے وقت ہم ان کو خوب ٹٹولتے ہیں اور زمین پر مارتے ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ چیونٹیاں جل جاتی ہیں، ہم نے سنا ہے کہ کسی جاندار کو جلانے سے گناہ ہوتا ہے، کیا مذکورہ صورت میں ہم گنہگار ہونگے اگر گناہ ہے تو ہم کیا کریں جبکہ مجبوری ہے۔ مستفتی:شہباز

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ صورت میں آپ گنہگار نہیں ہونگے۔

لمافي الدر المختار:(۶/۷۵۲،طبع سعید)ولا بأس باحراق حطب فیهانمل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:

﴿اخبارات پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اخبار پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اخبار میں تصاویر بھی ہوتی ہیں۔ مستفتی:تاج محمد

﴿جواب﴾ بضرورت پڑھنا جائز ہے، جہاں تک ہو سکے تصاویر کی طرف نہ دیکھا جائے،

آج کل اخبار پڑھنا ہر کسی کا شوق بن گیا ہے، اس طرح انہماک نہیں ہونا چاہیے۔

لمافی الهندية :(۵/۳۷۷،طبع رشيديه)

"السوال عن الاخبار المحدثة فی البلدة وغیرذلک المختارانه لابأس بالاستخبار والاخبار کذافی الخلاصة"

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿صحابہؓ کے علاوہ کسی اور کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ صحابہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً تابعین وتبع تابعین جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ کے لئے، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنھم کے لئے رحمہ اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ' صحابہ ہی کے لئے کہا جائے اور تابعین وتبع تابعین کے لئے ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' کہا جائے لیکن اگر اس کے برعکس کہا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی التنویرمع الدر(۶/۷۵۴،طبع ایچ.ایم.سعید)

(ویستحب الترضی للصحابة)..... (والترحم للتابعین ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائرالاخیار وکذایجوز عکسه)الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدهم(علی الراجح)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿بیوی کا اپنے شوہر کو نام لے کر پکارنا خلاف ادب ہے﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں بیوی اگر اپنے شوہر کو اس کے نام سے پکارے تو اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، شریعت میں اس کی کیا حقیقت ہے؟

﴿جواب﴾ بیوی کا اپنے شوہر کو اس کے نام سے پکارنا اگرچہ جائز ہے لیکن خلاف ادب ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور عرف میں بھی اس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، اس لئے شوہر کو ایسے نام سے پکارنا چاہیے جو موجب تعظیم ہو۔

لمافی التنویر مع الرد:(۴۱۸/۶،طبع ایچ ایم۔ سعید کراچی)

(ویکرہ ان یدعو الرجل أباہ وأن تدعو المرأۃ زوجھا باسمہ)........وفی الشامیۃ:بل لا بدمن لفظ یفید التعظیم کیاسیدی ونحوہ لمزید حقھما علی الولد والزوجۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر:۸۶

﴿شریر آدمی کی غیبت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر ایک شخص بہت زیادہ شریر ہو اور لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے ضرر پہنچانے سے گریز نہ کرتا ہو تو کیا اس کی غیبت جائز ہے؟ تاکہ لوگ اپنے آپ کو اس کے شر سے بچائیں۔

﴿جواب﴾ نصوص قطعیہ صریحہ سے غیبت کی حرمت ثابت ہے اور اسکے گناہ ہونے میں نقلاً وعقلاً شبہ نہیں ہے، تاہم فقہاء کرام نے بعض مواقع ذکر کیے ہیں جن میں غیبت کرنا جائز بتایا ہے، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص زبان یا ہاتھ سے لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہو اگر چہ وہ نماز، روزہ کا بھی پابند ہو تو ایسے شخص کی صرف اسی برائی کو لوگوں کے سامنے ذکر کرنا جس سے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جائز ہے، حیلہ تلاش کر کے ہر کس و ناکس کی غیبت نہیں کرنی چاہیے۔

لمافی تنویر الابصار:(۴۰۸/۶،طبع سعید)

(واذا کان الرجل یصوم ویصلی ویضر الناس بیدہ ولسانہ فذکرہ بمافیہ لیس بغیبۃ حتی لوأخبر السلطان بذلک لیزجرہ لااثم علیہ)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر:۲۵۳

﴿بیوی کی کمائی ہوئی رقم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی عورت کام کرتی ہو مثلاً ڈاکٹر ہو، اب جتنے پیسے اسکو ملتے ہیں وہ جمع کر کے اس سے جائیداد وغیرہ خریدتی ہے اور وہ جائیداد یہ عورت اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی ہے کاغذات وغیرہ۔ میں کیونکہ پٹھانوں کے علاقہ میں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کا معاملہ کرنا یا کسی سے معاملہ کروا کے کاغذات وغیرہ میں معاملہ کو عورت کا اپنی طرف منسوب کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے تو وہ عورت شرم وحیاء کی وجہ سے بجائے اپنے نام کے شوہر کا نام لکھواتی ہے۔

شوہر کی دوسری شادی کی وجہ سے پہلی عورت اپنے پیسوں سے خریدی ہوئی جائیداد کا مطالبہ کرتی ہے تو کیا اب اس عورت کو یہ جائیداد مل سکتی ہے یا یہ جائیداد وغیرہ شوہر کی ہوگئی؟

﴿جواب﴾ صرف کاغذات میں نام کرانے سے شوہر جائیداد کا مالک قرار نہیں پاتا جب تک شوہر کو جائیداد کا صراحت کے ساتھ باقاعدہ مالک وقابض نہ بنا گیا ہو، صورت مسئولہ میں چونکہ بیوی نے شرم وحیا کی وجہ سے صرف کاغذات میں شوہر کا نام لکھوایا ہے باقاعدہ مالک وقابض نہیں بنایا ہے۔

لہٰذا جائیداد عورت ہی کی ملک ہے اور اس کو مطالبہ کا پورا پورا حق حاصل ہے شوہر کو چاہیے کہ جائیداد اپنی بیوی کو واپس کردے ورنہ آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

لمافی الدر المختار:(۵۲۲/۷، طبع امدادیہ ملتان)

وبیع التلجئة......وھو أن یظھر اعقد أوھما لا یریدانه یلجأ الیه لخوف عدو، وھو لیس ببیع فی الحقیقة بل کالھزل.

ولمافی البدائع:(۱۱۵/۶، طبع سعید)

فالایجاب أن یقول الواھب وھبت ھذا الشئی لک أو ملکته منک أو جعلته لک أو ھو لک أو أعطیته أو نحلته أو أھدیته الیک أو أطعمتک ھذا الطعام أو حملتک علی ھذہ الدابة ونوی به الھبة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۶

﴿زلزلے کے دوران بھاگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زلزلہ اور سیلاب کے دوران بعض لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے ہیں، وہیں بیٹھے رہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ "موت سے بھاگ کر کہاں جائیں گے" جبکہ اکثر لوگ بھاگ کر محفوظ مقامات کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں، شریعت کی رو سے ان لوگوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ مستفتی: محمد عثمان

﴿جواب﴾ زلزلے اور سیلاب کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے اور بہہ جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا ایسے خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کا حق حاصل ہے ایسے حالت میں گھروں سے باہر نکل کر محفوظ مقام کی طرف جانا مستحب ہے۔

ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''موت سے بھاگ کر کہاں جائیں گے'' درست ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نقصان سے بچنے کا موقع ملے اور اس سے فائدہ نہ اٹھائے، وقت موعود تو متعین ہے لیکن شریعت نے انسان کو اس بات کا بھی مکلّف بنایا کہ وہ اپنی جان بچائے اسی وجہ سے مکرہ کو ''کلمۂ کفر'' کہنے کی رخصت دی گئی، لہٰذا محفوظ مقام کی طرف منتقل ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔

ولما فی البزازیة علی هامش الهندیة:(۲۷۱/۲،طبع رشیدیه)

واذا تزلزلت الارض وهو فی بیته له الفرار الی الصحراء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم:محمد عزیز
۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ
فتوی نمبر:۴۰۶

﴿انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے اگر واقعی مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ اور مسجد، عام مجلس، اپنے گھر کے اندر اور تنہائی میں سب کا ایک ہی حکم ہے یا کوئی فرق ہے؟ بینوا توجروا۔
سائل: غالب

﴿جواب﴾ نماز کی حالت میں اور ان حالات میں جو نماز کے حکم میں ہیں مثلاً نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی حالت میں مکروہ تحریمی ہے اور عام حالات میں بغیر حاجت کے مکروہ تنزیہی ہے، انگلیاں چٹخانے کا بھی یہی حکم ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۴۰۹/۲،باب مایفسد الصلوة مایکره فیها،طبع امدادیه ملتان)

(وفرقعة الاصابع) وتشبیکها ولو منتظر الصلاة او ماشیا الیها للنهی،ولا یکره خارجها لحاجة.

وفی الشامیة:قوله:(ولا یکره خارجها لحاجة) المراد بخارجها ما لیس من توابعها،لان السعی الیها والجلوس فی المسجد لاجلها فی حکمها کما مر، لحدیث الصحیحین "لا یزال احدکم فی صلاة مادامت الصلاة تحبسه" وأراد بالحاجة نحو اراحة الاصابع، فلو لدون حاجة بل علی سبیل العبث کره تنزیها،والکراهة فی الفرقعة خارجها منصوص علیها، وأما التشبیک فقال فی الحلیة:لم أقف لمشایخنا فیه علی شئ، والظاهر أنه لو لغیر عبث بل لغرض صحیح ولو لاراحة الاصابع لا یکره،فقد صح عنه صلی الله علیه وسلم أنه قال:"المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضا، وشبک اصابعه" فانه لافادة تمثیل المعنی، وهو التعاضد والتناصر بهذه الصورة الحسیة.

وكذافي البحر الرائق:(۲۰/۲، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، طبع ايچ ايم سعيد)
وهكذافي حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح:(ص ۱۹۰، طبع قديمي)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۸ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۱

﴿جمائی کو روکنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ عام حالت میں یا دوران نماز جمائی آئے تو کیا کرنا چاہیے اور اگر اس کو روکنا ہو تو ہاتھ کو کس انداز سے منہ پر رکھنا چاہیے؟　　　　مستفتی: زاہد اکبر

﴿جواب﴾ عام حالت میں یا دوران نماز جمائی آئے تو کوشش کرے کہ اس کو منہ کے اندر ہی جبڑے وغیرہ کو دبا کر روک لے ایسا ممکن نہ ہو تو پھر اگر نماز میں ہے تو حالت قیام میں دائیں ہاتھ کو منہ پر رکھ کر روکے اور اس کے علاوہ حالت میں بائیں ہاتھ کی پشت سے روکے اور جمائی کو نہ روکنا فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے اور حدیث میں اس پر مذمت آئی ہے۔

لمافي مرقاة المفاتيح:(۵۲۷/۸، طبع رشيديه)

وعن ابي هريرة عن النبي ﷺ "ان الله يحب العطاس ويكره التثاؤب...... فاما التثاؤب فانما هومن الشيطان فاذا تثاءب احدكم فليرده مااستطاع فان احدكم اذاتثاءب ضحك منه الشيطان" رواه البخاري. وفي رواية لمسلم " فان احدكم اذقال: ها ضحك الشيطان منه"(قوله ﷺ ويكره التثاؤب) لانه يمنع صاحبه عن النشاط في الطاعة ويوجب الغفلة ولذايفرح به الشيطان.

ولمافي التنويرمع الدر:(۲/ ۴۱۲-۴۱۳، طبع امداديه)

(والتثاؤب) ولوخارجها. ذكرمسكين لانه من الشيطان ـــ وفي الشامية:(قوله والتثاؤب)...... قلت: ووجه القيل اظهر لانه لدفع الشيطان كمامر، فهوكازالة الخبث وهي باليساراولى، لكن في حالة القيام لما كان يلزم من دفعه باليساركثرة العمل بتحريك اليدين كانت اليمنى اولى...... وفي الحلية عن بعضهم انه مخيربينها، وانه ان سدباليمنى يخيرفيه بظاهرها أوباطنها، وان باليسرى فبظاهرها اهـ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۵رجب ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۳۰

﴿موذی جانوروں کے مارنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی ایسی چیز کو مارنا جو نقصان دہ ہو، مثلاً چوہا جس سے دکان میں پڑے کمبل یا

کپڑے وغیرہ کے کترنے کا خطرہ ہوتا ہے، کیا ایسی صورت میں چوہے کو مارنا گناہ تو نہیں؟ اگر اذیت دے کر ماریں تو بھی یہی حکم ہوگا؟ مستفتی: محمد دین

﴿جواب﴾ حشرات الارض اور ایسی جاندار چیزیں جو عام طور پر نقصان پہنچاتی ہیں ان کو مارنے کی گنجائش ہے اور چوہا بھی اس میں داخل ہے، البتہ جاندار چیزوں کو مارنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے جلدی جان نکل جائے، اذیت دیکر مارنا مناسب نہیں۔

لما فی الصحیح لمسلم: (۳۸۱/۱، طبع قدیمی)

عن عائشۃؓ عن النبی ﷺ انہ قال خمس فواسق یقتلن فی الحل والحرم الحیۃ والغراب الابقع والفارۃ والکلب العقور والحدیا........قال علامہ النوویؒ اتفق جماھیر العلماء علی جواز قتلھن فی الحل والحرم والاحرام.

ولما فی الھدایۃ مع فتح القدیر: (۷۳/۳، طبع رشیدیہ)

(ولیس فی قتل الغراب والحدأۃ والذئب والحیۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور جزاء)

ولما فی الھدایۃ مع فتح القدیر: (۷۵/۳، طبع رشیدیہ)

(قولہ کذا الفارۃ الاھلیۃ والوحشیۃ) لوجود المبیح فی الوحشیۃ وھو فسقھا.

ولما فی الھندیۃ: (۳۶۱/۵، طبع رشیدیہ)

قتل الزنبور والحشرات ھل یباح فی الشرع ابتداء من غیر ایذاء وھل یثاب علی قتلھم؟ قال لا یثاب علی ذلک وان لم یوجد منہ الایذاء فالاولی ان لا یتعرض بقتل شیء منہ کذا فی جواھر الفتاوٰی.

ولما فی التنویر مع الدر: (۷۵۲/۶، طبع ایچ ایم سعید)

(وجاز قتل ما یضر منھا ککلب عقور وھرۃ) تضر (ویذبحھا) ای الھرۃ (ذبحا) ولا یضربھا لانہ لا یفید، ولا یحرقھا وفی المبتغی یکرہ حراق جراد وقمل وعقرب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۷۸۱

﴿خلافِ شرع مجلسوں میں جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ رشتہ داروں کی ایسی مجلسوں میں جانا جہاں بے پردگی، تصاویر اور گانوں کے علاوہ دینداروں کو بھی طعن کا نشانہ بنایا جاتا ہو یا شعائر اسلام مثلاً داڑھی، سنت لباس وغیرہ کے بارے میں گستاخانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہو شرعاً کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ میں نے ایک دفعہ کھانا تیار کیا اور

حضورﷺ سے شرکت کی درخواست کی آپﷺ تشریف لائے دیکھا کہ گھر میں تصویریں ہیں تو واپس تشریف لے گئے۔

لمافی سنن ابن ماجة:(۱۱۱۴/۲،طبع بیروت)

عن علی رضی الله عنه قال صنعت طعامافدعوت رسول اللهﷺ فجاء فرای فی البیت تصاویرفرجع.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب (کسی مجمع میں) احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ (ایسی باتوں کو چھوڑ کر) کوئی اور بات شروع نہ کریں کہ اس حالت میں تم بھی گناہ میں انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سوره النساء،ایت۱۴۰)

وقدنزل علیکم فی الکتاب ان اذاسمعتم ایت الله یکفربهاویستهزابهافلاتقعدوامعهم حتی یخضوا فی حدیث غیره انکم اذامثلهم ......الأية.

صاحب روح المعانی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے اور ان سے اعراض میں اعراض قلبی کافی نہیں بلکہ ان کی مجلس سے اٹھنا ضروری ہے۔

لمافی روح المعانی:(۱۷۴/۵،طبع رشیدیه)

واستدل بعضهم بالآية علی تحریم مجالسة الفساق والمبتدعین من ای جنس کانوا ......ومن هناقیل وان المرادبالاعراض اظهارالمخالفة بالقیام عن مجالستهم لا الاعراض بالقلب أوبالوجه فقط

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولﷺ یا شریعت اسلامیہ کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں اور اس کو بند کرنا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے اختیار و قبضہ میں نہ ہو۔

لمافی الدرالمختار:(۳۴۹/۶،طبع سعید)

قلت:وفی البزازیةاستماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیهافسق والتلذذبهاکفرای بالنعمة فصرف الجوارح الی ماغیرخلق لاجله کفربالنعمة لاشکرفالواجب کل الواجب ان یجتنب کی لایسمع لماروی "انه علیه السلام ادخل أصبعه فی أذنه عندسماعه".

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۷۷۰

﴿مال حرام سے دعوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے کچھ رشتہ دار اور ملنے والے ایسے ہیں جو کہ سراسر سود کا کام کرتے ہیں مثلاً بنک وغیرہ اور کچھ ایسے ہیں کہ جن کی کچھ کمائی سود کی ہے اور کچھ حلال کی ہے اگر ان کے گھر جائیں یا ان کے گھر سے کچھ کھانے پینے کا ہدیہ آجائے تو اس صورت میں کیا کریں؟

اگر قبول نہ کریں تو قطع رحمی کا خدشہ رہتا ہے۔ میں ایک دینی مدرسہ کی طالبہ ہوں اور اس طرح کے مسائل مجھے اکثر پریشان کرتے رہتے ہیں اتنی تحقیق میں پڑنا میرے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تمام سوالات کے جوابات مفصل دیں۔ مستفتیہ: بنت عارف

﴿جواب﴾ اگر تمام کمائی حرام کی ہے تو ہدیہ ودعوت قبول کرنا مناسب نہیں الا یہ کہ وہ صراحت کردیں کہ یہ دعوت مال حلال سے ہے مثلاً قرض وغیرہ، البتہ اگر حلال غالب ہو تو دعوت قبول کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية:(۵/۳۴۲،طبع رشيديه)

اهدى رجل شيا او اضافه ان كان غالب ماله من الحلال فلا بأس الا ان يعلم بانه حرام فان كان الغالب هو الحرام ينبغي ان لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام الا ان يخبره بانه حلال ورثته او استقرضته من رجل.

اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد ہو خواہ عورت پر فرض ہے، جس سے جو بھی گزشتہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق وہ گذار سکے یعنی اتنا کہ کوئی فرض واجب عمل رہ نہ جائے یا لاعلمی میں کسی حرام فعل کا ارتکاب نہ کرے، لہٰذا تحقیق کرنا تو ایمان کا تقاضہ ہے، جس کو آخرت کی فکر ہوگی تحقیق کرے گا اور جسے آخرت کے نفع ونقصان کی پرواہ نہ ہوگی، اس کو تحقیق کی ضرورت کا بھی احساس نہ ہوگا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹۶

﴿جانور کی افزائش نسل کے لئے مصنوعی انجکشن تیار کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک ایسے محکمہ میں ملازمت کرتا ہوں جہاں جانوروں کی افزائش نسل کے لئے مصنوعی انجکشن تیار کئے جاتے ہیں،

میرے ذہن میں یہ بات کھٹکتی رہتی ہے کہ میرے لئے ایسی ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی رو سے مسئلہ بالا کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: لیاقت علی

﴿جواب﴾ حیوانات میں افزائش نسل کے لئے آج کل ٹیوب کا جو طریقہ رائج ہے، یہ غیر فطری تو ہے اس لئے حیادار آدمی کی طبیعت پر گراں گزرتا ہے لیکن جانوروں میں اختلاط نسل کی حفاظت کا شرعاً کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے اور ایسے محکمہ میں ملازمت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی احکام القرآن للجصاص:(۵/۳،فی تفسیر سورۃ النحل،آیت۸،طبع بیروت)

الاترى ان حمارة اهلية لوولدت من حماروحشي لم يوكل ولدهاولوولدت حمارةوحشية من حماراهلي أكل ولدهافكان الولدتابعاالامه دون ابيه.

ولمافی حجۃ اللہ البالغۃ:(۲/۲۲۰،طبع بیروت)

منهامعرفه برلة رحمهامن ماء ه لئلاتختلط الانساب فان النسب احدمايتشاح به ويطلبه العقلاء، وهومن خواص نوع الانسان ومماامتازمن سائرالحيوان.

ولمافی الهدایۃ:(۲/۳۸۰،طبع بیروت)

ولابأس(عندالحنفية)بخصاء البهائم وانزاء الحمير على الخيل لأن في الأول منفعة للبهيمة والناس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

المحرم ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۱۸۴۶

﴿لايجوز كتابة القرآن بغير العربية﴾

﴿قرآن کریم کی کتابت عربی کے علاوہ کسی زبان میں جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز كتابة القرآن بحروف الروسية؟ مستفتی: ضیاء الدین

﴿جواب﴾ لايجوز كتابة القرآن بحروف الروسية ولابغيرهامن الحروف سوى العربية لان غيرالعربية مخالف لرسم المصاحف التي كتبت بامرسيدناعثمانؓ وان كتبه برسم العثمانية وترجمته وتفسيره معه باى لغة كانت جازوالله اعلم.

لمافی فتح القدیر:(۱/۲۹۱،طبع رشیدیه)

وفيه ان اعتادالقراءة بالفارسية أوارادان يكتب مصحفابهايمنع وان فعل في آية اوآيتين لا فان كتب القرآن وتفسيركل حرف وترجمته جاز.

لمافی قوله تعالی:(سورة الزمر،ایت۲۸)قرآناعربیاغیرذی عوج لعلهم یتقون.....الأیة.
ونقل الشیخ العلامةمحمدشفیع اجماع الصحابةوالتابعین علی وجوب اتباع مرسوم المصحف العثمانیؓ وقال کتابته بغیرذلک تؤدی الی تحریف القرآن والزیادة فیه وذلک حرام بالاجماع فانه لافرق فی غیرالعربیةبین حروف ظ-ذ-ز-ض وکذابین ص -ث-س وکذااعراب غیرالعربیةحروف واعرابهامباثن من الحروف فاذاکتبه بغیر العربیةیقع الزیادةفی کتاب الله تعالی .والتفصیل من الشیخ فی جواهرالفقه:(۱/۷۳ تا۸۴،طبع دارالعلوم کراچی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سلمہ

۲۶محرم الحرام۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۱۹۷۸

﴿جوازالتسمیةباسمه علیه السلام﴾

﴿بچے کانام محمد رکھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾هل یجوزتسمیة الولدباسم"حضرت محمد"؟ مستفتی : اسکندر

﴿جواب﴾یجوز التسمیة بـ محمد اوحضرت محمدلان النبیﷺ رخص فیه ولاقباحة فی معنی حضرت ولیس مخصوصابهﷺ.

لمافی سنن ابی داود:(۲/۳۳۲،طبع رحمانیه)

قال قال رسول اللهﷺتسموابأسماء الانبیاء،واحب الاسماء الی الله تعالی عبدالله وعبدالرحمن وأصدقهاحارث وهمام وأقبحهاحرب ومرة.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲/۲۰۶،طبع قدیمی)

فقال یارسول الله ولدلی غلام فسمیته محمدافقال لی قومی لاندعوك تسمی باسم رسول الله علیه السلام فقال رسول اللهﷺ تسموا باسمی ولاتکتنوابکنیتی فانما انا قاسم اقسم بینکم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سلمہ

۸ذی الحجہ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۸۰۸

﴿سرکاری درختوں کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام کہ ہمارے علاقے کی سڑک اور نہر کے کناروں پر حکومت نے درخت لگائے ہیں اور مزدوروں کے ذریعے ان درختوں کی دیکھ بال کرتی ہے جبکہ حکومت نے یہ زمینیں لوگوں سے باقاعدہ قیمت دیکر لی ہیں،اب لوگ اجازت کے بغیران درختوں کو

جڑوں سے کاٹتے ہیں تو کیا ان درختوں کو حکومت کی اجازت کے بغیر جڑوں سے کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بڑی بڑی لکڑیاں کاٹنے کی بھی اجازت ہوگی یا نہیں؟

اس طرح اگر کوئی چھوٹی شاخ جلانے کے لئے یا بھیڑ بکریوں کے لئے استعمال کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اور ان جانوروں کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے؟ مستفتی: ثناء اللہ طالب خیل مروتی

﴿جواب﴾ حکومت نے ایسی زمینوں کی قیمت ادا کر کے واقعی زمینداروں سے اگر خرید لی ہے تو یہ زمین اور اسمیں لگے ہوئے درخت حکومت کی ملکیت ہیں، حکومت سے اجازت لئے بغیر درختوں کو کاٹنا جائز نہیں ہے، البتہ جانوروں کو ایسے درختوں کے پتے وغیرہ کھلانا جائز ہے اور زائد خشک لکڑیوں کو جمع کرنا بھی جائز ہے، حکومت کی طرف سے دلالۃً اس کی اجازت ہوتی ہے لیکن درختوں کو کاٹنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے جائز نہیں ہے۔

لمافی شرح المجلة:(۱۸۲/۴،طبع رشيديه)

المادة ۱۲۴۴:(الاشجار النابتة بلا غرس فی ملک احدهم ملكه ليس لأخران يحتطب منها الاباذنه فان يفعل يكن ضامنًا)

ولمافی الشامی:(۴۴۰/۶،طبع سعيد)

والحطب فی ملک رجل ليس لاحدان يحتطبه بغيراذنه،وان كان غيرملک فلابأس به،ولا يضرنسبته الی قرية اوجماعة مالم يعلم ان ذلک ملک لهم.

ولمافی البزازية على هامش الهندية:(۵۳/۶،طبع رشيديه)

دخل ارض غيره وجمع فيه السرقين والشوك والحشيش لابأس به وكذا التقاط السنبلة ان تركها صاحبها وذا اباحة.

ولمافی شرح المجلة:(۱۸۹/۴،طبع رشيديه)

فی الهندية عن محيط السرخسی:قال مشايخنا اذا وقعت المنازعة بين صاحب الارض وبين من يريد الكلاء-ان كان المريد للكلاء يجد الكلاء فی ارض مباحة قريبة من تلک الارض،فلصاحب الارض ان يمنعه من الدخول-وان لم يجد،يقال لصاحب الارض، أما ان تعطيه الكلاء اوتاذن له بالدخول فيأخذه اه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۶ محرم ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۴۹

﴿زائد انگلی وغیرہ کاٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام کہ اگر کسی کے ہاتھ میں زائد انگلی ہو اور اس سے کوئی

تکلیف بھی نہ ہوتو اس کو کاٹ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ زائد انگلی وغیرہ کے کاٹنے سے ہلاکت وغیرہ کا قوی اندیشہ نہ ہوتو کاٹنا جائز ہے، البتہ اس سے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہوتو کاٹنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الهندية:(۵/۳۶۰،طبع رشيديه)

اذا ارادالرجل ان يقطع اصبعاً زائدة أوشيئاً آخر قال نصير رحمه الله تعالىٰ ان كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فانه لا يفعل وان كان الغالب هو النجاة فهو فى سعة من ذلك.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۲۰۰

﴿اتخاذ السن من الذهب﴾

﴿سونے کے دانت لگوانا﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز للرجال اتخاذ السن من الذهب حالة الضرورة او بلا الضرورة يعنى للزينة فان بعض العلماء يستدلون على جوازه من واقعة انف عرفجة ؓ؟　　مستفتی: محمد سفر

﴿جواب﴾ لا يجوز للرجال اتخاذ السن من الذهب لأنه حرام على ذكور هذه الامة فان مست الحاجة أو الضرورة بان لا يوجد غير الذهب أو لم يندفع الضرورة بغيره والى السن حاجة فحينئذ يجوز.

لمافى فى المشكوة:(ص ۳۷۵،طبع سعيد)

أن النبى ﷺ قال احل الذهب والحرير للاناث من امتى وحرم على ذكورها.....

ولمافى المشكوة:(ص ۳۷۹،طبع سعيد)

عن عبدالرحمن بن طرفة ان جده عرفجة بن اسعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذانفا من ورق فأنتن عليه فأمره النبى ﷺ أن يتخذانفا من ذهب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۱۵۰

﴿قلم یا سوئی کے ذریعہ جسم پر نام وغیرہ لکھوانا﴾

﴿سوال﴾ ہاتھوں یا بازوؤں پر یا جسم کے کسی بھی حصہ پر قلم یا سوئی وغیرہ کے ذریعہ سے

پھول بوٹے بنوانا یا نام لکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد عرفان کراچی

﴿جواب﴾ ہاتھوں بازوؤں یا چہرے وغیرہ پر سوئی کے ذریعہ سے پھول بوٹے بنوانا یا نام وغیرہ لکھوانا جائز نہیں، حدیث پاک میں ایسا کرنے والے شخص پر لعنت کی گئی ہے اور اس وعید میں یہ کام کرنے والا اور کروانے والا دونوں شامل ہیں، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، البتہ قلم وغیرہ کے ذریعے نام لکھوانے یا پھول وغیرہ بنانے کی ممانعت اگرچہ ثابت نہیں ہے لیکن خلاف مروت کام ہے اور مذکورہ عمل کے ساتھ صورۃ مشابہ بھی ہے، اس لئے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

لمافی الصحیح لمسلم: (٢/٢٠٣، طبع قدیمی)

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة.

ولمافی الشامی: (٦/٣٧٣، طبع سعید)

والواشمة: التی تشم فی الوجه والذراع، وهو ان تغرز الجلد بابرة ثم یحشیٰ بکحل أو نیل فیزرق والمستوشمة: التی یفعل بها ذلک بطلبها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

٢٢ صفر الخیر ١٤٣٠ھ — فتویٰ نمبر: ١٩١٨

﴿صحیح تندرست بھیک مانگنے والے کو دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی صحیح سالم اور تندرست ہے، اس کے باوجود بھیک مانگتا ہے حالانکہ اس کے گھریلو حالات بھی اتنے خراب نہیں ہیں اور اگر وہ محنت مزدوری کرے تو گھر کا نظام صحیح طریقہ سے چلا سکتا ہے، اس کے باوجود اس کا بھیک مانگنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز مجبوری کا وہ کونسا درجہ ہے کہ جس تک پہنچ کر شریعت انسان کو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہے؟ مستفتی: ولی الرحمٰن مروتی

﴿جواب﴾ تندرست آدمی جو کمانے پر قادر ہو اور کمانے کا موقع بھی اس کو ملے، اسی طرح جس شخص کے پاس ایک دن کا راشن موجود ہو اس کے لئے راشن کا سوال کرنا جائز نہیں، البتہ اس کے علاوہ کوئی خاص ضرورت درپیش ہو جس کو حاصل کیے بغیر زندگی گذارنا مشکل ہو تو بقدر ضرورت سوال کرنے کی گنجائش معلوم ہورہی ہے اور ایسے شخص کو دینا بھی جائز ہے لیکن پیشہ ور

بھیک مانگنے والا جو صرف اپنی عادت کی وجہ سے بلا احتیاج مانگتا ہے تو اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے اور دینے والے کو علم ہو کہ بلا احتیاج مانگ رہا ہے تو اس غرض سے نہ دینا تا کہ گناہ کرنے میں تعاون نہ ہو بہتر ہے، تاہم دینے میں گناہ نہیں ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ وغیرہ دینے میں احتیاط کریں۔

لمافی البحر الرائق:(۲/۲۵۰،طبع سعید)

(ولا يسأل من له قوت يومه) اى لا يحل سوال قوت يومه لمن له قوت يومه لحديث الطحاوى من سأل الناس عن ظهر غنى فانه يستكثر من جمر جهنم قلت يارسول الله وماظهر غنى قال ان يعلم ان عنداهله مايغديهم ومايغشيهم قيدنا بسؤال القوت لان سوال الكسوة المحتاج اليها لايكره وقيدنا بالسؤال لان الاخذ لمن ملك اقل من نصاب جائز بلاسؤال وقيد بمن له القوت لان السؤال لمن لاقوت يومه له جائز ولا يرد عليه القوى المكتسب فانه لا يحل سؤال القوت له اذا لم يكن له قوت يومه لانه قادر بصحته واكتسابه على قوت اليوم فكانه مالك له ــ قال الشيخ أكمل الدين فى شرح المشارق واما الدفع الى مثل ذلك السائل عالماً بحاله فحكمه فى القياس ان يأثم بذلك لانه اعانة على الحرام لكنه يجعل هبة وبالهبة للغنى أولمن لا يكون محتاجا اليه لا يكون آثما اهـ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۲ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۹۹

﴿جواز الصلوة على مصلى فيها صورة الكعبة﴾

﴿جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز الصلوة على مصلى فيها صورة الكعبة؟ مستفتى: ضياء الدين

﴿جواب﴾ يجوز الصلوة على مصلى فيها صورة الكعبة لان الممنوع من الصور صورة ذى روح والكعبة المباركة ليست بذى روح وليس فيه اهانة الكعبة فان عظمتها فى قلب كل مؤمن ولكن لا يضع القدم عليها احترازا عن هيئة الاهانة بها. والله اعلم.

لمافی الحلبی الکبیر:(ص ۳۱۲،طبع نعمانیه)

وأما صورة غير ذى الروح فلا خلاف فى عدم كراهة الصلاة عليها واليها.

ولمافی الهداية:(۱/۲۰۰،طبع رحمانيه)

ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته......الا انه يكره لما فيه من ترك التعظيم وقد ورد النهي عنه عن النبيﷺ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر:۱۹۸۸

﴿رات کے وقت جھاڑو لگانا شرعاً ممنوع نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ چابیوں کو چھنکارنے اور رات کے وقت جھاڑو دینے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رات کے وقت جھاڑو لگانے سے رزق میں تنگی ہوتی ہے، کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ نیز چابیوں کو چھنکارنا ساز میں آتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے ساز میں شمار کرتے ہیں۔ مستفتی:نوراللہ کوئٹوی

﴿جواب﴾ بعض چیزیں عوام میں ایسے ہی غلط سلط مشہور ہوجاتی ہیں حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی، بہتر یہ ہے کہ ایسی باتوں کی پہلے تحقیق کرلی جائے بعد میں عمل کیا جائے، چنانچہ اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان امور کی شرع میں کوئی اصل نہیں جو محض عوام میں مشہور ہیں، ان کی اصل ڈھونڈنے کی تو کوئی ضرورت نہیں، البتہ جو بزرگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے تو از قبیل حکمت وطب ہے ورنہ یہ کہا جاوے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن غالب تھا، اس لئے بعض روایات کو سن کر راوی کی تنقید نہ کی، اس کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا پس وہ معذور ہیں اور قابل عمل نہیں۔ (تتمہ اولی ص ۲۰۵) بحوالہ امداد الفتاوی (۴/۲۷۰، طبع دار العلوم کراچی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد کاشف عزیز

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر:۲۰۶۰

﴿سحر کرنا اور کرانا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مجھے ایک آدمی سے محبت ہوگئی اور اس آدمی کو مجھ سے لیکن ہم دونوں شادی شدہ تھے تو اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے شوہر سے طلاق لے لو

میں تم سے شادی کرلونگا میں نے کورٹ کے ذریعے شوہر سے خلع کا مطالبہ کیا، اس نے مجھے طلاق دی، اب وہ آدمی جس سے مجھے محبت ہے وہ شادی کرنے میں ٹال مٹول کررہا ہے اگر میں سحر کے ذریعے اس کو قابو کرکے اس سے شادی کرلوں تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: ہمیبہ صاحبہ

﴿جواب﴾ سحر کرنا اور کرانا حرام ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ سحر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے تقدیری فیصلوں کو کوئی تبدیل کرسکے، اللہ کو منظور ہوگا تو اس کا اثر ہوگا منظور نہیں ہوگا تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اور لگتا نہیں ہے کہ آپ حرام کا ارتکاب کرکے بھی کامیاب ہوسکیں اور وقتی طور پر اس سے شادی ہوجانا بھی کوئی کامیابی نہیں ہے، قوی اندیشہ ہے شادی ہوکر بھی آپ کو چین سکون نہیں ملے گا، اس آدمی کی محبت نفرت میں بھی بدل سکتی ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت کی ناشکری کی ہے، صحیح توبہ اگر نہیں کی تو دنیا وآخرت میں اس کا وبال آپ پر پڑیگا۔

لہٰذا توبہ کریں اور سابق شوہر سے کسی طرح معافی مانگیں اور دوسری جگہ شادی کرنے میں تاخیر نہ کریں اور مذکورہ آدمی سے شادی کا فیصلہ بھی استخارہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کردیں کہ اس میں واقعی فائدہ ہو تو شادی ہوجائے نہ ہو تو یا اللہ نعم البدل عطاء فرمائیں اور شادی کریں تو والد وغیرہ کی اجازت سے کریں، عورت ذات ناقص العقل ہے، اس کے خود کے فیصلے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔

لمافی الدر المختار: (۱/۴۲-۴۴، طبع سعید)

وحراماً وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل وعلوم الطبائعيين والسحر.

ولمافی الشامی: (۶/۴۲۹، طبع سعید)

قال فی الخانية: امرأة تصنع آيات التعويذ ليحبها زوجها بعدما كان يبغضها ذكر فی الجامع الصغير ان ذلك حرام ولا يحل اه وذكر ابن وهبان فی توجيهه: انه ضرب من السحر والسحر حرام اه ط. ومقتضاه انه ليس مجرد كتابة آيات، بل فيه شئ زائد قال الزيلعی: وعن ابن مسعود رضی الله عنه انه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: "ان الرقی والتمائم والتولة شرك".

ولمافی احکام القرآن للتھانوی: (۱/۵۰-۵۱، طبع ادارۃ القرآن)

وثانيها: مالم يكن فيه وجه كفر ولكن فيه اضرار ابالمسلمين وسعيا فی الارض

بالفساد، فذلك حرام فعله وتعليمه وتعلّمه۔۔۔وماكان منها بآيات قرآنية أو أسماء إلهية وامثالها الا ان المقصود بها اضرار مسلم، كالتفريق بين الزوجين بلا سبب شرعي، او تسخير مسلم بحيث يصير مسلوب الاختيار في الحب أو لبعض لأحد أو في بذل المال للعامل فحرام، لكونه ظلما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر: ۲۱۰۳

﴿کتے کو بچانے کی خاطر اپنی جان یا گاڑی کو خطرہ میں ڈالنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں میں ہائی وے پر ڈرائیورنگ کررہا تھا، اچانک ایک کتا سامنے آیا، تیز رفتاری کے باعث گاڑی اگر روکتا تو کوئی بڑا حادثہ رونما ہوسکتا تھا، چنانچہ میری گاڑی کتے کو روندتے ہوئے آگے بڑھی، میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ کتے کو بچانے کی خاطر اپنی جان یا گاڑی کو خطرہ میں ڈالنا کوئی سمجھداری نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شرعی حکم ہے، لہٰذا آپ کی گاڑی تلے کتا اگر آیا ہے تو یہ اس کے لئے تقدیری فیصلہ تھا، آپ زیادہ فکر نہ کریں۔

لما في الدر مع الرد: (۶/۷۵۲، طبع سعید) وفي القنية يجوز ذبح الهرة والكلب لنفع ما.

وفي الشامية: (قوله لنفع ما) اى ولو قليلاً والهرة لو مؤذية لا تضرب ولا تفرك اذنها بل تذبح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۴ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتوی نمبر: ۲۱۲۷

﴿کتب تفسیر کو بغیر وضو ہاتھ لگانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک ساتھی تبلیغی مدرسے میں تھا، وہاں کے ایک استاد نے یہ بات کہی کہ وہ تفسیر جس میں قرآن کی آیات کم ہوں اور تفسیر اور تشریح زیادہ ہو تو بغیر وضوء کے اس کو ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

مستفتی: محمد یونس

﴿جواب﴾ استاد صاحب کی بات درست ہے، تاہم ادب کا تقاضا تو یہ ہے کہ بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگائیں لیکن ہاتھ لگانے میں گناہ نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۱۷۷،طبع سعید)

وقد جوّز أصحابنا مس کتب التفسیر للمحدث،ولم یفصلوا بین کون الأکثر تفسیرا أو قرآنا،ولو قیل به اعتبار اللغالب لکان حسناً وکذا فی الاشباہ والنظائر.(ص ۱۱۲،قدیمی)

ولما فی الفقه الاسلامی:(۱/۳۱۵،طبع رشیدیه)

ولا یکرہ مس کتب التفسیر ان کان التفسیر أکثر ویکرہ المس ان کان القرآن أکثر من التفسیر أو مساویا له.

ولما فی الاشباہ والنظائر(ص ۱۲۷ طبع قدیمی)ولا یکرہ للمحدث مس کتب الفقه والحدیث علی الأصح

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۱۹۴۳

﴿جانوروں کو شراب پلانے سے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی جانور بیمار ہو اوراس کوعلاج کی غرض سے شراب پلائی جائے تو کیا جانور کے گوشت یا دودھ پر اثر پڑیگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جانور کو شراب پلانے سے اس کا اثر دودھ یا گوشت میں اگر ظاہر نہ ہو تو دودھ گوشت وغیرہ استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور شراب پلانے سے اگر جانور کی بیماری کا علاج ہو تو پلانے کی بھی گنجائش ہے لیکن ضرورت کے بغیر اپنے ارادہ سے شراب پلانا گناہ ہے۔

لما فی الهندیة:(۵/۴۱۱،طبع رشیدیه)

ولو سقیٰ شاۃ خمرا لا یکرہ لحمها ولبنها لان الخمر ان کانت باقیة فی معدتها فلم تختلط بلحمها وان استحال الخمر لحما یجوز کما لو استحال خلا الا اذا سقاها خمرا کثیرا بحیث تؤثر رائحة الخمر فی لحمها فانه یکرہ اکل لحمها.وکذا فی البحر الرائق:(۸/۲۱۹ سعید)

ولما فی المبسوط:(ج ۲۴ ص ۲۸،طبع دار المعرفة بیروت)

ولو سقیٰ شاة خمرا ثم ذبحت ساعتئذ فلا باس بلحمها وکذالک لو حلب منها اللبن فلا باس بشربه لانه الخمر صارت مستهلکة بالوصول الی جوفها ولم تؤثر فی لحمها ولا فی لبنها وهی علی صفة الخمریة بحالها فلهذا لا بأس باکل لحمها وشرب لبنها.

ولما فی المبسوط:(ج ۲۴ ص ۲۵-۲۶،طبع دار المعرفة بیروت)

ویکرہ ان یسقی الدواب الخمر لانه نوع انتفاع بالخمر واقتراب منها علی قصد التمول.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۱۰ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۱۸۸۷

﴿موجودہ دور کی لیٹرین اور غسل خانوں میں مسنون دعائیں پڑھنا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاؤں میں تقریباً مستقل درد رہتا ہے جس کی وجہ سے وضوء بیٹھ کر کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور وضوء کھڑے ہو کر کرنا پڑھتا ہے، لہٰذا مجبوراً لیٹرین میں بنے ہوئے واش بیسن میں وضوء کرتا ہوں اور وضوء کے درمیان مسنون دعائیں بھی پڑھتا ہوں تو کیا میرے لئے دعاؤں کا پڑھنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ نجاست کی جگہوں میں تلاوت کرنا اور دعائیں پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن آج کل کے دور میں لیٹرین نجاست کی صرف گذرگاہ ہے، نجاست گاہ نہیں ہے بلکہ اگر صفائی کا خاص خیال رکھا جائے تو بدبو بھی نہیں رہتی، لہٰذا اگر ایسی صورت ہو تو دعائیں وغیرہ پڑھنے کی گنجائش ہے، البتہ دل میں پڑھنا زبان سے پڑھنے کے بنسبت بہتر ہے۔

لمافی البحر:(۱/۲۰۲،طبع سعید)

وفی التوشیح وتکرہ المسافرۃ بالقرآن الی دار الحرب صوناً عن وقوعه فی ایدی الکفرۃ واستحفافه......وفی الخلاصة انما تکرہ القرأۃ فی الحمام اذاقرء جهراً فان قرء فی نفسه فلابأس به هوالمختار.

ولمافی حلبی کبیر:(ص۴۲۸،طبع نعمانیه)

والقرأۃ فی الحمام ان لم یکن فیه احد مکشوف العورۃ وکان الحمام طاهراً تجوز جهراً وخفیۃ وان لم یکن کذلک فان قرء فی نفسه فلابأس به ویکرہ الجهر وکذا تکرہ القرأۃ فی المسلخ والمغتسل ومواضع النجاسة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۳۰۱

﴿حکومتی امداد لینے کے لئے دفتر میں فارم جمع کرنا بھیک مانگنا نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ جس شادی شدہ جوڑے کی آمدنی چھ ہزار سے کم ہو وہ فارم پر کر کے دفتر میں جمع کریں تو اس کو ماہانہ ہزار روپے ملیں گے اگر مطلوبہ شرائط کی فیملی (جن کی آمدنی چھ ہزار سے کم ہو) یہ فارم پر کر کے دفتر میں جمع کریں، کیا یہ بھیک مانگنے کے حکم میں آئے گا؟ جبکہ کھانے پینے کی اشیاء مہیا ہیں، البتہ کپڑوں اور دوائی وغیرہ کیلئے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مستفتیہ: ہمشیرہ محمود

﴿جواب﴾ عوام کی ضروریات کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، لہٰذا

کوئی باقاعدہ حکومت سے جائز ضروریات کا مطالبہ کرے تو یہ کوئی بھیک مانگنا نہیں ہے، اس طرح کے جائز مطالبات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ سے کئے ہیں جبکہ آپ تو حکومت کی طرف سے دی ہوئی ایک سہولت حاصل کر رہے ہیں، اس لئے کہ حکومت نے اعلان عام کر دیا ہے، لہٰذا آپ کی آمدنی واقع چھ ہزار سے کم ہو تو یہ سہولت حاصل کر سکتے ہیں، وساوس نہ کریں۔

لمافی جامع الترمذی:(۲/۱۹۰،طبع بیروت)

قال قال رسول اللہ ﷺعن سمرۃ بن جندب أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المسئلۃ کدیکد الرجل وجہہ الا ان یسأل الرجل سلطانا اوفی امر لابدمنہ.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۵/۲۳۹،طبع بیروت)

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاتلحفوافی المسألۃ فواللہ لایسألنی احدمنکم شیئافتخرج لہ مسألتہ منی شیئاوأنالہ کارہ فیبارک لہ فیما اعطیتہ.

ولمافی التنویرمع الدر:(۲/۳۵۴-۳۵۵،طبع سعید)

(و)لایحل ان(یسأل)شیئامن القوت(من لہ قوت یومہ)بالفعل اوبالقوۃ کالصحیح المکتسب ویأثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرم(للکسوۃ)أولاشتغالہ عن الکسب بالجہاداوطلب العلم(جاز)لومحتاجا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۴ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۱۲۸

﴿ناخن یا بالوں کو کاٹنے کے بعد دفن کرنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ناخن یا بال کاٹنے کے بعد دفن کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز ناخن کس حد تک بڑھانا جائز ہے؟ بعض مرد اور اکثر عورتیں ناخن رکھنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں برائے مہربانی اسکی شرعی حد بتا کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کو محترم بنایا ہے تو اسی احترام کے پیش نظر انسان کے وہ اعضاء جن کے کاٹنے سے انسان درد محسوس کرتا ہے تو تلف ہو جانے کے بعد ان اعضاء کو دفن کرنا واجب ہے۔

البتہ وہ اعضاء جن کے کاٹنے سے درد محسوس نہیں ہوتا (جیسے ناخن، بال وغیرہ) تو ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد دفن کرنا واجب تو نہیں البتہ انسانی مروت اور احترام کے پیش نظر ان کو بھی دفن کرنا بہتر ہے اگرچہ پھینکنا بھی جائز ہے لیکن ایسی جگہ پھینکنا جہاں بے حرمتی ہو (جیسے گٹر، نالہ، یا تھ

روم، انسانوں یا جانوروں کی گزرگاہ وغیرہ میں) مکروہ ہے۔

نیز ناخن بڑھانے کا شریعت میں کوئی تصور نہیں ہے البتہ ہفتہ میں ایک بار کاٹنا مستحب اور چالیس دن تک کاٹنے میں غفلت یا سستی کرنا مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے، اس کے علاوہ صحت کے لئے بھی مضر ہے۔

ولما فی التنویر مع الدر:(۶/۴۰۵،طبع سعید)

(ویستحب قلم أظافیره)الا لمجاهد فی دار الحرب فیستحب توفیر شاربه وأظفاره(یوم الجمعة)وکونه بعد الصلاة افضل الا اذا اخره الیه تأخیرا فاحشا فیکره لأن من کان ظفره طویلا کان رزقه ضیقاً.

وفی الشامیة:(قوله ویستحب قلم أظفافیره......)فاذا قلم أظافیره أو جز شعره ینبغی أن یدفنه فان رمی به فلا بأس وان ألقاه فی الکنیف أو فی المغتسل کره لأنه یورث داء خانیة.ویدفن أربعة الظفر والشعر وخرقة الحیض والدم عتابیة ط......(الا اذا أخره الیه)أی الیٰ یوم الجمعة بأن طال جدا و اراد تأخیره الیه فیکره.

ولما فی الشامی:(۶/۴۰۷،طبع سعید)

(قوله وکره ترکه)أی تحریما لقول المجتبیٰ ولا عذر فیما وراء الأربعین ویستحق الوعید اھ وفی أبی السعود عن شرح المشارق لابن ملک روی مسلم عن انسؓ بن مالک "وقت لنا فی تقلیم الأظفار وقص الشارب ونتف الابط أن لا نترک أکثر من أربعین لیلة".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۳۳۱

﴿سنی سنائی بات پر کسی کے بارے میں غلط بات کہنا کبیرہ گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد کے امام صاحب کی اہلیہ کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "اس کا فلاں لڑکے کیساتھ غلط تعلق ہے" حالانکہ وہ مکمل پردہ نشین خاتون اور چھ بچوں کی والدہ ہیں، امام صاحب کے بارے میں سب لوگ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ نیک وصالح اور کسی ظاہری غلط کام میں ہرگز ملوث نہیں، اس اعتراض کے بعد امام صاحب نے اپنی اہلیہ کو پہلے سے بھی زیادہ پردے کا اہتمام کرانا شروع کر دیا ہے، نیز انکی اہلیہ بھی اپنے بارے میں ہر طرح کی صفائی پیش کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں امام صاحب کی اقتداء میں نماز کا کیا حکم ہے؟ ایک مولوی

صاحب نے مسجد کے صدر صاحب کے پاس جاکر کہا کہ "تم اپنی آخرت برباد کررہے ہو" کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ برائے مہربانی مدلل فتویٰ عنایت فرمائیں۔ سائل: انتظامیہ مسجد کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ امام صاحب کی اقتداء میں نماز بلا کراہت جائز ہے اور جس مولوی صاحب نے مسجد کے صدر صاحب سے یہ بات کہی ہے کہ "تم اپنی آخرت برباد کررہے ہو" تو ایسی بات علماء کو زیب نہیں دیتی، صرف سنی سنائی باتوں کی وجہ سے کسی مسلمان کی عزت نفس کے خلاف دوسروں کو بدظن کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

بالفرض یہ مولوی صاحب ایسی غلط حرکت کا خود مشاہدہ کرتے تب بھی اخلاص اور خیر خواہی کا تقاضا یہ تھا کہ اکیلے میں امام صاحب کو اس کی خبر دیتے اور برائی کو روکنے میں امام صاحب کی مدد کرتے جبکہ صدر صاحب کے پاس جانا غیبت ہے چغلی ہے اور خود مشاہدہ کئے بغیر ایسی بات کہنا بہتان بھی ہے اگر علماء ایسی تنگ ظرفی کا مظاہرہ کریں تو عام لوگوں سے کیا شکوہ؟ "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"۔

لمافی قوله تعلی:(الحجرات،ایت۱۲) ﴿یاایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم﴾

لمافی قوله تعلی:(سورة الفاطر،ایت۱۹) ولا تزر وازرة وزر اخری......الأیة.

ولمافی التنویر مع الدر:(۱/۵۵۷،طبع سعید)

(والاحق بالامامة) تقديماً بل نصبا مجمع الانهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة.

ولمافی التنویر مع الدر:(۱/۵۵۹،طبع سعید)

(ولو ام قوما وهم له كارهون،ان) الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالامامة منه كره) له ذلك تحريماً لحديث ابی داؤد "لايقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون" (وان هو أحق لا) والكراهة عليهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۰۵۲

﴿کسی جاندار کو آگ میں جلانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مکھیاں مارنے کے لئے ایک مشین لگائی جاتی ہے، اس مشین میں مکھیاں جلتی ہیں اور مشین میں آگ کے شعلے بلند ہوتے

ہیں مکھیوں کے جلنے سے آواز بھی سنائی دیتی ہے، اس سے بدبو بھی پھیلتی ہے نیز مساجد میں بھی اس طرح کی مشین لگائی جاتی ہے، مذکورہ مشین گھروں میں یا مساجد میں لگانے کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ مستفتی: محمد ارشد بیکری والا ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ کسی بھی جاندار کو آگ کے ذریعے جلانا جائز نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کوئی بھی آگ کے ذریعے عذاب نہ دے مگر اللہ ہی دے سکتے ہیں۔

لہٰذا ایسی مشین کے ذریعے مکھیوں کو مارنا جس سے مکھیاں جل جائیں جائز نہیں ہے چاہے یہ مشین گھروں میں ہو یا مساجد میں ہو جبکہ مسجد میں زیادہ سختی سے منع ہے، اس لئے کہ مساجد کو بدبو سے پاک رکھنے کا مستقل حکم ہے، اسلئے تو مسجد میں بدبودار چیز کھا کر آنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

لمافی مرقاۃ شرح المشکوۃ: (۷۰/۸، طبع رشیدیه)

وهو بخلاف شرعنا، فان النبی صلی الله علیه وسلم "قد نهى عن التعذيب النار" وقال " لايعذب بالنار الا الله" فلا يجوز احراق الحيوان بالنار.

ولمافی الهندية: (۳۶۱/۵، طبع رشیدیه) واحراق القمل والعقرب بالنار مكروه.

ولمافی الشامی: (۱۲۹/۴، طبع سعید)

لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما في شرح السير بما اذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة فان تمكنوا فلا يجوز.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹۴

﴿ٹائلوں پر آیات قرآنی اور اللہ ورسول ﷺ کے اسماء لکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میں ٹائلوں پر قرآنی آیات اور اللہ ورسول کے نام لکھنے کا کام کرتا ہوں، شرعی طور پر میرے لئے بطور پیشہ یہ کام کرنا کیسا ہے؟ مستفتی: محمد بلال

﴿جواب﴾ قرآنی آیات دیواروں اور ٹائلوں پر لکھنا پسندیدہ عمل نہیں ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ معذرت کریں تاہم کام کی اجرت لینا حرام نہیں ہے۔

لمافی البحر الرائق: (۱۸۷/۴، طبع سعید)

وليس بمستحسن كتابة القران على المحاريب والجدران لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ وقال في بحث المساجد ويكره أن تكون منقوشة بصور أو كتابة.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۳۸،طبع رشیدیہ)

ومنھا حرمۃ مس المصحف لایجوز لھما وللجنب والمحدث مس المصحف.....ولا یجوز مس شیٔ مکتوب فیہ شئی من القرآن من لوح أو دراھم أو غیر ذلک اذاکانت آیۃ تامۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:سید مزمل شاہ تترخیل

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۲۵۶

﴿جس گھڑی پر سونے کا پانی لگا ہو اس کا استعمال کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ جس گھڑی پر سونے کا پانی لگایا گیا ہو اس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ گھڑی اگر سونے یا چاندی کی ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے، البتہ گھڑی کے کیس یا چین کو سونے کا صرف پانی دیا گیا ہے تو ایسی گھڑی کا پہننا جائز ہے۔

لما فی الھندیۃ:(۵/۳۳۴،طبع رشیدیہ)

(الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضۃ)ولایکرہ لبس ثیاب کتب علیھا بالفضۃ والذھب.وکذلک استعمال کل مموہ لأنہ اذاذوب لایخلص منہ شئ کذافی الینابیع.....اذاکان فی نصل السکین أو فی قبضۃ السیف فضۃ قال أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان أخذ السکین من موضع الفضۃ یکرہ والافلا وقال أبو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ مطلقا وأما التمویہ الذی لایخلص فلا بأس بہ بالاجماع کذافی الکافی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:مزمل شاہ تترخیل

۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۲۳۵

﴿سونے، چاندی کے استعمال میں بالغ ونابالغ کا حکم یکساں ہے﴾

﴿سوال﴾ چھوٹے نابالغ بچوں کو سونا، چاندی لگا ہوا لباس پہنانا جائز ہے یا نہیں؟ یا ان کے لئے گنجائش ہے؟ کیونکہ وہ نابالغ ہیں مستفتی:محمد ریحان

﴿جواب﴾ قرآن وحدیث نے مردوں کے لئے سونا، چاندی کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے خواہ بالغ ہوں یا نابالغ، مردوں کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی کے استعمال کی گنجائش ہے، رہا یہ کہ نابالغ بچے تو غیر مکلف ہیں لیکن پہنانے والے چونکہ مکلف ہیں تو ایسی صورت میں گناہ پہنانے والوں کو ہوگا۔

لما فی الشامی:(۶/۳۵۲،طبع سعید)وفی الھدایۃ:ویکرہ أن یلبس الذکور من الصبیان الذھب والحریر.

ولما فی التنویر مع الشرح:(۶/۳۵۹-۳۶۰،طبع سعید)

(ولا یتحلی)الرجل(بذهب وفضة)مطلقا(إلا بخاتم ومنطقة وحلیة سیف منها)أی الفضة إذا لم یرد به التزین.

ولما فی التنویر مع الشرح:(۶/۳۶۲-۳۶۳،طبع سعید)

(کره إلباس الصبی ذهبا أوحریرا)فإن ماحرم لبسه وشربه حرم إلباسه وإشرابه.

وفی الشامیة:(قوله وکره إلخ)لأن النص حرم الذهب والحریر علی ذکور الأمة بلاقید البلوغ والحریة والإثم علی من ألبسهم لأنا أمرنا بحفظهم ذکره التمرتاشی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:مزمل شاہ

۱۳جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۸۹

﴿ایسے ہوٹل میں کام کرنا جس میں شراب پیش کی جاتی ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بھائی بیرون ملک میں ایک سرکاری ہوٹل میں ملازمت کرتا ہے جس میں شراب پلائی جاتی ہے بلکہ بعض دفعہ شراب کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی اور اس طرح کے دوسرے کام بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں، ایسے ہوٹل میں کام کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ — مستفتی:جان محمد

﴿جواب﴾ ایسے ہوٹل میں کام کرنا فی نفسہ تو جائز ہے لیکن اعانت علی المعصیۃ کے علاوہ ایسے ماحول میں شب وروز کام کرتے ہوئے اس گناہ میں خود بھی مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا معاش کے لئے کوئی دوسرا پاک ذریعہ تلاش کرتے رہیں، جب دوسری کوئی ترتیب بن جائے تو اس کام کو چھوڑ دیں۔

لما فی التنویر مع الشرح:(۶/۳۹۱،طبع سعید)

(وحمل خمر ذمی)بنفسه أودابته(بأجر)لاعصرها لقیام المعصیة بعینه.

وفی الشامیة:قال الزیلعی وهذا عنده وقالا هومکروه "لأنه علیه الصلوة والسلام لعن فی الخمر عشرة وعد منها حاملها" وله أن الإجارة علی الحمل ـــ وإنماتحصل المعصیة بفعل فاعل مختار،ولیس الشرب من ضرورات الحمل،لأن حملها قدیکون للإراقة أوللتخلیل،فصار کما إذا استأجره لعصر العنب أوقطعه والحدیث محمول علی الحمل المقرون بقصد المعصیة ـــ اهـــ ثم قال الزیلعی:وعلی هذا الخلاف لوآجره دابة لینقل علیها الخمر أوآجره نفسه لیرعی له الخنازیر یطیب له الأجر عنده وعندهما یکره.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:مزمل شاہ

۱۹جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۳۱۵

﴿سور کی کھال سے بنے ہوئے جوتے کے کچھ احکامات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل مکمل بوٹ یا بوٹ کا کچھ حصہ سور کی کھال سے بنا ہوا ہوتا ہے، وہ کھال بوٹ کے اندر حصے میں یا باہر حصے میں ہوتی ہے، کھال کا اسٹیکر اندر لگا ہوا ہوتا ہے، ایسے بوٹ کا استعمال اور خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس بوٹ میں گیلا پاؤں ڈالنے سے پاؤں ناپاک ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مکمل بوٹ یا بوٹ کا کچھ حصہ سور کی کھال کا ہو تو اس کا استعمال اور خرید وفروخت ناجائز ہے، اسی طرح صرف اندر کا حصہ یا صرف باہر کا حصہ اس سے بنا ہوا ہے تو بھی اس کا استعمال جائز نہیں اور اگر سور کی کھال کا صرف اسٹیکر لگا ہوا ہے تو خرید وفروخت منع نہیں ہے اور سور کی کھال سے بنے ہوئے بوٹ میں گیلا پاؤں داخل کیا اور کھال نے اپنی خشکی کی وجہ سے پانی اپنی طرف جذب کرلیا تو پاؤں پاک ہے، البتہ معمول سے زیادہ اتنا پانی چرم کو لگا کہ تری چرم سے واپس پاؤں کی طرف بھی منتقل ہوئی تو پاؤں ناپاک ہے۔

لمافی الشامی:(۲۰۵/۱، کتاب الطهارة، باب المياه، طبع سعيد)

والا فان كان نجس العين فلا تطهر شيامنه.

ولمافی التنوير مع الدر:(۲۰۲/۱، طبع سعيد)(خلا) جلد (خنزير فلا يطهر)

وفی الشامية:(قوله فلا يطهر) ای لأنه نجس العين بمعنى ان ذاته بجميع اجزاءه نجسة حيا وميتا.

ولمافی بدائع الصنائع:(۶۳/۱، طبع سعيد)

(واما) الخنزير فقد روى عن ابی حنيفة أنه نجس العين لان الله تعالى وصفه بكونه رجسا فيحرم استعمال شعره وسائر اجزائه الا أنه رخص فی شعره للخرازين للضرورة وروى عن أبی يوسف فی غير رواية الاصول انه كره ذلك ايضا نصا ولا يجوز بيعه فی الروايات كلها.

ولمافی بدائع الصنائع:(۱۴۲/۵، طبع سعيد)

ولا ينعقد بيع جلد الخنزير كيف ما كان لانه نجس العين بجميع اجزائه.

ولمافی البحر الرائق:(۱۰۷/۱، طبع سعيد)

واما الخنزير فشعره وعظمه وجميع اجزائه نجسة ورخص فی شعره للخرازين للضرورة ولا يجوز بيعه فی الروايات كلها، وكذا فی الهداية:(۳۹/۱، طبع رحمانيه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن کوئٹہ

۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر:

﴿گرگٹ اور چھپکلی کو قتل کرنا باعث اجر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے لوگ گرگٹ (جس کو پشتو میں کربوڑے کہتے ہیں) کو دیکھ کر فوراً مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کو پہلے وار میں قتل کرنے پر سو/۱۰۰ نیکیاں ملتی ہیں اور دوسرے میں پچاس اور تیسرے میں پچیس اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اسوقت اس گرگٹ نے آگ سلگانے کے لئے اس میں پھونکیں ماری تھیں یہ وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ جرم تو صرف ایک گرگٹ نے کیا لیکن سزا آج تک اس کی پوری نسل کو ملے۔

اگر یہی بات ہے تو پھر مکڑی نے بھی غار ثور کے دہانے پر آپ ﷺ کی پناہ کے لئے جالا بنایا تھا تو پھر اسکا بدلہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ قیامت تک کسی مکڑی کو نہ مارا جائے حالانکہ علماء گھروں میں موجود مکڑی کو مارنے کا بتاتے ہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا آج کل گھروں میں جو چھپکلیاں پھرتی ہیں وہ بھی گرگٹ کے حکم میں داخل ہیں؟ مستفتی: محمد مدثر کرک

﴿جواب﴾ آپ ﷺ نے گرگٹ کو مارنے کی ترغیب دی ہے اب گرگٹ کو قتل کرنا ہی باعث اجر ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو پہلے وار میں قتل کرے گا، اس کے لئے سو نیکیاں/۱۰۰ ہیں اور جو دوسرے وار میں مارے گا اس کے لئے اس سے کم اور تیسرے میں اس سے کم اور ابوداؤد شریف میں پہلی مرتبہ میں قتل کرنے پر ستر/۷۰ نیکیوں کا ذکر ہے سب کا حاصل اسکے قتل کرنے کی ترغیب ہے اور لوگوں میں جو قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور ہے صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب لینا مشکل ہے کہ صرف اسی وجہ سے آج کل کے گرگٹ کو بھی قتل کرنے کا حکم ہو چونکہ یہ موذی چیز ہے اس کی خصلت اور جبلت میں شر اور ضرر ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قتل کا حکم اسی وجہ سے فرمایا ہو اور من جملہ شر اور ضرر میں سے نمرود کی آگ کو تیز کرنے کے لئے اس کا پھونکے مارنا بھی ہے شاید آپ ﷺ کا بھی اس قصہ کو بیان کرنے کا مقصد اس کی خباثت کو ظاہر کرنا ہو، گھروں میں جو چھپکلیاں پائی جاتی ہیں یہ بھی گرگٹ کی ایک قسم ہے اس کو بھی مارنے کا حکم ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم: (۲/۲۳۶، طبع قدیمی)

من قتل وزغافی اول ضربة کتبت له مائة حسنة وفی الثانیة دون ذالک وفی الثالثة دون ذلک۔

ولما فی سنن ابی داؤد:(۳۴۳/۲-۳۴۴،طبع رحمانیہ)

عن عامر بن سعدؓ عن ابیه قال:امر رسول اللہ ﷺ بقتل الوزغ وسماه فویسقا.....عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ انه قال فی اول ضربة سبعین حسنة.

ولما فی تکملة فتح الملهم:(۲۰۰/۴،طبع دار العلوم کراچی)

وقد اورد المصنف هذا الحديث هنا مختصراً وزاد البخاری فی الانبياء،وقال(ای رسول الله ﷺ)کان ینفخ علیٰ ابراهیم علیه السلام وتفصیله ما اخرجه ابن ماجة فی الصید (رقم ۳۲۳۱)باسناد صحیح عن سائبة مولاة الفاکه بن المغیرة انها دخلت علیٰ عائشةؓ فرأت فی بیتها رمحاً موضوعاً فقالت یاام المؤمنین ماتصنعین بهذا؟قالت: نقتل به الاوزاغ فان نبی الله ﷺ اخبرنا ان ابراهیم علیه السلام لما ألقی فی النار لم تکن فی الارض دابة الا اطفأت النار غیر الوزغ فانها کانت تنفخ علیه فامر رسول الله بقتله قال شیخ الاسلام مولانا محمد تقی العثمانی:والذی یظهرلی "والله اعلم"ان النبی ﷺ انما بین هذه القصة لبیان خبث طبعه ودناءة جبلته وانما السبب بقتله هو کونه مؤذیاً،والا فالظاهر ان ما فعلته وزغات عهد ابراهیم ﷺ لایعاقب به وزغات هذا الزمان فالسبب الاصلی فی الامر بقتله هو ایذاءه واعتدائه ومن جملته ما فعل ابناء جنسه لسیدنا ابراهیم علیه السلام.

ولما فی تکملة فتح الملهم:(۲۰۲/۴،طبع دار العلوم کراچی)

قوله کتبت له مائة حسنة.....فی اول ضربة سبعین حسنة.....وهذه الاجوبة کلها فیها نظر لان الحدیث واحد والصحابی واحد والاختلاف انما نشأ فیما بین الذین رووه عن ابی هریرةؓ فلعل اباهریرةؓ انما ذکر احد العددین وحمله بعض الرواة علی التکثیر لاعلی التحدید فاستعمل للتکثیر عدداً آخر عند روایته بالمعنیٰ والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب:خالدالرحمٰن کرکی
۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر:۲۳۸۷

﴿پھلوں کی زیادتی یا عمدگی کے لئے درختوں میں پیوندکاری درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں لوگ پھلوں کی زیادتی اور عمدگی کے لئے درختوں میں پیوندکاری کرتے ہیں کبھی آڑو کے درخت میں سیب کی قلم کو کبھی خوبانی کے درخت میں ناشپاتی کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے،اس کے نتیجے میں وہ درخت بھی عمدہ پھل دینا شروع کردیتے ہیں جو سرے سے پھل نہیں دیتے بلکہ صرف لکڑی کے لئے خاص ہیں،ان میں پھل دار درخت کا پیوند لگانا کیسا ہے؟

اس عمل پر بعض حضرات نے نکیر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تغییر فی خلق اللہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، کیاان کا کہنادرست ہے؟ اگرنہیں تو شریعت مطہرہ میں اسکے جواز پر کیادلیل ہے؟ واضح رہے کہ ان حضرات کا نکیر کرنا اس عمل کے نتیجے میں لکڑی کے حصول میں کمی ہونے پر مبنی نہیں۔

﴿جواب﴾ پھلوں کے درختوں میں ایسی پیوندکاری کرنا جو پھلوں کی عمدگی اور زیادتی کا سبب ہو (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) بلاشبہ جائز ہے خود نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو ایسی پیوندکاری کی اجازت دی ہے۔

لمافی المشکوٰۃ:(۱/۲۷-۲۸،طبع سعید)

عن رافع بن خديج قال قدم نبي الله ﷺ المدينة وهم يأبرون النخل فقال ماتصنعون قالوا كنا نصنعه قال لعلكم لولم تفعلوا كان خيرا فتركوه فنقصت قال فذكروه ذلك له فقال انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من امر دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشئ من رأيي فانما انا بشر رواه مسلم.

ولمافی المرقاۃ:(۱/۲۴۵،طبع رشیدیہ)

اى يجعلون الذكر فى الانثى......والتابير الاصلاح والمعنى يشققون طلع الاناث ويذرون فيه طلع الذكر ليجئ ثمره جيدا اذ النخلة خلقت من فضلة طينة آدم عليه السلام على ما ورد فلا بد عادة في صلاح نتاجها من اجتماع طلع الذكر مع طلع الانثى......وفي المصابيح فقال عليه السلام "انتم اعلم منى بأمور دنياكم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۵۳

﴿شوقیہ نوکری کرنے والی عورت کی کمائی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ایسی عورت کی کمائی کے بارے میں کہ جو شوقیہ نوکری کرتی ہے اور پردہ وغیرہ کا اہتمام بھی نہیں کرتی، مزید یہ کہ جس ادارے میں وہ کام کرتی ہے وہ ادارہ ایک ایسا رسالہ چھاپتا ہے، جس میں انتہائی بیہودہ اور نیم عریاں عورتوں کی تصاویر ہوتی ہیں، کیا ایسی عورت کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو مندرجہ بالا وجوہ میں سے کون سی وجہ سے حرام ہے؟ بینوا توجروا۔　　　مستفتی: مجتبیٰ طارق

﴿جواب﴾ دین اسلام میں مرد اور عورت ہر ایک کی الگ الگ ذمہ داری ہے عورت کے حصہ گھر کے کام کاج اور بچوں کی تربیت ہے جبکہ مرد کے ذمہ باہر کے کام اور روزی کا انتظام ہے

اسی لئے اللہ رب العزت نے بیوی کا نان ونفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب قرار دیا ہے اور بیوی کو بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے کو منع فرمایا ہے۔

لہٰذا یہ عورت اگر شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر ضروری خرچ کا بندوبست کررہا ہے تو اس عورت کی نوکری شوقیہ تصور ہوگی اور کسی طرح جائز نہ ہوگی، اس سے حاصل ہونے والی کمائی حرام اگرچہ نہیں ہے لیکن پاک وطیب بھی نہیں ہے، اس عورت کی کمائی میں مذکورہ ہر ایک وجہ سے خباثت آرہی ہے۔

لمافی قولہ تعالی:(سورۃ الاحزاب،ایت۳۳)﴿وقرن فی بیوتکن﴾

ولمافی روح المعانی:(۲۵۵/۲۲،طبع رشیدیہ)

عن ابن مسعود قال النبی ﷺ"ان المراۃ عورۃ فاذا خرجت من بیتہا استشرفہا الشیطان واقرب ماتکون من رحمۃ ربہا وھی فی قعر بیتہا".

ولمافی البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ:(۳۱/۵،طبع رشیدیہ)

وان استاجرہ لیکتب لہ غناء بالفارسیۃ اوبالعربیۃ قیل لایحل الاجر والمختار انہ یحل لان المعصیۃ فی القراۃ.

ولمافی الولوالجیۃ:(۳۸۷/۳،طبع فاروقیہ پشاور)

ولواستاجر رجلا لیکتب لہ غناء،اولیبنی بیعۃ اوکنیسۃ اوامۃ اجرتہ امراۃ لیکتب لہا کتابا الی حبیبہا،اواستاجرہ لینحت لہ طنبورا،اوبربطا تجب الاجر ویطیب لہ ذلک الاانہ أثم بذلک،لانہ اعانۃ علی المعصیۃ.

ولمافی الفقہ الاسلامی وادلتہ:(۳۸۱۷/۵،طبع رشیدیہ)

اماالاستئجار لکتابۃ الغناء والنوح فیجوز عند الحنفیۃ قطعا لان الممنوع عنہ نفس الغناء والنوح لاکتابتہما.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب:محمد حامد عبدالمتین

۱۱صفرالخیر ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر:۲۵۰۶

﴿سگریٹ کی خرید وفروخت اور اس کے منافع سے کی ہوئی دعوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سگریٹ کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے، اس کا یہ کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس کے گھر کا کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

مستفتی:محمد نعیم قائدآباد

﴿جواب﴾ سگریٹ نشہ آور نہیں ہے اگرچہ مضر صحت ہے، اس لئے اس کا استعمال مکروہ

ہے چونکہ اس کے عادی لوگوں کے لئے ایک ضرورت کی چیز بن جاتی ہے، اس لئے اس کا کاروبار جائز ہے اور اس کا کاروبار کرنے والوں کی دعوت قبول کرنا بھی جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۶/۴۶۰،طبع سعید)

وفی الاشباه فی قاعدة:الأصل الاباحة أو التوقف..... والنبات المجهول سمته اه.قلت: فيفهم منه حكم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبه.

وفی الشامية:(قوله الأصل الاباحة أو التوقف)المختار الأول عند الجمهور من الحنفية والشافعية كما صرح به المحقق ابن الهمام فی تحرير الأصول(قوله فيفهم منه حكم النبات)وهو الاباحة على المختار أو التوقف.وفيه اشارة الى عدم تسليم اسكاره وتفتيره واضراره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی خان

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۶۳۷

﴿غیر مسلم شخص کے لئے قرآن کریم کو بلا حائل چھونا ممنوع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے سکولوں میں اسلامیات کی کتاب لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے جس میں سورتیں اور ترجمہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور پھر طلباء میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے ہوتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ غیر مسلم طلباء کو پڑھنے کے لئے قاعدہ یا پارہ دینا اور ان کو پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: سکول ہیڈ ماسٹر کمالیہ پنجاب

﴿جواب﴾ مسلمان بالغ کے لئے بغیر وضوء کے قرآن یا آیت کریمہ کو چھونا بغیر حائل کے جائز نہیں ہے اور نابالغ بچوں کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ وضوء میں ہوں جبکہ ان کے لئے بغیر وضوء کے بھی چھونا جائز ہے کیونکہ یہ مکلف نہیں ہیں اور یہی حکم غیر مسلم نابالغ بچوں کا بھی ہے۔

البتہ غیر مسلم بالغ کے لئے قرآن یا آیت کریمہ کو بلا حائل چھونا ممنوع ہے لیکن قرآنی تعلیمات ان کو سکھانا بلا شبہ جائز ہے، اساتذہ کرام ایسے شاگردوں کو قرآن کریم وغیرہ کپڑے کے توسط سے ہاتھ لگانے کی تاکید کریں۔

لمافی الطحطاوی علی الدر:(۱/۱۰۰،طبع رشیدیه)

قوله ويمنع النصرانی من مسه لوقال يمنع الكافر لكان اولی اذالنصرانی ليس بقيد فيمايظهر والضمير فی مسه يرجع للمصحف مطلقا كما هو فی نسخة.

وهكذافی الشامی:(۱/۱۷۷،طبع سعید)

ولمافی الفتاوی القاضی خان:(۳۲۱/۳،طبع قدیمی)

کافر من اهل الذمة او من اهل الحرب طلب من مسلم ان یعلمه القرآن والفقه قالوا لابأس بان یعلمه القرآن والفقه فی الدین لانه عسی ان یهتدی الی الاسلام فیسلم الا ان الکافر لایمس المصحف.

ولمافی الفتاوی التاتارخانیة:(۳۶۶/۱،طبع قدیمی)

النصرانی اذا تعلم القرآن ای اذا اراد تعلم القرآن یعلمه ویفهمه کذلک لانه عسی یهتدی لکن لایمس المصحف وان اغتسل ثم مسه لابأس به.

ولمافی التنویر مع الدر:(۱۷۳/۱،طبع سعید)

(ولا) یکره (مس صبی لمصحف ولوح) ولابأس بدفعه الیه وطلبه منه للضرورة، اذ الحفظ فی الصغر کالنقش فی الحجر.

وفی الشامیة:فیه ان الصبی غیر مکلف ......(قوله للضرورة)لان فی تکلیف الصبیان وامرهم بالوضوء حرجابهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی عفی عنہ

یکم رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۷۳۰

﴿شوہر کو مطیع کرنے کے لئے تعویذ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ میرے پاس تعویذ وغیرہ لینے آتے ہیں، بعض مرتبہ عورتیں اپنے مرد کو اپنا مطیع کرنے کا تعویذ لینے آتی ہیں، کیا یہ تعویذ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض مرتبہ ایسے تعویذ دیتا ہوں جو کہ آیات قرآنی کے علاوہ ہوتے ہیں، کیا ان کا دینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ قرآنی آیات، مسنون کلمات سے تعویذ تیار کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ دیگر کلمات سے بھی تعویذ تیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کا مفہوم معلوم ہو، شیاطین سے استعانت یا شرکیہ کلمات نہ ہوں اور ہر جائز مقصد کے لئے دے سکتے ہیں، میاں بیوی کی محبت کے لئے بھی دے سکتے ہیں۔

لیکن تعویذات کے نام سے موجودہ دور کے جعلی عاملوں نے تو باقاعدہ ایک دھندا بنایا ہوا ہے، سادہ لوح مسلمان تو تعویذ کی عقیدت سے ان کے پاس جاتے ہیں لیکن ایک بار جو بھی گیا، ان کے پاس تو نفسیاتی مریض بنے بغیر شائد کوئی رہا ہو، جسمانی مریض ہو یا تکوینی حالات ہر

ایک کو باور کرواتے ہیں کہ جادو ہے، بندش ہے، قریبی رشتہ داروں نے کوئی سفلی عمل کیا ہے، یا جنات کے لپیٹے میں آیا ہوا ہے۔

وہ شخص پہلے سے پریشان تو ہے اب مزید بدگمانی کا شکار ہوجاتا ہے، قریبی ہمدردوں کو بھی دشمن سمجھنے لگتا ہے، ہر ایک پر شک کرتا ہے، یہاں تک کہ صرف اسی شک کی بنیاد پر بے گناہ کو قتل بھی کردیتے ہیں، اس طرح کے واقعات ہمارے علم میں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جادو ہے، جنات ہیں ان کے اثرات بھی ہیں لیکن مشاہدہ میں آنے والی چیزیں تو ہیں نہیں، اس لئے ان کے اثرات سے یہ شخص متاثر ہے یا نہیں؟ اس بارے میں یقینی بات کہنا تو قطعاً غلط ہے، زیادہ سے زیادہ ایک اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ صفت بھی بہت کم لوگوں کو حاصل ہے، جن کو حاصل ہے وہ عامل نہیں سمجھے جاتے اور نہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمیں عامل سمجھا جائے، اس لئے کہ وہ دھندہ کے طور پر کام نہیں کرتے اور جو دھندہ کے طور پر کام کرتے ہیں وہ اپنی دوکانداری کو چمکانے کے لئے جھوٹ، سچ کا سہارا لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ بدنظری، غیر محرم عورتوں کیساتھ بے تکلفانہ باتیں وغیرہ مستقل گناہ کے کام ہیں، اس لئے دینی طبقہ کو اس کام سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہیں، شروع میں جذبات اچھے ہوں، برائی اور جھوٹ سے اگرچہ انسان دور ہوتا ہے لیکن اس کام میں تھوڑی سی شہرت ملنے کے بعد بڑا مشکل ہے کہ انسان بڑے بڑے گناہوں سے بچ سکے۔

لمافی تکملہ فتح الملہم:(۲۱۸/۴،طبع دارالعلوم کراچی)

فدل هذاالحديث صراحة على ان الرقيه الممنوعةفى الحديث انماهى رقيةاهل الشرك التى يستمدون فيهابالشياطين وغيرهاأماالرقيةالتى لاشرك فيهافانها مباحة.

ولمافی الشامی:(۳۶۳/۶،طبع سعید)

ولاباس بالمعاذات اذاكتب فيهاالقرآن،اواسماء الله تعالى،ويقال رقاه الراقى رقياورقية اذاعوذه ونفث فى عوذته......واماماكان من القرآن اوشئ من الدعوات فلاباس به اه.

ولمافی الشامی:(۴۲/۱،طبع سعید)

وفيه انه وردفى الحديث النهى عن التولةبوزن عنبة،وهى مايفعل ليحبب المراةالى زوجهااه.

ولمافی الشامی:(۴۲۹/۶،طبع سعید)

قال فى الخانية:امرلةتصنع آيات التعويذليحبهازوجهابعدماكان يبغضهاذكرفى

الجامع الصغير: ان ذلك حرام ولا يحل اه وذكر ابن وهبان في توجيهه انه ضرب من السحر و السحر حرام اه ط ومقتضاه انه ليس مجرد كتابة آيات، بل فيه شيئ زائد قال الزيلعي: وعن ابن مسعودؓ انه قال سمعت رسول اللهﷺ يقول: "ان الرقى والتمائم و التولة شرك) رواه ابو دوود وابن ماجه.

والتولة اى بوزن عنبة ضرب من السحر قال الاصمعي وهو تحبيب المرأة الى زوجها، و عن عروة بن مالكؓ انه قال: كنا في الجاهلية نرقي فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك؟ فقال (اعرضوا على رقاكم لا باس بالرقى مالم يكن فيها شرك) رواه مسلم و ابو داود وتمامه فيه وقدمنا شيئا من ذلك قبيل فصل النظر وبه اندفع تنظير ابن الشحنة في كون التعويذ ضربا من السحر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ | فتویٰ نمبر: ۲۶۹۷

﴿کنونیشنل سودی بینک کے ساتھ معاملات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کوئی شخص یا ادارہ اپنی تیار کردہ حلال مصنوعات (منرل واٹر) وغیرہ سودی بینک کو فروخت کرنا چاہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو اپنے استعمال میں لانا چاہے تو شرعاً اس فروختگی اور آمدنی کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ذیشان احمد خان پی اینڈ ٹی سوسایٹی کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ سودی بینک کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا فی نفسہ جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام نہیں ہے، اس لئے کہ سودی بینک کے پاس عام لوگوں کی جو رقوم جمع ہوتی ہیں، وہ تمام رقوم بینک کے ذمہ قرض ہوتی ہیں اور سود کی آمدن ان تمام رقوم کے مقابلہ میں غالب نہیں اور خود بینک والوں کے لئے اور فروخت کرنے والے کے لئے سودی رقم اور غیر سودی رقم میں تمیز مشکل ہے، لہٰذا حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ سودی بینک والوں سے معاملہ نہ کرے۔

لمافی الشامی: (۹۹/۵، طبع سعید)

ان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن ديانة التنزه عنه.

ولمافی الشامی: (۲۳۵/۵، طبع سعید)

(قوله اكتسب حراما الخ) توضيح المسئالة مافي التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه:..... أواشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها

اواشتری مطلقاودفع تلک الدراھم،اواشتری بدراھم اخرودفع تلک الدراھم— وقال الکرخی فی الوجہ الاول والثانی لایطیب وفی الثلاث الاخیرۃ یطیب وقال ابوبکر: لایطیب فی الکل لکن الفتوی الان علی قول الکرخی دفعاللحرج عن الناس اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب

یکم صفر ۱۴۳۱ھ   فتویٰ نمبر: ۲۳۰۶

﴿ورثاء کے لئے سودی رقم حلال نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ترکہ میں سودی بینک سے لی گئی سودی رقم بھی موجود ہو اور ورثاء کو اس کے بارے میں علم بھی ہو تو اس ترکہ میں سے ورثاء کے حصہ میں جو حرام سودی رقم آئی ہو اس کو استعمال میں لانا شرعا درست ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرماکر مشکور وممنون فرمائیں۔   مستفتی: محمد طیب اورنگی ٹاؤن

﴿جواب﴾ سودی رقم چونکہ مال حرام ہے اور ورثاء کو اس مال حرام کی مقدار کے بارے میں علم بھی ہے، لہٰذا ان کے حق میں سودی رقم کو استعمال میں لانا شرعا جائز نہیں ہے بلکہ ان کو چاہیے کہ ہر ایک کے حصہ میں جتنی سودی رقم آئی ہو اتنی ہی رقم مساکین پر صدقہ کردیں اور باقی رقم ورثاء اپنے استعمال میں لائیں۔

ولمافی الشامی:(۹۹/۵،طبع سعید)

والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم ،والافان علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالامختلطامجتمعامن الحرام ولایعلم اربابہ ولاشیئامنہ بعینہ حل لہ حکما،والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ.

ولمافی الدرمع الرد:(۳۸۵/۶-۳۸۶،طبع سعید)

وعلی ھذا لومات مسلم وترک ثمن خمرباعہ مسلم لایحل لورثتہ کمابسطہ الزیلعی و فی الاشباہ الحرمۃ تنتقل مع العلم الا للوارث الااذاعلم ربہ......قلت:ومرفی البیع الفاسد لکن فی المجتبی مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لاناخذبھذہ الروایۃ وھوحرام مطلقا علی الورثۃفتنبہ.......وفی الشامیۃ:(قولہ الااذاعلم ربہ)ای رب المال فیجب علی الوارث ردہ علی صاحبہ (قولہ وھوحرام مطلقاعلی الورثۃ)ای سواء علمواربابہ اولا فان علمواربابہ ردوہ علیھم،والاتصدقوابہ کماقدمناہ آنفا عن الزیلعی......أقول:ولایشکل ذلک بماقدمناہ آنفاعن الذخیرۃ والخانیۃ لان الطعام أوالکسوۃ لیس عین المال الحرام فانہ اذااشتری بہ شیئایحل أکلہ علی تفصیل تقدم

فی کتاب الغصب بخلاف ماترکه میراثافانه عین المال الحرام وان ملکه بالقبض والخلط عند الامام فانه لایحل له التصرف فیه قبل اداء ضمانه،وکذالوارثه ثم الظاهران حرمته علی الورثة فی الدیانة لا الحکم فلایجوزلوصی القاصرالتصدق به ویضمنه القاصر اذابلغ تامل.(قوله فتنبه)اشاربه الی ضعف مافی الاشباه ط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۱۰جمادی الثانی۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۲۵

﴿بچوں کو قضاءحاجت کے لئے قبلہ رخ بٹھانا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چھوٹے بچوں کو جب پیشاب وغیرہ کی حاجت پیش آتی ہے تو بعض اوقات عورتیں ان بچوں کو قضاء حاجت کے لئے قبلہ کی جانب رخ کرکے بٹھادیتی ہیں عورتوں کے لئے بچوں کو قضاء حاجت کے لئے قبلہ کے رخ پر بٹھانا شرعادرست ہے یانہیں؟ حالانکہ قضاء حاجت کے دوران قبلہ کی جانب رخ کرنایا پشت کرنا ممنوع ہے۔براہ کرم رہنمائی فرماکرمشکور فرمائیں۔

مستفتی:امان اللہ کرک

﴿جواب﴾ قضاء حاجت کے دوران قبلہ کی جانب رخ کرنا یاپشت کرنا دونوں شرعاممنوع ہیں،فقہاء کرام نے اس کو مکروہ تحریمی لکھاہےاور شریعت میں جو عمل بڑوں کے لئے ممنوع ہے تو بڑوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسے عمل سے بازرکھیں،لہٰذاصورت مسئولہ میں عورتوں کا یہ فعل غلط ہے،قضاء حاجت کے لئے بچوں کو ایسی سمت میں بٹھائیں کہ نہ تو قبلہ کی طرف ان کا چہرہ ہو اورنہ ہی پشت ورنہ وہ گنہگار ہونگی اور بچوں پر بھی برا اثر پڑے گا۔

لمافی الاشباه والنظائر:(ص۲۸۱،طبع قدیمی)

ماحرم علی البالغ فعله حرم علیه فعله لولده الصغیر،فلایجوزأن یسقیه خمراولاان یلبسه حریرا......ولااجلاس الصغیرلغائط أوبول مستقبلااومستدبرا.

ولمافی التنویرمع الدر:(۳۴۲/۱،طبع سعید)

(وکذایکره)هذه نعم التحریمیة والتنزیهیة(للمرأةامساك الصغیرلبول أوغائط نحو القبلة)

وفی الشامیة:ای بخلاف کراهیةالاستقبال والاستدبارفانهاتحریمیة کمانص علیه أولا ......(قوله امساك صغیر)هذه الکراهةتحریمیةلانه قدوجدالفعل من المرأةط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۲۹ربیع الثانی۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۲۳

﴿افیون کے استعمال اور خرید فروخت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ افیون کا استعمال اور خرید وفروخت مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: سعید عثمان کوہستانی

﴿جواب﴾ افیون کا استعمال بقدر نشہ حرام ہے اور اس سے کم حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے، دواؤں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے بیع بھی جائز ہے، البتہ جو چیز صرف نشہ کے لئے استعمال ہوتی ہو مثلاً ہیروین تو اسکا کاروبار بھی جائز نہیں ہے لیکن افیون کا استعمال دونوں طرح ہوتا ہے، اس لئے کاروبار جائز ہے۔

لمافی التنویر مع الرد:(۶/۴۵۷-۴۵۸،طبع سعید)

(ویحرم أکل البنج والحشیشة والأفیون لکن دون حرمة الخمر الخ)......وفی الشامیة:بل الصواب أن مرادصاحب الهدایة وغیره اباحة قلیله للتداوی ونحوه ومن صرح بحرمته أراد به القدر المسکر منه......من غاب عقله بالبنج والأفیون یقع طلاقه اذااستعمله للهوواد خال الأفات قصدالکونه معصیة،وان کان للتداوی فلالعدمها،کذافی فتح القدیر،وهوصریح فی حرمة البنج والأفیون لاللدواء،وفی البزازیة:والتعلیل ینادی بحرمته لاللدواء،اه کلام البحر.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۴۵۳،طبع سعید)

(وصح بیع غیرالخمر)ممامر،ومفاده صحة بیع الحشیشة والأفیون......وفی الشامیة:(قوله وصح بیع غیرالخمر)ای عنده خلافالهمافی البیع والضمان......ثم ان البیع وان صح لکنه یکره کمافی الغایة......الخ.

واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتوی نمبر: ۲۶۳۰

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

﴿جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس جائے نماز پر خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کی تصویر منقش ہو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان تصاویر پر نماز پڑھنے سے خانہ کعبہ کی تعظیم کوئی فرق تو نہیں آتا؟

﴿جواب﴾ غیر جاندار چیزوں کی تصویر شرعاً منع نہیں ہے لہٰذا جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے بھی خلاف نہیں ہے، خانہ کعبہ کے اندر بھی

نماز پڑھی جاتی ہے، جب وہ تعظیم میں کے منافی نہیں تو تصویر والی جائے نماز پر نماز پڑھنا بھی تعظیم کے منافی نہیں ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۶۴۹،طبع سعید)(أو لغیر ذی روح لا)یکرہ لأنہا لاتعبد.

وفی الشامیۃ:(قولہ لأنہا لاتعبد)ای ہذہ المذکورات وحینئذ فلایحصل التشبہ.

ولمافی حلبی الکبیر:(ص۳۱۲،طبع نعمانیہ)

وأما صورۃ غیر ذی الروح فلاخلاف فی عدم کراہۃ الصلاۃ علیہا أو الیہا.

ولمافی التاتارخانیۃ:(۱/۴۳۵،طبع قدیمی)

ولو صلی فی جوف الکعبۃ أو علی سطحہا جاز الی ای جہۃ توجہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

۷ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۲۸۹

﴿مونوگرام پر لکھے مقدس نام کے ساتھ بیت الخلاء جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے مدرسہ کے یونیفارم پر جو مونوگرام ہے، اس پر مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ لکھا ہوا ہے، کیا ایسے یونیفارم پہن کر طلباء بیت الخلاء جاسکتے ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیکر رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعوتِ حق کی پہلی تائید اور نصرت کرنے والی خاتون ہیں اور پوری امت مسلمہ کی پہلی ماں ہیں جن کے مقدس نام کا احترام بلاشبہ لازم ہے، بیت الخلاء اور ناپاک جگہوں میں اس طرح کے مقدس نام کھلے طور پر لے جانا ادب واحترام کے منافی ہے اور بار بار کپڑے وغیرہ کے ذریعہ ڈھانپنا بچوں کی بس کی بات نہیں ہے۔

اس لئے ایسے مونوگرام جس میں واضح طور پر مدرسہ یا خدیجۃ الکبریٰ لکھا ہوا ہو جیبوں پر چسپاں کرنا غلط ہے، اول تو دینی مدارس کے طلباء وطالبات کے لئے مونوگراموں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا کوئی طریقہ نہیں تھا اگر شوق ہو تو کسی پھول وغیرہ کا مونوگرام بنا کر لگائیں۔

لمافی مجمع الأنہر:(۴/۴۳،طبع المنار کوئٹہ)

وکذا دخول الخلاء وفی اصبعہ خاتم فیہ شیٔ من القرآن أو من أسمائہ تعالی لمافیہ من ترک التعظیم وقیل لایکرہ ان جعل فصہ الی باطن الکف،ولو کان مافیہ شیٔ من القرآن أو من اسمائہ تعالیٰ فی جیبہ لاباس بہ وکذا لو کان ملفوفا فی شئ لکن التحرز أولی.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص ۳۰،طبع قدیمی)

(ویکرہ الدخول للخلاء ومعہ شئ مکتوب الخ)......ثم محل الکراھۃان لم یکن مستوراً فان کان فی جیبہ فانہ حینئذلاباس بہ وفی القھستانی عن المنیۃ:الأفضل أن لایدخل الخلاء وفی کمہ مصحف الااذااضطرونرجوأن لایاثم بلااضطرار.

ولما فی الفقہ الاسلامی وأدلتہ:(۱/۳۵۵،طبع رشیدیہ)

ألایحمل مکتوباذکراسم اللہ علیہ، أوکل اسم معظم کالملائکۃوالعزیزوالکریم و محمد وأحمد،لماروی انس(رضی اللہ عنہ)"أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ"(رواہ ابن ماجۃوأبوداؤد)وکان فیہ:محمدرسول اللہ،فان احتفظ بہ،واحترزعلیہ من السقوط فلاباس.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب لغمانی عفااللہ عنہ

۳رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۳۴

﴿شاگردکوسزااورتعزیردینے کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں اکثر قراء حضرات طلباء کوکسی شرارت پر یا سبق یاد نہ کرنے پر بہت مارتے ہیں تواستادکوشاگرد مارنے کی کس حدتک اجازت ہے؟

مستفتی:محمد اشتیاق صوابی

﴿جواب﴾ جس طرح والدکواپنی اولادکی تربیت ومصلحت کی خاطر سزادینے کاحق حاصل ہے،اسی طرح استادکوبھی حاصل ہے،تاہم اس کی کھلی اجازت نہیں ہے بلکہ شریعت نے کچھ حدود مقرر کیے ہیں،انہی حدودمیں رہتے ہوئے اس کی گنجائش ہے۔

(۱)محض خیرخواہی جذبہ ہوغصہ نکالنا جائزنہیں ہے بلکہ غصہ محسوس کرے تواس وقت نہ مارے انتظارکرے جب غصہ کی کیفیت مکمل دورہوتواس وقت ضرورت سمجھے توسزادے۔ (۲)چہرے پراورنازک جگہوں پرمارنا جائزنہیں ہے۔(۳)تین ضربوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔(۴)ایسا ضرب جس سے زخم یا جسم پرنشان پڑجائے جائزنہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۴/۷۸،طبع سعید)

ولوامرغیرہ بضرب عبدہ حل للمامورضربہ بخلاف الحرقال:فھذاتنصیص علی عدم جوازضرب ولدالآمربامرہ،بخلاف المعلم لان المامورضربہ نیابۃعن الاب لمصلحتہ والمعلم یضربہ بحکم الملک بتملیک ابیہ لمصلحۃالولد اہ وھذااذالم یکن الضرب فاحشاکمایاتی فی المتن قریبا.

ولمافی الشامی:(۱/۳۵۲،طبع سعید)

(قوله بيد)اى ولايجاوزالثلاث،وكذلك المعلم ليس له ان يجاوزهاقال عليه السلام لمرداس المعلم "اياك ان تضرب فوق الثلاث،فانك اذاضربت فوق الثلاث اقتص الله منك"اه.

ولمافی البحرالرائق:(۵/۴۹،طبع سعید)

قال رضى الله عنه فهذاتنصيص على عدم جوازالضرب ولدالآمربامره بخلاف المعلم لان المامور يضربه نيابةعن الاب لمصلحته والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك ابيه لمصلحةالولد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

۵ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۵۶۹

﴿داماد کا اپنی ساس سے گلے ملنا، بوسہ لینا اور خدمت بدنیہ کرنا خطرناک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام کہ (۱) داماد کا اپنی ساس سے گلے ملنا، بوسہ لینا اور خدمت بدنیہ کرنا (ہاتھ، پاؤں دبانا) شرعاً کیسا ہے؟ (۲) اور سسر کا اپنی بہو کو گلے سے لگانا، بوسہ دینا اور خدمت بدنیہ لینا (ہاتھ پاؤں دبوانے) کا کیا حکم ہے؟　　مستفتی:طالب حسین

﴿جواب﴾ شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، ایسا کرنے سے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی شہوت اگر آگئی تو اس کی اپنی اس بیوی (ساس کی بیٹی) سے فرقت دائمی واقع ہو جائے گی۔

(۲) سسر کے لئے بھی یہی حکم ہے یعنی ایسا کرتے ہوئے بہو کو یا خود سسر کو خدانخواستہ اگر شہوت آگئی تو بیٹے پر یہ بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، سسر ایسی خدمت بیٹے سے لیتا رہے، بہو سے ایسی خدمت لینا خطرناک ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۳/۳۲-۳۵،طبع سعید)(قبل ام امرأته حرمت)عليه (امرأته.....)

وفى الشامية:قال فى الذخيرةواذاقبلهااولمسهاأونظرالى فرجهاثم قال لم يكن عن شهوةذكرصدرالشهيدانه فى القبلةيفتى بالحرمة،مالم يتبين انه بالشهوة .....لان الاصل فى التقبيل الشهوةبخلاف المس والنظر.وكذافى المحيط البرهانى:(۴/۸۹،طبع ادارةالقرآن)وفيه ايضا:(۴/۹۲،طبع ادارةالقرآن)وكذافى البحر:(۳/۱۰۰،طبع سعيد)وكذافى الفتاوى الولوالجية:(۱/۳۵۸،طبع فاروقيه پشاور)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب کان اللہ لہ

۴جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۶۵۹

﴿غیر حاضری پر جرمانہ اور چندے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حفظ وناظرہ کے طلباء سے غیر حاضری پر جرمانہ لینا اور طلباء کی ضروریات میں خرچ کرنا اور اس طرح بچوں سے ہفتہ وار چندہ لینا جبکہ پیسوں کی آمد کی اور کوئی صورت نہ ہو تا کہ طلباء کے ضروریات میں خرچ کیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: محمد نواز صوابی

﴿جواب﴾ مالی جرمانہ شرعاً جائز نہیں ہے اگر زجر وتنبیہ کے واسطے جرمانہ لیا ہے تو بعد میں واپس کردے کسی اور مصرف میں اس رقم کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ہفتہ وار طلباء سے چندہ جس کام کے لئے لیا جاتا ہے، اسی کام میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ وہ خوشی سے دیں یا پہلے سے معاہدہ میں ہو۔

لمافی الشامی:(۶۱/۴-۶۲،طبع سعید)

(قوله لاباخذمال فی المذهب)قال فی الفتح:عن ابی یوسف یجوزالتعزیرللسلطان باخذالمال،وعندهما وباقی الائمة لایجوزاه ومثله فی المعراج وظاهره ان ذلک روایة ضعیفة عن ابی یوسف،قال فی شرنبلالیة:ولایفتی بهذالمافیه من تسلیط الظلمة علی اخذمال الناس فیاکلونه اه ..... وافادفی البزازیةان معنی التعزیرباخذالمال علی القول به امساک شئی من ماله عنه مدة لینزجرثم یعیده الحاکم الیه،لاان یأخذه الحاکم لنفسه اولبیت المال کمایتوهمه الظلمة،اذلایجوزلاحدمن المسلمین اخذمال احدبغیرسبب شرعی ..... وفی شرح الآثار:التعزیربالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ اه،والحاصل ان المذهب عدم التعزیرباخذ المال.

لمافی المشکوة:(۲۵۵/۱،طبع سعید)ألاتظلموا ألا لایحل مال امرء الابطیب نفس منه.

ولمافی التنویرمع الدر:(۲۶۱/۶،طبع سعید)

(فتؤخذمن عطایاهم)اومن ارزاقهم والفرق بین العطیة والرزق اماالرزق مایفرض فی بیت المال بقدرالحاجة والکنایة مشاهرة اومیاومة والعطاء مایفرض فی کل سنة لا بقدر الحاجة بل بصبره وعنائه فی امرالدین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
فتویٰ نمبر: ۲۶۳۲

﴿اخبارات میں قرآنی آیات چھاپنے اور اسے چھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن کی آیات کو

اخبارات میں چھاپنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے اخبارات کے مطالعے کے دوران لکھی گئی آیت کو بلاوضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد طیب

﴿جواب﴾ اخبارات میں قرآن کی آیات لکھنے کا جو رواج پڑا ہے، یہ اچھا نہیں ہے، اس میں چونکہ قرآن کی آیت کی بے ادبی کا خدشہ ہے، لہٰذا ایسے عمل سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ ایسے اخبارات کے مطالعے کے دوران جہاں آیت قرآنیہ لکھی ہوتی ہے صرف اسی جگہ کو بلاوضو ہاتھ لگانا منع ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ (جہاں آیت لکھی ہوئی نہ ہو) کو بلاوضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

لمافي الشامي: (۱/۱۷۹، طبع سعید)

(قوله يحرر) اقول في فتح القدير: وتكره كتابة القرآن واسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش اھ.

ولمافي الشامي: (۱/۱۷۳، طبع سعید)

(قوله اى مافيه آية الخ) اى المراد مطلق ماكتب فيه القرآن مجازاً، من اطلاق اسم الكل على الجزء، أومن باب الاطلاق والتقييد. قال ح: لكن لايحرم في غير المصحف الا بالمكتوب: اى موضع الكتابة كذافي باب الحيض من البحر، وقيد بالآية لانه لو كتب مادونها لايكره مسه كمافي حيض القهستاني.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۲۶۱۰

﴿طلاق دینے پر سوشل بائیکاٹ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک تنظیم (برادری) کے عہدیداران نے ایک شخص کو طلاق دینے کے معاملہ پر برادری سے خارج کردیا اور ساتھ میں پابندی بھی لگادی کہ جو شخص اس کو اپنی بہن بیٹی دیگا اسے بھی برادری سے خارج کردیا جائیگا اور مکمل طور پر سوشل بائیکاٹ کیا جائیگا (اس موقع پر برادری کے لوگوں سے فیصلے کی تائید کے لئے قرآن پاک پر حلف بھی لیا گیا) اس فیصلے کو درست ثابت کرنے کے لئے ان عہدیداران نے ایک فتویٰ لینا چاہا، چنانچہ مفتی صاحب نے تفصیلی فتویٰ لکھ دیا کہ آپ لوگ طلاق دینے والے کو برادری سے خارج نہیں کرسکتے، ان عہدیداران نے مفتی صاحب کے فتویٰ کو تیرہ (۱۳) سال تک برادری سے چھپا کے رکھا۔ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات

کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) آیا اس قسم کے فیصلوں میں (طلاق دینے والے یا اس کو بیٹی دینے والے) کسی کو بھی برادری سے خارج کیا جاسکتا ہے؟

(۲) برادری نے لاعلمی میں جو تیرہ (۱۳) سال تک دونوں حضرات کا سوشل بائیکاٹ کیا وہ درست تھا؟ (۳) اگر کسی کو برادری سے خارج کر دیا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۴) اگر مذکورہ برادری سے خارج کرنے کے فیصلے میں پوری برادری سے غیر شرعی احکامات کروائے گئے ہیں تو اس کا شرعی گناہ کیا ہے؟ اور اس گناہ کا کفارہ کیا ہوگا؟ (۵) اصل گنہگار کون ہیں؟ (۱) فتوی لینے والے؟ (۲) فتوی چھپانے والے (۳) برادری کے وہ سادہ لوح لوگ جنہوں نے لاعلمی میں برادری سے خارج کرنے کے فیصلے پر قرآن پاک پر حلف لیا؟

﴿جواب﴾ عام حالات میں طلاق اگرچہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے لیکن بعض حالات میں طلاق دینا پسندیدہ بلکہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ میاں بیوی کا معاملہ ہے برادری والوں کے لئے طلاق دینے والے سے یا اس کو لڑکی دینے والوں سے سوشل بائیکاٹ کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

مذکورہ صورت میں بائیکاٹ کرنے کے فیصلے کی توثیق حلف اٹھانے سے کی ہے، یہ گناہ پر گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، ایسی قسم کو توڑنا واجب ہے، البتہ بعد میں کفارہ اداء کرنا ضروری ہے، لہٰذا برادری کے اس فیصلہ میں شریک ہر فرد پر لازم ہے کہ بائیکاٹ کو فوری طور پر ختم کرے اور اس گناہ سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور قسم کا کفارہ یعنی دس مسکینوں کو صبح وشام کا کھانا کھلائیں یا کسی مدرسہ کے غریب طلباء کو دس فطرانہ کی رقم کفارہ قسم کی نیت سے ہر فرد ادا کرے۔

جن عہدیداران نے فتوی لیکر چھپا کر رکھا انہوں نے کئی گناہوں کا ارتکاب کیا، مفتی صاحب سے وعدہ کر کے خلاف ورزی کی برادری والوں نے ان کو ذمہ دار ٹھہرا کر ان پر اعتماد کیا ان کے ساتھ خیانت کی اور حق بات چھپانا ویسے بھی مستقل گناہ ہے، اس کے علاوہ اب تک پوری برادری کا بائیکاٹ جاری رکھنے کا گناہ بھی ان عہدیداران کو ہے اور خود کے بائیکاٹ کا گناہ بھی لیکن اس سے برادری کے دیگر افراد بھی بری الذمہ نہیں قرار پاتے، مسئلہ کا علم نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے، ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکموں سے خبردار رہنا ضروری ہے۔

بائیکاٹ کرنے والے تمام افراد پر توبہ واستغفار لازم ہے اوراس ضمن میں فریق ثانی کو جو تکلیف پہنچی ہے یا حق تلفی ہوئی ہے تو تلافی کے لئے ان سے بھی معاف کرانا ضروری ہے، خصوصا عہدیداران کے لئے یہ حکم زیادہ تاکید کے ساتھ ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة المائدة،ایت ۸۹)

﴿لایؤاخذکم الله باللغو فی ایمانکم......فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون﴾

ولمافی مشکوٰة المصابیح:(ص ۴۲۲،طبع سعید)

عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال المسلم اخو المسلم لایظلمه الخ.

وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ......لایظلمه ولا یخذله ولایحقره الخ.

ولمافی صحیح البخاری مع العمدة القاری:(ج ۲۲ص ۲۲۴،طبع رشیدیه)

عن ابی ایوب انصاری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لایحل لرجل ان یهجر اخاه فوق ثلاث لیال الخ.

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۹/ ۲۳۰،طبع رشیدیه)

قال الخطابی:رخص للمسلم ان یغضب علی اخیه ثلاث لیال لقلته ولایجوز فوقها الااذاکان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ فیجوز فوق ذلک.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم:عبدالوہاب الغمانی عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر:۴۴۳ /۲۵

﴿چوری کا مال خریدنے سے مالک نہیں بنے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) اگر کسی شخص کے پاس چوری کا موبائل ہو تو اس سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اور اگر انجانے میں کسی نے چوری کا موبائل خرید لیا تو بعد میں پتہ چلنے پر خریدنے والے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ کسی مال کے بارے میں اگر اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا ہے تو اس مال کو خریدنا شرعاً ناجائز ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جانتے ہوئے چوری کا مال خریدا وہ بھی چور کے ساتھ اس کے گناہ میں اور بدنامی میں شریک ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة المائدة،آیت ۲) ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.....الأية.

ولمافی مصنف ابن ابی شیبة:(۵/۲۲۱،طبع امدادیه)

قال علیه السلام:من اشتری سرقة وهو یعلم انها سرقة فقد شرك فی عارها واثمها.

وهکذافی کنزالعمال:(۴/۸،رقم الحدیث:۹۲۵۷،طبع رحمانیه)

(۲) اگر لاعلمی کی صورت میں کسی نے چوری کا مال (موبائل) وغیرہ خرید لیا تو بعد میں پتہ چلنے پر خریدار پر لازم ہے کہ موبائل کو اصل مالک کی طرف لوٹائے اور اصل مالک کو بھی اپنی چیز خریدار سے لینے کا حق حاصل ہے اور خریدار اپنی رقم چور سے وصول کرے۔

لمافی الشامی:(۵/۲۲،طبع سعید)

لوظهر غیر حلال ای مسروقاً أو مغصوباً یرجع علیه المشتری.

ولمافی بدائع الصنائع:(۷/۸۵،طبع سعید)

ولو باع السارق المسروق من انسان أو ملکه منه بوجه من الوجوه فان کان قائما فلصاحبه ان یاخذه لانه عین ملکه وللماخوذ منه ان یرجع علی السارق بالثمن الذی دفعه.

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۲۶۲۱

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿سودی معاملہ کا کفارہ توبہ ہے﴾

﴿سوال﴾ میں نے ایک سودی معاملہ کیا تھا (یعنی بینک سے قرض لینے کے سلسلہ میں اپنی بہن کے لئے گواہ بنا تھا اور دستخط کیے تھے) کیونکہ ایک مولانا صاحب سے معلوم کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب بہن کی ناراضگی کا اندیشہ ہو تو دستخط کردو اور دلیل دی کہ جیسے آپ کا رشتہ دار بینک میں نوکری کرتا ہے اور اس کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو تو دعوت کھانا جائز ہے، اب میں اپنے فعل پر شرمندہ ہوں، کیا اس کا کوئی کفارہ میرے ذمہ ہے یا صرف توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: محمد کاشان کورنگی

﴿جواب﴾ مولانا صاحب نے ایسا ہی اگر بتایا ہے تو یہ انکی غلطی ہے سودی معاملہ میں گواہ بننا بلاشبہ سخت گناہ ہے، بہرحال اب اس کا کفارہ یہ ہے کہ توبہ کریں اور آئندہ کے لئے ایسے معاملہ میں گواہ نہ بننے کا پختہ عزم کریں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اللہ بڑا کریم ہے توبہ سچی ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

لما فی قوله تعالیٰ (پارہ ۳ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۷۵)

واحل اللہ البیع وحرم الربوٰا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون ۔۔۔ الآیۃ.

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۴۴، طبع سعید)

عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوٰا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۲۰

«قرآن کریم کے چوم لینے کو ہی کافی سمجھنا کوئی دینی تعلیم نہیں ہے»

«سوال» کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ بعض لوگ قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے صرف الماری سے اٹھا کر چوم لیتے ہیں اور پھر واپس رکھ دیتے ہیں اور اس عمل کو کافی سمجھتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟ نیز قرآن مجید کا چومنا کہیں سے ثابت ہے؟

«جواب» قرآن کریم اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک ہدایت نامہ اور مکمل ضابطہ حیات ہے، اس کا حق ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اس کے معانی کو سمجھے اور عبرت حاصل کرے اور احکامات پر عمل کرے اور اس کے الفاظ کی تلاوت خواہ بغیر سمجھ کے ہو تب بھی باعث اجر وثواب وبرکت ہے لیکن اس کو الماری میں رکھ کر کبھی کبھار اٹھا کر صرف چومنے کو کافی سمجھنا بلاشبہ نادانی اور حماقت ہے۔

غالبا کوئی بھی اس کو کافی نہیں سمجھتا اگرچہ اس کے عمل سے یہی ظاہر ہوتا ہو اس لئے اس طرح اعتقاد رکھنا تو بڑا خطرناک ہے، البتہ عمل، تلاوت وغیرہ میں کوتاہی کو کوتاہی سمجھتا ہو اور اظہار محبت کے لئے الماری میں رکھتا ہو اور اٹھا کر اس کا بوسہ لیتا ہو تو بلاشبہ یہ جائز اور مستحسن عمل ہے بلکہ قرآن کریم سے محبت اور اعتقاد کی علامت ہے۔

لما فی الدر المختار: (۶/ ۳۸۴، طبع سعید)

تقبیل المصحف قیل بدعۃ لکن روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول: عھد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجھہ.

ولما فی الھندیۃ: (۵/ ۳۲۲، طبع رشیدیہ)

رجل امسک المصحف فی بیتہ ولا یقرأ قالوا ان نوی بہ الخیر والبرکۃ لا یاثم بل یرجی

له الثواب كذا فى فتاوىٰ قاضى خان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۵۱۰

﴿ممی وغیرہ کی بیع درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری گفٹ وغیرہ کی دکان ہے دکان پر مختلف اقسام کے شوپیس ہوتے ہیں جن میں پرانے زمانے کی ممی وغیرہ بھی ہوتی ہیں (یہ ایک قسم کے مجسمہ ہوتے ہیں پرانے زمانے کے لوگوں اور بادشاہوں وغیرہ) کے جو کہ لکڑی یا کسی اور دھات وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ ان مجسموں کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لوگ ان کو شوپیس کے طور پر لیکر جاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ ''ممی'' وغیرہ بت ہیں اگرچہ لوگ انہیں شوپیس کے طور پر گھروں میں رکھتے ہیں، ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اور گھروں میں رکھنا باعث لعنت ہے اور بڑا گناہ ہے۔

لمافى صحيح البخارى:(۱/۲۹۸،طبع قديمى)

عن جابر بن عبدالله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام.

ولمافى عمدة القارى:(ج۱۲ص۴۷-۴۸،طبع رشيديه)

فى بيان تحريم بيع الميتة وتحريم بيع الاصنام.....الوثن ماله جثة والصنم ماكان مصورا.....والاجماع قائم على انه لايجوز بيع الميتة والاصنام لانه لايحل الانتفاع بها ووضع الثمن فيها اضاعة مال.

ولمافى المرقاة:(۱۲/۶،طبع رشيديه)

"ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام" وان كانت من ذهب اوفضة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۶۷۵

﴿بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہماری مسجد میں ایک بوسیدہ اوراق کا ڈبہ ہے، جس

میں اوراق وغیرہ کی اب گنجائش نہیں ہے تو کمیٹی والے حضرات ان کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں، ازروئے شرع مسئلہ کی وضاحت فرمائیں تاکہ ان کی حفاظت ہوسکے۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ افضل اور بہتر تو یہ ہے کہ ان اوراق کو پاک کپڑوں میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں دفن کردیا جائے تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو اگر یہ کام مشکل ہو تو سمندر میں بھی چھوڑ سکتے ہیں۔

لمافی الدر مع الرد:(۶/۴۲۲،طبع سعید)

الکتب التی لاینتفع بھایمحی عنھا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولاباس بان تلقی فی ماء جار کماھی اوتدفن وھواحسن کمافی الانبیاء

وفی الشامیۃ:(قولہ کمافی الانبیاء)کذافی غالب النسخ وفی بعضھا کمافی الاشباہ لکن عبارۃ المجتبی والدفن احسن کمافی الانبیاء والاولیاء اذاماتو وکذاجمیع الکتب اذا بلیت وخرجت عن الانتفاع بھااہ یعنی ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم،لان افضل الناس یدفنون وفی الذخیرۃ المصحف اذاصار خلقاوتعذر القراءۃ منہ لایحرق بالنار الیہ اشار محمدوبہ نأخذ،ولایکرہ دفنہ۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد زبیر اکرام

۴جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر ۲۶۹۳

﴿درختوں کے نیچے گرے ہوئے پھلوں کو اٹھانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے گاؤں میں اخروٹ کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جب بارش یا سخت ہوا چلتی ہے تو اخروٹ کثرت سے گرتے ہیں چونکہ یہ درخت راستوں پر واقع ہیں اس لئے گزرتے ہوئے لوگ اٹھا کر کھالیتے ہیں تو کیا ان گرے ہوئے اخروٹوں کا استعمال کرنا جائز ہے؟ مستفتی:شیرین جان

﴿جواب﴾ درخت سے گرنے والے پھل بھی مالک کی ملکیت ہے، اس کی اجازت کے بغیر اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اجازت ہو تو اٹھانا جائز ہے، لہٰذا ایسے پھل جو گرنے کے بعد جلد خراب ہوتے ہیں عموماً مالک کی طرف سے اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے تو دلالۃً اجازت کافی ہے ہاں کسی علاقہ میں ایسے پھل کو بھی مالک خود سنبھالنے کا اہتمام کرتا ہو یا لوگوں کو واضح طور پر منع کرتا ہو تو اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

اور جو پھل درخت سے گرنے کے باوجود خراب نہ ہوتا ہو جیسے اخروٹ بادام، ناریل وغیرہ تو

عموماً مالک کی طرف سے ایسے پھل اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی، اس لئے اٹھانا جائز نہیں ہے جب تک واضح اجازت نہ ہو۔

البتہ کسی علاقہ میں اس قسم کے پھل اٹھانے میں بھی کوئی روک ٹوک نہ ہو، اٹھانے کی صورت میں مالک کو ناگوار نہ گزرتا ہو اور اس علاقہ کا عرف عام یہی ہو تو اس قسم کے پھل اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، دراصل اس بارے میں ہر علاقہ کا عرف ورواج مختلف ہوتا ہے، اصل مدار اجازت پر ہے اور اجازت اگر چہ دلالۃ ہو تو کافی ہے۔

لمافي الهندية:(۵/۳۳۹-۳۴۰،طبع رشيديه)

وان كان في الحائط فان كان من الثمار التي تبقى مثل الجوزوغيره لايسعه الاخذ الااذاعلم الاذن وان كان من الثمار التي لاتبقى تكلموافيه قال الصدرالشهيدرحمه الله والمختارانه لاباس بالتناول مالم يتبين النهي اماصريحااوعادة كذافي المحيط اذامر الرجل بالثمارفي ايام الصيف وارادان يتناول منهاوالثمارساقطةتحت الاشجار فان كان ذلك في المصرلايسعه التناول الااذاعلم ان صاحبياقداباح امانصااودلالة بالعادةوالمختارانه لاياكل منهامالم يعلم ان اربابيارضوابذلك كذافي الغياثية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۰۸

﴿راستہ پر قبضہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے گاؤں میں ایک گھر ہے جس کے صحن کے پاس سے راستہ گذرتا ہے، عام طور پر گاؤں میں صحن کھلے ہوئے ہوتے ہیں، وہ لوگ اپنے بیٹے کی شادی کر رہے ہیں اور انہوں نے یہ کہہ کر راستہ بند کر دیا ہے کہ ہمارے گھر جوان بہو آئیگی، راستہ صحن کے پاس سے گذرتا ہے تو بے پردگی ہوگی، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ — مستفتی: محمد عدیل مری

﴿جواب﴾ راستہ بند کرنا تو قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا اس شخص نے واقعی راستہ بند کر دیا ہو تو گاؤں کے لوگوں کا حق غصب کرنے کا گناہ ہوگا، البتہ اگر راستہ عام نہ ہو اور یہ جگہ اسکی ذاتی ملکیت تھی اور ابتک لوگوں کو یہ سہولت دے رہا تھا اور اب واپس لینا چاہتا ہے تو اس کا حق اسے حاصل ہے، عام راستہ اگر گھر کے پاس سے گذرتا ہے تو پردہ کے لئے اپنے گھر کی چاردیواری بنالے راستہ بند کرنے کا اسے اختیار نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۵۹۲/۶،طبع سعید)

(اخرج الی طریق العامة کنیفا)هو بیت الخلاء(او میزابا اوجرصنا کبرج وجذع وممر علو وحوض طاقة ونحوها عینی اودکانا جاز)احداثه (ان لم یضر بالعامة)ولم یمنع منه،فان ضر لم یحل.

وفی الشامیة:(قوله فان ضر لم یحل)کان علیه ان یقول فان ضر او منع لم یحل اھ۔

وقال الطحطاوی:انه لو منع عنه لایباح له الاحداث.

ولمافی البحر الرائق:(۳۳۶/۸،طبع سعید)

(ومن اخرج الی طریق العامة کنیفا اومیزابا اوجرصنا اودکانا فلکل نزعه)ای لکل احد من اهل المرور الخصومة مطالبة بالنقض کالمسلم البالغ العاقل الحرو کالذمی لان لکل منهم المرور بنفسه......وقال فخر الاسلام جذع یخرجه الانسان من الحائط لیبنی علیه ثم الکلام فی هذه المسئلة فی ثلاثة مواضع......اما الاحداث فقال شمس الأئمة ان کان الاحداث یضر باهل الطریق فلیس له ان یحدث بذلک.

واللہ اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفااللہ عنہ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۲۷۰۳

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

﴿ایسے گاہک کو سامان فروخت کرنا جو اسکو بدعت کی ترویج میں استعمال کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا پائپ کا کاروبار ہے،کبھی ہمارے پاس ایسا گاہک آتا ہے جو کافی زیادہ پائپ کٹوا کر لیجاتا ہے،تقریباً ۵۰۰۰ فٹ،بقول اس کے وہ ان کو ان جھنڈوں میں استعمال کریگا جو میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلوس میں استعمال ہونگے،آیا ہمارا اس کو مال فروخت کرنا،بدعت کی ترویج واشاعت میں حصہ لینا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایسے گاہک کو سامان فروخت کرنے کی گنجائش ہے،ہاں تقوی تو یہی ہے کہ ایسے گاہک سے معذرت کرلیں تاکہ کم ازکم اسکو احساس ہو لیکن فروخت کرنے کی صورت میں آپ بدعت کی ترویج واشاعت میں حصہ دار نہیں بنیں گے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۹۱/۶،طبع سعید)

وجاز(بیع عصیر)عنب(ممن)یعلم انه(یتخذه خمرا)لان المعصیة لاتقوم بعینه بل بعد تغیره وقیل یکره لاعانته علی المعصیة.

وفی الشامیة:(قوله لاتقوم بعینه الخ)یوخذ منه ان المراد بما لاتقوم المعصیة بعینه مایحدث له بعد البیع وصف آخر یکون فیه قیام المعصیة......(قوله معزیا للنهر)قال فیه من باب البغاة وعلم من هذا انه لایکره بیع مالم تقم المعصیة به کبیع الجاریة المغنیة والکبش

النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب ممن يتخذ منه المعازف.

ولمافی الشامی:(۲۶۸/۴،طبع سعید)

ونظيره كراهة بيع المعازف لان المعصية تقام بعينها، ولا يكره بيع الخشب المتخذة هي منه، وعلى هذا بيع الخمر لا يصح ويصح بيع العنب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۳۱

﴿منکرات کا کاروبار کرنے والے کو دکان کرایہ پر دینا مناسب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی دکان ایسے شخص کو کرایہ پر دی ہے جس میں وہ منکرات (گانے بجانے اور ناجائز فلموں وغیرہ) کا کاروبار کرتا ہے، کیا ایسے آدمی کو کرایہ پر اپنی دوکان دینا جائز ہے اور مذکورہ کاروبار سے مالک دوکان کے لئے کرایہ وصول کرنا شرعا کیسا ہے؟ سائل: محمد سعید کراچی

﴿جواب﴾ نفس معاملہ درست ہے، البتہ معصیت پر تعاون کیوجہ سے مالک دوکان بھی گنہگار ہوگا، ایسے کاروبار والے سے کرایہ کی رقم لینے میں برکت نہ ہوگی، مالک دوکان اس سے کرایہ کے وصولی کیلئے حلال رقم کا مطالبہ کرے، دکان کے بدلے میں حلال کرایہ لینا اسکا حق ہے۔

لمافی احکام القرآن للجصاصؒ:(۲/۴۲،طبع قدیمی)"ولا تتبدلوا الخبيث بالطيب......الأية."

فانه روى عن مجاهدؒ وابی صالح الحرام بالحلال ای لا تجعل بدل رزقک الحلال حراما الخ.

ولمافی الهندية:(۳۴۹/۵،طبع رشیدیہ)

عن محمدؒ فی کسب المغنية ان قضى به دين لم يكن لصاحب الدين ان يأخذه وامافی القضاء فهو يجبر على الأخذ.

ولمافی الشامی:(۹۹/۵،طبع سعید)

سئل الفقيه ابوجعفر عمن اكتسب ماله من امراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك ان ياكل من طعامه؟ قال احب الیّ فی دينه ان لا ياكل ويسعه حكما ان لم يكن ذلك الطعام غصبا اور شوة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۱۹

﴿ناجائز تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقہ میں چند ایسے افراد ہیں جنہوں نے ناجائز طور پر عورتیں رکھی ہوئی ہیں، اور ان سے اولاد بھی ہوئی ہے، کیا ایسے لوگوں سے تعلقات ختم کرنا جائز ہے؟ اور ایسے لوگوں سے اچھا رویہ رکھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اصل ذمہ داری تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اس فعل بد سے روکا جائے لیکن بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بجائے فائدہ کے بڑے نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے علاقہ کے لوگ کم از کم اس کے تو مکلف ہیں کہ ایسے افراد سے سوشل بائیکاٹ کر کے ان سے تمام تعلقات اور لین دین بند کر دیں اور ان کے غم اور خوشی میں شریک نہ ہوں تا کہ وہ اپنے اس خلاف شریعت فعل کے ارتکاب سے باز آنے پر مجبور ہوں، ایسے لوگوں سے اچھا رویہ رکھنا دینی غیرت وحمیت کے خلاف اور انکی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے جسکی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

ولمافی الصحیح لمسلم:(۱/۱۶۷،طبع قدیمی)

من رای منکم منکرافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان.

ولمافی صحیح البخاری مع العمدة القاری:(ج۲۲/۲۲۲،طبع رشیدیه)

باب مایجوزمن الهجران لمن عصی......وقال المهلب:غرض البخاری من هذا الباب ان یبین صفة الهجران الجائزوان ذلک متنوع علی قدرالاجرام فمن کان جرمه کثیرافینبغی هجرانه واجتنابه وترک مکالمته.

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۹/۲۳۰،طبع رشیدیه)

قال الخطابی رخص للمسلم ان یغضب علیٰ اخیه ثلاث لیال لقلته ولایجوزفوقها الااذاکان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ فیجوز فوق ذلک.

ولمافی تکملة فتح الملهم:(۵/۳۵۵-۳۵۶،طبع دارالعلوم کراچی)

ثم ان الهجران الممنوع انماهوماکان لسبب دنیوی امااذاکان بسبب فسق المرا وعصیانه فاکثرالعلماء علیٰ جوازه قال الخطابی الخ......وحاصل ذلک ان الهجران انمایحرم اذاکان من جهة غضب نفسانی امااذاکان علی وجه التغلیظ علی المعصیة والفسق اوعلی وجه التادیب کماوقع مع کعب بن مالک وصاحبیه اوکماوقع لرسول الله صلی الله علیه وسلم مع ازواجه اولعائشة مع ابن الزبیر رضی الله عنهم فانه لیس من الهجران الممنوع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۷۰۹

﴿تالیاں بجانا غیر اسلامی تہذیب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ہمارے معاشرے میں جو تقریبات منعقد ہوتی ہیں خواہ اسکول و کالج کی ہوں یا دیگر ان میں کسی کی کارکردگی کو سراہنے اور داد دینے کے لئے تالیاں بجائی جاتی ہیں، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ سراسر بیہودہ کام ہے، غیر مسلم اقوام کا طرز عمل ہے، دین اسلام میں اس کو شنیع قرار دیا گیا ہے۔

لمافی قوله تعالى:(پاره ۹،الانفال،آیت۳۵)﴿وما كان صلاتهم عندالبيت الامكاء وتصدية﴾

ولمافی روح المعانی:(۹/۲۶۷-۲۶۸،طبع رشیدیه)

(تصدیه)ای تصفيقا وهوضرب اليدباليدبحيث يسمع له صوت......يروى انهم كانوا اذاارادالنبي ﷺ ان يصلي يخلطون عليه بالصفيروالتصفيق ويرون انهم يصلون ايضاوروى انهم كانوايطوفون عراةالرجال والنساء مشبكين بين اصابعهم يصفرون فيهاويصفقون.

ولمافی الشامی:(۶/۳۹۵،طبع سعید)

(قوله وكره كل لهو)اى كل لعب وعبث......واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتوی نمبر: ۲۵۳۹

﴿پاگل کو خصی کرانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ میں ایک پاگل ہے عجیب وغریب حرکتیں کرتا رہتا ہے، محلہ والوں کو یہ خطرہ ہے کہ کسی کی عزت پر حملہ نا کردے، ایسی صورت میں اگر اس کو خصی کردیا جائے تو کیا یہ عمل شرعاً درست ہوگا؟

﴿جواب﴾ کسی انسان کو خصی کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ایسی کوئی دواء دینا جو عارضی طور پر کچھ عرصے کے لئے شہوت کو کم کردے تو ایسی تدبیر کرنے کی گنجائش ہے یا پاگل خانہ میں بھجوادیں خصی کرنے کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۸،طبع سعید)(و)جاز(خصاء البهائم)حتى الهرة،واماخصاء الآدمی فحرام.

ولمافی البحر الرائق:(۸/۱۹۵،طبع سعید)

(والخصى والمجبوب والمخنث كالفحل)لقوله تعالى قل للمؤمنين يغضوامن

ابصارهم،وهم ذكورفيدخلون تحت الخطاب العام وقالت عائشة:الخصي مثله ولا يبيح ماكان حراماقبله ولان الخصي ذكريشتهي ويجامع وهواشدجماعالان آلته لاتفترفصاركالفحل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفااللہ عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ　　فتوی نمبر:۲۶۶۷

﴿ناجائز کمائی والے سے اجرت اور ہدیہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) ایک شخص کارٹون اور انگریزی فلمیں بنانے والی کمپنی میں کام کرتا ہے، اس کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نیز مذکورہ شخص کے بیٹوں کو عصری تعلیم دے کر جو اجرت حاصل کرتا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ (۳) اور یہ کہ مذکورہ شخص سے ہدیہ وغیرہ قبول کرلینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) قرآن وسنت کی رو سے گانا بجانا، ناچنا، رقص وسرود اور آلات لہولعب سب ناجائز وحرام ہیں اور جو شخص اس کمپنی میں ملازمت کرتا ہے وہ اگرچہ اپنے وقت اور محنت کا معاوضہ لیتا ہے لیکن مذکورہ گناہوں میں اس کی محنت شامل ہونے کی وجہ سے اس کا بھی حصہ ہے، اس لئے اس پر حاصل ہونے والی کمائی بھی ناجائز ہے، اس کو چاہیے کہ متبادل کام تلاش کرے اور جب تک دوسرا حلال کام نہ ملے تو بدرجہ مجبوری اس کو گناہ سمجھتے ہوئے کرے اور توبہ استغفار بھی کرتا رہے، روزگار کی حلال صورت جیسے بنے تو فوراً اس کام کو چھوڑ دے۔

(۲) اس شخص کے بچوں کو عصری تعلیم دینا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ معاملہ طے کرتے وقت وضاحت کے ساتھ یہ نہ کہہ دیا ہو کہ میں آپ کو اپنی اس ناجائز کمائی سے اجرت دوں گا۔

(۳) صرف حرام مال ہی کسی کے پاس ہو یا ہدیہ پیش کرتے وقت آپ کو غالب گمان ہے کہ حرام مال سے ہدیہ دے رہا ہے تو قبول نہیں کرنا چاہیے انکار مصلحت کے خلاف ہو تو صدقہ کرنے کی نیت سے وصول کرلیں اور بعد میں کسی غریب کو دیدے اور استغفار بھی کرے۔

لمافي قوله تعالى:(سورةلقمان،آيت٦)

ومن الناس من يشترى لهوالحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذهاهزوا اولئك لهم عذاب مهين......الأية.

ولمافی قوله تعالی:(سورة المائدة،آیت۲)ولاتعاونواعلی الاثم والعدوان۔۔۔الأية.
ولمافی کنزالعمال:(۱۵/۹۶،رقم الحدیث:۴۰۶۶۰،طبع رحمانیه)
عن عبدالله بن مسعودؓ ان النبی ﷺ قال:ایاکم وسماع المعازف والغناء فانهماینبتان النفاق فی القلب کماینبت الماء البقل.
ولمافی البزازیةعلی هامش الهندیة:(۶/۳۵۹،طبع رشیدیه)
عن ابی هریرةؓان النبی ﷺ قال:استماع الملاهی معصیةوالجلوس علیها فسق والتلذذبهاکفر.
ولمافی الهندیة:(۴/۴۴۹،طبع رشیدیه)
ولاتجوزالاجارةعلی شی من الغناء والنوح والمزامیروالطبل وشی من اللهو۔۔۔ولا اجرفی ذلک.
ولمافی الشامی:(۵/۲۳۵،طبع سعید)
(قوله اکتسب حراماالخ)توضیح المسئلةمافی التاترخانیه حیث قال:رجل اکتسب مالامن حرام ثم اشتری فهذاعلی خمسةاوجه:اماان دفع تلک الدراهم الی البائع اولا ثم اشتری منه بهاأواشتری قبل الدفع بهاودفعها،اواشتری قبل الدفع بهاودفع غیرها،اواشتری مطلقاودفع تلک الدراهم۔۔۔اواشتری بدراهم اخرودفع تلک الدراهم وقال الکرخی:فی الوجه الاول والثانی لایطیب وفی الثلاث الاخیرةیطیب،وقال ابوبکر:لایطیب فی الکل،لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعاللحرج عن الناس اه وفی الولوالجیة:وقال بعضهم :لایطیب فی الوجوه کلها وهوالمختار،ولکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعاللحرج لکثرة الحرام اه.
ولمافی البزازیةعلی هامش الهندیة:(۶/۳۶۰،طبع رشیدیه)
غالب مال المهدی ان حلالالاباس بقبول هدیته واکل ماله مالم یتعین انه من حرام وان غالب ماله الحرام لایقبلهاولایاکل الااذاقال انه حلال.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی عفی عنہ
یکم صفر الخیر ۱۴۳۱ھ　　فتویٰ نمبر:۲۴۰۳

﴿لاکٹ پر لفظ اللہ کا نام کندہ کرنے اور اس کی خرید وفروخت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص ایسی لاکٹوں کا کاروبار کرتا ہے جس پر لفظ اللہ کا نام درج ہوتا ہے، ایسے لاکٹوں پر لفظ اللہ کا نام درج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے لاکٹ کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟
مستفتی:اسداللہ قائد آباد کراچی

﴿جواب﴾ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ لاکٹ پر لفظ اللہ کو آگ سے گرم کر کے کندہ کیا

جاتا ہے اور کسی شدید ضرورت کے بغیر یہ عمل اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی کی تعظیم کے منافی معلوم ہورہا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ دینی کتابیں جس پر اللہ اور اسکے رسول کا نام ہو ان کو جلانا جائز نہیں ہے، نیز دوران استعمال بھی احترام وتعظیم کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، اس لئے اس کا پیشہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے اگرچہ فی نفسہ لاکٹ کی خرید وفروخت جائز ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۶/۴۲۲،طبع سعید)

الکتب التی لا ینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی.....الخ.

وفی الشامیۃ:(قولہ کمافی الانبیاء)وفی الذخیرۃ......المصحف اذاصار خلقاوتعذر القرائۃ لایحرق بالنار الیہ اشار محمدوبہ ناخذ.

ولمافی الھندیۃ:(۵/۳۲۳،طبع رشیدیہ)

والمصحف اذاصار خلقاوتعذرت القراءۃ منہ لایحرق بالنار اشار الشیبانی الی ھذا فی السیر الکبیروبہ ناخذکذافی الذخیرۃ.

ولمافی الھندیۃ:(۳/۲،طبع رشیدیہ)وان یکون مالا متقوماشرعا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۵صفرالخیر۱۴۳۱ھ　　فتویٰ نمبر:۲۲۳۰

﴿شادی بیاہ کے پروگراموں میں پیسے اور شیرینی پھینکنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے میں کہ متعلق کہ شادی بیاہ وغیرہ پروگراموں میں جو پیسے اور شیرینی پھینکے جاتے ہیں تو ان پیسوں اور شیرینی کو پھینکنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح جو لوگ ان پیسوں کو اٹھاتے ہیں، کیا ان پیسوں کا استعمال ان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ خوشی اور شادی بیاہ کے پروگراموں میں پیسے اور شیرینی پھینکنا درست ہے اور اسی طرح جس نے ان پیسوں کو اٹھالیا، یہ اس کی ملکیت میں آگئے لہذا اس کیلئے ان کا استعمال جائز ہے، اس قسم کے پروگرام اگر مسجد میں ہوں تو مسجد کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لمافی الشامی:(۴/۲۸۵،طبع سعید)

کمن ینثر السکروالدراھم فی العرس وغیرہ،فمن اخذشیئاملکہ،لان الحال دلیل علی الاذن.

ولمافی الھندیۃ:(۵/۳۴۵،طبع رشیدیہ)

ذکر فی فتاوی اھل سمرقند ان النھبۃ جائزۃ اذااذن صاحبہ فیھا اذاوضع الرجل مقدارا من السکراوعددامن الدراھم بین قوم وقال من شاء اخذمنہ شیئا اوقال من اخذ منہ شیئا فھولہ فکل من اخذمنہ شیئا یصیر ملکالہ ولایکون لغیرہ ان یاخذ ذلک منہ کذا

فی الذخیرۃ لاباس بنثر السکر والدراھم فی الضیافۃ وعقد النکاح کذافی السراجیۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۹ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر: ۲۴۴۷

﴿شراب بنانے والے کو گڑ فروخت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا جنرل اسٹور ہے اس پر مختلف قسم کے گاہک آتے ہیں، کچھ لوگ گڑ بھی لے جاتے ہیں اور اس سے شراب بناتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کو گڑ بیچنا درست ہے؟ حالانکہ ان کے بارے میں ہمیں یقینی طور پر علم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس سے شراب بنائیں گے، جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔　مستفتی: محمد کامران کوٹ غلام محمد

﴿جواب﴾ گڑ سے شراب ہی نہیں بنتی بہت کچھ بنتا ہے، اس لئے آپ کے لئے بیچنا جائز ہے، البتہ لیتے وقت گاہک واضح طور پر یہ کہے کہ شراب بنانے کے لئے لیتا ہوں تو تقوی یہ ہے کہ ایسی صورت میں منع کریں اگرچہ جائز ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۹۱،طبع سعید)

(و)جاز(بیع عصیر)عنب(ممن)یعلم انہ(یتخذہ خمراً)لان المعصیۃ لاتقوم بعینہ بل بعدتغیرہ وقیل یکرہ لاعانتہ علی المعصیۃ.

ولمافی الشامی:(۶/۳۹۱،طبع سعید)

(قولہ وجاز)ای عندہ لاعندھما بیع عصیر عنب ای معصورہ المستخرج منہ فلایکرہ بیع العنب والکرم منہ بلاخلاف......(لاتقوم بعینہ الخ)یوخذمنہ ان المراد بما لاتقوم المعصیۃ بعینہ مایحدث لہ بعدالبیع وصف آخر یکون فیہ قیام المعصیۃ.

ولمافی قاضی خان:(۲/۸۳،طبع قدیمی)

وھو کما لو باع الکرم وھو یعلم ان المشتری یتخذ العنب خمراً،لاباس بہ اذاکان قصدہ من البیع تحصیل الثمن وان کان قصدہ تحصیل الخمر یکرہ،واغراس الکرم علی ھذا اذاکان یغرس بنیۃ تحصیل الخمر یکرہ،وان کان لتحصیل العنب لایکرہ،والافضل ان لا یبیع العصیر ممن یتخذہ خمراً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر: ۲۵۵۶

﴿ڈاکٹر کا کمیشن کے عوض بلڈ بینک والے کے پاس مریضوں کو بھیجنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پاس مریض

آتے ہیں ان کو جب خون کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم ان کو بلڈ بینک بھیجدیتے ہیں، وہ وہاں سے اپنے گروپ کا خون مطلوبہ مقدار میں لیتے ہیں اور اس کے عوض میں اتنا ہی خون ان کو دیتے ہیں اور بلڈ بینک والا مریض سے خون کی صفائی اور پیکنگ وغیرہ کے پیسے لیتے ہیں اور ہمارا بلڈ بینک سے معاہدہ ہوا ہے کہ جن مریضوں کو خون کی ضرورت ہوگی، ہم ان کو آپ کے پاس بھیجیں گے وہ ہمیں اس پر کمیشن دیتے ہیں، آیا وہ کمیشن ہمارے لئے جائز ہے؟ مستفتی: ڈاکٹر افسر علی کیماڑی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ خون مال نہیں ہے، اس کا لینا دینا انسانی ہمدردی ہی مقصود ہو تو اس حد تک اس کی گنجائش ہے، خریدنا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ آپ نے جو صورت بتائی ہے کہ صرف خون کی صفائی اور پیکنگ ہی کا معاوضہ لیتے ہیں خون کے پیسے نہیں لیتے تو اس کی گنجائش ہے، بلڈ بینک والوں کا معاملہ اسی نوعیت کا ہو تو ان کے پاس مریضوں کو بھیجنا جائز ہے اور بھیجنے والے ڈاکٹر کی حیثیت دلال کی سی ہوگی، لہذا اجرت کے طور پر متعین کمیشن لینے کی بھی گنجائش ہے مگر اس میں مریض کے فائدے اور سہولت پر نظر ہو نہ کہ محض پیسہ حاصل کرنا۔

لما فی الشامی: (۶/۶۳، مطلب فی اجرۃ الدلال، طبع سعید)

قال فی التاترخانیۃ: وفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل، وما تواضعوا علیہ ان فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذاك حرام علیھم، وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن اجرۃ السمسار فقال ارجو انہ لا باس بہ وان کان فی الاصل فاسد الکثرۃ التعامل وکثیر من ھذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس الیہ کدخول الحمام.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۵۴۸

﴿بیوی کیساتھ غیر فطری مقام سے جماع کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر فطری مقام سے جماع کرے، جان بوجھ کر ہو یا بھولے سے تو کیا اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ اگر نہیں ٹوٹتا تو کیا اس عمل کا کوئی کفارہ ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد تابش کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے نکاح کو مشروع اور پسندیدہ عمل قرار دیا جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، سب سے بڑی حکمت تو نسل انسانی کی بقاء ہے، مذکورہ طریقے سے خواہش پوری

کرنا اس حکمت کے منافی ہے، اس کے علاوہ غیر فطری اور گندہ عمل ہونے کی وجہ سے بہت ساری بیماریوں کا بھی باعث ہے، احادیث میں ایسے عمل کرنے والے پر بڑی لعنت ہوئی ہے، اس عمل کی بڑی نحوست یہ بھی بتائی گئی ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں عداوت پیدا ہوجاتی ہے۔

لہٰذا غلطی سے اگر گناہ ہوگیا ہے تو توبہ اور استغفار کے ذریعے معاف کرادیں اور آئندہ احتیاط کریں، البتہ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ولمافی اعلاء السنن:(۱/۲۸۱،طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

من اتیٰ کاھنا......اواتیٰ امرأة قال مسدد امرأته فی دبرھا فقد بری بما انزل علیٰ محمد صلی الله علیه وسلم (رواه ابوداود)......عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ملعون من اتیٰ امرأة فی دبرھا.

ولمافی احکام القرآن للجصاص:(۱/۲۸۰-۲۸۱،طبع قدیمی)

واختلف فی اتیان النساء فی ادبارھن فکان اصحابنا یحرمون ذلک وینھون عنه اشد النھی......وروی عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاینظر الله الیٰ رجل اتیٰ امرأته فی دبرھا.

ولمافی الشامی:(۴/۲۷،طبع سعید)

(قوله اوبوطء دبر) اطلقه فشمل دبر الصبی والزوجة والامة فانه لاحد علیه مطلقا عند الامام منح ویعزر ھدایة.

ولمافی فتح القدیر:(۵/۲۴۹-۲۵۰،طبع رشیدیه)

ولو اعتاد اللواطة قتله الامام محصنا کان اوغیر محصن سیاسة، أما الحد المقدر شرعا فلیس حکماله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۴ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۳۱

﴿ قادیانیوں کے ساتھ معاملات کرنا ایمانی غیرت کے خلاف ہے ﴾

﴿سوال﴾ میری گارمنٹس کی دکان ہے، اس پر سب طرح کے خریدار آتے ہیں (مثلاً مسلمان، ہندو، قادیانی وغیرہ) ہم ان کو سامان فروخت کرتے ہیں، کچھ دن پہلے ہماری مسجد میں ایک مولوی صاحب آئے تھے، انہوں نے کہا کہ قادیانیوں کو فروخت کرنا یعنی ان کے ساتھ معاملات کرنا درست نہیں، لہٰذا مہربانی فرما کر رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: مقصود علی ناظم آباد

﴿جواب﴾ مولانا صاحب کی بات صحیح ہے کیونکہ قادیانی دیگر کافروں کی طرح نہیں ہیں

بلکہ یہ لوگ مرتد اور زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ کسی قسم کے معاملات دوستانہ تعلقات رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ ہندو سکھ وغیرہ کیساتھ معاملات کی حد تک تعلق رکھنا جائز ہے۔

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۴۱/۴،طبع سعید)

واما فی اصطلاح الشرع فالفرق اظهر لاعتبارهم فيه ابطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا ﷺ على مافی شرح المقاصد وكذافی احكام القرآن للجصاص:(۲/۲۲۲،قديمی)

ولمافی فیض الباری:(۳۰۱/۶،طبع رشيديه)

قلت والزنديق من يحرّف فی معانی الالفاظ،مع ابقاء الفاظ الاسلام كهذا اللعين فی القاديان،يدّعی انه يؤمن بختم النبوة،ثم يخترع له معنی من عنده يصلح له بعده الختم دليلا على فتح باب النبوة،فهذا هو الذندقة حقا،ای التغيير فی المصاديق، وتبديل المعانی على خلاف ماعرفت عند أهل الشرع،وصرفها الى أهوائه مع ابقاء اللفظ على ظاهره،والعياذ بالله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۸۶

﴿جھینگے اور کیکڑے کی خرید وفروخت اور کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جھینگے اور کیکڑے کی خرید وفروخت کرنا اور ان کا کھانا کیسا ہے؟　　　　مستفتی: رشید احمد صدیقی پی اینڈ ٹی کورنگی

﴿جواب﴾ جھینگے سے متعلق علماء کرام کی دو رائیں ہیں: بعض علماء کے نزدیک یہ بھی مچھلی کی ایک قسم ہے، اس لئے اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے جبکہ بعض اس کو مچھلی نہیں مانتے اور اس لئے اس کے کھانے کو مکروہ بتاتے ہیں، لہٰذا اختلاف کی بناء پر کھانے کی گنجائش ہے، تاہم زیادہ احتیاط نہ کھانے میں ہے لیکن کیکڑا بلاشبہ مچھلی نہیں ہے، اس لئے کھانا جائز نہیں اگرچہ خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے۔

لمافی شرح المجلة:(۸۸/۲،المادة:۱۹۹،طبع رشيديه) يلزم أن يكون المبيع مالا متقوما

ولمافی تكملة فتح الملهم:(۵۰۷/۳،طبع دار العلوم كراچی)

مسألة ميتات البحر:اجمع المسلمون على حلة السمک من حيوانات البحر، واختلفوا فی غيره من صيد البحر،فقال الائمة الثلاثة فيما هو المختار عندهم :ان جميع مايعيش فی البحر حلال......الخ وقال الحنفية:لايجوز من حيوانات

البحر الا السمک وھو قول للشافعیۃ.....الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر:

﴿مرغ اور بٹیر لڑانا اور اس کا تماشا دیکھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ جوئے اور قمار کی بنیاد پر مرغ، بٹیر اور کتے لڑانے والوں کا کیا حکم ہے؟ اگر گناہ ہے تو جو لوگ ان کا تماشا کرتے ہیں، کیا وہ بھی گنہگار ہیں یا نہیں؟ اگر گنہگار ہیں تو جوا کھیلنے والوں اور تماشا کرنے والوں کے گناہ میں کوئی فرق ہے یا برابر کے شریک ہیں؟

مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل لکی مروت

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ گناہ کی صورت کئی گناہوں پر مشتمل ہے، چنانچہ جوا مستقل حرام ہے اور پرندوں اور جانوروں کو لڑانا بھی گناہ ہے، پھر یہ عمل کھلم کھلا اعلانیہ کرنا یہاں تک کہ تماشائیوں کا اجتماع ہو جاتا ہے، شیطان کی ڈیوٹی انجام دینا ہے، لہٰذا جو لوگ بذات خود ان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ان پر اپنے گناہوں کا بوجھ تو ہے ساتھ ساتھ تماشائیوں کے گناہ کا بھی بوجھ ہے، اس لئے کہ یہی لوگ تماشائیوں کے لئے سبب اور گناہوں کے داعی قرار پاتے ہیں اور تماشائی لوگ بھی بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اس لیے کہ مذکورہ صورت میں تماشا صرف بیہودہ کام ہی نہیں بلکہ اس گناہ پر گویا رضامندی کا اظہار ہے اور اصل گنہگاروں کو مذکورہ تمام گناہوں میں حوصلہ افزائی کے مترادف ہے، لہٰذا تماشائی بھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اگرچہ بذات خود گناہ کرنے والے نسبتاً زیادہ گنہگار ہیں۔

لمافی المظھری:(۱/۲۹۹،سورۃ المائدۃ،آیت،طبع رشیدیہ)

یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان الخفی.....المیسر مصدر کالموعدیسمی بہ القمار لانہ اخذمال الغیر بیسیر.

ولمافی روح المعانی:(ج۲۱ص۹۱،طبع رشیدیہ)

(ولھو الحدیث)علی ماروی عن الحسن کل ماشغلک عن عبادۃ اللہ تعالیٰ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۹۴-۳۹۵،طبع سعید)

(و)کرہ تحریما(اللعب بالنرد)وکذا(الشطرنج)الخ واباحہ الشافعی وابویوسف فی

روایۃ.....وھذا اذالم یقامرولم یداوم ولم یخل بواجب والافحرام بالاجماع.....(و) کرہ (کل لھو) لقولہ علیہ السلام کل لھوالمسلم حرام الاثلاثۃ ملاعبتہ اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ (وکرہ کل لھو) ای کل لعب وعبث.

ولمافی فتح القدیر:(۲۸۷/۷،طبع رشیدیہ)

وکل ماکان کذلک مما احدثہ الشیطان وعملہ اھل الغفلۃ فھوحرام سواء قومربہ اولا.

ولمافی الاشباہ والنظائر:(ص۱۲۰،طبع قدیمی)

اذااجتمع المباشروالمتسبب اضیف الحکم الی المباشر.

ولمافی الھندیۃ:(۳۶۲/۵،طبع رشیدیہ)

یکرہ تعلیم البازی بالطیرالحی یاخذہ ویعذبہ ولاباس بان یعلم بالمذبوح کذافی المحیط السرخسی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب لغمانی عفااللہ عنہ

۲۳ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۵۰

﴿ضرورت کی بناء پر چھوٹے بچوں کا بغیر وضوء کے قرآن کو چھونا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچے کا بغیر وضوء کے قرآن چھونا کیسا ہے؟ نیز ہمارے علاقے میں بچے کا بغیر وضوء کے قرآن کو ہاتھ لگانا برا سمجھا جاتا ہے تو اسکا کیا حکم ہے؟

مستفتی:علی حیدر عمرزئی چارسدہ

﴿جواب﴾ بچوں کو وضو کی عادت بنانے کی غرض سے وضو کا حکم کرنا چاہیے لیکن ابھی شریعت کی طرف سے چونکہ رخصت ہے اور زمانہ حفظ وناظرہ کا ہے جس میں بار بار قرآن کو ہاتھ لگانا پڑتا ہے، اس لئے وضو کے معاملہ میں سختی کرنا غلط ہے اس میں بچے کا دل اٹھنے کا اندیشہ ہے، لہذا صرف عادت بنانے کے درجہ میں تو بچوں کو وضو کا حکم ہو لیکن اس کا پابند نہ بنایا جائے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۱۷۳/۱،طبع سعید)

(ولا) یکرہ (مس صبی لمصحف ولوح) ولا بأس بدفعہ الیہ وطلبہ منہ للضرورۃ، اذالحفظ فی الصغرکالنقش فی الحجر.....وفی الشامیۃ:(قولہ ولایکرہ مس صبی الخ) فیہ ان الصبی غیرمکلف، والظاھران المرادلایکرہ لولیہ ان یترکہ یمس.....(قولہ للضرورۃ) لان فی تکلیف الصبیان وأمرھم بالوضوء حرجابھم، وفی تاخیرہ الی البلوغ تقلیل حفظ القرآن درر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی عفی عنہ

۱۷رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۲۹

﴿تہہ خانے میں قرآن کے نسخے ہوتے ہوئے بالاخانے میں رہنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں جو تہہ خانہ ہے، ہم نے اس میں قرآن مجید کے نسخے اور دیگر اسلامی کتب رکھی ہوئی ہیں، گھر کے بعض افراد بالاخانہ میں سوتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ اوپر کمرہ میں سونا کیسا ہے؟ جبکہ نیچے کمرہ میں دینی کتابیں موجود ہوں۔

مستفتی: محمد انعام اللہ چارسدہ

﴿جواب﴾ ایسے کمرے کے اوپر رہائش اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: (۲/ ۲۲۹-۲۳۰، طبع امدادیہ)

(لا) یکرہ ماذکر (فوق بیت) جعل (فیہ مسجد) بل ولا فیہ، لانہ لیس بمسجد شرعا)

وفی الشامیۃ: قولہ: (لایکرہ ماذکر) ای من الوطی والبول والتغوّط نہر. قولہ: (فوق بیت الخ) ای فوق مسجد البیت: ای موضع اعد للسنن والنوافل بان یتخذلہ محراب — فھو کالوبال علی سطح بیت فیہ مصحف، وذلک لایکرہ کمافی جامع البرھانی معراج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیزالرحمٰن چارسدوی غفرلہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۳۰۰

﴿شوہر کے لئے بلادخول انزال کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ مفتی صاحب! میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں، میری بیگم کی طبیعت کچھ ایسی ہے کہ مہینہ میں ایک دومرتبہ سے زیادہ جماع کو ناپسند کرتی ہے، اب میں ایک جوان آدمی ہوں اپنے نفس کی تسکین اور تقاضائے شہوت کے لئے پیچھے کے راستے سے بغیر دخول کے مقعد کے قریب انزال کرتا ہوں، میری بیگم بھی اس پہ راضی ہے اور یہ میری عادت بن چکی ہے حتی کہ میں ماہواری کے زمانے میں بھی یہ عمل کرتا ہوں اور ایک دومرتبہ دوسرے راستے میں مجھ سے دخول بھی ہو چکا ہے۔

لہٰذا اب مطلوب یہ ہے کہ (۱) پیچھے کے راستے سے میں نے جو ایک دومرتبہ دخول کیا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) ماہواری کے زمانے میں میرا یہ عمل (بلادخول مقعد کے قریب انزال) درست ہے یا نہیں؟ (۳) ماہواری کے علاوہ یہ عمل کیسا ہے؟

مستفتی: ایک سائل کرک

﴿جواب﴾ شرعی عذر کے بغیر بیوی کے لئے جماع سے انکار کرنا سخت گناہ ہے اور باعث

لعنت ہے، ایسی صورت میں شوہر کو زبردستی جماع کرنے کا بھی اختیار ہے بلکہ استطاعت ہو تو دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

لمافی سنن ابی داود :(۱/۳۰۸،رقم الحدیث:۲۱۴۱،طبع رحمانیه)

عن النبی صلی اللہ علیه وسلم اذادعا الرجل امرأته الی فراشه فلم تاته فبات غضبان علیهالعنتها الملئکة حتی تصبح.

ولمافی الشامی:(۲/۴،طبع سعید)

له وطؤهاجبراًاذاامتنعت بلامانع شرعی ولیس لهااجباره علی الوط بعد ما وطئها مرةوان وجب علیه دیانةاحیاناً.

ولمافی البدائع:(۲/۳۳۱،طبع سعید)

للزوج ان یطالبهابالوط متی شاء الا عنداعتراض أسباب مانعةمن الوطء.

ولمافی فتاویٰ هندیة:(۱/۲۸۷،الباب الرابع فی الاولیاء،طبع رشیدیه)

وان کانت ضخمةسمینة تطیق الرجال ولایخاف علیهاالمرض من ذلک کان للزوج ان یدخل بها.

ولمافی البدائع:(۲/۳۳۴،طبع سعید)

منهاوجوب طاعةالزوج علی الزوجة اذادعاهاالی الفراش.

ولمافی قاضی خان:(۱/۳۸۲،فصل حقوق الزوجیة،طبع قدیمی)

للزوج ان یمنع المرأة من العزل وله ان یضربهاعلی اربعة منهاترک الزینة اذاارادالزوج الزینة والثانیة ترک الاجابة اذاارادالجماع وهی طاهرة

(۱) بیوی کے ساتھ پیچھے کے راستے سے جماع کرنا بہت بڑا گناہ ہے، حدیث میں ایسے شخص پہ لعنت کی گئی ہے، لہذا آپ نے جو ایک دو مرتبہ پیچھے کی جانب دخول کیا ہے، اس پر صدق دل سے توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی قبیح حرکت نہ کرنے کا عزم کریں۔

لمافی سنن ابی داود:(۱/۳۱۰،طبع رحمانیه)

عن ابی هریرةقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ملعون من اتیٰ امرأةفی دبرها.

ولمافی معانی الاثار:(۲/۲۹باب الوطی فی ادبارالنساء،طبع سعید)

عن حزیمة بن ثابت قال لا تاتواالنساء فی ادبارهن......وعن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لاینظرالله عزوجل الی رجل وطی امراة فی دبرها......وایضاعن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من اتی حایضاًاوامراة فی دبرهااوکاهنافقدکفربماانزل الله علی محمد.

(۲) اسی طرح ماہواری کے دنوں میں ناف سے لیکر گھٹنوں تک بغیر کپڑے کے، بیوی سے

فائدہ اٹھانا ناجائز ہے چونکہ آپ نے حالت حیض میں بھی اس فعل کا ارتکاب کیا ہے، اسلئے اس پر بھی صدق دل سے توبہ واستغفار کریں اور ائندہ اس فعل شنیع سے باز رہے، البتہ حالت حیض میں جسم کے مذکورہ حصہ کے علاوہ باقی بدن سے بلا حائل بھی استمتاع کرنا یعنی لطف حاصل کرنا جائز ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،ایت ۲۲۲)

﴿یسئلونک عن المحیض قل هواذی فاعتزلوالنساء فی المحیض ولاتقربوهن حتی یطهرن﴾

ولمافی التنویرمع الدر:(۱/۲۹۲،طبع سعید)

(و)یمنع(حل قربان ماتحت ازار)یعنی مابین سرةورکبة.

ولمافی الفتاوی الهندیة:(۱/۳۹،طبع رشیدیه)

وله ان یقبلهاویضاجعهاویستمتع لجمیع بدنهاماخلابین السرة والرکبة عندابی حنیفة و ابی یوسف.....وایضافان جامعهاوهوعالم بالتحریم فلیس علیه الا التوبة والاستغفار.

(۳) بغیر دخول کے مقعد کے قریب انزال اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن دخول کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے بچنا ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،ایت ۲۲۳)نساء کم حرث لکم فاتواحرثکم انیٰ شئتم.....الأیة.

ولمافی بدائع الصنائع:(۲/۳۳۱،طبع سعید)

ومنهاملک المتعة وهواختصاص الزوج بمنافع بضعهاوسائراعضائهااستمتاعا.

ولمافی صحیح البخاری:(۱/۲۷۴،کتاب البیوع،طبع قدیمی)

قال النبی صلی الله علیه وسلم الحلال بین والحرام بین وبینهماامورمشتبهة فمن ترک ماشبه علیه من الاثم کان لماستبان له اترک،ومن اجترء علی مایشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع مااستبان،والمعاصی حمی الله من یرتع حول الحمیٰ یوشک ان یواقعه.

واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۷۶۸۳ ۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کہ آج کل مسلم ممالک میں بعض غیر مسلم سفیر مدارس دینیہ کا دورہ کرتے ہیں جس میں وہ بعض اوقات مسجد میں بھی داخل ہوتے ہیں تو شریعت کی رو سے غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: نصیر احمد کراچوی

﴿جواب﴾ صرف غیر مسلم ہونا دخول مسجد سے مانع نہیں ہے، چنانچہ آداب مسجد اور تقدس کا

خیال رکھتے ہوئے اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں داخل ہو تو علماء احناف منع نہیں کرتے لیکن موجودہ دور میں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ ان کے رہبر خواہ وہ مسلمان ہوں مساجد کے تقدس کا کوئی خیال نہیں رکھتے تفریحی مقام کی طرح بے پردہ عورتیں بھی ساتھ آجاتی ہیں، ڈیجیٹل کیمرے بھی ساتھ ہوتے ہیں، لہذا ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ اگر اس طرح ہوں تو داخل نہ ہونے دیا جائے بشرطیکہ کسی بڑی مصیبت و آزمائش میں مبتلاء ہونے کا قوی اندیشہ نہ ہو۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/۳۸۷،طبع سعید)(و) جاز (دخول الذمی مسجداً) مطلقا.

وفی الشامية:(قوله وجاز دخول الذمی مسجدا) ولوجنبا کمافی الأشباه ـــ وانظر هل المستأمن ورسول أهل الحرب مثله ومقتضى استدلالهم على الجواز بانزال رسول الله صلى الله عليه وسلم وفد ثقيف في المسجد جوازه ويحرر ط (قوله مطلقاً) أی المسجد الحرام وغيره.

ولمافی البحر الرائق:(۸/۲۰۳،طبع سعید)

(ودخول ذمی مسجداً) يعنی جاز ادخال الذمی جميع المساجد عندنا ـــ ولنا أنه عليه الصلاة والسلام أنزل وفد ثقيف فی المسجد وضرب لهم خيمة فی المسجد فقال الصحابة: المشركون نجس فقال عليه الصلاة والسلام ليس على الأرض من نجاستهم شئی وانما نجاستهم على أنفسهم ـــ وظهر أن قول المولف ذمی مثال وليس بقيد ولهذا عبر محمد فی كتبه بلفظ الكافر ليفيد العموم.

ولمافی الهداية:(۴/۴۷۷،طبع رحمانيه)

(قال ولا بأس بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام) ـــ ولنا ماروى أن النبی عليه الصلاة والسلام انزل وفد ثقيف فی مسجده وهم كفار ولأن الخبث فی اعتقادهم فلا يؤدی الى تلويث المسجد.

ولمافی احکام القرآن للجصاص:(۲/۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲،طبع قدیمی)

وقد أفاد قوله تعالى (انما المشركون نجس) منعهم عن دخول المسجد الا لعذر اذ كان علينا تطهير المساجد من الأنجاس، فأما وفد ثقيف فانهم جاء وا بعد فتح مكة الى النبی صلى الله عليه وسلم والآية نزلت فی السنة التی حج فيها أبوبكر وهی سنة تسع، فانزلهم النبی صلى الله عليه وسلم فی المسجد فأخبر أن كونهم انجاسا لا يمنع دخولهم المسجد وفی ذلک دلالة على أن نجاسة الكفر لا يمنع الكافر من دخول المسجد.

وقد روى شريک عن أشعث عن الحسن عن جابر بن عبدالله عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: لا يقرب المشركون المسجد الحرام بعد عامهم هذا الا أن يكون عبداً أو أمة يدخله لحاجة. فأباح دخول العبد والأمة للحاجة لا للحج، وهذا يدل على أن الحر

الذمي له دخوله لحاجة ،اذلم يفرق أحد بين العبد والحر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب عفی عنہ

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۲۳

﴿کبوتروں، پرندوں اور مرغیوں وغیرہ کو روٹی کے ٹکڑے کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کھانا کھانے کے بعد عموماً دسترخوان پر روٹی کے ٹکڑے بچ جاتے ہیں تو یہ بچے ہوئے ٹکڑے ہم کبوتروں، پرندوں اور مرغیوں وغیرہ کو ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ دسترخوان پر روٹی وغیرہ کے بچے ہوئے ٹکڑے کبوتروں، پرندوں اور مرغیوں وغیرہ کو کھلانا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

لمافي الهندية:(۵/۳۴۳،طبع رشيديه)

رجل يأكل خبزا مع أهله فاجتمع كسرات الخبز ولايشتهيها أهله فله أن يطعم الدجاجة والشاة والبقر وهوالافضل.

ولمافي المحيط البرهاني:(۸/۴۷،كتاب الكراهية،طبع ادارة القرآن)

وفي فتاوى أهل سمرقند:رجل يأكل خبزاً مع أهله فاجتمع كسيرات الخبز ولايشتهيها أهله فله أن يطعم الدجاجة أوالبقرة أوالشاة.

ولمافي قاضي خان:(۲/۴۰۸،كتاب الحظروالاباحة،طبع قديمي)

رجل أكل خبزاً مع أهله فاجتمع كسرالخبز ولايشتهيها أهله فله أن يطعم الدجاجة والشاة والبقرة وهذاأولى من الالقاء في النهر أو الطريق الااذاوضع في الارض ليأكلها النمل.

ولمافي الولوالجية:(۲/۳۴۷،طبع قديمي)وهو الأفضل لأن اطعام هذه الحيوانات جائز.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۹۳

﴿داڑھی رکھنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ محترم و مکرم مفتی صاحب مدظلہ! ترکی کے ایک حنفی المسلک آدمی نے ڈاڑھی سے متعلق علماء کرام کے تاکیدی فرامین کا احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ثبوت طلب کیا ہے، براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں راہ نمائی فرما کر مشکور ہوں۔ مستفتی: حاجی نصیر احمد، ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ داڑھی رکھنا اور بڑھانا اسلامی شعار، تمام انبیاء کرام کی متفقہ سنت اور تمام علماء

اسلام کا اجماعی مسئلہ ہے، اور ڈاڑھی کتروانا اور مونڈوانا سخت گناہ، تغییرِ خلق اللہ، مجوس کا شعار، عورتوں سے مشابہت، نصاریٰ کا طریقہ اور اسلامی شعار کی سخت خلاف ورزی ہے۔

قُبضہ (ایک مشت) کے برابر ڈاڑھی بڑھانا واجب اور قبضہ (ایک مشت) سے زیادہ حصّے کو تراشنا مستحب ہے، ڈاڑھی بڑھانا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، تصریحات درج ذیل ہیں:

قرآنِ کریم (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۴) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے:

"قال يبنؤم لاتاخذ بلحيتي ولا براسي......الأية".

ترجمہ: اُنھوں (حضرت ہارون علیہ السلام) نے کہا: اے میرے بھائی میرے سر اور ڈاڑھی کو نہ پکڑیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ پکڑنے میں آرہی تھی، ذخیرۂ احادیث میں ڈاڑھی رکھنے سے متعلق امر (جو کہ شریعت اسلامی میں وجوب ولزوم کے لئے آتا ہے) کے پانچ صیغے وارد ہوئے ہیں اور اُن سب کے معنیٰ ڈاڑھی بڑھانے اور اُس کو اپنی حالت پر رکھنے کے ہیں، چنانچہ (۱) اعفاء (۲) ایفاء (۳) ارخاء (۴) ارجاء اور (۵) توفیر کے الفاظ مختلف احادیثِ کریمہ میں وارد ہیں:

مثلاً: صحیح مسلم (۱۲۹/۱، طبع قدیمی) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية".

ترجمہ: دس چیزیں فطرت سے ہیں، مونچھوں کو تراشنا اور ڈاڑھی بڑھانا......الحدیث۔

صحیح بخاری: (۸۷۵/۲، حدیث نمبر: ۵۸۹۲، طبع رحمانیہ) اور صحیح مسلم: (۱۲۹/۱، طبع قدیمی) حدیث نمبر: (۲۵/۲تا۲۵۹) میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "خالفوا المشركين، أوفروا اللحىٰ وأحفوا الشوارب".

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو چھوٹا کرو۔

ایک تیسری جگہ صحیح مسلم: (۱۲۹/۱، طبع قدیمی) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "جزوا الشوارب وأرخوا اللحىٰ خالفوا المجوس".

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں کاٹو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

اور المحیط البرہانی: (۳۱۴/۸، طبع دار الکتب العلمیۃ) میں ہے: "من تشبه بقوم فهو منهم"

یعنی جو شخص کسی اور قوم سے مشابہت رکھے تو انجام اُس کا اُن کے ساتھ ہوگا، اور ڈاڑھی کتروانا اور مونڈوانا کفار سے مشابہت ہے۔

مسندِ احمد: (۲۴۳/۵، طبع مؤسسۃ الرسالۃ) میں مرویاتِ ابنِ عباس میں ہے:

قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوں اور اُن عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہوں۔

نبی کریم ﷺ کو ڈاڑھی مونڈوانے اور کتروانے سے سخت نفرت تھی اور نفرت حرام چیز سے کی جاتی ہے، چنانچہ "البدایہ والنہایہ" (۵۱۳/۴، طبع رشیدیہ) میں ہے:

"......فكره النظر اليهما وقال: "ويلكما من امركما بهذا؟ قالا: امرنا ربنا (يعنيان كسرىٰ) فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: "ولكني امرني ربي باحفاء لحيتي وقص شاربي".

ترجمہ: ......تو آپ نے اُن دونوں کی طرف دیکھنے (تک) کو گوارا نہ کیا اور فرمایا تم پر پھٹکار ہو کس نے تمہیں اس (ڈاڑھی مونڈنے) کا حکم کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہمارے پروردگار نے (اور اُن کی مراد اس سے کسریٰ تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھ تراشنے کا حکم دیا ہے۔

علامہ شامی نے ابن الہمام کے حوالے سے فتاوی شامیہ: (۴۱۸/۲، طبع سعید) میں علماء اسلام کا اتفاق و اجماع اس مسئلے کے بارے میں نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

وأمّا الأخذ منها وهي دون ذلك القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنّثة الرّجال فلم يبحه احد وأخذ كلّها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم.

ترجمہ: اور ڈاڑھی کو ایک مشت سے کم کاٹنا جیسے کہ بعض مغربی لوگ اور ہیجڑے قسم کے لوگ کرتے ہیں تو اسے کسی نے بھی مباح نہیں کہا ہے اور پوری داڑھی ختم کرنا ہندوستان کے یہودیوں اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ الموفق للصواب: عنایت اللہ کاکڑ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۲۸۲۲

﴿روٹی پر نمکدان وغیرہ رکھنا احترام کے منافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ جب ہم کھانے کے لئے دستر خوان لگاتے ہیں تو بسا اوقات کھانے میں نمک کی ضرورت پڑتی ہے تو نمک پلیٹ میں ڈال کر روٹی پر رکھتے ہیں یا روٹی پر نمک رکھ کر دستر خوان تک لیجاتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نمکدان یا پلیٹ میں نمک ڈالکر روٹی کے اوپر رکھنا مناسب نہیں ہے، اس سے بچنا چاہیے، اس لئے کہ دراصل اس مسئلہ کا تعلق ادب سے ہے اور ادب اور خلاف ادب میں فرق کرنے والا علاقہ کا عرف ہوتا ہے، ہمارے عرف میں روٹی کے اوپر نمکدان وغیرہ رکھنا احترام کے منافی سمجھا جاتا ہے۔

لمافی الشامی:(۹/۴۹۰،طبع امدادیه)یکره وضع المملحة القصعة علی الخبز.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۲۱،طبع رشیدیه)

والأصح ان کان مملحة یریدأکل الخبزبه لایکره کذافی الینابیع،ویجوزوضع کاغذ فیهاملح علی الخبزووضع البقول علیه قال شمس الأئمة الحلوانی:کل ذالک جائز ......وکان الشیخ الامام ظهیرالدین المرغینانی رحمه الله تعالی لایفتی بالکراهیة فی وضع المملحة علی الخبز.

ولمافی المحیط البرهانی:(۸/۵۵،کتاب الکراهیة،طبع ادرة القرآن)

ومما یتصل بمسائل الأکل وضع المملحة علی الخبزعلی الخوان:

وأنه مکروه،لأنه استخفاف بالخبزولکن ینبغی أن یوضع الملح وحده علی الخبز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۷۹۱

﴿حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بعض اہل علم حضرات سے سنا ہے کہ جس کی کمائی حرام کی ہو، ان کے ہاں دعوت نہیں کھانی چاہیے، اب ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارے اقارب اور دوست وغیرہ ہمیں دعوت پر مدعو کرتے ہیں لیکن ہمیں ان کے کاروبار اور کمائی کے بارے میں پوری معلومات نہیں ہوتی، ایسی صورت میں ہمارے لئے ان کی دعوت کو قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں جب آپکو اپنے رشتہ داروں کی کمائی کے بارے میں پوری

معلومات نہیں ہیں تو آپ کے لئے ان کی دعوت قبول کرنا جائز ہے کیونکہ جب تک کسی کے بارے میں علم نہ ہو کہ اس کی آمدنی حرام ہے تو مؤمن کے ظاہر حال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی کمائی کو حلال سمجھا جائیگا، البتہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کے مال میں حرام غالب ہے تو دعوت قبول کر لینے سے معذرت کرنی چاہیے۔

لمافی الشامی:(۹۸/۵،مطلب الحرمۃ تتعدد،طبع سعید)

(قولہ الحرمۃ تتعدد الخ)نقل الحموی عن سیدی عبدالوھاب الشعرانی أنہ قال فی کتابہ المنن ومانقل عن بعض الحنفیۃ من أن لایتعدد ذمتین سألت عنہ الشھاب بن الشلبی فقال:ھو محمول علی ما اذا لم یعلم بذلک الحرام.

ولمافی المحیط البرھانی:(۷۳/۸،کتاب الکراھیۃ،طبع ادارۃ القرآن)

رجل أھدی الی انسان وأضافہ ان کان غالب مالہ من الحرام،فلاینبغی أن یقبل ویأکل من طعامہ مالم یخبر أن ذلک المال حلال استقرضہ أوورثہ وان کان غالب مالہ من حلال فلابأس بأن یقبل مالم یتبین لہ أن ذلک من الحرام ،وھذا لأن أموال الناس لاتخلو من قلیل حرام وتخلو عن کثیر حرام ،فیعتبر الغالب.

ولمافی الھندیۃ:(۳۴۲/۵،طبع رشیدیہ)

أھدی الی رجل شیأ أو أضافہ ان کان غالب مالہ من الحلال ،فلابأس الا أن یعلم بأنہ حرام......الا اذا علم أن أکثر مالہ حلال بأن کان صاحب تجارۃ أوزرع فلابأس بہ لأن أموال الناس لاتخلو عن قلیل حرام ،فالمعتبر الغالب.

ولمافی قاضی خان :(۲۰۱/۳،۲۰۲،کتاب الحظر والاباحۃ،طبع قدیمی)

قال الناطفی رحمہ اللہ تعالی اذا أھدی الرجل الی انسان أو أضافہ ان کان غالب من المھدی من الحرام ،ینبغی لہ أن لایقبل الھدیۃ ولایأکل من طعامہ مالم یخبر أنہ حلال وورثہ واستقرضہ من غیرہ وان کان غالب مال المھدی من الحلال ،لابأس بأن یقبل الھدیۃ ویأکل مالم یتبین عندہ أنہ حرام.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۵محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر:۲۸۰۸

﴿موبائل فون سے ایس ،ایم ،ایس ،کے ذریعہ دینی مضامین بھیجنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موبائل فون سے sms کے ذریعے احادیث مبارکہ، دعوت وتبلیغ اور اصلاح کی مضامین حوالوں کے ساتھ بھیجنا کیسا ہے؟ براہ کرم شرعی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔　　　مستفتی:خلیل اللہ سواتی

﴿جواب﴾ موبائل فون سے sms کے ذریعے احادیث مبارکہ، دعوت وتبلیغ اور لوگوں کی

اصلاح کی غرض سے مستند حوالوں کے ساتھ ارسال کرنا جائز تو ہے لیکن اگر اشد ضرورت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اگلا شخص اس میں کچھ ردو بدل کر کے آگے ان حوالوں کے ساتھ بھیج دے جس کی بناء پر وہ وعید کا مستحق ٹھہرے، نیز دعوت و اصلاح کے لئے یہ کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہے، اس لئے ہماری نظر میں ناپسندیدہ ہے۔

لمافی قوله تعالى :(سورة النمل أيت ۲۸۔۲۹)

اذهب بكتٰبي هذافالقه اليهم ثم تول عنهم فانظر ماذا يرجعون، اني القي الي كتاب كريم ......الأية.

ولمافي أحكام القران:(۳۲/۳،طبع ادارة القرآن)

فسرابن عباس رضي الله عنه وقتادة وذهير بن محمد(الكريم)ههنابالمختوم،ففي الحديث كرم الكتاب ختمه وشرح أدب الكتاب يقال أكرمت الكتاب فهوكريم اذ اختمته وقال ابن المقنع من كتب الى أخيه كتاباًولم يختمه فقداستخف به ومن أدب الكتاب ان يختم أويلف في لفافه،ففي الأية دلالة على استحباب ختم الكتاب لكرم مضمونه وشرفه أولكرم مرسله وعلومنزلته،قلت:ولعل جعل الكتاب في اللفافة المعروفة ببلادنايقوم مقام الختم عرفاً،فانهم يعدون ارسال الكتاب أكراماًوبدونها تساهلاً.

ولمافي روح المعاني:(ج۱۹-۲۰ص۲۵۳-۲۵۴،طبع رشيديه)

وفي الأية دليل على جوازارسال الكتب الى المشركين من الامام كابلاغ الدعوة والدعاء الى الاسلام وقدكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى كيسرى وقيصر وغيرهمامن ملوك العرب......روى أنه عليه السلام كتب كتابه وطبعه بالمسك وختمه بخاتمة ودفعه الى الهدهد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۲۷۷۹

﴿عورتوں کے ڈرائیونگ سیکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کیا عورتوں کو ڈرائیونگ سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عورتوں کا ڈرائیونگ سیکھنا فی نفسہ مباح ہے بشرطیکہ بے پردگی، نامحرم مردوں سے اختلاط اور ان سے سیکھنا نہ پڑتا ہو، نیز اس کی ضرورت ہو یا ضرورت پیش آنے کی توقع ہو، محض فیشنی عورتوں کی تقلید ہو تو جائز نہیں ہے۔

لمافي قوله تعالىٰ(سورة الأحزاب،ايت ۳۳)﴿وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ﴾

ولمافی الدر مع الرد:(۶/ ۴۲۳،طبع سعید)

لاترکب مسلمة علی سرج للحدیث ھذالوللتلھی،ولولحاجة غزوأوحج أومقصد دینی أو دنیوی لابدلھامنه فلابأس به.

وفی الشامیة:(قوله ولولحاجة غزوالخ)أی بشرط أن تکون متسترة وأن تکون مع زوج أو محرم.

ولمافی البزازیة بھامش الھندیة:(۴/ ۱۵۷،طبع رشیدیه)

ولایأذن بالخروج الی المجلس الذی یجتمع فیه الرجال والنساء وفیه من المنکرات الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۰۷

﴿اپریل فول منانا بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اپریل فول منانا یعنی یکم اپریل کو لوگوں کو جھوٹ بولکر فریب دینا یا ہنسنا ہنسانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہر سال یکم اپریل کو بہت سی جھوٹی افواہیں پھیلائی جاتی ہیں مثلاً فائر بریگیڈ والوں کو فون کر دیا کہ فلاں فلاں جگہ آگ لگی ہوئی ہے اور جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہیں ہوتا ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی:محمد حسن پشاوری

﴿جواب﴾ اپریل فول کی رسم بلاشبہ باطل رسم ہے اور یہ مغرب سے ہمارے یہاں آئی ہے اور آج کل بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں اور یہ بہت سے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) اس دن لوگ صریح جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں، جھوٹ کو اگر نا جائز سمجھ کر بولا جائے تو کبیرہ گناہ ہے لیکن اگر اس کو حلال سمجھ کر بولا جائے تو اندیشہ کفر ہے اور قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے گویا جو لوگ اپریل فول مناتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی، رسولوں کی، فرشتوں کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہوتی ہے۔

(۲) اس میں خیانت کا گناہ بھی ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ بہت بڑی خیانت ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی خبر دے جس کو خبر دی جارہی ہو وہ خبر دینے والے کو سچا سمجھ رہا ہو جبکہ خبر دینے والا جھوٹ بول رہا ہو۔

(۳) اس میں دوسرے کو دھوکہ دینا ہے اور یہ بھی کبیرہ گناہ ہے اور حدیث میں دھوکہ دینے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ (۴) اس میں مسلمانوں کو ناحق ایذاء

پہنچانا ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ ایسے لوگ بڑے بہتان اٹھانے والے اور بڑے گنہگار ہیں۔ (۵) اپریل فول منانا گمراہ اور بے دین قوموں کی مشابہت ہے اور حدیث میں دوسری قوموں کی مشابہت اختیار کرنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

پس جو لوگ فیشن کے طور پر اپریل فول مناتے ہیں انکے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ قیامت کے دن یہود و نصاریٰ کی صف میں اٹھائے جائیں، جب یہ اتنے بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے تو تمام مسلمانوں کو نہ صرف خود اس سے توبہ کرنی چاہیے بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس باطل رسم کو ختم کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة آل عمران،أیت ٦١)لعنت الله علی الکاذبین......لآیة.

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورة التوبة،أیت ٢٩)ولا یحرّمون ما حرّم الله ورسوله......الأیة.

ولمافی سنن أبی داؤد:(٣٣٧/٢،باب فی المعاریض،طبع رحمانیه)

عن سفیان بن اسید الحضرمیؓ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول کبرت خیانة أن تحدث أخاك حدیثا هولك به مصدق وأنت له به کاذب.

ولمافی جامع الترمذی:(١٥٧/١،باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع،طبع فاروقی ملتان)

عن أبی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرعلی صبرة طعاما......ثم قال من غش فلیس منا.

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورة الأحزاب،أیت ٥٨)

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا......الأیة.

ولمافی بذل المجهود:(٤١/٥،باب فی لبس الشهرة،طبع الشیخ)

(عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم)قال القاری أی من تشبه نفسه بالکفار مثلافی اللباس وغیره أوبالفسّاق أوالفجار أوبأهل التصوف الصلحاء الأبرار(فهو منهم)أی فی الاثم أوالخیر عندالله تعالیٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر: ۹۳۹۲

﴿نجومی کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا نجومی کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نجومی اسباب پر نظر کر کے نتیجہ کی

پیشگوئی کرتا ہے جیسے کہ محکمہ موسمیات والے پیشگوئیاں کرتے ہیں اور یہ علم غیب نہیں ہے کیا ایسا عقیدہ رکھنا شرعا درست ہے؟ مستفتی: محمد شعیب

﴿جواب﴾ نجومی کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا ایک بے مقصد کام ہے اور اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے، ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نجومی کے پاس جائے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، نیز جس شخص کو اس کی عادت پڑ جائے وہ ہمیشہ پریشان رہے گا اور ان لوگوں کی الٹی، سیدھی اور غلط باتوں میں الجھا رہے گا اور اہل اسلام کے نزدیک کوئی شخص کسی کی قسمت کا صحیح صحیح حال نہیں بتا سکتا اور نہ ہی ستاروں اور برجوں میں کوئی ذاتی تاثیر ہے۔

اور بعض لوگ جو نجومیوں کو محکمہ موسمیات وغیرہ پر قیاس کرتے ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ محکمہ موسمیات والوں کے پاس کچھ ایسے حسی آلات ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ امکانی طور پر پیشگوئی کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کی طرف سے امکان کا دعویٰ ہوتا ہے، وقوع یا عدم وقوع کا تعین نہیں ہوتا جبکہ اس کے برعکس نجومی لوگ محض انکل سے آئندہ کے واقعات کی خبر دیتے ہیں اور لوگوں کے عقائد خراب کرتے ہیں، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم: (۲/۲۳۳، باب فی تحریم الکهانة والكهان، طبع قدیمی)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من أتى عرافا فسأله عن شئ لم تقبل له صلوٰة اربعين ليلة.

ولمافی سنن ابی داؤد: (۲/۱۸۹، باب فی الکهان، طبع رحمانیه)

عن ابي هريرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من أتى كاهنا قال موسىٰ في حديثه فصدقه بمايقول...... فقد برئ ممانزل على محمد صلى الله عليه وسلم.

ولمافی الشامی: (۱/۴۴، مطلب في التنجيم والرمل، طبع سعيد)

قال في الاحياء: ان علم النجوم في نفسه غير مذموم لذاته اذهو قسمان الخ ثم قال ولكن مذموم في الشرع. وقال عمر: تعلموا من النجوم ماتهتدوا به في البر والبحر ثم امسكوا، وانمازجر عنه من ثلاثة أوجه: أحدها: انه مضر بأكثر الخلق، فانه اذا القى اليهم ان هذه الآثار تحدث عقيب سير الكواكب وقع في نفوسهم انها المؤثرة. وثانيها: ان احكام النجوم تخمين محض، ولقد كان معجزة لادريس عليه السلام فيما يحكى وقد اندرس. وثالثها: انه لا فائدة فيه، فانه ماقدر كائن والاحتراز منه غير ممكن اهـ ملخصا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۵۰

پتنگ اڑانا ممنوع ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کیا پتنگ اڑانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد حسن

جواب پتنگ اڑانے میں بہت سی برائیاں پائی جاتی ہیں اس لیے ممنوع ہے مثلاً:

(۱) یہ کبوتر بازی کے مشابہہ ہے، جس میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پایا جاتا ہے اور کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

(۲) پتنگ بازی کی وجہ سے پتنگ باز جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے۔

(۳) پتنگ چونکہ عام طور پر مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر اڑائی جاتی ہے اس لئے آس پاس کے گھر والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

(۴) پتنگ بازی میں انہماک کی وجہ سے بعض اوقات چھتوں سے گرنے کے واقعات پیش آتے ہیں اس میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے، جس میں منڈیر نہ ہو۔

(۵) پتنگ بازی میں بے جا مال صرف ہوتا ہے جو کہ تبذیر اور حرام ہے اور قرآن کریم میں بے جا مال خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة بنی اسرائیل،آیت۲۷)ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین......الآیة.

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورة المائدة،آیت۹۱)ویصدکم عن ذکرالله وعن الصلوٰة......الآیة.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲۱۲/۲،باب تحریم النظرفی بیت غیره،طبع قدیمی)

عن ابی هریرةؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنهم فقد حل لهم ان یفقأوا عینه.

ولمافی سنن ابی داؤد:(۳۲۶/۲،طبع رحمانیه)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من بات علی ظهربیت لیس علیه حجار فقد برئت منه الذمة.

ولمافی بذل المجهود:(۲۶۵/۵،باب فی اللعب بالحمام،طبع الشیخ)

(عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رأی رجلا یتبع حمامة فقال

شیطان یتبع شیطانۃ) ای ھو شیطان لاشتغالہ بمالا یعنیہ یقفو اثر شیطانۃ اورثتہ الغفلۃ عن ذکر اللہ تعالیٰ.

ولمافی الھدایۃ:(۴/۴۷۸،طبع رحمانیہ)

قال ویکرہ اللعب بالشطرنج والنرد والاربعۃ عشر وکل لھو لانہ ان قامر بھا فالمیسر حرام بالنص وھو اسم لکل قمار وان لم یقامر بھا فھو عبث ولھو...... ولانہ نوع لعب یصد عن ذکر اللہ وعن الجمع والجماعات فیکون حراما لقولہ علیہ السلام ماالھاک عن ذکر اللہ فھو میسر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

۲۷صفر الخیر۱۴۳۲   فتویٰ نمبر:۲۹۴۸

﴿انتظامیہ کی اجازت کے بغیر چوری چھپے پانی فرخت کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ٹینکر والا واٹر پمپ سے چوری کر کے پانی لیتا ہے اور اس کو عام قیمت سے کم پر فروخت کرتا ہے تو کیا ان سے چوری کا پانی کم قیمت پر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟   مستفتی:محمد فاروق

﴿جواب﴾ یادر ہے کہ پانی کے استعمال میں سب کو برابر کا حق حاصل ہے لیکن جب حکومت نے پانی کو جمع کیا ہے(یعنی واٹر پمپ میں) اور اسکے استعمال کے لئے ایک طریقہ متعین کیا ہے تو صرف اس طریقہ سے استعمال کرنا جائز ہوگا،اس طریقہ سے ہٹ کر استعمال کرنا ناجائز ہوگا کیونکہ اس میں انتظامیہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو کہ از روئے شریعت ناجائز ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں واٹر پمپ سے انتظامیہ کی اجازت کے بغیر چوری چھپے پانی نکالنا اور پھر اس کی خرید فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں،اس طرح کے انتظامی امور کی خلاف ورزی سے بچنا لازم ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۶/۴۴۰،طبع سعید)

"المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار"......وفی الشامیۃ:(قولہ المسلمون شرکاء فی ثلاث)ای شرکۃ اباحۃ لاشرکۃ ملک،فمن سبق الی شئ من ذلک فی وعاء اوغیرہ وأحرزہ فھوأحق بہ وھوملک لہ دون من سواہ یجوز لہ تملیکہ بجمیع وجوہ التملیک،وھوموروث عنہ وتجوزفیہ وصایاہ،وان أخذہ أحدمنہ بغیراذنہ ضمنہ.

ولمافی الشامی:(۵/۴۲۲،طبع سعید)

(قولہ امر السلطان انما ینفذ)ای یتبع ولاتجوز مخالفتہ......عن الحموی أن صاحب البحر

ذكرنا قلا عن أنستنا أن طاعة الامام في غير معصية واجبة فلو أمر بصوم يوم وجب اھ.

ولما في شرح الحموي: (۲/۳٦۲، كتاب الحظر والاباحة، طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)

قوله "الحرمة تتعدى في الأموال مع العلم بها" قال الشيخ عبدالوهاب الشعراني في كتاب المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى ذمتين سألت عنه الشهاب بن الشبلي، فقال: هذا محمول على ما اذا لم يعلم بذلك.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازئی

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۹۹

﴿چوری کی بجلی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک کالونی میں رہائش پذیر ہوں اور ابھی نیا اس میں منتقل ہوا ہوں۔ اس کالونی میں بجلی کا بہت مسئلہ ہے۔ کئی سال پہلے اس کالونی میں جو حضرات رہائش پذیر تھے۔ ان سے محکمہ والوں نے بل ادا نہ کرنے کے بسبب بجلی کے میٹر ضبط کر لئے تھے۔ اور ابھی تک ان کو محکمہ والوں کی طرف سے بجلی کی اجازت نہیں ملی ہے۔ اور کالونی کے تمام رہائشی بجلی چوری کرتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرے لئے اس طرح کی بجلی استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ میں اس وقت موجود نہیں تھا جب سے یہ مسئلہ بنا ہے۔ اور محلّہ میں ایک امام صاحب ہے جو چوری کی بجلی استعمال میں لاتا ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ محکمہ بجلی ایک قومی ادارہ ہے۔ قومی سرمایہ کے ذریعے بجلی پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ بجلی قوم کا اپنا حق ہے لیکن محکمہ کا بھی قوم پر حق ہے۔ جبکہ ہر دونوں جانب ایک دوسرے کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ عوام کو دیکھیں تو اس نعمت کی حد سے زیادہ ناقدری کرتے ہیں۔ بجلی نہ صرف استعمال کرتے ہیں بلکہ ضائع بھی کرتے ہیں۔ اور محکمہ کا جائز حق بھی ادا نہیں کرتے۔ اور محکمہ کے ذمہ داروں کے مظالم اور بدنظمی کی بھی انتہاء نہیں ہے۔ چوری کرنے والوں کو نہیں روکیں گے یا نہیں روک سکتے۔ اور شریف لوگ جو چوری نہیں کرتے۔ پورے علاقہ میں چوری شدہ بجلی کا جرمانہ بھی انہی سے وصول کرتے ہیں۔ اور جب ایک بار بجلی کا ریکارڈ بن گیا اب ہر صورت میں صارف کو ادا کرنا ہے۔ خواہ میٹر ریڈر کی واضح غلطی ہو۔ بحرحال دونوں طرف سے ظلم ہو رہا ہے۔ لیکن محکمہ

والوں کی زیادتی کے باوجود چوری جائز نہیں ہے سب کے لئے حرام ہے۔البتہ امام صاحب کی شان کے تو زیادہ خلاف ہے۔لیکن نماز اس کی اقتداء میں ہو جاتی ہے۔

لما فی شرح المجلة:(۱/۲۶۲/طبع رشیدیه)

(المادة:۹۶): لا یجوز لاحد ان یتصرف فی مال الغیر بلا اذنه .وعدم الجواز شامل لجمیع انواع التصرف من استعمال کرکوب ولبس ووضع جذع علی حائط ودخول دار ومرور بارض ومن اعارة واجارة وصلح وهبة وبیع ورهن وهدم وبناء. وجمیع ما یجر به من العقود تملیکا بعوض او بغیر عوض یتوقف علی اجازته . فامتناع جمیع ذلک یتفرع علی هذه القاعدة.

ولما فیه ایضا:(۱/۲۶۴/طبع رشیدیه)

(المادة:۹۷): لا یجوز لاحد ان یاخذ مال احد بلا سبب شرعی .ای لا یحل فی کل الاحوال عمدا او خطا او نسیانا جدا او لعبا ان یاخذ احد مال احد بوجه مالم یشرعه الله تعالی ولم یبحه . لان حقوق العباد محترمة لا تسقط بعذر الخطا والنسیان والهزال وغیره. وذلک کالغصب والسرقة والقمار والربا والرشوة.

ولما فی الهداية:(۱/۱۲۲/طبع رحمانیه)

ویکره تقدیم العبد والفاسق والاعمی وولد الزنا. وان تقدموا جاز لقوله علیه الصلاة والسلام صلوا خلف کل بر وفاجر.

ولما فی الفقه الحنفی وادلته:(۲/۱۳۵/)والمظلوم لیس له ان یظلم غیره.

واللہ اعلم بالصواب:محتشم خان غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ

فتوی نمبر:۴۲۳۶

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿بجلی چوری کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیاں عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا تعلق دیہات سے ہے تقریبا پچیس تیس سال سے ہمیں بجلی کی سہولت مہیا ہے شروع چند سال ہمارا اور حکومت کا معاملہ صحیح چلتا رہا ہم بجلی کا بل ادا کرتے رہے اور حکومت ہماری نگرانی کرتی رہی میٹر ریڈر آتے رہے اور میٹر چیک کرتے رہے لیکن کچھ عرصہ بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ بجلی چوری کرنا شروع کر دیا محکمہ والے بھی غفلت کرتے رہے میٹر ریڈر نے آنا جانا بند کر دیا حکومت کی طرف سے بل پر جرمانے آنے شروع ہوئے ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو صحیح طریقے سے بل ادا کرتے تھے ان کے بل پر بھی جرمانے آنے لگے وہ جب محکمہ والوں کے پاس جاتے

اور شکایت کرتے کہ ریڈنگ زیادہ آئی ہے محکمہ والے یونٹ صحیح کرتے پھر دوبارہ اسی طرح ریڈنگ زیادہ آتی وہ لوگ پھر جاتے اور یونٹ صحیح کراتے ان سے جب پوچھا جاتا کہ میٹر ریڈر ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے وہ جواب میں کہتے ہم آپ لوگوں کے علاقے میں ڈرتے ہیں اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا آخر کار لوگ تھک گئے اور میٹر ختم کیے اور بجلی مفت میں استعمال کرنے لگے بعض لوگ جرمانوں سمیت بل ادا کرتے تھے لیکن جرمانے اتنے زیادہ آنے لگے کہ جن کا ادا کرنا بس سے نکل گیا بعض لوگوں نے یہ کوشش بھی کی کہ مسجد میں میٹر لگائے اس خیال سے تاکہ مسجد کی بجلی کم از کم حرام نہ ہو لیکن اسی طرح جرمانہ آیا اب صورت حال یہاں تک پہنچی ہے کہ لوگ یہ بات بھی بھول گئے کہ ہم حرام کی بجلی استعمال کر رہے ہیں بجلی کو اپنا حق سمجھتے ہیں حکومت بھی ہمارا نہیں پوچھتی اگر بجلی میں کوئی خرابی آجائے مثلاً ٹرانسفارمر خراب ہو جائے یا اور کوئی خرابی ہو تو لوگ خود ٹھیک کرتے ہیں لوڈشیڈنگ بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اب ان سب صورت حال کو سامنے رکھ کر بجلی کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو ایک ایسا آدمی جو اللہ کا خوف دل میں رکھتا ہو اور اپنے علاقے والوں کے ساتھ وہ بھی بجلی کے اس ناجائز استعمال میں مبتلا ہو کیا راستہ اختیار کرے؟ کوئی متبادل صورت بن سکتی ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اگر کوئی محکمہ والوں کو روپے دے دیں تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ لوگ خود کھائیں گے اس لئے کہ خزانے کا رسید آتا نہیں اس وجہ سے حکومت کو نہیں دیں گے۔

﴿جواب﴾ بجلی پوری قوم کا سرمایہ ہے اس کا غلط استعمال کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسرے کے حقوق ناجائز طور پر دبانے کا مرض زیادہ عام ہوتا جا رہا ہے، جہاں یہ مرض عوام میں ہے۔ تو سرکاری محکمے بھی اس مرض میں عوام سے کچھ پیچھے نہیں ہیں۔ خصوصاً محکمہ بجلی تو بری طرح بدنظمی کا شکار ہے۔ مذکورہ صورت حال میں علاقہ کے سمجھدار اور ذمہ دار لوگوں کو چاہیئے کہ محکمہ کے بڑے افسروں کے ساتھ بیٹھ کر مسئلہ کا حل نکال لیں اگر سنجیدگی کے ساتھ کوشش ہوئی۔ تو امید ہے اس مشکل کا حل نکل آئے گا۔ اور جب تک اسکا حل نہ نکل آئے تو بجلی استعمال نہ کرے لوڈشیڈنگ بھی تو بجلی مکمل نہ ہونے سے کچھ کم نہیں ہے۔ لوڈشیڈنگ اگر قابل برداشت ہے تو مکمل طور بجلی کے استعمال کو چھوڑنا بھی برداشت کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال کنڈہ استعمال کرنا یا بل ادا نہ کرنے

کے باوجود بجلی استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لما فی ابی دائود ۲/۲۳ رحمانیة

عن ابی هریرةؓ انه قال خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم عام خیبرفلم نغنم ذهباولا ورقاالا الثیاب والمتاع والاموال قال فوجه رسول الله صلی الله علیه وسلم نحو وادی القری قد اهدی لرسول الله صلی الله علیه وسلم عبد اسودیقال له مدعم حتی اذا کانوا بوادی القری فبینا مدعم یحط رحل رسول الله صلی الله علیه وسلم اذ جائه سهم فقتله فقال الناس هنیئا له الجنةفقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلا ولذی نفسی بیده ان الشلمة التی اخذها یوم خیبرمن المغانم لم تصبها المقاسم لتشتعل علیه نارافلما سمعوا ذلک جاء رجل بشراك اوشراکین الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم شراك من نار او قال شراکان من نار۔

ولما فی شرح المجلة ۱/۲۶۴ تحت المادة ۹۷

لا یجوز لاحد ان یاخذمال احدبلا سبب شرعی ای لایحل فی کل الاحوال عمدا او خطاو نسیانا جدا او لعبالان حقوق العبادمحترمة لاتسقط بعذر الخطا ونسیان والهزل وغیره وذلک کالغصب والسرقة والقمار والرباوالرشوة۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۴۱۸۰

﴿قرعہ کے ذریعے سے دعوت کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند دوست کبھی آپس میں طے کر لیتے ہیں کہ قرعہ ڈالتے ہیں، جس کا نام نکلا وہ باقی ساتھیوں کو کھانا کھلائے گا تو کیا شریعت کے رو سے اس طرح قرعہ ڈال کر کسی کی دعوت کھانا جائز ہے؟ مستفتی: برکت اللہ

﴿جواب﴾ اگر سب دوستوں نے کھانا کھلانے پر رضامندی ظاہر کی ہے صرف تعین کے لئے قرعہ ڈالا جارہا ہے تو اسطرح دعوت کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ سب دوست کھانا کھلانے پر راضی نہیں ہیں یا وہ راضی نہیں جس کے حق میں قرعہ نکلا ہے تو اس طرح کسی سے دعوت کھانا جائز نہیں۔

لما فی قولہ تعالیٰ:(سورۃ النساء، پارہ ۵، آیت ۲۹)

﴿یا ایها الذین آمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل الاأن تکون تجارة عن تراض منکم......الآیة.﴾

ولمافي جامع الترمذي:(۱۳۵/۲،سورة التوبة،طبع فاروقی)

ألاان المسلم أخوالمسلم فليس يحل لمسلم من أخيه شئی الاماأحل من نفسه.

ولمافي الهندية:(۲۱۷/۵،الباب الخامس في الرجوع عن القسمة......الخ،طبع رشيديه)

ذكرالناطفي أن القرعة ثلاث الاولى لاثبات حق البعض وابطال حق البعض وانهاباطلة كمن أعتق أحد عبديه بغيرعينه ثم يقرع والثانيةلطيبةالنفس وانهاجائزة كالقرعة بين النساء للسفر......والثالثة لاثبات حق واحد في مقابلة مثله فيفرزبهاحق كل واحد منهاوهوجائزكذافي فتاوى قاضيخان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:ذیشان احمد ملازئی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر:۳۰۱۰

﴿مریض جانور کو گولی یا زہر سے مارنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی جانور مثلاً (کتے) کو ایسا مرض لگ جائے کہ جس سے بغیر موت کے چھٹکارا نہ ہوسکتا ہو تو ایسی صورت میں جانور کو بغیر ذبح کئے ہوئے گولی یا زہر کھلا کر مارنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں جانور کو قتل کرنا جائز ہے مگر قتل کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ذبح کیا جائے لیکن اگر کسی وجہ سے ذبح نہ کرسکتے ہوں تو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں جانور کو کم سے کم تکلیف ہو اور جلدی جان نکل جائے، لہذا ایسی جگہ گولی مارنا کہ جس سے فوراً جان نکل جائے یا اتنا تیز زہر کھلانا کہ کھاتے ہی مرجائے، اس کی بھی گنجائش معلوم ہورہی ہے۔

لمافي الهندية:(۲۲۱/۵،طبع قديمی)

الحماراذامرض ولاينتفع به فلابأس بأن يذبح فيستراح منه كذافي الفتاوى العتابية.

ولمافي الصحيح لمسلم:(۱۵۲/۲،طبع قديمی)

عن شدادبن اوس قال ثنتان حفظتهماعن رسول الله ﷺقال انّ الله كتب الاحسان على كل شئ فاذاقتلتم فأحسنوا القتلة......الخ.

ولمافي التنويرمع الرد:(۷۴۳/۶،طبع سعيد)(والاولى ذبح الكلب اذاأخذته حرارةالموت......)

وفي الشامية(قوله والأولى الخ)لمافيه من تخفيف الالم عنه قال ط والتقييد بالكلب ليس له مفهوم

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:ذیشان احمد ملازئی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر:۷۶۴۲

﴿اناج کے دانے گوبر میں ہوں یا سالن میں مینگنی گری ہو تو ان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) گندم، جو وغیرہ کے ثابت دانے جانوروں مثلاً گائے، بکری اور اونٹ کے معدہ سے ہوتے ہوئے گوبر یا مینگنی وغیرہ کیساتھ نکلیں تو ایسے دانے نجس ہیں یا پاک؟ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے دانے بسا اوقات قابل کاشت ہوتے ہیں اور عام تخم کی طرح کارآمد ہوتے ہیں تو ان کا استعمال کیسا ہے؟ (۲) روٹی میں اگر چوہے یا بکری کی مینگنی نظر آئے تو اس روٹی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) گندم اور جو کے ثابت دانے اگر اونٹ گدھے اور بکری کی مینگنی میں ہوں تو صرف اوپر کا حصہ نجاست لگنے کیوجہ سے نجس ہے دھونے سے پاک ہوجاتے ہیں اور ہر طرح استعمال کئے جاسکتے ہیں، گوبر میں ہوں تو دھونے سے پاک نہیں ہوسکتے اس لئے کہ گوبر کی تری دانوں کے اندر بھی سرایت کرجاتی ہے، ایسے دانے صرف کاشت میں کام آسکتے ہوں تو استعمال کرسکتے ہیں خوراک کی اشیاء میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) بکری اور چوہے کی مینگنی اگر روٹی میں ہو تو صرف روٹی کا وہ حصہ جو مینگنی کیساتھ متصل ہے کاٹ کر الگ کردیں باقی روٹی پاک ہے کھانا جائز ہے اور اگر سالن میں ایسی چیز گرجائے تو پورے سالن کو ناپاک کردیتی ہے، ایسے سالن کا استعمال جائز نہیں ہے۔

لما فی البحر: (۱۸۳/۸، طبع سعید)

ولا بأس بأكل شعير يوجد في بعر الابل والشاة فيغسل ويؤكل وان في اخثاء البقر وروث الفرس لايؤكل لان البعر صلب فلاتتداخل النجاسة في أجزاء الشعير والحنطة.

ولما في البزازية على هامش الهندية: (۳۶۵/۶، طبع رشيديه)

والشعير المأخوذ من بعر الابل يغسل ويؤكل ويباع لا من البقر لان البعر صلب والخثى لا، خبز وجد في وسطه بعر فأرة يرمى البعر ويؤكل ان البعر على صلابته.

ولما في الفتاوى السراجية: (ص ۶۳، طبع سعيد)

الشعير اذا وجد في بعر الابل أو الشاة فانه يغسل ويؤكل ولو وجد في اخثاء البقر لا خبز وجد في خلاله سرقين الفارة فان كان على صلابة يرمى ويؤكل الخبز.

ولما في الشامي: (۲۲۱/۱، طبع سعيد)

(قوله وقت الحلب) فلو وقعت في غير زمان الحلب فهو كوقوعها في سائر الاواني

فتنجس فی الأصح،لأن الضرورۃ انما ھی زمان الحلب،لأن من عادتھا أن تبعر ذلک الوقت،والاحتراز عنہ عسیر،ولا کذلک غیرہ اھ شارح منیۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد بلال شاہ،جنوبی وزیرستان

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۹۶

﴿مردہ جانور کے تھنوں سے نکلنے والا دودھ حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ مفتی صاحب! مردہ بکری اور گائے کے تھنوں سے اگر دودھ نکل آئے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ آیا اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف،امام محمد رحمھما اللہ تعالیٰ) کے درمیان اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک یہ دودھ پاک ہے،لہٰذا اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناپاک ہے،فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق دلائل کے اعتبار سے تو امام صاحب کا قول راجح معلوم ہوتا ہے،لہٰذا ایسے دودھ میں بظاہر کوئی تبدیلی مثلاً بدبو یا بدذائقہ نہ ہو تو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی البدائع:(۵/۴۳،طبع سعید)

ولو ماتت شاۃ وخرج من ضرعھا لبن یؤکل عند أبی حنیفۃ وعند أبی یوسف ومحمد لا یؤکل وھو قول الشافعی رحمھم اللہ جمیعا الا ان عند الشافعی لا یؤکل لکونہ میتۃ وعندھما لا یؤکل لنجاسۃ الوعاء، ولأبی حنیفۃ علیہ الرحمۃ قولہ تبارک وتعالی وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین والاستدلال بالآیۃ من وجوہ......الخ.وکذافی فتح القدیر:(۱/۱۰۰،طبع رشیدیہ)

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/۲۰۶،طبع سعید)

(وشعر المیتۃ)......وکذا کل مالا تحلہ الحیاۃ حتی الأنفحۃ واللبن علی الراجح.

وفی الشامیۃ:(قولہ علی الراجح)ای الذی ھو قول الامام،ولم ار من صرح بترجیحہ، ولعلہ اخذہ من تقدیم صاحب الملتقی لہ وتأخیرہ قولھما کما ھو عادتہ فیما یرجحہ. وعبارتہ مع الشرح:وانفحۃ المیتۃ ولو مائعۃ ولبنھا طاھر کالمذکاۃ خلافا لھما لتنجسھما بنجاسۃ المحل.قلنا نجاستہ لا تؤثر فی حال الحیاۃ اذ اللبن الخارج من بین فرث ودم طاھر ، فکذا بعد الموت اھ.ثم اعلم ان الضمیر فی قول الملتقی ولبنھا عائد علی المیتۃ،والمراد بہ اللبن الذی فی ضرعھا......الخ.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۴۴،طبع رشیدیہ)والبقرۃ اذا ماتت وفی ضرعھا لبن فھو طاھر.

ولمافی البزازیۃ:(۲/۳۸۲طبع قدیمی)لبن المرأۃ والشاۃ والبقرۃ المیتۃ طاھر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد بلال شاہ وزیرستانی

۵ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۹۹۹

﴿مقدس مقامات کی مٹی اور پتھر پاس رکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کی مٹی اور غارِ حرا یا احد پہاڑ کے پتھر لا کر تبرک کے طور پر گھر میں رکھے تو کیسا ہے؟ یہاں ایک بھائی کہتا ہے کہ عرب سے عجم میں لا کر رکھنا غلط بات ہے؟　　　مستفتی: محمد ادریس چارسدوی

﴿جواب﴾ تبرک کی غرض سے مقدس مقامات کی مٹی یا پتھر پاس رکھنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن اسکی کھلی اجازت دینے میں بے شمار عملی واعتقادی خرابیوں کا نہ صرف اندیشہ بلکہ اس کا مشاہدہ ہے، اس لئے عام لوگوں کو منع کرنے میں خیر ہے۔

لمافی الشامی (۲/۶۲۶، مطلب فی کراھیۃ الاستنجاء بماء زمزم، طبع سعید)

[تنبیہ]لابأس باخراج التراب والاحجار التی فی الحرم، وکذاقیل فی تراب البیت المعظم اذا کان قدرأیسیر[للتبرک به بحیث لاتتوت به عمارۃ المکان کذافی الظھیریۃ. وصوب ابن وھبان المنع عن تراب البیت لئلایتسلط علیه الجھال فیفضی الی خراب البیت والعیاذباللہ تعالیٰ.

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۳۹۹، کتاب اللباس باب مایذکرفی الشیب، طبع رحمانیه)

عن عثمان بن عبداللہ بن موھب قال ارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من ماء، وقبض اسرائیل ثلث اصابع من قصۃ فیه شعرمن شعرالنبی صلی اللہ علیه وسلم وکان اذا اصاب الانسان عین اوشیٔ، بعث الیھامخضبۃ فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمراً.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۲/۱۹۰، باب تحریم استعمال اناء الخ، طبع قدیمی)

فقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخرجت الی جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ لھالبنۃ دیباج وفرجیھامکفوفین بالدیباج فقالت ھذہ کانت عندعائشۃ حتی قبضت فلماقبضت قبضتھاوکان النبی صلی اللہ علیه وسلم یلبسھافنحن نغسلھا للمرضی لنتشفی بھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدوی

۲۱صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۹۱۸

﴿سینے کے بال کاٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مرد کے لئے سینہ کے بال کا کاٹنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مرد اپنے سینے کے بال کاٹ سکتا ہے لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۲۰۷،طبع سعید)وفی حلق شعر الصدر والظہر ترک الادب کذافی القنیۃ۱ھ

ولمافی البحر الرائق:(۸/۲۰۴،طبع سعید)

وفی التتمۃ حلق شعر صدرہ وظہرہ فیہ ترک الادب.

ولمافی فتح القدیر:(۳/۳۰،کتاب الحج،طبع رشیدیہ)

متی حلق عضوامقصودابالحلق فعلیہ دم وان حلق مالیس بمقصود فصدقۃ،ثم قال:

ومالیس بمقصود حلق شعر الصدر والساق،ومماھومقصود حلق الرأس والابطین.

ولمافی الفتاوی الھندیۃ:(۵/۳۲۸،طبع قدیمی)

ولاینتف انفہ لان ذلک یورث الاکلۃ وفی حلق شعر الصدر والظہر ترک الادب کذافی القنیۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد فاروق چارسدوی

۱۰ اربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۹۸۵

﴿جھوٹ بول کر سودا بیچنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دوکاندار ہوں میرے پاس ہر چیز کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں یعنی ایک ایک چیز اعلیٰ ،ادنیٰ اور متوسط قسم کی، جب میرے پاس کوئی گاہک آکر مجھ سے اچھی چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو ہم وہی مہنگی اور معیاری چیز اس کو دکھادیتے ہیں لیکن وہ اسے دیکھ کر مطمئن نہیں ہوتا اور کہتا ہے کہ اس سے بھی اعلیٰ قسم کی دکھاؤ، تو پھر میں متوسط قسم کی اسکو دکھا دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ اس سے بھی اچھی ہے وہ مطمئن ہو کر لے لیتا ہے تو اس طرح گویا کہ ۱۰۰ روپے کی چیز میں ۱۵۰ یا ۲۰۰ روپے میں بیچ دیتا ہوں جس کو وہ بخوشی قبول کر لیتا ہے تو کیا میرے لئے اس قسم کا نفع جائز ہے یا نہیں؟　　　مستفتی:اکرام اللہ ڈیفنس

﴿جواب﴾ جھوٹ بول کر سودا بیچنا حرام ہے ،اس میں ایک تو جھوٹ بولنے کا گناہ ہے، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا اور فریب کرنے کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے ،سوائے اس شخص کے جو نیکی کا کام کرے (مثلاً: صدقہ وخیرات) اور سچ بولے“۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ ”جو شخص ہم کو (یعنی مسلمانوں) کو دھوکا دے گا وہ ہم میں سے نہیں“ اور فرمایا کہ ”بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو ایسی بات کہے کہ وہ تجھ کو سچا جانتا ہو اور تو اس پر جھوٹ کہہ رہا ہو“ لہٰذا

اس طرز تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز وحرام ہوگی۔

لمافی سنن ابن ماجة:(ص١٥٥،التجارات،باب الاقتصادفی طلب المعیشة،طبع قدیمی)

ان التجاریبعثون یوم القیمةفجاراالامن اتقی الله وبروصدق.

ولمافی الترغیب والترهیب:(٢/ ٥٥٨-٥٥٩،طبع حقانیه پشاور)

وروی عن ابن عمررضی الله عنهما،قال:مررسول الله صلی الله علیه وسلم بطعام، وقد حسنه صاحبه،فادخل یده فیه،فاذاطعام ردی،فقال:"بع هذاعلی حدة،وهذاعلی حدة،فمن غشنافلیس منا".

ولمافی الترغیب والترهیب:(٣/ ٥٩٣،طبع حقانیه)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کبرت خیانةان تحدث أخاك حدیثاهولك مصدق،وأنت به کاذب.

ولمافی أحکام القرآن للجصاص:(٢/ ٢٢٢،طبع قدیمی)

ونظیرمااقتضته الأیةمن النهی عن أکل مال الغیرقوله تعالی:(لاتأکلواأموالکم بینکم بالباطل وتدلوابهاالی الحکام)وقول النبیﷺ"لایحل مال امریء مسلم الابطیبةمن نفسه".

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباداللہ غفرلہ ولوالدیہ

٢٧صفر الخیر ١٤٣٢ھ — فتویٰ نمبر:٢٩٤٥

﴿الکحل ملی ہوئی پرفیوم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل پاکستان میں ایسی پرفیومز بھی استعمال ہوتی ہیں جو کہ باہر ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں جبکہ بعض پرفیومز خود پاکستان میں بھی تیار ہوتی ہیں، ان دونوں میں الکحل کی کچھ مقدار شامل ہوتی ہے تو اب آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟اور بیرون ممالک اور پاکستانی پرفیومز میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

مستفتی: بھائی کی ڈیفنس

﴿جواب﴾ الکحل شراب سے تیار کی جاتی ہے اور شراب کی مختلف اقسام ہیں،ایک قسم وہ ہے جو انگور یا کھجور سے بنائی جاتی ہے جسکو عربی میں خمر کہا جاتا ہے،وہ نجس وناپاک ہے اور اس کا استعمال بھی حرام ہے اگر چہ تھوڑی مقدار میں کیوں نہ ہو،اور خمر کے علاوہ بھی ہزاروں اقسام ہیں جن کو بھی نشہ کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے اور نشہ سے کم مقدار بھی اگر چہ خوردنی اشیاء میں بلا ضرورت استعمال کرنا ممنوع ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

اوراس وقت معلومات کی حد تک دنیا بھر میں جو الکحل تیار کی جاتی ہے (جس کی پرفیوم وغیرہ میں آمیزش ہوتی ہے) وہ عموماً خمر کے علاوہ دوسری اقسام کی شراب سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی کو تحقیق سے یا غالب گمان سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس پرفیوم یا دوا میں واقعی خمر سے حاصل شدہ الکحل کی آمیزش ہے تو اس کے لئے استعمال جائز نہ ہوگا، اس کی تحقیق نہ ہو تو چونکہ خمر کے علاوہ شراب غالب ہے اور ایسی چیزوں میں غالب پر حکم لگایا جاتا ہے، لہٰذا ان چیزوں کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، البتہ کوئی اس سے بچنا چاہے تو بہتر ہے اور بظاہر اس میں ملکی اور غیر ملکی پرفیومز دونوں برابر ہیں۔

لمافی تکملة فتح الملهم:(۲/۶۰۸طبع دار العلوم کراچی)

وأما غير الاشربة الاربعة، فليست نجسة عند الامام أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة(AL COHALS)التي عمت بها البلوىٰ اليوم، فانها تستعمل في كثير من الادوية والعطور والمركبات الاخرى، فانها ان اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل الى حلتها أو طهارتها، وان اتخذت من غيرهما فالامر فيه سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لاغراض مباحة اخرى مالم تبلغ حد الاسكار، لانها انما تستعمل مركبة مع المواد الاخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة رحمه الله. وان معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الادوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر، انما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره...... وحينئذ هناك فسحة في الاخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى والله سبحانه اعلم.

لمافی تکملة فتح الملهم:(۱/۵۵۱،طبع دار العلوم کراچی)

والذي ظهر لي أن معظم هذه الكحول لا تصنع من العنب، بل تصنع من غيرها و راجعت له دائرة المعارف البريطانية المطبوعة ۱۹۵۰م ۱:۵۴۴فوجدت فيها جدولا للمواد التي تصنع منها هذه الكحول، فذكر في جملتها العسل، والدبس، والحب...... ، والكبريتات، ولم يذكر فيها العنب والتمر.

ولمافی التنویر مع الدر:(۶/۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴،طبع سعید)

(والحلال منها) أربعة أنواع: الاول (نبيذ التمر والزبيب ان طبخ أدنى طبخة) يحل شربه (وان اشتد) وهذا (اذا شرب) منه (بلا لهو وطرب) فلو شرب للهو فقليله وكثيره حرام (ومالم يسكر)......(و) الثاني الخليطان......(و) الثالث (نبيذ العسل والتين والبر والشعير والذرة)......(و) الرابع (المثلث) العنبي وان اشتد، وهو ما طبخ من ماء العنب حتى يذهب ثلثاه ويبقى ثلثه اذا قصد به استمراء الطعام والتداوي والتقوى

علی طاعۃ اللہ تعالیٰ، ولو للھو لایحل اجماعا، حقائق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباداللہ

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۱۳

﴿آرمی کے کتے وغیرہ سے ثبوت جرم نہیں ہوسکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے کہ آج کل مختلف جرائم مثلاً چوری، قتل، راہزنی وغیرہ کے مجرموں کو پکڑنے کیلئے آرمی ڈاگ اور دیگر سدھائے ہوئے کتوں کے ذریعے مدد لی جاتی ہے جن سے بسا اوقات مجرم کی نشاندہی ہوجاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتوں کے سراغ لگانے پر جس مجرم کی نشاندہی کی گئی ہے، قاضی اس پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے اس کو قید یا اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اس طرح کے جرائم کے ثبوت کے لئے باقاعدہ شرعی گواہی ضروری ہے، کتوں اور دیگر آلات جدیدہ سے جرم ثابت نہیں ہوتا، البتہ تفتیش اور مجرم سے جرم کے اقرار کے سلسلے میں ان آلات سے مدد لی جاسکتی ہے۔

لمافی تکملۃ ردالمحتار: (۱۳/۷، طبع سعید)

(شرطہا) أحد وعشرون شرطا: شرائط مکانیا واحدو شرائط التحمل ثلاثۃ (العقل الکامل) وقت التحمل والبصر ومعاینۃ المشہود بہ الافیمایثبت بالتسامع.

ولمافی بدائع الصنائع: (۲۶۶/۶، طبع سعید)

وأما الشرائط فی الاصل فنوعان نوع ھو شرط تحمل الشہادۃ ونوع ھو شرط اداء الشہادۃ (أما) الأول فثلاثۃ أحدھا أن یکون عاقلا وقت التحمل فلایصح التحمل من المجنون والصبی الذی لایعقل لأن تحمل الشہادۃ عبارۃ عن فہم الحادثۃ و ضبطہا و لایحصل ذلک الابآلۃ الفہم والضبط وھی العقل.....الخ.

ولمافی شرح المجلۃ: (۲۰۶/۵، طبع رشیدیہ)

وفی الخانیۃ: واھلیۃ الشہادۃ انما تکون بالعقل الکامل والضبط والولایۃ والقدرۃ علی التمییز بین المدعی والمدعی علیہ فلاتقبل شہادۃ الصبیان والمجانین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظاہر زمان راولپنڈی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۱۴

﴿ویڈیو گیم اور موبائل وغیرہ پر گیمیں کھیلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ویڈیو

گیم اور موبائل، کمپیوٹر وغیرہ پر جو مختلف گیمیں کھیلی جاتی ہیں آیا ان کا کھیلنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ عبادات وغیرہ میں کوئی خلل واقع نہ ہو خاص کر جن گیموں میں ذہنی ورزش ہو اور ذہن کو تیز کرتی ہوں۔ بینوا توجروا۔

مستفتی: یاسر حمید راولپنڈی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ ہر ایسا کھیل جس میں نہ دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی، نیز اس میں ضیاع وقت ہو یا اس میں کسی قسم کا قمار (جوا) ہو یا وہ کھیل ہار جیت والا ہو اور اس میں کوئی شرط ملحوظ ہو ایسے تمام کھیل شرعاً ناجائز ہیں۔

صورت مسئولہ میں جن مختلف گیموں کا تذکرہ ہے اگرچہ ان سے عبادات وغیرہ میں خلل واقع نہ ہو لیکن ضیاع وقت تو پھر بھی ہے، اس لئے کراہت سے خالی نہیں ہے، خاص کر ویڈیو گیم اور کمپیوٹر پر بعض گیموں میں دیگر مفاسد بھی پائے جاتے ہیں مثلاً بعض گیموں میں تصاویر ہوتی ہیں اور کھیل کے دوران میوزک بھی بجتا رہتا ہے، اس لئے ان تمام لایعنی کھیلوں سے احتراز واجتناب لازم ہے۔

نیز مذکورہ کھیلوں میں دین ودنیا کا کوئی فائدہ بھی نہیں صرف ذہنی ورزش کے لئے کھیلنے کو علماء نے ممنوع قرار دیا ہے، البتہ جسمانی کھیل جس میں جسم کی ورزش ہو اور یا کوئی دینی مقصد ہو محض کھیل مقصد نہ ہو تو ایسے کھیل شرعاً جائز ہیں۔

لمافی روح المعانی:(۱۸،۱۷،طبع رشیدیہ)(والذین هم عن اللغو معرضون)

(والذين هم عن اللغو)وهو ما لا يعتد به من الأقوال والأفعال وعن ابن عباس تفسيره بالباطل وشاع في الكلام الذي يورد لا عن روية وفكر فيجري مجرى اللغا، وهو صوت العصافير ونحوها من الطير، وقد يسمى كل كلام قبيح لغوا.....(معرضون)في عامة أوقاتهم لما فيه من الحالة الداعية إلى الاعراض عنه مع ما فيهم من الاشتغال بما يعنيهم.

ولمافي التنوير مع الدر:(۳۹۴/۶،طبع سعيد)

(و)كره تحريما(اللعب بالنرد و)كذا(الشطرنج)بكسر أوله ويهمل ولا يفتح الا نادرا وأباحه الشافعي وأبو يوسف في رواية ونظمها شارح الوهبانية.الخ.

ولمافي البحر:(۲۰۷/۸،طبع سعيد)

(واللعب بالشطرنج والنرد وكل لهو)يعني لا يجوز ذلك لقوله عليه الصلاة والسلام كل لعب ابن آدم حرام الا ثلاثا ملاعبة الرجل أهله وتاديبه لفرسه ومناضلته لقوسه وأباح الشافعي الشطرنج من غير قمار ولا اخلال بالواجبات لأنه يذكي الأفهام.

ولمافی الهندية:(۵/۵۲،طبع رشيديه)

ويكره اللعب بالشطرنج والنرد وثلاثة عشر وأربعة عشر وكل لهو ماسوى الشطرنج حرام بالاجماع

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: طاہر زمان راولپنڈی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۹۸۴

﴿مردہ مرغی کے پیٹ سے نکلنے والے انڈے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مردہ مرغی کے پیٹ سے انڈا نکل آیا تو کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟　　مستفتی: عبدالعزیز صاحب وزیرستانی

﴿جواب﴾ مردہ مرغی کی پیٹ سے جو انڈا نکلے اس کا کھانا جائز ہے چاہے اس کا چھلکا سخت ہو یا نرم۔

لمافی البدائع:(۵/۴۳،طبع سعید)

واذاخرجت من الدجاجة الميتة بيضة تؤكل عندنا سواء اشتدقشرها أولم يشتد وعند الشافعي رحمه الله ان اشتدقشرها تؤكل والافلا (وجه) قوله أنه اذالم يشتدقشرها فهي من أجزاء الميتة فتحرم بتحريم الميتة واذااشتدقشرها فقد صار شيئا آخر وهو منفصل عن الدجاجة فيحل (ولنا) انه شيئ طاهر في نفسه مودع في الطير منفصل عنه ليس من اجزائه فتحريمها لايكون تحريماله كمااذااشتدقشرها.....الخ.

ولمافی الهندية:(۵/۲۱۷،طبع قديمی)

البيضة اذاخرجت من دجاجة ميتة أكلت..... كذافي السراجية.

ولمافی البحر:(۱/۱۰۶طبع سعيد)

والاصل ان كل مالاتحله الحياة من اجزاء الهوية محكوم بطهارته بعدموت ماهي جزؤه كالشعر والريش..... والبيض الضعيف القشر.....الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد بلال شاہ وزیرستانی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر:

﴿نسوار کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نسوار کا فی نفسہ کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے مباح یا حرام؟ نیز اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ جبکہ اس میں خاص نشہ نہیں ہے بلکہ چائے کی طرح ہے۔　　مستفتی: محمد ادریس شاہ وزیرستانی

﴿جواب﴾ نسوار میں نشہ نہیں ہے، اس لئے اس کا استعمال حرام نہیں ہے لیکن چائے کی

طرح ذائقہ دار، فوائد پر مشتمل، قابل غذا چیز بھی نہیں ہے بلکہ بدذائقہ، بدبودار اور قابل نفرت چیز ہے، ایک عادی شخص کی طبیعت اس کی اذیتوں کو اگر چہ قبول کر لیتی ہے لیکن غیر عادی سلیم الطبع شخص کی طبیعت کے لئے تو باعث نفرت واذیت ہے۔

منہ کی صفائی کا اہتمام اگر نہ ہو اور دوسروں کیلئے خصوصاً رفیقہ حیات (بیوی) کیلئے اگر اذیت کا باعث ہو تو یہ عمل بلا شبہ گناہ شمار ہوگا، اسلئے کراہتِ تنزیہی سے خالی نہیں ہے، البتہ عادت پڑنے کے بعد ضرورت کے درجہ میں آجاتی ہے تو کراہت نہیں رہتی لیکن صفائی کا اہتمام اور دوسروں کیلئے اذیت کا باعث نہ ہو اس کا خاص خیال رکھنا تو بہر حال ضروری ہے ورنہ گناہ ہوگا۔

لمافی الدرمع الرد:(۳۶۰/۶-۳۶۱، کتاب الأشربة، طبع سعید)

وفی الأشباہ فی قاعدة:الأصل الاباحة أوالتوقف، ویظھر أثرہ فیما أشکل حالہ کالحیوان المشکل أمرہ والنبات المجھول سمتہ اھ.قلت:فیفھم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمیٰ بالتتن فتنبہ.....الخ.

وفی الشامیة:(قولہ الأصل الاباحة أوالتوقف)المختار الأول عند الجمھور من الحنفیة والشافعیة کما صرح بہ المحقق ابن الھمام فی تحریر الأصول (قولہ فیفھم منہ حکم النبات)وھو الاباحة علی المختار أوالتوقف.وفیہ اشارة الی عدم تسلیم اسکارہ وتفتیرہ واضرارہ،والالم یصح ادخالہ تحت القاعدة المذکورة ولذا أمر بالتنبہ..... وقال ط: ویؤخذ منہ کراھة التحریم فی المسجد للنھی الوارد فی الثوم والبصل وھو ملحق بھما، والظاھر کراھة تعاطیہ حال القراءة لمافیہ من الاخلال بتعظیم کتاب اللہ تعالی اھ.

ولمافی الصحیح لمسلم مع حاشیتہ:(۲۰۹/۱، طبع قدیمی)

عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال من أکل من ھذہ البقلة الثوم وقال مرة من أکل البصل والثوم والکراث فلایقربنّ مسجدنا فان الملائکة تتأذیٰ مما یتأذی منہ بنو آدم.قال النووی ثم ان ھذا النھی انما ھو عن حضور المسجد لا عن أکل الثوم والبصل ونحوھما فھذہ البقول حلال باجماع من یعتدبہ.....قال العلماء، ویلحق بالثوم والبصل والکراث کل مالہ رائحة کریھة من الما کولات وغیرھا.....وقاس العلماء علی ھذا مجامع الصلٰوة غیر المسجد کمصلیٰ العید والجنائز ونحوھا من مجامع العبادات وکذا مجامع العلم والذکر والولائم ونحوھا ولا یلتحق بھا الأسواق ونحوھا ...... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد بلال شاہ جنوبی وزیرستانی

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۲۳

﴿دوران نماز فون کی گھنٹی بجنے پر اسے بند کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو نماز کی نیت باندھنے کے بعد رکوع سے پہلے فون آیا، اس نے سلام پھیر کر فون بند کردیا اور دوبارہ نماز میں شامل ہوا، اس کا مذکورہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ خاص کر جبکہ سلام پھیرے بغیر بھی یہ کام ہوسکتا تھا۔

﴿جواب﴾ دوران نماز فون کی گھنٹی بجنے پر اسے بند کرنا ضروری ہے لیکن کوشش کی جائے کہ کم سے کم عمل سے یہ کام انجام دے، پہلے جیب میں ہاتھ ڈالے بغیر بند کرنے کی کوشش کرے اگر نہ ہوسکے تو عمل قلیل سے ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کردے لیکن اگر اس طرح بھی نہ ہوسکے اور فون کی گھنٹی برابر بجتی رہے تو سلام پھیر کر فون بند کر کے دوبارہ نماز میں شامل ہوجائے۔

اس لئے کہ اگر بند نہیں کریگا تو صرف اس کی نہیں بلکہ تمام نمازیوں کی نماز متاثر ہوگی، البتہ جب تک نماز توڑے بغیر عمل قلیل سے (یعنی ایسا عمل جس کے کرنے سے باہر کا آدمی اس کو نماز سے خارج نہ سمجھے) بند ہوسکے بلا وجہ نماز توڑنا جائز نہ ہوگا۔

ولمافی الدرمع الرد:(۱/۶۵۴،طبع سعید)

ويباح قطعها لنحو قتل حية، ونذداية، وفور قدر، وضياع ماقيمته درهم له أولغيره، ويستحب لمدافعة الاخبثين، وللخروج من الخلاف ان لم يخف فوت وقت أوجماعة.

وفى الشامية:[تتمة]بقى فى المكروهات أشياء أخرذكرهافى المنية ونورالايضاح و غيرهما:منها الصلاة بحضرة مايشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهوولعب، ولذلك كرهت بحضرة طعام تميل اليه نفسه

ولمافى التنويرمع الدر:(۱/۶۲۴،طبع ايچ ايم سعيد)

(و)يفسدها(كل عمل كثير)ليس من أعمالها،ولا لاصلاحها،وفيه أقوال خمسة أصحها (مالايشك)بسببه(الناظر)من بعيد(فى فاعله أنه ليس فيها)وان شك أنه فيهاأم لافقليل.

ولمافى التنويرمع الدر:(۱/۶۲۹،طبع سعيد)

(ولو)كان معه(حجرفرمى به)الطائرأونحوه(لاتفسدصلاته)لانه عمل قليل(و)لكن قد (أساء)لاشتغاله بغيرالصلاة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۱۵

﴿ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی ملازمت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وفاقی حکومت کی طرف سے کچھ سیٹوں پر بھرتی کا اعلان ہو گیا، صوبائی حکومت نے صرف اپنے متعلقین سے رقم لے کر ان کو منتخب کر دیا جس کی وجہ سے باقی لوگوں کا حق مارا گیا تو کیا ان منتخب امیدواروں کے لئے یہ نوکری جائز ہے اور تنخواہ حلال ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ متعلقین کا اپنے انتخاب کے واسطے رقم دینا رشوت ہے، اور رشوت لینا دینا ایک بدترین گناہ ہے جس پر احادیث مبارکہ میں سخت وعید سنائی گئی ہے، البذا رشوت دیکر نوکری حاصل کرنا اور دوسروں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا سخت گناہ کا کام ہے لینے اور دینے والے بلاشبہ گنہگار ہو گئے ہیں ان پر توبہ لازم ہے۔

لمافی سنن أبی داؤد(۲/۱۴۸،طبع رحمانیه)

عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال :لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم الراشی والمرتشی.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۱/۷۰،طبع قدیمی) "ومن غشنا فلیس منا".

البتہ اگر اس شخص میں واقعی اس عہدے کی اہلیت ہو جس کے لئے اسے منتخب کیا گیا ہے اور کام بھی پورا انجام دے رہا ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے حاصل ہونے والی آمدنی یا تنخواہ حلال ہوگی۔

لمافی البحر:(۸/۲کتاب الاجارة،طبع سعید)

وأما رکنها فهو الایجاب والقبول والارتباط بینهما وأما شرط جوازها فثلاثة أشیاء أجر معلوم وعین معلوم وبدل معلوم ومحاسنها دفع الحاجة بقلیل المنفعة وأما حکمها فوقوع الملک فی البدلین ساعة فساعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۷۸۳

﴿سودی بینک سے نوٹ کھلا کروانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سودی بینک سے بڑا نوٹ کھلا کروانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عید کے موقع پر بعض لوگ بینک سے بڑے نوٹوں کے بدلے چھوٹے (پانچ، دس والے) نئے نوٹ لیتے ہیں تو کیا اس معاملے میں برابری ضروری ہے؟ اگر

رش یا کسی اور وجہ سے بینک والوں کو کچھ زائد رقم دی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ شامت اعمال کی وجہ سے آج کل سود سے مکمل طور پر پاک پیسہ تو رہا نہیں، تمام سودی بینکوں کے لئے مرکز کی حیثیت رکھنے والا اسٹیٹ بینک ہی تو تمام نوٹ جاری کرتا ہے، موجودہ دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مصداق ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وقت آئیگا جس میں سود سے اگر کوئی مسلمان بچ سکا لیکن اس کے دھویں سے بچنا بہت مشکل ہوگا۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۱۱۸/۲،باب فی اجتناب الشبھات،طبع رحمانیه)

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لیأتینّ علی الناس زمانٌ لایبقی احدالااٰکلُ الربافان لم یاکله اصابه من بخاره قال ابن عیسی اصابه من غباره.

لہٰذا سودی اداروں سے نوٹ کھلا کرانا اور برابر لینا دینا اگر چہ سودی حرام معاملہ تو نہیں ہے اس لئے جائز ہے لیکن سود کی نحوست کا اثر ضرور شامل ہوگا، تاہم ضرورت کی غرض سے کھلا کرانے میں کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ زائد کوئی رقم نہ دیں اور ازدحام کی زحمت سے بچنے کیلئے بنک والوں کو زائد پیسہ دینا تاکہ نمبر جلدی آجائے رشوت ہے، حرام ہے اس سے بچنا ازحد ضروری ہے۔

لمافی الشامی:(۲۰۴/۷-۲۰۵،طبع امدادیه)

وھوان النقود لاتتعین بالتعیین والزعفران وغیره یتعین.

ولمافی الشامی:(۲۰۷/۷،طبع امدادیه)

قوله:(وفلس بفلسین)ھذا عندھما وقال محمد:لایجوز ومبنی الخلاف علی أن الفلوس الرائجة أثمان،والأثمان لاتتعین بالتعیین،فصار عنده کبیع درھم بدرھمین.....الخ.

وکذافی الھدایة:(۸۵/۳،طبع رحمانیه)

ولمافی الشامی:(۲۹۸/۷،باب البیع الفاسد،طبع امدادیه)

وفی الاشباه:النقد لاتتعین فی المعاوضات.....وتتعین فی الامانات والھبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب وتمامه فی جامع الفصولین اھ.

ولمافی شرح المجلة:(۱۷۶/۱،طبع رشیدیه)

النقود لاتتعین بالاشارة،فاذااشتری بھذه الدراھم له دفع درھم غیره.لکن ھذافی المعاوضات وتتعین فی غیرھا،کالامانات والھبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب.

ولمافی الشامی:(۲۱۲/۷،طبع امدادیه)(وجیدمال الربا)لاحقوق العباد(وردیئه سواء)

ولمافی الھدایة:(۸۳/۳،طبع رحمانیه)ولایجوزبیع الجیدبالردی ممافیه الربٰوالامثلاًبمثل.

ولمافی الھدایة:(۱۱۱/۳،کتاب الصرف،طبع رحمانیه)

قال فان باع فضة بفضة اوذھبا بذھب لایجوزالامثلا بمثل وان اختلفت فی الجودة

والصياغة لقوله عليه السلام الذهب بالذهب مثلا بمثل وزنا بوزن يدا بيد والفضل ربوا الحديث وقال عليه السلام جيدها ورديها سواء۔

الجواب صحيح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمن کوئٹہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۵۱

﴿کتاب الوصیۃ والفرائض﴾

﴿وصیت، میراث اور تقسیم میراث کا بیان﴾

﴿وصیت سے متعلق ایک صورت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب کی وفات ہوگئی ہے، پسماندگان میں انہوں نے اپنے پانچ بیٹے سوگوار چھوڑے ہیں، والد صاحب نے وفات سے قبل گھر کے متعلق وصیت کی تھی کہ اس کو پانچ چھ سال تک نہیں بیچنا لیکن ایک بھائی اپنا حصہ وصول کرنا چاہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس وصیت کی شرعا کیا حیثیت ہے؟ یہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ اور تقسیم کی صورت میں ہر ایک بھائی کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ آپ کے والد مرحوم نے جو وفات کے وقت یہ فرمایا تھا کہ ''پانچ سال تک میرا یہ گھر نہیں بیچنا'' شرعا اس طرح وصیت کی کوئی حیثیت نہیں ہے، دراصل یہ والد مرحوم نے محض خواہش ظاہر کی ہے تا کہ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ انکا گھر بطور نشانی باقی رہے اور تمام بھائی اور دیگر رشتہ دار اس گھر میں کچھ عرصہ تک آتے رہیں۔

اب تمام ورثاء بخوشی اس پر عمل کرنا چاہیں تو کوئی منع نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایک وارث بھی اپنے حصہ کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کو پورا حق دینا ضروری ہے چاہے گھر بیچ کر اس کو حق دیدیں یا موجودہ مارکیٹ ویلیو کے مطابق جتنا حصہ اسکا بنتا ہے تمام بھائی ملکر اتنی رقم دیکر اسکو فارغ کردیں یا کوئی ایک بھائی اسکا حصہ خرید لے اسکا اختیار ہے لیکن محض والد کی مذکورہ بات کی وجہ سے کسی ایک وارث کا حصہ روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔

مرحوم کے پسماندگان اگر صرف پانچ بیٹے ہی ہیں اور کوئی وارث نہیں ہے تو مرحوم کے کل ترکہ میں سے تدفین وتکفین کے جائز خرچ ادا کرنے کے بعد دیکھیں اگر مرحوم کے ذمہ کوئی قرض واجب الاداء ہے تو وہ ادا کردیا جائے اس کے بعد دیکھیں اگر مرحوم نے مذکورہ وصیت کے علاوہ کوئی جائز وصیت کی ہے اپنے مال سے متعلق تو ایک تہائی (1/3) کی حد تک اس پر عمل کریں اس

کے بعد جتنا ترکہ بچے کل مال کے پانچ حصے برابر بنا کر ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے۔

لمافی سنن نسائی:(۱۳۱/۲،کتاب الوصیۃ،طبع قدیمی)

قال علیه السلام ان الله اعطی کل ذی حق حقه الالا وصیة لوارث.

ولمافی السراجی فی المیراث:(ص۲،طبع قدیمی)

تتعلق بترکة المیت حقوق اربعة مترتبة ـــ ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین:عبدالوہاب لقمانی عفا اللہ عنہ

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۴۸۷/۱

﴿میراث سے متعلق ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم کل چار بہنیں اور دو بھائی ہیں، دو بہنوں کی شادی ہوئی ہیں اور دونوں کے بچے بھی ہیں اور بھائیوں کی بھی اولاد ہیں ،البتہ ہم دو بہنیں غیر شادی شدہ ہیں۔اب میں اس بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں، کہ خدا نخواستہ ہم دو بہنوں میں سے کسی ایک کا اگر انتقال ہو جاتا ہے، تو ہمارے مال میں شریعت کا کیا حکم ہے، کس کا کیا حق بنتا ہے؟

(۲) ہم ابھی سے اس کی وصیت کریں، تو کیا یہ بہتر ہوگا؟ (۳) بھائی کے انتقال کی صورت میں اس کے بچے حقدار ہوں گے ہمارے مال میں سے یا نہیں؟ (۴) بہنوں کی اولاد (یعنی بھانجے) ہمارے مال میں حقدار ہوں گے یا نہیں؟ (۵) ایک تہائی کے بارے میں کیا حکم ہے کیا قرض اس ایک تہائی سے نکالیں گے یا قرض الگ سے ادا کیا جاتا ہے؟۔ مستفتیہ:نرگس باجی

﴿جواب﴾ مذکورہ سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں، خدا نخواستہ تم دو بہنوں میں سے کسی ایک کا اگر انتقال ہو جاوے اور باقی مذکورہ ورثاء حیات ہوں تو شریعت کے رو سے اس کے ذاتی مال میں سے کفن دفن کے جائز خرچے ادا کئے جائیں گے، اس کے بعد اس کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو اور وصیت بھی نہ کی ہو تو باقی ترکہ کے کل سات برابر حصے کر کے ہر ایک بھائی کو دو حصے اور ہر ایک بہن کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

(۲) آپکا ارادہ صدقہ جاریہ کا اگر ہے، تو اس کیلئے وصیت بھی کر سکتی ہیں لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنی حیات میں اور اپنے ہی ہاتھ سے ایسا خیر کا کوئی کام کریں تاکہ ابھی سے ثواب وبرکات

جاری ہوں، اس وقت آپ اپنے پورے مال کا با اختیار مالک ہیں آپ کم زیادہ اللہ کی رضا کیلئے دی سکتی ہیں، وصیت کی صورت میں آپ اگر چہ زیادہ کا وصیت کر یگی لیکن ۱/۳ ایک تہائی مال سے زیادہ میں وصیت شرعاً معتبر نہیں ہے ورثاء اس کے پابند نہیں ہوں گے۔ صرف ایک تہائی کی حد تک وصیت پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

(۳) بھائیوں میں سے کسی ایک کا انتقال آپ سے پہلے اگر ہوا تو آپکے مال میں سے صرف زندہ بھائی اور بہنوں کا حق ہوگا بھتیجوں بھتیجیوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں بھائیوں کا انتقال اگر پہلے ہو جائے تو اس صورت میں انکی اولاد بھی اپنی پھوپھی کے ترکہ میں حقدار ہوگی، اس طرح کہ آپ کے ترکہ میں سے ۲ تہائی آپکی بہنوں کو ملیگا اور صرف ایک تہائی مال بھائیوں کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکے کو لڑکی کی نسبت دوگنا ملیگا۔

(۴) بہنوں کی اولاد کو مستقل کوئی حصہ نہیں ملتا۔ البتہ آپکی بہن اگر وارث ہوگئی تو وہی حصہ بعد میں انکی اولاد کو ملیگا۔

(۵) وراثت سے پہلے کفن دفن کے خرچ نکالے جاتے ہیں اس کے بعد قرض ادا کیا جاتا ہے قرض چاہے جتنا بھی ہو اس کا وصیت سے یا ایک تہائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پورا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لقوله تعالیٰ سورة النساء ﴿للذكر مثل حظ الانثيين﴾

ولما في مشكوٰة المصابيح :(۲۶۵/۱ طبع سعيد)

وعن ابی امامةؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع ان الله قد اعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث الا ان يشاء الورثه .

ولما في التنوير مع الدر :(۶/۶۵۵_۶۵۶ طبع سعيد)

ولا لوارثه وقاتله مباشرة ...(الا باجازة ورثته)لقوله عليه الصلاة والسلام "لا وصيت لوارث الا ان يجيزها الورثه "يعنى عند وجود وارث أخر .

ولما في مشكوٰة المصابيح:(۲۶۵/۱ طبع سعيد)

عن سعيد بن ابی وقاص قال عادنی رسول الله وانا مريض فقال اوصيت قلت نعم قال بكم قلت بما لی كله فی سبيل الله قال فما تركت لولدك قلت هم اغنياء بخير فقال اوص بالعشر فما زلت انا قصه حتى قال اوص بالثلث والثلث كثير .(رواه الترمذی).

ايضاً ،۲۶۲،۲۶۳(طبع سعيد)

وعن علیؓ قال انكم تقرؤن هذه الاية "من بعد وصية توصون بها او دين "وان رسول

اللہ ﷺ قضی بالدین قبل الوصیۃ الخ.

ولما فی البدائع والصنائع :۷/۳۳۵،طبع :سعید .

ولما روی عن سیدنا علیؓ انه قال انکم تقرؤن الوصیة قبل الدین وقد شهدت رسول الله ﷺ بدأ بالدین قبل الوصیة اشار سیدنا علیؓ الی ان الترتیب فی الذکر لایوجب الترتیب فی الحکم،وروی انه قیل لابن عباس انک تأمر بالعمرة قبل الحج وقد بدأالله تبارك وتعالی بالحج فقال تبارك وتعالی "واتموالحج والعمرة لله "فقال رضی الله عنه کیف تقرؤن آیة۔۔۔فقال وبما ذا تبدؤن قالو ابالدین ،قال رضی الله عنه هو ذاك ولان الدین واجب والوصیة تبرع والواجب مقدم علی التبرع ومعنی تقدم الدین علی الوصیة والمیراث انه یقضی الدین اولاً فان فضل منه شیئ یصرف الی الوصیة والمیراث.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :ریحان اللہ روغانی

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۶۵۹

﴿وصیت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے وفات سے چند ماہ قبل کہا کہ میں اس مسجد پر پچاس ہزار روپے خرچ کروں گا اور اگر میں مرگیا تو میرے مرنے کے بعد میری اولاد میرے مال میں سے اس مسجد پر خرچ کرے،اب اس شخص کا انتقال ہوگیا اور اپنی زندگی میں مذکورہ رقم مسجد پر خرچ نہ کرسکا تو کیا مرحوم کے ترکہ میں سے مذکورہ رقم خرچ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟اور مرحوم کی اس وصیت پر گواہ بھی موجود ہیں؟ مستفتی:سمیع اللہ صاحب

﴿جواب﴾ مرحوم کے ترکہ میں سے ایک تہائی کی حد تک وصیت پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے،لہٰذا مذکورہ صورت میں مرحوم کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین اور ادائیگی قرض کے بعد اگر ترکہ کا ایک تہائی پچاس ہزار روپے یا اس سے زیادہ بنتا ہے تو پچاس ہزار روپے مسجد پر خرچ کرنا ضروری ہے اور اگر ترکہ کا ایک تہائی پچاس ہزار روپے نہیں بنتا ہے بلکہ اس سے کم مثلاً چالیس ہزار روپے بنتے ہیں تو اس صورت میں چالیس ہزار روپے مسجد پر خرچ کرنا ضروری ہے،بہرحال ایک تہائی کی حد تک وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے،ایک تہائی سے زیادہ مال میں وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے۔

لمافی بدائع الصنائع:(۷/۳۴۱،طبع سعید)

وکذاکونه من اهل الملك لیس بشرط حتی لوأوصی مسلم بثلث ماله للمسجدان ینفق علیه فی اصلاحه وعمارته وتجصیصه یجوزلان قصدالمسلم من هذه الوصیة التقرب الی الله سبحانه وتعالی باخراج ماله الی الله سبحانه وتعالی لاالتملیک الی احد.

ولما فی الهندیة:(۶/۹۱،طبع رشیدیه)

ولو أوصی بأن ینفق ثلثه علی المسجد جاز ویصرف علی عمارته وسراجه ومثله فی البزازیة:(۲/۴۳۸،طبع قدیمی) وکذا فی الدر المختار:(۶/۲۹۲،طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

اجمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۶۰

﴿وصیت موصی لہ کی موت سے باطل ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ زید نے خالد کے لئے موٹر سائیکل کا وصیت نامہ لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ موٹر سائیکل تمہاری ہے لیکن خالد کا انتقال زید سے پہلے ہوگیا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد زید بھی اللہ کو پیارا ہوگیا، زید کے انتقال کے بعد اب خالد کے بیٹے اس موٹر سائیکل کا مطالبہ کر رہے ہیں، ان کا یہ مطالبہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: وسیم

﴿جواب﴾ وصیت کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کرنے والے کی موت تک زندہ ہو تب وہ وصیت کا اہل ہوگا ورنہ اگر موصی لہ وصیت کرنے والے سے پہلے انتقال کرجائے تو وصیت باطل ہوجائے گی، لہٰذا مذکورہ صورت میں خالد کے بیٹوں کا موٹر سائیکل کا مطالبہ کرنا درست نہیں، یہ موٹر سائیکل زید کے ورثاء کی ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۸/۴۵۳،طبع سعید)

ولو مات فی حیاة الموصی بطلت لأن الوصیة أی الموصی له قبل موت الموصی بطلت الوصیة لانها تملیک مضاف الی ما بعد الموت وفی الحال ملک الموصی ثابت فیه ولایتصور تملک الموصی له بعد موته فبطلت وفاقا.

ولما فی الهدایة:(۴/۶۶۴،طبع رحمانیه)

ولو مات الموصی له فی حیاة الموصی بطلت لان ایجابها تعلق بالموت علی ما بینا من قبل.

ولما فی بدائع الصنائع:(۷/۳۴۲،طبع سعید)

وتبطل بموت الموصی له قبل موت الموصی لان العتق وقع له لالغیره فلایمکن ابقاؤه علی غیره

ولما فی التنویر مع الدر:(۶/۶۶۳ طبع ایچ ایم سعید)

(وبموته) ای الموصی له (فی حیاة الموصی بطلت) الوصیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۴۳

﴿وصیت کے مطابق رقم متعینہ مدرسہ میں دینا بہتر ہے ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے وصیت کی کہ میری جائیداد میں سے اتنے روپے فلاں مدرسہ میں دینا بعد میں ورثاء نے وہ رقم متعین مدرسہ کے بجائے کسی دوسرے مدرسہ میں دیدی تو اس سے وصیت نافذ ہوگئی یا ورثاء دوبارہ متعین مدرسہ میں اتنی رقم جمع کروادیں؟

مستفتی: شاہد اقبال

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں وصیت نافذ ہوگئی ہے دوبارہ اس قدر روپے متعین مدرسہ میں دینا ضروری نہیں، البتہ بہتر یہی تھا کہ وصیت کے مطابق متعینہ مدرسہ میں ہی روپے دیتے۔

لمافی الخانية:(۴/۴۳۲،طبع قدیمی)

رجل اوصى بأن يتصدق بشئ من ماله على فقراء الحاج هل يجوزان يتصدق على غيرهم من الفقراء قال الشيخ الامام ابوالنصرؒ يجوز ذلك لماروى عن ابى يوسفؒ فى رجل اوصى بأن يتصدق على فقراء مكة قال يجوزان يتصدق على غيرهم من الفقراء ......وعن ابراهيم بن يوسفؒ رجل اوصى لفقراء اهل بلخ فالافضل ان لايجاوزبلخ ولو اعطى فقراء كورة اخرى جاز.

ولمافی السراجية:(ص۱۴۸،طبع سعيد)

ولواوصى لفقراء بلدة معينة فالافضل ان لايعطى غيرهم ولواعطى جاز.

ولمافی الدرمع الرد:(۶/۶۶۴-۶۶۵،طبع سعيد)

وفى المجتبى:اوصى بثلث ماله للكعبة جاز وتصرف لفقراء الكعبة لاغير وكذا للمسجد وللقدس وفى الوصية لفقراء الكوفة جاز لغيرهم.

وفى الشامية:(قوله وتصرف لفقراء الكعبة) الذى فى الولوالجية وغيرها المساكين مكة ......(قوله جاز لغيرهم) قال فى الخلاصة الافضل ان يصرف اليهم وان اعطى غيرهم جاز وهذا قول ابى يوسف، وبه يفتى......ا ه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: افتخار احمد گلگتی

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۴۸

﴿ورثاء راضی نہ ہوں تب بھی جائز وصیت پر عمل ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احسان اللہ میرا ایک قریبی دوست تھا، انہوں نے فوت ہونے سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ میرے دوست کو

میرے ترکہ میں سے دس لاکھ روپیہ دینا اس وقت بیٹے نے کہا ٹھیک ہے میں اس پر راضی ہوں، اس بات پر گواہ بھی موجود ہیں، اب احسان اللہ کے فوت ہونے کے بعد ان بیٹے سمیت دیگر ورثاء اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ مجھے دس لاکھ روپیہ دیں۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ شریعت کی رو سے مجھے اس بات کا استحقاق ہے کہ ان سے روپیہ لوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی اجنبی شخص کے لیے ثلث مال یا اس سے کم کی وصیت کرنے میں اولیاء میت کا راضی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ انکی اجازت کے بغیر بھی وصیت نافذ العمل ہوگی۔

البتہ ترکہ سے واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد اگر وصیت ثلث مال سے زیادہ کی ہے، یا اپنے ورثاء میں سے کسی ایک وارث کے لیے کی ہے تو یہ وصیت اولیاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ اور اولیاء کی اجازت یا عدم اجازت کا اعتبار موصی کے فوت ہونے کے بعد ہوگا۔

صورت مذکورہ میں اگر دس لاکھ روپے آپ کے دوست کے ترکہ کا ثلث یا اس سے کم حصہ بنتا ہو تو یہ آپ کا حق بنتا ہے موصی کے ورثاء پر لازم ہے کہ اس وصیت پر عمل کریں، اور اگر ثلث مال سے زیادہ بنتا ہو تو ثلث مال کی حد تک آپ مستحق ہیں، اور اس سے زیادہ اولیاء میت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

لما فی الهندیه: (۶/۱۰، طبع: رشیدیه)

ثم تصح الوصیة لاجنبی من غیر اجازة الورثة كذا فی التبیین ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیز الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر باجازتهم فی حال حیاته كذا فی الهدایه

ولما فی الشامی: (۶/۶۵۱، طبع سعید)

(وتجوز بالثلث لاجنبی) عند عدم المانع (وان لم یجز الوارث ذلك لا الزیادة علیه الا ان یجیز ورثته بعد موته ولا تعتبر اجازتهم حال حیاته اصلا بل بعد وفاته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۲۵

﴿اپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب نے وصیت کی تھی اپنے ایک دوست کیلئے ۵۰۰۰ ہزار روپیہ کی، بعد میں اس سے ناراضگی ہوئی اب والد

صاحب اپنی وصیت سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔تو کیا شرعاً وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے۔

﴿جواب﴾ وصیت کرنے والا اپنی حیات میں اگر رجوع کرے تو وہ وصیت شمار نہیں ہوتی۔ چونکہ آپکے والد صاحب اپنی حیات میں اس سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے یہ وصیت شمار نہ ہوگی۔

لمافی الهندیه: (۶/ ۹۲،طبع:رشیدیه)

ويصح للموصى الرجوع عن الوصية ثم الرجوع قد يثبت صريحاً وقد يثبت دلالة فالاول بان يقول رجعت أو نحوه.

ولما فی خلاصة الفتاوی: (۲/ ۲۳۱،طبع:رشیدیه)

واما وجه الذى يجوز الرجوع بالقول دون الفعل فهو وصية بثلث ماله او ربع ماله اذا رجع عنها بالقول صح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہائی

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ | فتویٰ نمبر: ۳۳۴۳

﴿پوتیوں کے حق میں وصیت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہندہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنی پوتیوں کے حق میں وصیت کی کہ میری سونے کی چوڑیاں میرے بیٹے زید کی بیٹی کو دے دینا اور کچھ دوسرے زیورات کے بارے میں وصیت کی کہ میرے دوسرے بیٹے بکر کی بیٹیوں کو دے دینا اور اس کے علاوہ بھی ہندہ کے پاس نقدی موجود ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کی وصیت پوتیوں کے حق میں کہاں تک معتبر ہے؟ جبکہ ہندہ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی موجود ہیں اور تمام بالغ ورثاء اس وصیت کے پورا کرنے پر راضی ہیں۔

﴿جواب﴾ ورثاء کے علاوہ کسی دوسرے کے حق میں وصیت معتبر ہے اور میت کے ترکہ کے ایک تہائی کی حد تک اس پر عمل کرنا ضروری ہے ایک تہائی سے بھی زیادہ کی وصیت کی ہو تو زائد مقدار پر عمل کرنے میں اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں تو ان کی اجازت ضروری ہے۔

صورت مذکورہ میں چونکہ میت کے بیٹے اور بیٹیاں موجود ہیں تو ان کی موجودگی میں پوتیاں وراثت سے محروم ہیں، لہٰذا ان کے حق میں وصیت جاری ہوگی اور اگر یہ وصیت ترکہ کے ایک

تہائی سے بڑھ بھی رہی ہے تو ورثہ چونکہ راضی ہیں اس لئے تہائی سے زائد مال میں بھی وصیت پوری کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الهداية:(۴/۶۳۸،طبع رحمانیه)

(ولاتجوز بمازادعلى الثلث الاان يجيزهاالورثةبعدموته وهم كبار)لان الامتناع لحقهم وهم اسقطوه.

ولمافی التنویرمع الرد:(۱۰/۳۳۹،طبع امدادیه)

(ون لم يجزالوارث ذلك لاالزيادةعليه الاان تجيزورثته بعدموته وهم كبار)

وفي الشامية:قوله:(لاالزيادةعليه الخ)فاذااوصى بمازادعلى الثلث ولم يكن الاوارث يردعليه و اجازهافالبقيةله......(قوله:الاان تجيزورثته الخ)اى بعدالعلم بمااوصى به.

ولمافی الهندية:(۶/۹۰،طبع رشيديه)

ويعتبر كونه وارثااوغيروارث وقت الموت لاوقت الوصيةحتى لواوصى لاخيه وهو وارث ثم ولدله ابن صحت الوصيةللاخ ولواوصى لاخيه وله ابن ثم مات الابن قبل موت الموصي بطلت الوصيةللاخ كذافي التبيين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۷

﴿حلال مال کے ساتھ حرام مال مل جائے تو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کسٹم میں ملازم تھے اور رشوت لیتے تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اب ان کا انتقال ہو گیا اور ان کی وراثت سے جو مال میرے پاس پہنچا ہے، اس میں رشوت کا پیسہ ہے جو کہ حرام ہے اور کچھ ان کی حلال کمائی ہے لیکن اب میرے لئے یہ امتیاز کرنا کہ رشوت کا پیسہ کتنا ہے اور حلال کی کمائی کتنی ہے؟ بڑا مشکل ہے! اس وقت چونکہ میرے حالات کچھ کشیدہ ہیں اور میں بحالت مجبوری اس رقم میں ہاتھ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہوں، سوال یہ ہے کہ میرے لئے اس مال کو خرچ کرنا کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے اور میرے لئے خلاصی کا کیا راستہ ہے؟

﴿جواب﴾ کسی مال کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ حرام کا مال ہے مثلاً رشوت کا ہے اس کا استعمال آپ کے والد صاحب کیلئے ناجائز تھا اور ان کے انتقال کے بعد اب ان کے ورثاء کے لئے بھی ناجائز ہے اگر ایسے مال کا مالک معلوم ہو تو اس مالک کی طرف اس کا لوٹانا ضروری ہے چونکہ اب اصلی مالکوں کو تلاش کرنا مشکل ہے۔

اس لئے محتاط طریقے سے اندازہ لگالیں کہ اتنا مال رشوت یا ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا ہے تو آپ اتنا مال اصل مالکوں کی طرف سے صدقہ خیرات کردیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آپ کے والد صاحب سے بھی اس کا وبال اتر جائے گا اور آپ بھی گناہ سے بچ جائیں گے اگر اس وقت آپ کے مالی حالات بہتر نہیں ہیں اور گذر بسر مشکل ہو رہا ہے تو اس مال سے تجارت کرتے رہیں اور ساتھ ساتھ ایک معلوم مقدار صاحب حق کی طرف سے صدقہ کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے مالی حالات بہتر ہوجائیں یا حرام مال سے آپ کا مال پاک ہوجائے تو اسکی بھی گنجائش معلوم ہورہی ہے۔

لمافی الشامی:(۵/۹۹،طبع سعید)

والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والافان علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنيةصاحبه وان كان مالامختلطامجتمعامن الحرام ولايعلم اربابه ولاشيامنه بعينه حل له حكماوالاحسن ديانةالتنزه عنه ففى الذخيرة:سئل الفقير ابوجعفرعمن اكتسب ماله من امراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغيرذلك هل يحل له لمن عرف ذلك ان ياكل من طعامه؟فقال أحب الىّ فى دينه ان لا ياكل ويسعه حكماان لم يكن ذلك الطعام غصبااورشوةوفى الخانية:امراةزوجهافى ارض الجور،ان أكلت من طعامه ولم يكن عين ذلك الطعام غصبافهى فى سعةمن أكله وكذالو اشترى طعاماوكسوةمن مال اصله ليس بطيب فهى فى سعةمن تناوله والاثم على الزوج ...قال هناك بعدذكره ماهنالكن فى المجتبى:مات وكسبه حرام فالميراث حلال،ثم رمزوقال:لاناخذبهذه الرواية،وهوحرام مطلقاعلى الورثةفتنبه اه ح،ومفاده الحرمة وان لم يعلم اربابه وينبغى تقييده بمااذاكان عين الحرام ليوافق مانقلناه،اذلواختلط بحيث لايتميزيملكه ملكاخبيثالكن لايحل له التصرف فيه مالم يودبدله كماحققناه قبيل باب زكوةالمال فتأمل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب:خضرحیات کمالوی

۱۹ربیع الاول ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر:۶۸۱

﴿جو والد سے پہلے مرجائے وہ والد کا وارث نہیں بنتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری چار لڑکیاں اور دو بیٹے ہیں، لڑکیاں چاروں حیات ہیں، البتہ ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا ہے مرحوم کی اولاد ہے یعنی چار لڑکے اور ایک بیٹی، میرے اس لڑکے نے جو انتقال فرماگئے ہیں کئی سال پہلے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، اس وقت میں بوڑھا ہوں ایک لڑکے کو میں نے الگ مکان دیدیا ہے اور جس بیٹے کا

انتقال ہوا وہ میرے پاس رہتا تھا، میرے پاس دو مکان تھے جس کو اب میں نے ایک کر دیا ہے جس میں ہم میاں بیوی رہائش پذیر ہیں۔

میرے مرحوم بیٹے کا بیٹا یعنی میرا پوتا میرے پاس آیا اور مطالبہ کیا کہ ہمیں حصہ دیدیں یعنی میرے مرحوم بیٹے کا حصہ مانگتے ہیں کہ ہمارے باپ کا جو حصہ مکان وغیرہ میں بنتا ہے چونکہ وہ انتقال فرما گئے ہیں، لہٰذا اب ان کا حصہ دیدیں، یہ بھی واضح رہے کہ مرحوم بیٹے کے پاس کوئی ذاتی مال و جائیداد وغیرہ نہیں تھی، براہ کرم بتادیں کہ اس صورت میں شریعت مجھے کیا حکم دیتی ہے۔

﴿جواب﴾ سب سے پہلے یہ ضابطہ سمجھ لیجئے کہ والد جب تک حیات ہیں انکی جائیداد وغیرہ میں کسی اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور نہ کوئی حق جس کا اولاد مطالبہ کر سکے دوسری بات یہ واضح ہو کہ والد سے پہلے بیٹے یا بیٹی کا انتقال ہو جائے تو والد کی جائیداد وغیرہ میں مرحوم اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس لئے مرحوم کی اولاد کو بھی دادا کی جائیداد وغیرہ سے کوئی بھی وراثتی حصہ یا حق نہیں ملتا، لہٰذا آپکے پوتے کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آپ سے وراثتی حصہ کا مطالبہ کرے، اسی طرح آپ کے انتقال کے بعد بھی ان پوتوں کو آپ کی جائیداد وغیرہ سے کوئی حصہ نہیں ملیگا۔

ہاں آپ اپنی حیات میں اپنی خوشی سے ان کو کچھ دینا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے، یا ان کے حق میں وصیت کرنا چاہیں تو ایک تہائی کی حد تک آپ کے انتقال کے بعد آپ کی وصیت پر عمل ہو سکے گا، پورے ترکہ میں سے واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد لیکن موجودہ، مذکورہ صورت میں ان کا مطالبہ بالکل بے جا اور غلط ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز عفی عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۱۲

﴿میراث میں اگر ماں کو حصہ مل جائے اور پھر ماں کا انتقال ہو جائے تو حصہ کس کی طرف منتقل ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بھائی ہیں، ان میں سے چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ماں کو ملا لیکن بعد میں ماں کا بھی انتقال ہو گیا تو اب ماں کا وہ چھٹا حصہ کس کی طرف منتقل ہوگا؟ جبکہ ماں کے انتقال کے بعد بڑے بھائی یعنی مرحومہ کا بڑا لڑکا اور چھوٹے بھائی مرحوم کی اولاد بھی موجود ہیں۔

﴿جواب﴾ ماں کے انتقال کے بعد دیکھا جائیگا کہ ورثاء میں کون کونسے لوگ موجود ہیں اگر

صرف بڑا بیٹا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں تو ماں کا وہ حصہ اس کی طرف منتقل ہو جائیگا اور اگر اس کے ساتھ بیٹی بھی ہے ایک ہو یا ایک سے زیادہ تو پھر ضابطہ (للذکر مثل حظ الانثیین) کے تحت بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو اس کے مقابلے میں ایک حصہ ملیگا، البتہ پوتوں اور پوتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملیگا۔

لمافی المظهری:(۲/۲۳۰،طبع رشیدیه)

یوصیکم الله یامرکم ویعهدالیکم فی شان میراث اولادکم وجازان یکون فی بمعنی لام کمافی قوله علیه الصلوة والسلام دخلت امراة النار فی هرة وهذا اجمال تفصیله للذکر منهم مثل حظ الانثیین منهم اذا اجتمع الصنفان یعنی ان کان مع الانثیینۃ او اکثر ذکر واحد اواکثر مع واحدة انثی یعطی للانثی نصف حظ ذکر واحد.

ولمافی احکام القرآن للجصاص:(۲/۱۷،طبع قدیمی)

وقوله (للذکر مثل حظ الانثیین)قدافاد انه کان ذکرا وانثی فللذکر سهمان وللانثی سهم.

ولمافی السراجی:(ص۸،طبع قدیمی)ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وهو یعصبهن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر: ۷۶۷

﴿میراث میں گھریلو اشیاء کی تقسیم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میراث میں کپڑے اور کپڑوں کے علاوہ دیگر گھریلو اشیاء جن کی قیمت کم وزیادہ ہوتی ہے، ایسی چیزوں کے بارے میں اگر ورثاء متفق ہوں کہ کسی ایک شخص کو اختیار دیدیں کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کردیں جبکہ ورثاء سب عاقل بالغ ہوں، کیا یہ جائز ہوگا؟ اور یہ تقسیم شرعا معتبر سمجھی جائیگی؟ مستفتی محسن صاحب دہلی کالونی کراچی

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کا کوئی عادل سمجھ دار آدمی قیمت مقرر کرے اور اس قیمت کے اعتبار سے ہر وارث کو اس کا وہ حصہ دیدیا جائے جو شریعت میں اس کے لئے مقرر ہے لیکن سائل کے کہنے کے مطابق اگر ورثاء سب عاقل بالغ ہوں اور کسی ایک آدمی کی تقسیم پر راضی ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے۔

لمافی الهندیة:(۶/۲۲۳،طبع رشیدیه کوئٹه)وقومت کل هذه الترکة بتقویم اهل البصارة والعدالة.

ولمافی الهدایة:(۴/۴۱۲،طبع رحمانیه)

ولواصطلحوا فاقتسموا جاز وفی حاشیتها،فهوجائزلان فی القسمة معنی المعاوضة

فيثبت بالتراضي كما في سائر المعاوضات.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عبداللہ چارسدوی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۷۷

﴿دادا کی میراث میں بہو اور یتیم پوتوں کا حصہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس جائیداد سے بیوہ و یتیم حقدار ہوتے ہیں جو کہ دادا کی ہو جبکہ بیوہ کا خاوند اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو چکا ہو اور جائیداد کی تقسیم طے نہ پائی ہو، جائیداد کی تقسیم مکان اور پلاٹ پر مشتمل ہے اور اب تک نہیں ہوئی ہے، نیز میت کے تین بیٹے اور بچی ہیں؟ مستفتیہ: فرحانہ اظہر بتوسط صغیر جنرل اسٹور

﴿جواب﴾ سعید احمد مرحوم کے مال و جائیداد میں سے ان کے بچوں اور بیوہ کا حصہ بنتا ہے آپ کا مرحوم شوہر چونکہ والد کی حیات میں انتقال فرما گئے اس وقت سعید احمد کا مال، مال میراث نہیں تھا اسلئے ان کا کوئی حصہ نہیں بن سکا اور جب مرحوم کا کوئی حصہ سعید احمد مرحوم کے مال وجائیداد میں سے نہیں بن سکا تو یتیم بچوں اور آپ کا بھی کوئی حصہ نہیں بن سکتا، آپ کو اور یتیم بچوں کو اس جائیداد میں حصہ ملتا اگر آپکے مرحوم شوہر کو حصہ ملتا۔

البتہ آپ کے شوہر مرحوم کی ذاتی جائیداد یا نقد روپے وغیرہ بوقت انتقال اگر ملکیت میں تھے تو اس مال میں آپ کا آٹھواں ۱/۸ حصہ والد کا اور مرحوم کی والدہ کا بھی چھٹا حصہ بنتا ہے، باقی پورا مال یتیم بچوں کا حق بنتا ہے۔

اس کے علاوہ سعید احمد مرحوم نے اپنے یتیم پوتوں اور پوتیوں کے لئے اپنے ذاتی مال و جائیداد میں اگر وصیت کی ہو، زبانی ہو یا تحریری طور پر، تو واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ میں سے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک یتیم بچوں کا حق بنتا ہے، وصیت اگر نہیں کی ہے تو کوئی حق بطور حصہ نہیں بنتا، البتہ یتیم بچوں کی کفالت انکے چچاؤں پر لازم ہے۔

لما في عمدة القاري: (۲۳/۲۷۰ طبع: رشيدية)

وقال زيد: ولد الابناء بمنزلة الولد اذا لم يكن دونهم ولد ذكر، ذكرهم كذكرهم وانثاهم كانثاهم، يرثون ويحجبون، ولا يرث ولد الابن مع الابن، أي قال زيد بن ثابت الانصاري، وهذا الذي قاله زيد اجماع.

و لما فی رد المحتار:(۷۵۸/۶ ،طبع:سعید)

و شروطه ثلاثة : موت مورث ــــ و وجود وارث عند موته حیاً حقیقتا او تقدیراً کالحمل.

ولما فی التنویر و شرحه:(۷۸۰/۶ طبع:سعید)

و الثانی (ان من ادلی بشخص لا یرث معه) کابن الابن لا یرث مع الابن.

الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق چارسدوی

جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۳۱۱۴

﴿بیٹیوں، پوتوں اور پوتیوں میں تقسیم میراث﴾

﴿سوال﴾ پنجاب کالونی میں ایک مکان میرے شوہر نے میری ساس کے ساتھ خریدا میرے شوہر نے وہ رقم ماں کو بطور تعاون کے دی تھی اور مکان اپنے نام کروایا تاکہ باقی بہن، بھائی انہیں پریشان نہ کرسکیں، پانچ سال پہلے میرے شوہر اور انکے ایک سال بعد میرے دیور کا انتقال ہوگیا، میری ساس، بیوہ دیورانی اور میری ایک نند اس گھر میں رہتی تھیں۔اب ساس کا انتقال ہوگیا ہے، ہم اس مکان کی شرعی تقسیم چاہتے ہیں، میری ساس کے انتقال کے وقت ان کی پانچ بیٹیاں، چار پوتے اور چار پوتیاں حیات تھیں۔ سائلہ: اُم انیس

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ صورت حال اگر درست ہے یعنی آپکے شوہر نے یہ رقم ماں کو بطور تعاون دی تھی بطور قرض یا اپنے کو شریک مکان کرنے کی غرض سے نہیں دی تھی تو یہ مکان اب صرف مرحومہ کی ملکیت ہے اور ضابطۂ میراث کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

لہٰذا مرحومہ نے بوقت انتقال جو کچھ نقد رقم، سونا چاندی، جائیداد و مکان اور گھریلو چھوٹا بڑا سامان چھوڑا ہے، سب سے پہلے اس سے مرحومہ کے کفن ودفن کے جائز اخراجات ادا کئے جائیں۔

اس کے بعد دیکھا جائے اگر اس کے ذمے قرض واجب الادا ہے تو اس کو ادا کیا جائے، اس کے بعد اگر اس نے جائز وصیت کی ہے تو باقی ماندہ ترکے سے ایک تہائی کی حد تک اسے پورا کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ باقی بچے، اس کے ایک سو اسی (۱۸۰) برابر حصے بنائے جائیں، اس سے ہر ایک بیٹی کو چوبیس حصے (۲۴) ہر ایک پوتے کو دس حصے (۱) اور ہر ایک پوتی کو پانچ (۵) حصے دیدئے جائیں۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: عبید اللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

۲ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۷۵

﴿بہن سے حصہ معاف کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمر اور بکر دعوی کر رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی بہن کلثوم سے مطالبہ کیا کہ ''اپنا حصہ ہمیں چھوڑ دے'' کلثوم نے اپنا حصہ چھوڑ دیا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ میری طرف سے حج کرنا اور مرنے کے بعد میری قبر کو پختہ بنانا، اور ہم ''یعنی عمر اور بکر'' نے ایسا کر دیا، لیکن اب کلثوم کا بیٹا زید اس کا انکار کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ حج تم نے اپنی طرف سے کیا ہے نہ کہ کلثوم کی طرف سے، جبکہ گواہ دونوں کے پاس نہیں ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ زید اپنی والدہ (کلثوم) کے حصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عمر اور بکر کا اپنی بہن کلثوم سے یہ کہنا کہ ''آپ اپنا حصہ ہمیں چھوڑ دے'' اس کے جواب میں بہن نے یہ کہا کہ ''میں چھوڑ دیتی ہوں لیکن آپ میری طرف سے حج کر لینا'' یہ میراث سے برأت کی صورت نہیں ہے، البتہ وصیت بالحج کی صورت ہے، لھذا بھائیوں نے مرحومہ کے حصہ سے اگر حج ادا کیا ہو یا اپنے ہی مال سے، بہن کی طرف سے حج ادا کیا ہو یہ سوچ کر کہ بہن کے حصہ سے یہ خرچہ وصول کریں گے تو یہ خرچہ بہن کے کل ترکہ سے ایک تہائی ۱/۳ کی حد تک وصول کیا جائے گا، ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ وصول نہیں کیا جا سکتا، باقی دو تہائی حصہ بہن کے ورثاء کو دینا ضروری ہے، رہا مرحومہ کی قبر کو پختہ بنانا اس کی وصیت چونکہ باطل ہے اس لئے یہ خرچہ مرحومہ کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔

لما فی احکام القرآن (۱۳۳/۲، طبع: ادارة القرآن)

وفی قوله تعالی: "نصيباً مفروضاً" أی مقطوعاً واجباً لا يجوز لاحد التبديل فيه دليل علی ان الوارث لو اعرض عن نصيبه او ابرأ عنه "و هو عين لا دين" لا يسقط حقه كذا فی المظهری.

و لما فی الشامی: (۶۳۳/۵، طبع: سعید)

حاصله ان الابراء المتعلق بالاعيان اما ان يكون عن دعواها و هو صحيح بلا خلاف مطلقاً، وان تعلق نفسها فان كانت مغصوبة هالكة صح ايضاً كالدين، وان كانت قائمة فمعنی البراءة عنها البراءة عن ضمانها لو هلكت و تصير بعد البراءة من عينها كالامانة لا تضمن الا بالتعدی عليها، وان كانت العين امانة فالبراءة لا تصح ديانة بمعنی انه اذا ظفر بها مالكها اخذها و تصح قضاء فلا يسمع دعواه بعد البراءة.

و لما فی شرح المجلة: (۱۵۶/۴، طبع: شيدية)

حاصله ان الابراء المتعلق بالاعيان اما ان يكون عن دعواها و هو صحيح بلا خلاف

مطلقاً، وان تعلق نفسها فان كانت مغصوبة هالكةً صح ايضاً كالدين، وان كانت قائمة فمعنى البراءة عنها...الخ

و لما فى الشامى:(۶۰۶/۲،طبع: سعيد)

(أوصى بأن يحج عنه فتطوع عنه رجل لم يجزه) وان امره الميت لانه لم يحصل مقصود الميت و هو ثواب الانفاق لكن لو حج عنه ابنه ليرجع فى التركة جاز ان لم يقل من مالى .....الى قوله (قوله لكن لو حج عنه ابنه) أى انه يجوز واستفيد منه انه لو أحج ليرجع فى التركة انه يجوز بالأولى، و قد نص عليه فى الخانية حيث قال: اذا أوصى الرجل بان يحج عنه فأحج الوارث رجلاً من مال نفسه ليرجع فى مال الميت جاز و له ان يرجع فى مال الميت.

ولما فى الشامى: (۶۹۰/۶، طبع :سعيد)

اوصى بان يطين قبره او يضرب عليها قبةً فهى باطلة كما فى الخانية و غيرها .....(قوله لانه حينئذ تكون وصية بالمكروه)مقتضاه انه يشترط لصحة الوصية عدم الكراهة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۲۸

﴿وراثت کے حقدار وہی ورثاء ہونگے جو مورث کے انتقال کے وقت حیات ہوں﴾

﴿سوال﴾ میں نے اپنے برادر نسبتی (بیوی کے بھائی) سے ایک مکان خریدا جو کہ میرے سسر کے نام پر تھا جس وقت میں مکان خرید رہا تھا تو میرے سسر کا انتقال ہو چکا تھا، پوچھنا یہ ہے کہ میری ایک سالی جس کا انتقال سسر کے انتقال سے قبل ہو چکا تھا اور اب اس کی ایک بچی موجود ہے، کیا اس مکان میں اسکا شرعاً کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ یعنی مجھ پر لازم ہے کہ مذکورہ مکان میں سے اس بچی کا حصہ ادا کروں؟

سائل: لیاقت علی

﴿جواب﴾ چونکہ آپ کی سالی کا انتقال اس کے والد کے انتقال سے پہلے ہوا ہے، لہٰذا والد (آپ کے سسر) کے ترکہ میں اس کا اور اس کی اولاد کا کوئی حصہ نہیں بنتا ہے۔

لمافى التنوير:(۴۹۸/۱۰ تا ۵۰۱،طبع امداديه)

فيبدء بذوى الفروض ثم بالعصبات النسبيةثم بالمعتق ثم عصبته الذكورالى ان قال ثم ذوى الارحام.

ولمافى الشامى:(۵۱۱/۱۰،طبع امداديه)ان شرط الارث وجودالوارث حياعندموت المورث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

۱۷/۱/۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۴۷

﴿میراث میں مفقود (لاپتہ) شخص کے حصہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب نے دو شادیاں کی، پہلی بیوی سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، دوسری بیوی سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، والد محترم کی بیویوں میں صرف دوسری بیوی حیات ہے۔

ہم سات (۷) بھائیوں میں سے ایک بھائی اسماعیل احمد جو کہ ہماری دوسری ماں سے ہے، ۲۰۰۱ء میں جہاد افغانستان میں گیا اسکے بعد سے آج تک کوئی معلومات نہیں کہ آیا وہ زندہ ہے یا شہید ہو گیا ہے؟ والد محترم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اس وراثت میں اسماعیل احمد کے معاملہ کو کس طرح حل کیا جائے؟ ساتھ ایک وضاحت کرتا چلوں کہ اسماعیل احمد کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے، اسماعیل احمد کو جو رقم والد محترم کے ترکہ میں سے مل رہی ہے اس کی نوعیت معلوم کرنی ہے:

ا۔ اسماعیل احمد کی رقم محفوظ کر دی جائے تو کتنا عرصہ اس رقم کو محفوظ رکھا جائے؟

۲۔ شرکاء میراث اس وقت وراثت کو باہم تقسیم کر لیں اور جب اسماعیل احمد آئے اس وقت جتنی رقم جس شریک کے حصہ میں گئی وہ اتنی رقم اسکو واپس کر دے؟ شرعی نقطہ نظر سے مکمل وضاحت ہو جائے کہ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: رئیس احمد کورنگی

﴿جواب﴾ والد محترم کے ترکہ میں سے اسماعیل احمد (جو کہ ۲۰۰۱ء سے غائب ہے اور تا حال موت و زندگی کی کوئی خبر نہیں) کو اپنے حصہ کی جو رقم مل رہی ہے تو اسکو اس وقت تک محفوظ رکھا جائے گا، جب تک اسکی زندگی یا موت کا پتہ نہ چل جائے یا اسکے غائب ہونے کے نوے (۹۰) سال پورے ہو جائے، اس کے بعد اسکے حصہ کی رقم والد محترم کے انتقال کے وقت جتنے ورثاء تھے ان میں تقسیم کی جائیگی۔

باقی سوال میں جو یہ پوچھا گیا ہے کہ (کہ شرکاء میراث اسوقت وراثت کو باہم تقسیم کر دیں جب اسماعیل احمد آجائے اس وقت جتنی رقم جس شریک کے حصہ میں گئی وہ اتنی رقم اس کو واپس کرے) تو یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے حصہ کی رقم کو بغیر کسی تصرف کے محفوظ رکھا جائیگا۔

لما فی الهندية (۲/۲۹۸) طبع قديمى

ولا يرث المفقود أحدا مات حال فقده ،معنى قولنا: لا يرث المفقود أحدا أن نصيب

المفقود من الميراث لا يصير ملكا للمفقود ،أما نصيب المفقود من الارث فيتوقف، فإن ظهر حياً علم انه كان مستحقا وان لم يظهر حيا حتى بلغ تسعين سنة فما وقف له يرد على ورثة صاحب المال يوم مات صاحب المال.

وكما في التنوير مع الدر (٢٩٦/٢)طبع سعيد

(وهو ميت في حق غيره فلا يرث غيره)حتى لو مات رجل عن بنتين وابن مفقود والشركة في يد البنتين والكل مقرون بفقد الابن واختصموا للقاضي ،لا ينبغي له ان يحرك المال عن موضعه أي لا ينزعه من يد البنتين وكتب ابن عابدين تحت قوله (اى لا ينزعه من يد البنتين)بل يقضي لهما بالنصف ميراثا ويوقف النصف في ايديهما على حكم ملك الميت فإن ظهر حيا دفع اليه وان ظهر ميتا أعطى البنتان سدس كل المال والباقي لأولاد الابن للذكر مثل حظ الانثيين.

وكما في الكفاية (٣٠/٢)قديمي

ومعنى قولنا :لا يرث المفقود أحدا أن نصيب المفقود من الميراث لا يصير ملكا للمفقود،أما نصيب المفقود من الارث فيتوقف ،لأن حياة المفقود محتملة والمحتمل يكفي للتوقف كما في الجنين فإن ظهر حيا علم انه كان مستحقا وان لم يظهر حتى بلغ تسعين سنة فما وقف له يرد على ورثة صاحب المال يوم مات صاحب المال كالموقوف للجنين اذا انفصل الجنين ميتا .

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب :سیف اللہ

۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ | فتوی نمبر :۳۲۳۲

﴿بیویوں کا میراث میں حصہ اور انکے درمیان زندگی میں تقسیم کرنا﴾

﴿سوال﴾ میری دو بیویاں ہیں، ایک بیوی سے اولاد ہے اور دوسری سے نہیں ہے، دونوں بیویوں کا حصہ میراث میں برابر ہے یا کم وزیادہ؟ میں اپنی حیات میں کسی کو کم یا زیادہ دینا چاہوں تو مجھے کتنا اختیار حاصل ہے؟ میں اپنی بیوی کو الگ مکان دینا چاہتا ہوں تو کیا میں دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

مستفتی :شاہد بھائی فیروز

﴿جواب﴾ جب تک آپ حیات ہیں آپ کے مال میں ورثاء کا حق نہیں ہے، اسی طرح کسی کو حصہ کے مطالبہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، انتقال کے بعد مال میراث بن جاتا ہے، آپ کی اولاد ہے تو مال میراث ہونے کی صورت میں دونوں بیویوں کو پورے مال کا آٹھواں حصہ ملیگا پھر آٹھویں حصے کو دونوں برابر تقسیم کریں گی کسی ایک کو زیادہ دوسری کو کم نہیں ملیگا ،بیوی کی اولاد نہ ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اپنی زندگی میں کسی بیوی کو کچھ دینا چاہیں تو اس کا آپ کو اختیار ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ دونوں کو دیا جائے کسی وجہ سے ایک کو زیادہ دینے کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ دوسری کو بالکل محروم نہ کیا جائے، حالت صحت میں ہبہ کیا جائے اور اس کو باقاعدہ مالک وقابض بنایا جائے، یہ بھی واضح رہے کہ کسی ایک کو دینے سے دوسری کو اذیت دینا مقصود نہ ہو ورنہ گناہ ہوگا۔

لمافي حاشية السراجي:(ص۸،طبع قديمي)

والثمن مع الولد..... ولافرق بين ان يكون ولدمنها اومن غيرها.

ولمافي الدرالمختار:(۶/۷۷۰،طبع سعيد)فللزوجات حالتان الربع بلاولدوالثمن مع الولد.

وفي الشامية:(قوله مع الولد)اى للزوج الميت ذكراوانثى ولومن غيرها.

ولمافي الشامي:(۴/۴۴۴،طبع سعيد)

لو هب شيئالاولاده في الصحة،وارادتفضيل البعض على البعض روى عن ابى حنيفة لاباس به اذاكان التفضيل لزيادةفضل في الدين وان كانواسواء يكره وروى المعلى عن ابى يوسفؒ انه لاباس به اذالم يقصدالاضراروالاسوى بينهم وعليه الفتوى.

الجواب صحيح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرہ اللہ

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۸۶۵

﴿خدمت کی وجہ سے میراث کے حصہ میں اضافہ نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری خالہ کا انتقال ہوا، اب اس کی میراث تقسیم کرنا چاہتے ہیں مرحومہ نے ورثاء میں سے خاوند، چار بیٹیاں، ایک بھائی اور تین بہنیں چھوڑی ہیں، اب اس میراث کو تقسیم کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہوگا؟ مزید یہ کہ ایک بیٹی اپنی والدہ کی خدمت کرتی رہی اور وفات کے بعد بھی دو مہینے تک والدہ کے گھر ٹھہری رہی، تو کیا اب اس بیٹی کو میراث میں وہی حصہ ملے گا یا ان سے زیادہ؟ مستفتی:محمد عمران ڈی، آئی، خان

﴿جواب﴾ آپ کی خالہ مرحومہ نے بوقت انتقال اپنی ذاتی ملکیت میں جو کچھ چھوڑا ہے، نقد روپے، سونا، چاندی، مکان، جائداد، استعمال کے کپڑے، گھریلو سامان الغرض جو کچھ چھوٹا بڑا سامان چھوڑا ہے سب سے پہلے اس سے مرحومہ کی تجہیز وتکفین کا جائز خرچہ ادا کیا جائے، اس کے بعد دیکھیں گے اگر مرحومہ کے ذمہ اگر کوئی واجب الاداء قرضہ ہے تو وہ ادا کیا جائے، اس کے بعد دیکھیں اگر انہوں نے کوئی جائز وصیت کی ہے تو باقی ماندہ ترکہ سے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک

اس پر عمل کیا جائے۔

مندرجہ بالا حقوق ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ جائے اس کے کل ۶۰ حصے بنائے جائیں جن میں سے شوہر کے کل ۱۵ حصے بنتے ہیں اور مرحومہ کی ہر ایک بیٹی کو ۱۰، ۱۰ حصے ملیں گے نیز وہ بیٹی جو ماں کی خدمت کر رہی تھی اس کو بھی دوسرے بیٹیوں کی طرح برابر حصہ ملے گا اور مرحومہ کے بھائی کو ۲ حصے اور ہر ایک بہن کو ۱، احصہ ملے گا۔ ذیل میں نقشہ ملاحظہ ہو۔

۶۰

مسئلہ

شوہر	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بھائی	بہن	بہن	بہن
۱۵	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۲	۱	۱	۱

ولما فی قولہ تعالیٰ (سورۃ النساء آیت نمبر ۱۲)

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا أو دین۔

ولما فی السراجی (ص:۸ طبع: قدیمی)

اما البنات الصلب: فاحوال ثلث النصف للواحدۃ والثلثان للاثنتین فصاعدۃ ومع الابن لذکر مثل حظ الانثیین۔

ولما فی السراجی (ص:۱۰ طبع: قدیمی)

ومع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین یصرن بہ عصبۃ لاستوائہم فی القرابۃ الی المیت۔

واللہ خیر الوارثین: شاہ جہان ڈیروی عفی عنہ　　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۵۱　　　۱۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿میراث میں کمپنی کی تقسیم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے والد صاحب ''خواجہ محمد شفیع،، کا انتقال 1983 میں ہوا اس وقت پسماندہ گان میں ہماری والدہ مرحومہ صغریٰ بی بی،، اور چار بھائی، نمبر ۱ خواجہ رخسار احمد نمبر ۲ خواجہ امتیاز احمد نمبر ۳ خواجہ شوکت حیات نمبر ۴ خواجہ محمد اسلام اور تین بہنیں نمبر ۱ شہناز اشرف نمبر ۲ رخسانہ مسعود نمبر ۳ شمع پرویز تھے والدہ صاحبہ مرحومہ کا انتقال 2004 میں ہوا والدہ کی مذکورہ اولاد میں الحمدللہ سب حیات ہیں صرف ایک بہن شہناز اشرف کا انتقال والدہ کے بعد ہوگیا ہے انکی بھی اولاد ہے والد مرحوم نے ایک

کمپنی 1961 میں قائم کی تھی جس کا نام "دی خواجہ گڈز ٹرانسپوٹ کمپنی،، ہے ہم تین بھائی اس کمپنی کو چلا رہے ہیں، ایک بھائی کینیڈا بچوں سمیت گیا ہے اب معلوم کرنا ہے کہ تقسیم کی صورت میں اس کمپنی میں ورثاء کا حصہ کس نسبت سے ہوگا جو بھائی کینیڈا میں بچوں سمیت ہیں ان کا بھی حصہ ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: خواجہ شوکت حیات ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ آپکے والد کا انتقال ہوا اور اس کے بعد والدہ کا بھی اور دونوں کے ورثاء صرف آپ بہن بھائی ہیں تو دونوں مرحومین کے ترکہ سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ بوقت انتقال والدین مرحومین نے اپنی ذاتی ملکیت میں جو کچھ چھوڑا ہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ مثلاً نقد روپے، سونا، چاندی، سامان تجارت گھریلوں اشیاء الغرض جو کچھ چھوٹا بڑا ساز و سامان چھوڑا ہے سب سے پہلے تجہیز و تکفین سے متعلق ضروری خرچے جو بھی ہوئے ہیں ادا کیے جائے پھر دیکھیں اگر دونوں میں سے کسی کے ذمہ کوئی قرضہ ہے تو اس کے ذاتی مال کی حد تک وہ ادا کر دیا جائے پھر دیکھیں اگر انہوں نے کوئی جائز وصیت کی ہے تو اسکی ذاتی باقی ماندہ ترکہ سے ایک تہائی ۳/۱ کی حد تک اس پر عمل کیا جائے اس کے بعد جو کچھ بچے کل گیارہ برابر کے حصے بنا کر مرحومین کے ہر ایک بیٹے کو دو حصے اور ہر ایک بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے لھذا خواجہ رخسار احمد کو دو حصے، خواجہ امتیاز احمد کو دو حصے، خواجہ شوکت حیات کو دو حصے، اور خواجہ محمد اسلام کو بھی دو حصے دیدیئے جائیں اور ہر ایک بیٹی یعنی رخسانہ مسعود کو ایک حصہ شمع پرویز کو ایک حصہ اور شہناز اشرف کا بھی ایک حصہ حق بنتا ہے وہ اب انتقال فرما گئی ہے تو انکی اولاد اور شوہر کو دیدیا جائے۔

کینیڈا میں رہائش اختیار کرنے والا بیٹا بھی مرحومین کی اولاد میں سے ہے لھذا وہ بھی دیگر بھائیوں کیساتھ ترکہ میں برابر کا شریک ہے اور جائیداد و نقد کے علاوہ کمپنی کے گڈ ویلیوں میں پوری طرح حصہ کا حق رکھتا ہے تقسیم کے لئے نقشہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۱۱

میت

رخسار احمد	امتیاز احمد	شوکت حیات	محمد اسلام	رخسانہ مسعود	شمع پرویز	شہناز اشرف
۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

لما فی قوله تعالیٰ: پارہ ۴ سورۃ النساء ایت نمبر ۱۱

یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین

ولما فی تنویر الابصار مع الدر المختار (ج۶ ص۷۶۸ طبع قدیمی)

(و) الرابع (اختلاف الدارین) فیما بین الکفار عندنا............بخلاف المسلمین

وفی الشامیۃ قوله (بخلاف المسلمین) محترز فیما بین الکفار أی اختلاف الدارین لایؤثر فی حق المسلمین کما فی عامۃ الشروح حتیٰ ان المسلم التاجر والأسیر لو مات فی دار الحرب ورث منه ورثته الذین فی دار الأسلام قال فی شرح السراجیۃ لابن الحنبلی............لان المیراث علی الولایۃ فاما الیوم فینبغی ان یرث أحدهما من الأخر لان حکم الهجرۃ قد نسخ بقوله ﷺ لاهجرۃ بعد الفتح".

وایضا فی العالمگیریۃ: (۶/۴۵۳، طبع: رشیدیه)

اختلاف الدارین یمنع الأرث کذا فی التبیین ولکن هذا الحکم فی حق اهل الکفر لا فی حق المسلمین حتی لو مات مسلم فی دار الحرب یرثه ابنه الذی فی الأسلام

وایضا فی تنویر الأبصار مع الدر: (۶/۸۰۱، طبع: سعید)

فصل فی المناسخۃ (مات بعد الورثۃ قبل القسمۃ للترکۃ صححت المسئلۃ الأولیٰ) واعطیت سهام کل وارث (ثم الثانیۃ) (الا اذا اتحدوا) کأن من عشرۃ بنین ثم مات أحدهم عنهم

وفی الشامیۃ قوله (الا اذا اتحدوا) ای ورثۃ المیتین فیکتفی بتصحیح واحد فحینئذ تقسم الترکۃ فی المثال المذکور ابتداء کأن المیت الثانی لم یکن

وایضا فی الهندیۃ: (۶/۵۱۹، طبع: رشیدیۃ)

فأن کانت ورثۃ المیت الثانی هم ورثۃ المیت الأول فلا تغیر فی القسمۃ تقسم قسمۃ واحدۃ لأنه لافائدۃ فی تکرار القسمۃ بیانه اذا مات وترک بنین وبنات ثم مات احد البنین او أحد البنات ولا وارث له سوی الأخوۃ والأخوات قسمت الترکۃ بین الباقین علی صنۃ واحدۃ للذکر مثل حظ الأنثیین

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: بندہ سمیع الرحمٰن دیروی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۳۶

﴿مسجد میں رقم دینے کی وصیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے وفات سے دو ماہ قبل مسجد کیلئے دس ہزار روپے دینے کا کہا تھا، جن میں سے پانچ سو روپے مسجد پر خرچ بھی کر دیئے لیکن بقیہ رقم وفات تک کسی وجہ سے خرچ نہ کر سکا اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ رقم مسجد پر خرچ کی جائے گی یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی وصیت پر گواہ بھی موجود ہے کہ اس نے باقی ماندہ رقم مسجد کیلئے وصیت کی تھی۔

﴿جواب﴾ مسجد کیلئے وصیت بایں معنیٰ کہ مسجد پر خرچ کیا جائے درست ہے لہذا صورت

مذکورہ میں اگر وہ زید کے کل مال کے ثلث یعنی ۳/۱ حصے کے برابر ہو تو وصیت نافذ کی جائے ورنہ ثلث مال کے بقدر نافذ کی جائے۔

لمافی التنویر الابصار مع الدر المختار: (۶۹۶/۳،طبع: سعید)

(أوصى بشئ للمسجد لم يجز الوصية)لأنه لايملك وجوزها محمدؒ،قال المصنف :وبقول محمد أفتى مو لاناصاحب البحر (الا ان يقول)الموصى (ينفق عليه)فيجو ز اتفاقا"

وايضافى الرد المحتار :(۶۶۵/۶،طبع: سعيد)

. والحاصل ان فى الايصاء للمسجد قولين :قول لعد م الصحة وقول بالصحة ......ثم على الصحة هل تصر ف على منافعه اوعلى فقرائه قا ل محمدؒ بالاول على ماهو كا الصريح فى كلامهم ،واما الثانى فصرح به فى المجتبى على ماترى والقائل هو الشيخان الا ايقول ينفق على المسجد فيجو ز اتفاقاً

ولمافى الهندية: (۹۶/۰،طبع: رشيديه)

ولو اوصى بأن ينفق ثلثه على المسجد جا ز ويصر ف على عمارته وسراجه ....

واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

﴿وراثت وغیرہ کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ہم سات بھائی اور ہماری ایک بہن تھی جن میں سے ایک بھائی کا عرصہ دو سال قبل انتقال ہو گیا تھا اور اب چند روز قبل بہن کا بھی انتقال ہو گیا ہے، ہم نے اپنی بہن کی شادی ایک شادی شدہ آدمی سے کردی تھی اور پہلی بیوی سے اس کی اولاد بھی موجود ہے جبکہ ہماری بہن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے شادی کے وقت بطور مہر ایک پلاٹ ہماری بہن کے نام کر دیا تھا اور ہماری بہن کی وفات سے کچھ عرصہ قبل وہ مکان جس میں رہائش پذیر ہیں، وہ بھی بطور ہبہ ہماری بہن کے نام کر دیا تھا مگر الگ کر کے قبضہ وفات تک کے عرصہ میں نہیں دیا اور ہم نے اپنی بہن کو سونا اور جہیز بھی دیا تھا انتقال کے بعد ہم سب بھائیوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہماری بہن کا سامان واپس کیا جائے اور مکان اور پلاٹ کا بھی فیصلہ کیا جائے اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

اور جس بھائی کا انتقال بہن کے انتقال سے پہلے ہو گیا تھا کیا اس سامان میں سے اس کی بیوہ اور بچوں کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ اس وقت ورثہ میں چھ ۶ بھائی اور زوج موجود ہیں وراثت کی تقسیم کیسے ہوگی؟

﴿جواب﴾ آپ کی بہن کی وراثت میں وہ چیزیں شامل ہوں گی جو بوقت وفات اس کی

ذاتی ملکیت تھیں، ان میں سے وہ پلاٹ بھی ہے جو ان کو بطور مہر ملا تھا اور جو چیزیں آپ نے یا کسی اور نے بطور ملکیت مثلاً سونا، چاندی اور سامان وغیرہ بطور جہیز یا کسی نے بطور ہبہ ان کے سپرد کردی تھیں یہ تمام چیزیں ان کی وراثت میں شامل ہیں۔

سب سے پہلے مرحومہ کے کفن دفن کے متوسط اخراجات ادا کئے جائیں پھر دیکھیں اگر مرحومہ کے ذمہ کوئی واجب الاداء قرضہ ہے تو وہ ادا کر دیا جائے پھر دیکھیں اگر انہوں نے کوئی جائز وصیت کی ہو تو باقی ماندہ ترکہ سے ایک تہائی (1/3) کی حد تک اس پر عمل کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ بچے اس کے کل بارہ حصے بنائے جائیں جن میں سے چھ حصے مرحومہ کے زوج کو دے دیے جائیں اور باقی چھ حصے مرحومہ کے چھ بھائیوں میں برابر برابر تقسیم ہوں گے۔

لمافی السراجی:(ص۳،طبع قدیمی)

حقوق اربعۃ مرتبۃ الاول یبدا بتکفینہ وتجھیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعدالدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ.

واضح رہے کہ گھر مرحومہ کے ترکہ میں شامل نہیں ہوگا کیونکہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ کے تام ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا جس چیز کو ہبہ کر رہا ہے اس کو اپنے تمام تصرفات سے خارج کر کے موہوب لہ کے سپرد کر کے مکمل قبضہ بھی دے دے جبکہ ذکر کردہ صورت میں مذکورہ مکان پر مرحومہ کا قبضہ تام نہیں ہوا ہے، مکان چونکہ زوج کے تصرف میں رہا ہے، اس لئے وہ بدستور زوج کی ملکیت میں ہے۔

باقی جو مال بطور جہیز کے آپ نے اپنی بہن کو دیا ہے، زوج کا حق اس میں ثابت ہو چکا ہے، اس لئے آپ بقدر حصہ واپس لے سکتے ہیں مکمل سامان واپس لینے کا آپ کو حق حاصل نہیں ہے۔

لمافی البحر الرائق:(۸/۲۹۳،طبع سعید)

(وللزوج النصف ومع الولد وولد الابن وان سفل الربع)لقولہ تعالی ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولدفان کان لھن ولدفلکم الربع مماترکن.

ولمافی البحر الرائق:(۸/۲۹۸،طبع سعید)

(ثم الاخ لاب وام)وانماقدمواعلی الاعمام لان اللہ تعالی جعل الارث فی الکلالۃ للاخوۃ عندعدم الولدوالوالدبقولہ تعالی وھویرثھاان لم یکن لھاولد.

اورآپ کے جس بھائی کا انتقال بہن کے انتقال سے قبل ہوگیا تھا، اس کا میراث میں سے

حصہ تو نہیں ہے لیکن صلہ رحمی کے طور پر اس کی بیوہ اور بچوں کو سب بھائی اپنی رضامندی سے اپنے حصہ میں سے کچھ دے دیں تو بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

والله اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۱۰۰۹ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿منہ بولا بیٹا شرعا میراث کا مستحق نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے تایا اور تائی کا انتقال ہو گیا اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، میرے چچا کا ایک بیٹا ہے جس کا نام محمد نیاز ہے، جب میرے چچا سکھر میں رہتے تھے تو وہ یعنی محمد نیاز ہمارے تایا اور تائی کے پاس رہتا تھا، جب میرے چچا کراچی آئے تو وہ محمد نیاز کو بھی ساتھ لے کر آئے، میرے چچا کو کراچی آئے ہوئے تقریبا 28-30 سال ہو گئے ہیں، اب 28-30 سال کے بعد محمد نیاز جو کے ہماری تائی اور تایا کے پاس چند سال رہا تھا، اس نے اپنے آپ کو لے پالک ظاہر کر کے ہماری تائی اور تایا کی جائیداد کو بیچ دیا اور بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ مکان اور سامان میرے نام کر دیا تھا جبکہ میرے والد محمد نسیم اور محمد نیاز کے والد فیض محمد زندہ ہیں، اب آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ اگر محمد نیاز بالفرض لے پالک تھا تو ہماری تائی اور تایا کی جائیداد میں محمد نیاز کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ میرے تایا کے دو بھائی محمد نسیم اور فیض محمد جو اب بھی حیات ہیں اور ان کی کوئی بہن نہیں ہے، کیا یہ دونوں بھائی ہمارے تایا کی جائیداد کے حقدار ہیں یا نہیں؟ مستفتی: محمد سلیم

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں محمد نیاز کا آپ کے تایا اور تائی کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہے منہ بولا بیٹا بیٹا قرار نہیں پاتا، جائیداد وغیرہ میں تصرف کرنا شرعا معتبر نہیں ہے، محمد نیاز نے اگر جائیداد کا سودا کیا ہے تو اس سودے کی کوئی حیثیت نہیں، جائیداد کے مالک بدستور محمد نسیم اور فیض محمد ہیں، فیض محمد چونکہ حیات ہیں، اس لئے ان کے بیٹے محمد نیاز کو اپنے والد کے حصہ میں بھی کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورۃ الاحزاب،آیت ۴) وماجعل ادعیائکم ابنائکم......الأية.

ولمافی المظهری:(۷/۲۸۳،طبع رشیدیه)

فلايثبت بالتبني شيء من احكام البنوة من الارث وحرمة النكاح وغير ذلك.

ولما في السراجي:(ص ۱۲، طبع قديمي)

اما العصبة بنفسه فكل ذكر لاتدخل في نسبته الى الميت انثى وهم اربعة اصناف جزء الميت واصله وجزء ابيه وجزء جده.

ولما في الهندية:(۵/ ۴، طبع رشيديه)وجزء ابيه......الاخ لاب وام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفر االاحد

۲۲ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۸۰۴

﴿لے پالک کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک منہ بولا بیٹا ہے جس کو میرے شوہر نے چار سال کی عمر سے پالا ہے، اب میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، اب اس منہ بولے بیٹے کو دیگر بہن بھائیوں کے ساتھ وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں، اگر ملتا ہے تو کتنا؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتیہ: زلیخہ بی بی، کوئٹہ

﴿جواب﴾ لے پالک (منہ بولا بیٹا) شرعاً نہ وارث ہے اور نہ محرم، قرآن مجید میں صراحتاً اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ لے پالک بیٹا تمہارے حقیقی بیٹوں کی طرح نہیں ہے، یعنی حقیقی بیٹوں کے طرح نہ اس کو وراثت میں سے کچھ حصہ ملے گا، نہ ہی دیگر احکامات میں وہ حقیقی بیٹوں کی طرح ہے، البتہ زندگی میں اپنے مال میں سے کچھ ہبہ کر کے باقاعدہ اس کو مالک وقابض بنادیا جائے یا اپنے مال میں سے ایک تہائی سے کم مال کی وصیت اس کے حق میں کوئی کرے تو اس شخص کے انتقال کے بعد یہ لے پالک مالک ہو جائے گا۔

لما في قول الله تبارك وتعالىٰ، سورة الاحزاب، آيت: ۴

وماجعل ادعيائكم ابنائكم ذالكم قولكم بافواهكم"

ولما في التفسير المظهري (۷/ ۲۸۴، طبع رشيديه)

فلايثبت بالتبني شئى من احكام البنوة من الارث وحرمة النكاح وغير ذالك"

ولما في احكام القرآن للجصاص الرازي (۳/ ۵۲۱، طبع قديمي كتب خانه)

قوله تعالىٰ:" ذالكم قولكم بافواهكم "يعني انه لاحكم له وانما هو قول لامعنى له ولا حقيقة"

ولما في للتفسير ابن كثير(۵/ ۴۳۲، طبع رشيديه)

"وقال تبارك وتعالىٰ في آية التحريم:" وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم "احترازاً عن زوجة الدعي فانه ليس من الصلب"

ولما فی احکام القرآن للشیخ ظفر احمد العثمانی (۲۹۱/۳ طبع: ادارۃ القرآن)

"ان الدعی والمتبنی لایلحق فی الاحکام بالابن فلایستحق المیراث"

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۲۳ محرام الحرام ۱۴۲۳ھ فتوی نمبر: ۳۳۹۱

﴿بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنے پر وعید﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء عظام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں عموماً بیٹیوں کو میراث سے محروم کیا جاتا ہے، ان سے پوچھے بغیر میراث تقسیم کی جاتی ہے، براہ کرم بتائیے کہ وارث کو محروم کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر کوئی وعید اس بارے میں ہو تو بتادیجئے گا، کیا محروم وارث کا مال دوسرے ورثاء کے لئے استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے جس طرح بیٹے کو وراثت میں حصہ دیا ہے، اسی طرح بیٹی کا حصہ بھی مقرر فرمایا ہے، قرآن پاک میں بہت واضح اور تفصیل کے ساتھ میراث کا حکم بیان کیا گیا ہے، "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین" میں ہر ایک کا حصہ مقرر فرمایا کہ ہر لڑکے کو لڑکی سے دوگنا حصہ ملے گا، قرآن پاک نے اس قاعدہ کلیہ کے ذریعے سے لڑکیوں کو میراث کا مستحق بنادیا ہے۔

اب اس واضح اور کلی حکم کے بعد اپنی بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا حکم خداوندی کے خلاف اپنی مرضی ومنشاء کو استعمال کرنا ہے جو دین سے دوری اور اپنی آخرت کی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس حکم خداوندی کی مخالفت سے باز آجائیں ورنہ سزائے آخرت کے مستحق ہونگے۔

لہٰذا بیٹیوں کے نام ان کا حصہ کردینا چاہیے اور ہرگز ان کو محروم نہ کیا جائے، جو لوگ اپنے وارثوں کو میراث سے محروم کرتے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، مفہومِ حدیث ہے کہ ایک آدمی پوری زندگی نیک عمل کرتا رہتا ہے لیکن موت کے وقت وارثوں کو محروم کرجاتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح شریف: (ص ۲۶۶، طبع سعید) میں روایت ہے:

عن ابی هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار ثم قرأ ابو هريرة من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار...... وذلك الفوز العظيم. (رواه احمد والترمذي وابو داؤد وابن ماجة)

دوسری حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کی میراث سے محروم کرے گا۔

لمافی المشكوة: (ص ۲۶۶، طبع سعيد)

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. رواه ابن ماجه والبيهقي.

لہٰذا اپنی زندگی میں میراث تقسیم کرتے ہوئے تمام وارثوں کو ان کا حق دینا ضروری ہے لیکن اگر خدانخواستہ کسی وارث کو خود مورث نے محروم کر دیا تو اس کا حصہ دوسرے ورثاء کے لئے جائز تو ہوگا لیکن مورث کے علاوہ دیگر ورثاء مثلاً بھائی وغیرہ بہن کو محروم نہیں کر سکتے کوئی بھائی بہن کے حصہ کو روکے گا تو یہ غصب ہے ہرگز جائز نہیں ہے۔

لمافی الهندية: (۲۹۱/۴، طبع رشيديه)

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع كذافي فتاوىٰ قاضيخان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۸

﴿تقسیم سے پہلے کوئی وارث حق لینے سے انکار کر دے تو حق ساقط نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ ہمارے والد صاحب فوت ہو گئے اور ان کے ترکہ میں ہماری دادی کا بھی حصہ بنتا تھا تو میرے بھائیوں نے کہا کہ دادی کو کیا ضرورت ہے حصہ لینے کی تو دادی نے کہہ دیا ٹھیک ہے میں حصہ نہیں لیتی، ہمارا ایک بھائی طالبعلم ہے، اب وہ کہتا ہے کہ دادی کے اس طرح کہہ دینے سے ان کا حق ختم نہیں ہوتا، میں ان کو حصہ دونگا، براہ مہربانی بتائیں کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ترکہ کی تقسیم سے پہلے اگر کوئی وارث یہ کہدے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تو اس سے اس کا حصہ ختم نہیں ہوتا وہ بدستور مالک رہتا ہے، البتہ تقسیم کے بعد انکا حصہ الگ اور ممتاز کیا

جائے پھر وہ اپنا حصہ کسی ایک کو ہبہ کردے یا سب پر تقسیم کردے تو یہ صورت درست ہوگی۔

لمافی شرح الحموی:(۵۳/۲،طبع ادارۃ القرآن)

قال ابن نجیمؒ:لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذالملک لایبطل بالترک.

وفی الشرح:قوله:لوقال الوارث ترکت حقی:الخ:اعلم ان الاعراض عن الملک اوحق الملک ضابطه انه ان کان ملکا لازمالم یبطل بذلک کمالومات عن ابنین فقال احدهما:ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترک بالترک بل ان کان عینا فلا بدمن التملیک.

ولمافی الدرالمختار:(۴۹۲/۱۰،طبع امدادیه)

والثالث اما اختیاری وهوالوصیة اواضطراری وهوالمیراث.وسمی فرائض لان الله تعالٰی قسمه بنفسه واوضحه وضوح النهاربشمسه.وکذافی احسن الفتاوی:(۲۷۹/۹، طبع سعید)وفتاوی رحیمیه:(۲۸۰/۱۰،طبع دارالاشاعت)فتاوی دارالعلوم دیوبند یعنی عزیزالفتاوی:(۷۴۰/۱،طبع دارالاشاعت)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:شاہد محمود عفی عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۶۶

﴿نکاح سے قبل پیدا ہونے والے بچے کو میراث نہیں ملتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ ایک لڑکی نے نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے شخص کے ساتھ غلط تعلقات قائم کئے جس کی وجہ سے حمل ہوا شرمندگی سے بچنے کے لئے لڑکی اسی شخص کیساتھ بھاگ گئی جس کیساتھ غلط تعلق قائم تھا، چندماہ بعد لڑکا پیدا ہوا، بعد میں اصل شوہر سے طلاق دلوائی گئی اور لے جانیوالے شخص نے نکاح کرلیا پھر اور لڑکے بھی پیدا ہوئے سب کو علم ہے کہ پہلا لڑکا زنا سے پیدا ہوا ہے، یہ آدمی بھی اقرار کررہا تھا کہ میرا یہ لڑکا میری غلط کاری سے پیدا ہوا ہے، اب اس شخص کا انتقال ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس لڑکے کا میراث میں حصہ ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اصل شوہر نے واقعی اپنی اس منکوحہ کیساتھ خلوت صحیحہ نہیں کی تھی اور دوسرے شخص کے زنا سے یہ عورت حاملہ ہوئی اور دوسرے نکاح سے پہلے یا چھ ماہ گزرنے سے پہلے لڑکا پیدا ہوا اور یہ شخص بھی اس کا اقرار کرتا رہا کہ میری غلط کاری سے یہ لڑکا پیدا ہوا ہے تو یہ لڑکا ولدالزنا ہے جس کا نسب ثابت نہیں ہے اور غیر ثابت النسب ولد کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، لہٰذا

اس کا میراث میں کوئی حصہ نہیں، البتہ ماں کی میراث میں سے اس کو حصہ ملیگا یعنی ماں اگر اس سے پہلے فوت ہوجائے۔

لمافی الدرمع الرد:(۴۹/۳،طبع سعید)لونکحها الزانی حل وطؤها اتفاقاً والولدله ولزمه النفقة.

وفی الشامیة:(قوله والولدله)ای ان جاءت بعد النکاح لستةاشہرمختارات النوازل، فلولاقل من ستةاشہرمن وقت النکاح،لایثبت النسب،ولایرث منه الاان یقول هذاالولدمنی ولایقول من الزنی خانیة.والظاهران هذا من حیث القضاء،ام من حیث الدیانةفلایجوزله ان یدعیه لان الشرع قطع نسبه منه،فلایحل له استلحاقه به ولذالوصرح بانه من الزنی لایثبت قضاء ایضاً.

ولمافی الهندیة:(۵۴۰/۱،طبع رشیدیه)

ولوزنی بامرأةفحملت ثم تزوجهافولدت ان جاءت به لستةاشہرفصاعداًثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستةاشہرلم یثبت نسبه الاان یدعیه ولم یقل انه من الزنی اما ان قال انه من الزنی فلایثبت نسبه ولایرث منه کذافی الینابیع.

واللہ اعلم: حبیب الوہاب عفی عنہ سواتی　　الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۳۸۲　　۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿دوران ملازمت فوت ہونے والے ملازم کے اہل وعیال کو ملنے والی رقم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا سرکاری ملازم تھا، اپنی حیات میں مجھ سے کہا تھا کہ جب میں پنشن لے لوں تو آپ کو حج کراؤنگا لیکن پنشن لینے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا، اب حکومت کی طرف سے انکے نام کچھ رقم ملی ہے تو کیا میں اس رقم سے حج کرسکتا ہوں؟

مستفتی نورشاہ

﴿جواب﴾ مرحوم اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے ملنے والی رقم کو خود وصول کرتے اور آپ کو حج کراتے تو صحیح تھا لیکن جب پنشن لینے سے پہلے ہی فوت ہوگئے اور آپ کو حکومت کی طرف سے رقم ملی ہے تو ایسی رقم کے بارے میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر مرحوم اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے ملنی والی اس رقم کا حقدار بنا تھا تو اسمیں وراثت چلے گی اور تمام ورثاء میں میراث کے ضابطے سے تقسیم ہوگی اور اگر زندگی میں حقدار نہ بنا ہو اور فوت ہوجانے کے بعد حکومت کی طرف سے عطیہ کے طور پر یہ رقم ملی ہے تو اس میں قانون یہ ہے کہ جس کو دی جائے اسی کی ہوگی، لہٰذا اگر حکومت کی طرف سے ملنے والی رقم عطیہ ہو تو اس میں آپ کو کسی قسم کے تصرف کا

حق حاصل نہیں ہے جب تک وہ (جن کو حکومت کی طرف سے عطیہ ملا ہے) اپنی خوشی سے آپ کو نہ دیں۔

لمافی التنویر مع الدر:(۷۵۹/۶،طبع سعید)

(یبدأمن ترکۃالمیت الخالیۃعن تعلق حق الغیر بعینھا کالرھن والعبدالجانی)

وفی الشامیۃ:(قولہ الخالیۃالخ)صفۃ کاشفۃلان الترکۃفی الاصطلاح ماترکہ المیت من الاموال صافیاعن تعلق حق الغیربعین من الاموال کمافی شروح السیراجیۃ.

لمافی البحر:(۳۸۹/۸،طبع سعید)

(یبدأمن ترکۃالمیت بتجھیزہ)المرادمن الترکۃ ماترکہ المیت خالیاعن تعلق حق الغیربعینہ وان کان حق الغیرمتعلقابہ کالرھن والعبدالجانی والمشتری قبل القبض فان صاحبہ یقدرعلی التجھیزکمافی حیاتہ ولقولہ علیہ السلام......ماترکہ المیت فلورثتہ رواہ البخاری ومسلم ولقولہ علیہ السلام.....الالاتظلمواالالایحل مال امری الابطیب نفس منہ)رواہ البیہقی.

فی شعب الایمان والدارالقطنی فی المجتبی وتحتہ قال ملاعلی قاری(لایحل مال امری)ای مسلم اوذمی(الابطیب نفس)ای بامراورضامنہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۵رجب ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۶۵

﴿میراث کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدصاحب کا فروری ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا تھا اوران کے ورثاء میں ہم دو بھائی، ایک بہن، اوروالدہ صاحبہ ہیں والدصاحب نے جو جائیداد چھوڑی ہے اسکی تفصیل درجہ ذیل ہے:

کچھ نقدرقم، ایک پلاٹ، پرائز بانڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ، ایک گاڑی، اور ایک مکان۔ برائے مہربانی تقسیم کی شرعی صورت بتا کر ممنون فرمائیں؟ نیزیہ بات ملحوظ رہے کہ گھروالدصاحب نے والدہ کے نام کرادیا تھا۔ تو کیا والدہ صاحبہ تنہاء اس گھر کی مالک ہونگی یا دوسرے ورثاء کا بھی اس میں حق ہوگا؟　　　مستفتی: محمد عاطف ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ آپ کے والدمرحوم نے بوقت انتقال اپنی ذاتی ملکیت میں جو کچھ چھوڑا ہے سب سے پہلے اس ترکہ سے مرحوم کی تکفین وتدفین کے جائز اخراجات ادا کئے جائیں، پھر

دیکھیں اگر مرحوم کے ذمہ کوئی قرضہ ہوتو وہ ادا کردیا جائے پھر دیکھیں اگر مرحوم نے کوئی جائز وصیت کی ہے توباقی ماندہ ترکہ سے ایک تہائی (1/3) کی حدتک اس پرعمل کیا جائے، اس کے بعد جوکچھ باقی رہے، مکان، جائیداد، نقدرقم، پرائزبانڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ گھریلوسامان الغرض مرحوم کی ذاتی ملکیت میں جوکچھ ہے تمام کے کل چالیس برابرحصے بنالیں جن میں سے پانچ حصے مرحوم کی بیوہ آپ کی والدہ کودیدئے جائیں اور چودہ حصے مرحوم کے ہرایک بیٹے یعنی آپ اور آپ کے بھائی کوملیں گے، باقی سات حصے آپ کی بہن یعنی مرحوم کی بیٹی کودیناضروری ہے۔

مکان آپ کے والدصاحب کااگرذاتی تھا یعنی والدہ کی رقم اس میں نہیں لگی تھی توصرف نام کرانے سے وہ آپ کی والدہ کی ملکیت میں نہیں آیا، یہ ہبہ کی ناتمام صورت ہے، اس لئے کہ اسی گھرمیں والدمرحوم رہائش پذیرتھے آخرتک مرحوم کے قبضہ میں رہا، لہٰذا یہ والدمرحوم کاترکہ شمار ہوگا، البتہ والدہ کواپنے شوہرکے ترکہ میں سے (1/8) ملتاہے جس کواوپرہم نے واضح کردیا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ خیرالوارثین: رضوان اللہ حقانی

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۶۱

﴿عورتوں کومیراث میں سے حصہ نہ دینا گناہ کبیرہ اورظلم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام کہ (۱) ہمارے علاقے کوہستان میں لوگ اپنی بیٹیوں کومیراث میں سے حصہ نہیں دیتے اگرکوئی شخص بیٹیوں کوحصہ دینے کی بات کرے تواس کو پاگل کہتے ہیں گویایہ سمجھتے ہیں کہ میراث صرف مردوں کاحق ہے، ان لوگوں کایہ طرزعمل کیساہے؟ نیزیہ کہ قرآن نے بیٹے اوربیٹیوں کے جوحصے بیان فرمائے ہیں وہ بھی تحریرفرمادیں۔

(2) بیٹیوں کی شادی کے وقت لڑکے سے مہرکی جورقم لیتے ہیں اس میں سے تھوڑی سی بیٹی کی شادی پرخرچ کرلیتے ہیں باقی ساری رقم خودکھاجاتے ہیں اس کاکیاحکم ہے؟

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے بیٹی کومیراث کاحقداربنایاہے اوراس بارے میں واضح حکم فرمادیا ہے کہ پسماندگان میں مرحوم کی اولادصرف ایک بیٹی ہوتومیراث میں سے پورا آدھاحصہ (1/2) اس کودیناضروری ہے ایک سے زیادہ ہوں تودوتہائی کی وہ حقدارہیں اورلڑکیوں کے ساتھ میت کابیٹابھی ہوتوذوالفروض کے حصے دینے کے بعدباقی ماندہ ترکہ میت کی اولادمیں اس

طرح تقسیم کریں کہ ہر ایک لڑکے کا حصہ لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا ہو یعنی لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حقدار سمجھا جائے، لہٰذا یہ فرض حکم ہے، اس پر عمل نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے اور ظلم بھی اور اس حکم کی اہمیت سے انکار کرنا کفر ہے۔

لمافی قوله تعالى:(سورة النساء، ركوع ٢،آيت ١١)

يوصيكم الله فى اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين فان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترك وان كانت واحدة فلها النصف......الأية.

ولمافى السراجى:(ص٨،طبع قديمى)

اما البنات الصلب: فاحوال ثلث النصف للواحدة والثلثان للاثنتين فصاعدة ومع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن.

(2) حق مہر خالص عورت کا حق ہے باپ یا ولی کے لیے عورت کا یہ حق کھانا حرام ہے۔

لمافى قوله تعالى:(سورة النساء، ركوع ١،آيت)

وأتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شىء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا.....الأية.

ولمافى قوله تعالى:(سورة النساء، آيت ١٩)

وان اردتم استبدال زوج مكان زوج وأتيتم احدٰهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيأ.....الأية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد

۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۷۴

﴿ترکہ میراث میں تمام ورثا کا حق ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ پانچ سگے بھائی ہیں چار بھائی گاؤں میں رہتے ہیں، ایک بھائی عبدالمتین کراچی میں رہتا ہے اور کراچی میں ہی ملازمت کرتا ہے، والد صاحب کی فوتگی کے بعد گاؤں میں زمین اور گھر کے ترکہ میں سے عبدالمتین کے علاوہ تین بھائیوں نے اپنا حصہ علیحدہ کر کے ہر ایک نے اپنا حصہ وصول کرلیا ہے عبدالمتین اور محمد علی کا حصہ مشترک رہا عبدالمتین کی اجازت سے محمد علی اپنے حصہ کے ساتھ عبدالمتین کے حصہ کی بھی زراعت وغیرہ کرتا رہا کیا عبدالمتین گاؤں میں اپنے والد صاحب کے ترکہ میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ اپنے بھائی محمد علی سے کرنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالمتین صاحب

﴿جواب﴾ عبدالمتین اپنے والد کے ترکہ میں سے دیگر بیٹوں کی طرح بلاشبہ حق رکھتا ہے،

ضابطہ میراث کے مطابق اس کو اس کا حق دینا ضروری ہے، والد مرحوم نے اپنی زندگی میں یہ زمین صرف محمد علی کی ملکیت وقبضہ میں اگر نہیں دی بلکہ عبدالمتین اور محمد علی کا حصہ مشترک کر کے دیا ہے تو ہبہ اگرچہ تام نہیں ہے لیکن والد صاحب کے انتقال کے بعد میراث ہو کر عبدالمتین بھی بیٹے کی حیثیت سے وراثت کا پورا حق رکھتا ہے۔

لمافی قوله تعالی:(پاره۴،النساء،۱۱)﴿یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾

ولمافی تکملة ردالمحتار:(۱۱/۶۷۸،طبع امدادیه)الارث جبری لایسقط بالاسقاط.

ولمافی السراجی:(ص۴طبع سعید)ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة واجماع الامة.

والله اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۱۸۲۲

۴/۱/۱۴۳۰ھ

﴿میراث سے اپنے آپ کو خارج کرنے کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہماری ایک رشتہ دار خاتون جن کے والد فوت ہو گئے ہیں، میراث کی تقسیم سے پہلے انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ زمین تقسیم کرتے وقت مجھے ۴ کنال زمین دے دینا تا کہ میرے بیٹے اپنے لیے اس میں گھر بنا سکیں اور باقی زمین تم لے لو میں اس سے دستبردار ہوتی ہوں۔

اب تک زمین تقسیم نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی وارث نے اس میں اپنا حصہ لیا ہے لیکن اس عورت کے بھائیوں نے اس کو وہ ۴ کنال زمین دینے سے انکار کر دیا ہے جبکہ یہ عورت اپنا حصہ مانگ رہی ہے برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی توضیح فرمائیں کہ کیا یہ عورت اپنی ۴ کنال زمین ان سے لے سکتی ہے؟

مستفتی: حسین احمد مدنی مروتی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت تخارج کی ہے اس عورت کے بھائی وغیرہ اپنی بہن کا یہ مطالبہ اگر پورا کرتے یعنی رہائشی زمین میں سے چار کنال اگر دیتے تو باقی زمین اور دیگر اشیاء میں سے اس کا حق ساقط ہو جاتا لیکن چار کنال زمین اپنی بہن کو دینے کیلئے راضی نہیں ہوئے تو اب یہ عورت ضابطہء میراث کے مطابق پورے حصہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اور دیگر تمام ورثاء پر لازم ہے کہ اس کو اس کا پورا حق دیں۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۴۸/۱۲،فصل فی التخارج،طبع امدادیہ)

(أخرجت الورثة أحدهم عن) التركة وهی (عرض أو) هی عقار بمال أعطوه له.

وفی الشامية: هو من الخروج، وهو أی شرعا، أن يصطلح الورثة علی اخراج بعضهم من الميراث بمال معلوم.

ولمافی الفقه الاسلامی للزحيلی:(۷۹۱۵/۱۰،طبع رشيديه)

علی اخراج بعضهم من الميراث فی مقابل شئی معلوم من التركة أو من غيرها..... وهذا العقد جائز عند التراضی، فاذا تم تملک الوارث العوض المعلوم الذی أعطيه وزال ملكه عن نصيبه فی التركة.... وقد حدث فی عهد الراشدين، اذا طلق عبدالرحمن بن عوف امرأته تماضر بنت الأصبغ الكلبية فی مرض موته ثم مات وهی فی العدة فورثها عثمان مع ثلاث نسوة أخر فصالحوها عن ربع ثمنها علی ثلاثة وثمانين ألفا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سید مزمل شاہ

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۹۹۰

﴿نانا کے موجود ہوتے ہوئے اولاد کو ماں کی میراث سے حصہ ملے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہنیں فوت ہو چکی ہیں جن میں سے ایک کی بیٹی ہے اور دوسری کے پانچ بچے ہیں تین بیٹیاں اور دو بیٹے والد صاحب حیات ہیں ان بہنوں کے تمام بچوں کو اپنی ماں کی میراث سے حصہ ملے گا؟

﴿جواب﴾ جی ہاں اولاد چاہے بیٹے ہوں یا بیٹیاں ان کو اپنی ماں کے ذاتی ترکے میں سے ضرور حصہ ملتا ہے اگر چہ ماں کے والد حیات ہوں باقی رہا کتنا ملے گا تو اس کے لئے باقی موجود رشتہ داروں کو بھی لکھ کر معلوم کرلیں۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النساء،ايت ۱۱)﴿يوصيكم الله فی اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين﴾

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۳۰

﴿اولاد باپ کی زندگی میں میراث کا مطالبہ نہیں کرسکتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب جو کہ اب بھی الحمد للہ حیات ہیں، چند سال پہلے ہمیں (بیٹوں کو) کچھ نقدی وغیرہ حوالہ کی تھی کہ تم

اس سے کاروبار کرو، ہم نے اس سے کاروبار شروع کیا جو کہ کچھ عرصہ کے بعد کافی بڑھ گیا، بہت کچھ مال اور پراپرٹی ہوگئی، اب ہماری بہنیں مطالبہ کرتی ہیں کہ ہمیں اپنا اپنا حصہ دے دیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً انکا ہمارے ساتھ اس مال وجائیداد میں کوئی حصہ بنتا ہے حسب توفیق شادیاں کی ہیں اور جو باقی ہیں انکی بھی ہوجائینگی، براہ کرم شرع متین میں مذکورہ مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ یہ بھی واضح رہے کہ پورا کاروبار ہم بھائی لوگ خود چلا رہے ہے والد صاحب کو بالکل فارغ کردیا ہے۔

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ والد صاحب جب تک حیات ہیں اپنے مال وجائیداد کے خود ہی مالک اور مختار ہیں، اولاد میں سے کسی کو والد کے مال وجائیداد میں سے کسی قسم کے میراث اور حصے کے مطالبہ کا حق نہیں ہے اگر والد اپنی زندگی میں اولاد میں سے کسی کو کچھ حصہ دیں اور باقاعدہ اس کو مالک وقابض بنا کردیں تو وہ مالک قرار پاتا ہے، دوسرے بہن بھائی اس کے ساتھ اس مال میں شریک نہیں ہوسکتے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اول تو والد ابھی تک زندہ ہیں اس لئے ان کی زندگی میں کسی بھی وارث اور رشتہ دار کا ان کے مال سے میراث کا مطالبہ کرنا غلط ہے، البتہ انتقال ہوجائے تو ان کے ذاتی ترکہ میں سے بہنوں کا بھی حصہ ہوگا لیکن بھائیوں کے کاروبار کا والد مالک نہیں ہیں یہ تو بھائیوں کی ذاتی ملکیت ہے، اس لئے کہ والد نے بیٹوں کو جو مال دیا ہے اور باقاعدہ مالک وقابض بنا کردیا ہے اور اب بیٹے خود ہی مال کے ذریعے کاروبار چلا رہے ہیں، باپ کا کسی قسم کا اختیار اور تصرف بیٹوں کے کاروبار میں نہیں رہا تو بیٹے اس تمام مال وجائیداد وغیرہ کے جو کہ انھوں نے والد کی دی ہوئی رقم کے ذریعے کاروبار چلا کر کمایا ہے خود ہی مالک اور مختار ہیں، لہٰذا بہنوں کا اس مال میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ ہی انکو مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

لمافی الفقہ السلامی:(۷۷۰۷/۱۰،طبع رشیدیہ)

یشترط لثبوت الحق المیراث ثلاثۃ شروط وھی موت المورث وحیات الوارث وانتفاء المانع، موت المورث لابدمن تحقق موت المورث اماحقیقۃ اوحکما اوتقدیرا بالحاقہ بالاموات.

ولمافی الدرالمختار:(۵۰۲/۸،طبع امدادیہ) ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز وآثم.

ولمافی البزازیۃ بھامش الھندیۃ:(۲۳۷/۶،طبع رشیدیہ)

ولو وھب جمیع مالہ من ابنہ جاز وھو آثم نص علیہ محمد رحمہ اللہ تعالی ولو خص بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لاباس بہ.

ولمافی الفقه الاسلامی:(۴/ ۲۸۹۳،طبع رشیدیه)

الملک اختصاص بالشی یمنع الغیر منه ویمکن صاحبه من التصرف فیه ابتداء الا لمانع شرعی.

ولمافی الفقه الاسلامی:(۴/ ۲۸۹۴،طبع رشیدیه)

الملک التام هو ملک ذات الشی (رقبته) ومنفعته معا بحیث یثبت للمالک جمیع الحقوق المشروعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہائی

۳ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۸۹

﴿دو وارثوں میں اگر معلوم نہ ہو سکے کہ پہلے کون مرا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ باپ بیٹا دونوں سفر کر رہے تھے کہ دشمنوں نے گولی چلائی اور دونوں مر گئے تو کیا بیٹے کی اولاد کو دادا کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ کون پہلے مرا ہے اور کون بعد میں، لوگ جب پہنچے تو دونوں مر چکے تھے۔

﴿جواب﴾ باپ بیٹے میں سے ہر ایک دوسرے کے وارث ہیں لیکن کسی ایک کی موت کا پہلے واقع ہونے کا اگر پتہ نہ چلے جیسا کہ سوال میں ذکر کردہ واقعہ میں ہے تو کوئی ایک بھی دوسرے کا وارث قرار نہیں پاتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں چونکہ بیٹا باپ کا وارث قرار نہیں پایا تو اس کی اولاد کو اپنے دادا کے مال سے کوئی حصہ بطور میراث نہیں مل سکتا۔

البتہ ان بچوں کے والد کا کوئی ذاتی مال اگر ہے تو اسی مال کے وارث ہوں گے اور ضابطہ میراث کی مطابق صرف اپنے والد کے مال سے حصہ کے حقدار ہونگے، بچوں کے دادا مرحوم کے ورثاء اگر عاقل ہیں تو اپنی خوشی سے جتنا چاہیں ان بچوں کو بطور ہبہ میراث میں سے دے سکتے ہیں اور یتیم بے سہارا بچوں کو اس طرح اپنی طرف سے دینا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶/ ۷۹۸،طبع سعید)

(لاتوارث بین الغرقی والحرقی الا اذا علم ترتیب الموتی) فیرث المتأخر.....الخ.

وفی الشامیة:(قوله الا اذا علم الخ) اعلم ان احوالهم خمسة علی مافی سکب الانهر وغیره،أحدها:هذا وهو ما اذا علم سبق موت احدهما ولم یلتبس فیرث الثانی من الاول.ثانیها:ان یعرف اللاحق ولا یعرف عین السابق.ثالثها:ان یعرف وقوع الموتین معا.رابعها:ان لا یعرف شیء من هذه الثلاثة لایرث احدهما من الآخر شیئا.

ولمافی الهندیة:(۶/ ۵۵،طبع رشیدیه)

اذا مات جماعة من الغرقی والحرقی ولا یدری ایهم مات اولا جعلوه کانهم ماتوا جمیعا معا

فيكون مال كل واحد منهم لورثته ولا يرث بعضهم بعضا الا اذا عرف ترتيب موتهم فيرث المتأخر من المتقدم وكذا الحكم اذا ماتوا بانهدام الجدار عليهم او في المعركة ولا يدرى ايهم مات اولا كذا في التبيين.

ولما في فقه الاسلامي:(۷۷۱۰/۱۰،طبع رشيديه)

جهالة تاريخ الموتى كالغرقى والحرقى والهدمى والقتلى في أن واحدا من شروط الارث السابقة وجود الوارث حيا عند موت المورث وهو منتف هنا لعدم العلم بوجود الشرط ولا توارث مع الشك.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:حبیب الرحمن سواتی غفرلہ ولوالدیہ

اربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر:۱۹۶۳

﴿مغصوبہ زمین میں وراثت جاری نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی شخص کے والد یا دادا نے کسی کی زمین پر قبضہ کی ہو اور وہ زمین اسکو بطور میراث مل رہی ہو تو ان کے لئے اس زمین کو ملکیت میں رکھنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی:عبدالصمد باجوڑی

﴿جواب﴾ اس شخص کو اگر یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس زمین پر والد یا دادا کا ناحق قبضہ تھا تو ایسی صورت میں اس زمین کو ترکہ میں شامل کرنا ہی غلط ہے، یہ مورث کی ملکیت نہیں ہے، میراث تو صرف مرحوم کی مملوکہ اشیاء ہیں ناحق قبضہ کرنے سے وہ مالک قرار نہیں پائے ہیں۔

لہٰذا اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے اور وارث کو چاہیے کہ زمین کے مالک سے والد، دادا کو معاف کرنے کی بھی درخواست کریں اور خود بھی ان کیلئے استغفار کریں۔

لما في قوله تعالى:(سورة النساء،پاره۵،آيت۲۹)

يايها الذين آمنوا لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارةً عن تراض منكم الأية.

ولما في الشامي:(۹۹/۵،طبع سعيد)

(قوله الا في حق الارث الخ)اى فانه اذا علم ان كسب مورثه حرام يحل له،لكن اذا علم المالك بعينه فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه......وفي منية المفتي:مات رجل ويعلم الوارث ان اباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه حل له حكما وان فضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء ابيه وكذا لا يحل اذا علم عين الغصب مثلا وان لم يعلم مالكه......والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له و يتصدق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطا مجتمعا

من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن ديانة التنزه عنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن ندیم سواتی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۲۹

﴿یتیم پوتے کی میراث کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) زید کا انتقال ہوا، زید کے والد (عمرو) اور بیٹا (خالد) حیات ہیں، اب عمرو جو کہ خالد کا دادا ہے اس کا انتقال ہو گیا تو کیا (عمرو) دادا کی وراثت خالد (پوتے) کو ملے گی یا نہیں؟ واضح رہے کہ عمرو (دادا) کے دیگر بیٹے (خالد کے چچا) اور بیٹیاں (خالد کی پھوپھیاں) بقید حیات ہیں اور عمرو کے ورثاء میں شامل ہیں۔

(۲) نیز اگر عمرو (دادا) کے دیگر ورثاء زید (مرحوم) کے بیٹے خالد کو اپنی رضامندی سے وراثت میں شریک کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو کچھ نہیں ملتا، لہٰذا خالد اپنے دادا (عمرو) کے ترکہ میں وارث کی حیثیت سے حصہ دار نہیں ہے، البتہ دادا (عمرو) نے خالد کیلئے وصیت کی ہو تو دیگر واجب حقوق کی ادائیگی کے بعد بقیہ ترکہ میں سے ایک تہائی (1/3) کی حد تک مرحوم کی وصیت کی مطابق خالد کو دینا ضروری ہے۔

دادا نے پوتے کیلئے کچھ وصیت نہ کی ہو تو ورثاء پر لازم نہیں ہے، البتہ اپنی خوشی اور رضامندی سے خالد کو بھی دادا کے ترکہ میں شریک کر دیں تو باعث اجر وثواب ہے اور شرعاً بڑا پسندیدہ عمل ہے۔

لمافی قوله تعالى: (سورة النساء، آيت ۱۱) ﴿يوصيكم الله فى اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين﴾

ولمافی احكام القرآن للتهانوی: (۲/ ۱۳۶-۱۳۷، طبع ادارة القرآن)

الابن اقرب العصبات فلايترك شيئا لغيره يحجب معه اولاد الابن.....واذا كان للولد الذكر عند الانفراد جميع المال يحجب معه اولاد الابن ذكورا كانوا واناثا او مختلطين بالاجماع.....الخ وكذافى التفسير المظهرى: (۲/ ۲۲، طبع رشيديه)

ولمافی تكملة فتح الملهم: (۲/ ۶، طبع دار العلوم كراچی)

والاصل الرابع فى نظام الميراث الاسلامى ان معيار استحقاق الوراثة هو الاقربية فكل من كان اقرب فى الميت كان احق بالوراثة من غيره.

ولمافي تكملة فتح الملهم:(۲/۱۴-۱۵-۱۷،طبع دارالعلوم كراچی)

قال رسول الله ﷺ الحقوا الفرائض باهلها فمابقی فهو لاولی رجل ذكر...... وقد عقد البخاری رحمه الله تعالى لهٰذه المسئلة بابا مستقلا وترجم له بقوله(باب ميراث ابن الابن اذالم يكن ابن)واخرج فيه عن زيدبن ثابت رضی الله عنه انه قال ولايرث ولد الابن مع الابن......الخ.

ولمافي السراجی:(ص ۱۴،طبع قديمی)

الاقرب فالاقرب يرجحون بقرب الدرجة اعنی اولٰهم بالميراث جزء الميت ای البنون ثم بنوهم......الخ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب کان اللہ لہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:۲۵۳۲

﴿مرض الوفات میں اپنا اکثر یا کل مال صدقہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ جناب عالی! اگر ایک آدمی اپنے مرض الوفات میں اپنا اکثر مال صدقہ، خیرات وغیرہ کردے اس حال میں کہ اس کے ورثاء بھی موجود ہوں تو شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر حالت صحت میں اپنا تمام مال صدقہ کردے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے ورثاء بھی موجود ہوں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) شریعت مطہرہ نے ایک تہائی (1/3) کی حد تک کی وصیت کا اعتبار کیا ہے اور مرض الوفات میں اکثر یا کُل مال صدقہ کرنے کا حکم بھی وصیت ہی کا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الوفات میں اکثر یا پورے مال کو صدقہ کردے اور اس کے ورثاء بھی موجود ہوں تو یہ صدقہ خیرات صرف ثلث مال (1/3) کی حد تک معتبر ہوگا، البتہ میت کے ورثاء اگر ثلث مال سے زائد میں باہمی رضامندی سے مرحوم کی وصیت پر عمل کرنا چاہیں تو زیادہ پسندیدہ ہے بشرطیکہ سب کے سب ورثاء عاقل بالغ ہوں۔

(۲) بحالت صحت، ہوش وحواس کیساتھ کل مال کوئی صدقہ کردے تو یہ معتبر ہے کسی وارث کو مطالبہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور صدقہ کرنے والے کو اسکا اجر بھی ملیگا بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، ورثاء کو محروم کرنا یا ان کی دل آزاری مقصود نہ ہو اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ورثاء اگر چھوٹے بچے ہیں خود کفیل نہیں ہیں یا بالغ ہیں لیکن نادار اور ضرورت مند ہیں تو صدقہ کرنے میں زیادہ ثواب نہیں ہے ایسی صورت میں بچوں کیلئے یا دیگر ورثاء کیلئے چھوڑ دینا صدقہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۴۷/۲،طبع رحمانیه)

قال(رسول الله ﷺ)الثلث والثلث کثیرانک ان تترك ورثتك اغنياء خیرمن ان تدعهم عالةيتكففون الناس.....الخ.

لمافی التنویرمع الدر:(۳۹۶/۴-۳۹۷،طبع سعید)

(الوقف فی مرض موته کهبة فیه)من الثلث مع القبض(فان خرج)الوقف(من الثلث اواجازه الوارث نفذفی الكل والابطل فی الزائدعلی الثلث)ولواجازالبعض جاز بقدره.....الخ.

ولووقف فی مرض موته قال الطحاوی هوبمنزلة الوصية بعدالموت والصحيح انه لا يلزمه عندابی حنيفة رحمه الله تعالى

ولمافی الفقه الاسلامی وادلته:(۷۶۸۴/۱۰،طبع رشیدیه)

واعتبرالوقف فی مرض الموت کالهبة فيه،ينفذكالوصيةمن الثلث فان خرج من الثلث اواجازه الوارث نفذفی الكل والابطل فی الزائدعلى الثلث فان اجازالبعض جاز بقدره.

ولمافی الهداية:(ص۶۱۶،طبع رحمانیه)

حنيفةرحمه الله وعندهمايلزمه الاانه يعتبرمن الثلث والوقف فيه تبرع فی الصحةمن جميع المال.....الخ

ولمافی الشامی:(۳۵۷/۲،طبع سعید)

ومن ارادالتصدق بماله كله وهويعلم من نفسه حسن التوكل والصبرعن المسالةفله ذلك والافلايجوز.

ولمافی بدائع الصنائع:(۲۱۸/۶،طبع سعید)

لاخلاف بين العلماء فی جوازالوقف فی حق وجوب التصدق بالفرع مادام الواقف حياالخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب کان اللہ لہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۲۹

﴿والد کی رضامندی کے بغیر لی گئی رقم میں میراث کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ میرے بڑے بھائی کی چند ہفتے پہلے وفات ہوگئی ہے اوراپنے پیچھے دولڑکے، دولڑکیاں اورایک فالج زدہ بیوہ سوگوار چھوڑ گئے ہیں، ضعیف والدنے ڈیفنس میں ایک پلاٹ بیچنے کا اختیار اپنے بڑے بیٹے زید کو دیا جس نے پلاٹ کی رقم حبیب بینک کی برانچ میں اپنی بیمار والدہ کے نام پر رکھوادی، بعد میں زید نے بغیر اجازت دھوکہ سے اسی لاکھ 80,00000 روپے نکلوا کر اپنے کسی اکاؤنٹ میں منتقل کردئے۔

مورث نے اس سے پہلے زید کے اخراجات پورے کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو تین لاکھ روپے بھی اپنی مرضی سے دئے تھے، اسی طرح اپنی ایک بیٹی کو بھی تین لاکھ روپے اپنی مرضی سے دئے تھے، مورث کی باقی رقم جواب موجود ہے اسے ورثاء میں بانٹنے کی ذمہ داری میرے کندھوں پر آگئی ہے، براہ کرم آپ شریعت کی روشنی میں بتائیں کی میراث کیسے تقسیم ہوگی؟ اور کونسی رقم ہبہ میں یا ہبہ میں تصور نہیں کی جائیگی؟ اور زید کی لی ہوئی رقم کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: کرنل رانا ناصر

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مرحوم نے اپنی زندگی میں جو رقم اپنی اولاد یا کسی غیر کو اپنی خوشی اور رضامندی سے دی اور اس نے اسپر قبضہ بھی کرلیا، تو یہ رقم اس کی ملکیت شمار ہوگی، اس کا مطالبہ کوئی نہیں کرسکتا، البتہ زید نے جو رقم (80,00000) اسی لاکھ روپے والد کی اجازت اور اس کی رضامندی کے بغیر دھوکہ سے اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کئے یہ رقم زید کے ذمہ واجب الاداء تھی لیکن زید نے چونکہ والد کو یہ رقم ادا نہیں کی اور نہ ہی والد نے ان کو اس حق سے بری کیا تا آنکہ والد صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، اس لئے مذکورہ رقم اب بھی زید کے ذمہ واجب الاداء ہے اور اس میں دیگر ورثاء کا بھی حق ہے پورے ترکہ میں اس کو شامل کرنا ضروری ہے۔

لمافي مشکوٰۃ المصابیح:(ص۲۵۵،طبع سعید)

عن ابی مرۃ الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الالاتظلموا الالایحل مال امرئ الابطیب نفسه منه.رواه البیهقی فی شعب الایمان.

ولمافي شرح المجلة للاتاسی:(۱/۲۶۴،المادة۹۷،طبع رشیدیه)

لایجوز لاحد ان یاخذ مال احد بلاسبب شرعی ای لایحل فی کل الاحوال عمدا اوخطأ أو نسیانا جدا اولعبا ان یاخذ مال احد بوجه لم یشرعه الله تعالیٰ ولم یبحه لان حقوق العباد محترمة لاتسقط بعذر الخطاء والنسیان والهزل وغیره.

ولمافیه ایضا:(۲/۳۳۳،طبع رشیدیه) تنعقد الهبة بالایجاب والقبول وتتم بالقبض.

ولمافي الهندية:(۴/۳۹۲،طبع رشیدیه کوئٹه)

ولو دفع الی ابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للأب الااذادلت دلالة علی التملیک کذافی الملتقط رجل دفع الی ابنه فی صحته مالا یتصرف فیه ففعل فیه وکثر ذٰلک فمات الأب ان أعطاه هبة فالکل له وان دفع الیه لان یعمل فیه للأب فهو میراث کذا فی جواهر الفتاوی.

ولمافي الدر المختار:(۵/۶۰۹،طبع ایچ ایم سعید)

دفع لابنه مالا لیتصرف فیه ففعل وکثر ذٰلک فمات الأب ان أعطاه هبة فالکل له والا

فميراث وتمامه في جواهر الفتاوى.

لہٰذا مرحوم نے بوقت انتقال اپنی ذاتی ملکیت میں جو کچھ چھوڑا ہے نقد روپے، مکان وجائیداد، گھریلو ساز وسامان بشمول زید کی رقم (80,00000) اسی لاکھ روپے اس پورے ترکہ میں سے سب سے پہلے مرحوم کی تجہیز اور تکفین کے متوسط اخراجات ادا کئے جائیں پھر دیکھیں کہ مرحوم کے ذمہ اگر کسی کا واجب الاداء قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے اس کے بعد اگر مرحوم نے کسی غیر وارث کے لئے وصیت کی ہو تو ایک تہائی کی حد تک اس وصیت پر عمل کیا جائے۔

ان تمام حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ کل ترکہ کے اڑتالیس (48) حصے بنائے جائیں جن میں سے بیوہ کو چھ (6) حصے اور ہر بیٹے کو چودہ (14) حصے اور ہر بیٹی کو سات (7) حصے دیدئے جائیں۔ تقسیم وراثت سے متعلق نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ 8 تصحیح 48

میــــــــــــــــــــــــــت

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
6	14	14	7	7

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: عبدالوہاب لغمانی

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۷۰۷

﴿وصیت اور میراث کا ایک مشترکہ مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد محترم کا انتقال ہوا، انہوں نے اپنے ورثاء میں سے ایک بیٹی (فرحت جہاں) اور چار بیٹے (زاہد حسین، شاہد حسین، خالد حسین اور حامد حسین) چھوڑے ہیں جبکہ والدۂ محترمہ کا انتقال والد صاحب کی حیات میں ہوا تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مکان فروخت کر کے تمام ورثاء میں رقم برابر تقسیم کی، سوائے شاہد حسین کے کہ ذاتی رنجش کی وجہ سے ان کو حصہ نہیں دیا، اسی طرح اپنی زندگی میں ایک گاڑی مجھے یعنی زاہد حسین کو دی جو کہ عرصہ پندرہ سال سے میرے قبضہ میں ہے۔

اسی طرح بارہ لاکھ روپے کی مالیت جو انہوں نے حکومت پاکستان کی بہبود اسکیم میں لگا رکھی تھی، اس کے بارے میں یہ وصیت کی کہ یہ رقم زاہد حسین کے دو بیٹوں (عثمان وعمر) اور خالد حسین

فمیراث وتمامه فی جواهر الفتاوی.

لہٰذا مرحوم نے بوقت انتقال اپنی ذاتی ملکیت میں جو کچھ چھوڑا ہے نقد روپے، مکان وجائیداد، گھریلو ساز وسامان بشمول زید کی رقم (80,00000) اسی لاکھ روپے اس پورے ترکہ میں سے سب سے پہلے مرحوم کی تجہیز اور تکفین کے متوسط اخراجات ادا کئے جائیں پھر دیکھیں کہ مرحوم کے ذمہ اگر کسی کا واجب الاداء قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے اس کے بعد اگر مرحوم نے کسی غیر وارث کے لئے وصیت کی ہو تو ایک تہائی کی حد تک اس وصیت پر عمل کیا جائے۔

ان تمام حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ کل ترکہ کے اڑتالیس (48) حصے بنائے جائیں جن میں سے بیوہ کو چھ (6) حصے اور ہر بیٹے کو چودہ (14) حصے اور ہر بیٹی کو سات (7) حصے دیدئے جائیں۔ تقسیم وراثت سے متعلق نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ 8 تصحیح 48

میت

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
6	14	14	7	7

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: عبدالوہاب لغمانی

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۷۰۷

﴿وصیت اور میراث کا ایک مشترکہ مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد محترم کا انتقال ہوا، انہوں نے اپنے ورثاء میں سے ایک بیٹی (فرحت جہاں) اور چار بیٹے (زاہد حسین، شاہد حسین، خالد حسین اور حامد حسین) چھوڑے ہیں جبکہ والدہ محترمہ کا انتقال والد صاحب کی حیات میں ہوا تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مکان فروخت کر کے تمام ورثاء میں رقم برابر تقسیم کی، سوائے شاہد حسین کے کہ ذاتی رنجش کی وجہ سے ان کو حصہ نہیں دیا، اسی طرح اپنی زندگی میں ایک گاڑی مجھے یعنی زاہد حسین کو دی جو کہ عرصہ پندرہ سال سے میرے قبضہ میں ہے۔

اسی طرح بارہ لاکھ روپے کی مالیت جو انہوں نے حکومت پاکستان کی بہبود اسکیم میں لگا رکھی تھی، اس کے بارے میں یہ وصیت کی کہ یہ رقم زاہد حسین کے دو بیٹوں (عثمان وعمر) اور خالد حسین

کے ایک بیٹے (شہاب) اور ایک بیٹی (ربیعہ) میں برابر تقسیم کی جائے، اس کے علاوہ انہوں نے 61800 نقدی، ایک لیپ ٹاپ، کچھ استعمال کے کپڑے اور چند گھڑیاں میراث میں چھوڑی ہیں۔

اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کی یہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ اور میراث کی تقسیم ورثاء میں کس طرح ہوگی؟

مستفتی: زاہد حسین سبزواری

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ میت کا زندگی میں ورثاء کو کچھ دینا ہبہ ہے اور ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے، چنانچہ آپ کے والد مرحوم نے زندگی میں جو مکان فروخت کر کے رقم تقسیم کی ہے، یہ درست ہے اور کسی وارث کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے نہ دینا بھی درست ہے، اسی طرح جو گاڑی زاہد حسین صاحب کو اپنی حیات میں دی ہے اور انہوں نے اس پر قبضہ بھی کیا ہے، یہ بھی زاہد صاحب کی ملکیت شمار ہوگی، میراث میں شامل نہیں ہوگی، اس کے علاوہ مرحوم کی میراث میں جتنا بھی مال ہے مثلاً نقدی، لیپ ٹاپ، گھر اور استعمال کے کپڑے الغرض تمام چھوٹا بڑا سامان، اس پورے مال سے سب سے پہلے ان کی تکفین وتجہیز کے جائز خرچ نکالے جائیں۔

واضح رہے کہ بعض برادریوں میں فوتگی کی صورت میں مہمانوں کے جو خرچ کئے جاتے ہیں، ایسے خرچ مال میراث سے ادا نہیں کئے جائیں گے، یہ محض رواج ہے، شریعت ایسے خرچوں کو منع کرتی ہے، البتہ تمام ورثاء اگر عاقل بالغ ہوں اور اپنی اپنی خوشی سے اس رقم کے خرچ مشترکہ قرار دے رہے ہوں تو الگ بات ہے، اس کے بعد دیکھیں کہ مرحوم کے ذمہ اگر کوئی قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے پھر جو بچے اس مال میں سے ایک تہائی 1/3 کی حد تک وصیت پر عمل کیا جائے جو مرحوم نے اپنے پوتوں اور پوتی کے بارے میں کی ہے، اس کے بعد جو کچھ بچے اس کے کل نو حصے بنا کر ہر بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے۔ تقسیم کیلئے نقشہ ملاحظہ ہو:

میت

بیٹا (زاہد حسین)	بیٹا (شاہد حسین)	بیٹا (خالد حسین)	بیٹا (حامد حسین)	بیٹی (فرحت جہاں)
2	2	2	2	1

لما في البحر: (۷/ ۲۸۶، طبع سعید)

(قوله فان قسمه وسلمه صح) ای ولو وهب مشاعا یقسم ثم قسمه وسلمه صح وملکه لأن التمام بالقبض وقال أيضاً (فروع) يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض فی

الهبة حالة الصحة الا الزيادة فضل له في الدين وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو اثم كذافي المحيط.

ولمافي تنويرالابصار:(۵/۶۸۸،طبع سعيد)

شرائط صحتهافي الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول.

ولمافي الدرالمختار:(۵/۶۹۶،طبع سعيد)

وفي الخانية:لابأس بتفضيل بعض الأولادفي المحبة لأنها عمل القلب وكذافي العطايا ان لم يقصد به الاضرار.

ولمافي قوله تعالىٰ:(سورة النساء،ايت ۱۱) ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾

ولمافي تنويرالابصار:(۶/۶۵۰،طبع سعيد)

وتجوزبالثلث للأجنبي وان لم يجزالوارث ذلك لاالزيادة عليه الاأن تجيزورثته بعدموته.

الجواب صحيح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ خیرالوارثین:محمد فاروق غفرلہ ولوالدیہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۶۸

﴿بیٹی کی وراثت کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے ہاں عورت کو میراث نہیں دیجاتی، نہ تو باپ اپنی زندگی میں بیٹی کو دیتا ہے اور نہ ہی والد کی وفات کے بعد ورثاء اس کی بیٹی کو حق دیتے ہیں، بھائی آپس میں جائداد کو تقسیم کردیتے ہیں بہنوں کے لئے کوئی حصہ نہیں رکھتے، عید اور خوشی کے دیگر ایام میں بہنوں کی دعوت کرلیتے ہیں اور تصور یہ دیتے ہیں کہ چونکہ والد کے مال میں انکا حق ہے، اس لئے دعوت وغیرہ کے ذریعہ ان کو حق مل جائے گا، سوال یہ ہے کہ کیا عورت کے میراث نہ لینے سے یا ورثاء کے نہ دینے سے اسکا حق میراث باطل ہو جائے گا؟ یا اب بھی میراث کا حق باقی ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے والدین کے مال میں بیٹی کا بھی حصہ رکھا ہے، لہٰذا بیٹی کو حصہ نہ دینا بلاشبہ بڑی زیادتی ہے، والد اپنی زندگی میں مال کو تقسیم کرنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ سب کو برابر دیدیں یعنی بیٹی کو بھی بیٹے کے برابر مال وجائداد میں سے حصہ دیدیں برابر نہیں تو قانون میراث کے مطابق بیٹی کو بیٹے کی حصہ کی نسبت سے آدھا ضرور دیں ورنہ گنہگار رہوں گے۔

اگر زندگی میں مال کو تقسیم نہیں کیا تو وفات کے بعد ان کے ترکہ میں جیسے دوسرے ورثاء کا حق ہے، ایسا ہی ان کی بیٹیوں کا بھی حق ہے، البتہ لڑکے کے حصہ کے مقابلہ میں بیٹی کا آدھا حصہ حق بنتا

ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ رسمی طور پر میراث سے انکار یا معاف کردینے سے بھی بہن کا حق میراث باطل نہیں ہوتا بھائیوں کو چاہیئے کہ اپنی بہنوں کو والد کے مال سے حصہ دیں، نہیں تو اس کا وبال بہت سخت ہوگا، عید اور دیگر خوشیوں میں بہن کو شریک رکھنا اور اسکی دعوت کرنا یہ تو صلہ رحمی کا تقاضا ہے دعوتوں سے اسکو اپنا حق وصول نہیں ہورہا، ایسا سمجھنا خود کو نادان بنانے کے مترادف ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النساء،پ۴،آیت ۱۱)للذکر مثل حظ الانثیین..... الأية.

لمافی مشکوٰة المصابیح::(ص۲۵۵،طبع سعید)

عن ابی مرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الالاتظلموا الالایحل مال امرء مسلم الابطیب نفسه منه.رواه البیهقی فی شعب الایمان.

ولمافی مشکوة المصابیح:(ص۲۶۶،طبع سعید)

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنةیوم القیامة.رواه ابن ماجه والبیهقی.

ولمافی مجموعة الفتاوی:(۲/۴۰۰،طبع رشیدیه)

رجل له ابن وبنت اراد ان یهب لهماشیئافالأفضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین ولووهب جمیع ماله لابنه جازفی القضاء وهوآثم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　والله اعلم بالصواب:عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۱ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر:۲۵۸۳

﴿ترکہ کی تقسیم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ جوان کا انتقال ہوگیا، پسماندگان میں سے والدین کے علاوہ پانچ بھائی ہیں، مرحوم شادی شدہ نہیں تھا، اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

﴿جواب﴾ مرحوم کا کل ترکہ چاہے نقدی ہو، زیورات ہو، پلاٹ، مکان یا دوکان ہو، اس میں سے سب سے پہلے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے متوسط اخراجات ادا کئے جائینگے، اسکے بعد اگر مرحوم کے ذمہ کوئی واجب الادا قرضہ ہو تو وہ ادا کیا جائے گا، اس کے بعد اگر مرحوم نے کوئی جائز وصیت کی ہو تو باقی ماندہ ترکہ میں سے ایک تہائی (1/3) کی حد تک وصیت پر عمل ہوگا۔

اس کے بعد جو ترکہ بچے اسکے چھ (6) برابر حصے کرکے ایک حصہ والدہ کو اور پانچ (5) حصے والد کو ملیں گے اور والد کی موجودگی میں بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا۔ آسانی کیلئے نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ:6

میـــت

والد	والدہ	بھائی 5
5	1	محروم

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ خیر الوارثین: علی خان

۸ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۴۱

﴿موت سے پہلے اپنے اعضاء کی وصیت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی قریب الموت یہ وصیت کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھ یا گردہ کسی ضرورت مند کو دیدیں اسکی وصیت پر عمل کیا جائیگا یا نہیں؟ اور ایسی وصیت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مستفتی: محمد اسامہ صوابی

﴿جواب﴾ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے انسان کو اپنے جسم میں اس قسم کے تصرف کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا موت کے وقت یہ وصیت کرنا کہ میری آنکھ یا گردہ کسی ضرورت مند کو دیدیں غلط وصیت ہے شریعت میں اس قسم کی وصیت پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لمافی الهندیة:(۳۳۶/۶،کتاب الکراهیة،طبع رشیدیه)

الانتفاع بجزالآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل لکرامته هو الصحیح.کذافی جواهر الاخلاطی.

ولمافی فتاوی قاضی خان:(۳۰۶/۳،طبع قدیمی)

مضطر لم یجدمیتة وخاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی وکلها اوقال اقطع منی قطعة فکلها لایسعه ان یفعل ذلک ولایصح امره به کما لایسع للمضطران یقطع قطعة من لحم نفسه فیأکل.

ولمافی الشامی:(۳۳۸/۶،طبع ایچ ایم سعید)

وان قال له آخراقطع یده وکلها لایحل،لان لحم الانسان لایباح فی الاضطرار لکرامته.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۵۳

﴿ورثاء کے لئے سود کی رقم حلال نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ترکہ میں سودی بینک سے لی گئی سودی رقم بھی موجود ہو اور ورثاء کو اس کے بارے میں علم بھی ہو تو اس ترکہ میں

سے ورثاء کے حصہ میں جو حرام سودی رقم آئی ہو اس کو استعمال میں لانا شرعا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں سود کی رقم چونکہ مال حرام ہے اور ورثاء کو اس مال حرام کی مقدار کے بارے میں علم بھی ہے، لہٰذا ان کے حق میں سود کی رقم کو استعمال میں لانا شرعا جائز نہیں ہے بلکہ ان کو چاہیے کہ ہر ایک کے حصہ میں جتنی سود کی رقم آئی ہو اتنی ہی رقم مساکین پر صدقہ کردیں اور باقی رقم کو ورثاء اپنے استعمال میں لائیں۔

لمافي الشامي:(۵/۹۹،طبع سعيد)

والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم ،والافان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه،وان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولايعلم اربابه ولاشيئا منه بعينه حل له حكما،والاحسن ديانة التنزه عنه.

ولمافي الدرالمختار:(۶/۳۸۵-۳۸۶،طبع سعيد)

وعلى هذا لومات مسلم وترك ثمن خمرباعه مسلم لايحل لورثته كمابسطه الزيلعي.

وفي الاشباه:الحرمة تنتقل مع العلم الاللوارث الااذاعلم ربه.

قلت:ومرفي البيع الفاسد لكن في المجتبى مات وكسبه حرام فالميراث حلال ثم رمز وقال لانأخذ بهذه الرواية وهوحرام مطلقا على الورثة فتنبه.

وفي الشامية:(قوله الااذاعلم ربه)اى رب المال فيجب على الوارث رده على صاحبه(قوله وهوحرام مطلقا على الورثة)اى سواء علموا اربابه اولا فان علموا اربابه ردوه عليهم ،والاتصدقوا به كماقدمناه آنفا عن الزيلعي.

اقول:ولايشكل ذلك بماقدمناه آنفا عن الذخيرة والخانية لان الطعام او الكسوة ليس عين المال الحرام فانه اذااشترى به شيئا يحل اكله على تفصيل تقدم في كتاب الغصب بخلاف ماتركه ميراثا فانه عين المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام فانه لايحل له التصرف فيه قبل اداء ضمانه،وكذا الوارثه ثم الظاهران حرمته على الورثة في الديانة لا الحكم فلايجوز لوصي القاصر التصدق به ويضمنه القاصر اذا بلغ تامل.(قوله فتنبه)اشاربه الى ضعف مافي الاشباه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ　　فتوی نمبر: ۲۷۲۵

﴿ترکہ کس وقت تقسیم کیا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مرحوم کے مال کو کب تک

تقسیم کرنا ضروری ہے؟ نیز اگر مرحوم کا کاروبار فیکٹری وغیرہ چل رہی ہو تو کیا اسے بند کر دینا چاہیے یا چلتے رہنے دینا چاہیے؟ مستفتی: حاجی نصیر صاحب ڈیفنس فیز ۲ کراچی

جواب واضح رہے کہ میت کے فوت ہونے کے ساتھ ہی اس کے مال کے ساتھ ورثاء وغیرہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، کفن، دفن، نیز دیگر حقوق مثلاً قرض، وصیت وغیرہ اگر ہوں تو انکی ادائیگی کے بعد باقی جو مال وجائیداد ہو ضابطہ میراث کی مطابق ہر ایک وارث اپنے حق کی بقدر شرعاً مالک ہو جاتا ہے، تقسیم کے عمل میں بلاوجہ تاخیر کرنا مناسب نہیں۔

اور مرحوم کی فیکٹری وغیرہ اب چونکہ پسماندگان کا حق ہے، صراحۃً یا دلالۃً ان کی طرف سے اجازت ہو تو چلا سکتے ہیں بشرطیکہ تقسیم کرنے میں دشواری پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو، اور ورثاء میں اگر نابالغ بچے ہوں تو انکے اصل مال میں نقصان کا خطرہ نہ ہو۔

چنانچہ ایک ایسے ہی مسئلہ کے متعلق مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

''ایک کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ میت کے انتقال کے بعد میت کا کاروبار اس کی حیات سے جس وارث کے قبضہ میں ہوتا ہے وہی بعد میں اس پر قابض رہتا ہے اور اس کو چلاتا ہے جس سے کاروبار بڑھتا ہے اور ترقی کرتا ہے اور یہ سب ورثاء کی بلا اجازت ہوتا ہے، کچھ ورثاء نابالغ ہوں تو ان کی اجازت کا بھی کوئی اعتبار نہیں پھر بعد میں تقسیم کا خیال آتا ہے تو پھر اصل اور نفع دونوں کی تقسیم میں سخت جھگڑا ہوتا ہے اور شرعی اعتبار سے اس نفع میں بڑی الجھنیں ہیں اس لئے پہلے تقسیم کریں اس کے بعد باہمی رضامندی سے مشترک یا علیحدہ علیحدہ کاروبار کریں۔ (احکام میت: ص ۳۱۷)

لہٰذا ایسی کوئی الجھن پیش آنے کا خطرہ ہو تو فیکٹری فوراً بند کر دیں، بصورت دیگر چلانے کی گنجائش ہے۔

لما فی عمدۃ القاری: (۲۳/۳۵۵، طبع رشیدیه)

وسميت أيضا: المواريث فرائض وفروضا لما انها مقدرات لاصحابها ومبينات فی كتاب الله تعالىٰ ومقطوعات لا تجوز الزيادة عليها ولا نقصان منها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۵۰

﴿دیگر ورثاء کو محروم کرنا اور بیٹی کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ہے اسکی نرینہ اولاد نہیں ہے صرف ایک بیٹی ہے اور تین بھائی ہیں ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے سے ناراض رہتے ہیں جسکی وجہ سے اس آدمی نے اپنی زندگی میں علاقے کے معززین کو جمع کر کے یہ لکھوایا کہ میرے مرنے کے بعد میری زمین میری اس بیٹی کی ہے، جب تک میں ہوں زمین کے منافع کا میں مالک ہوں گا لیکن میرے مرنے کے بعد میرے بھائیوں کو نہ دیا جائے بلکہ صرف میری بیٹی اس کی مالک ہوگی۔ اب معلوم کرنا یہ ہے کہ مذکورہ شخص کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟

اسی طرح جس گھر میں رہائش ہے اسکا کہنا ہے کہ یہ بھی میں نے اپنی بیٹی کے نام کر دیا ہے، لہٰذا میرے بھائیوں کو کوئی حق نہیں کہ میرے مرنے کے بعد اسمیں اپنے حصے کا مطالبہ کرے، تو کیا بھائیوں کو واقعی اسکی موت کے بعد اسکے گھر وغیرہ میں سے کچھ نہیں ملے گا؟ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: قاری فضل الرحمٰن صاحب

﴿جواب﴾ اس شخص کا یہ کہنا اور لکھوانا کہ ”میرے مرنے کے بعد میری زمین میری بیٹی کی ہے“ وارث کے حق میں وصیت ہے اور وارث کے حق میں وصیت شرعاً معتبر نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

عن ابی امامة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع: ان الله قد اعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث . ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اسکا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور گھر بیٹی کے نام اگر کر دیا ہے تو یہ ہبہ کی صورت ہے، ہبہ تام ہونے کیلئے ضروری ہے کہ مالک اپنا قبضہ اور تصرف ختم کر کے باقاعدہ اسکے قبضے میں بھی دیدے تو ہبہ تام ہوگا اور جسکو ہبہ کے طور پر دیا ہے وہ مالک بن جائیگا۔ لہٰذا اس شخص نے گھر بیٹی کے نام اگر کر دیا ہے اور اپنا قبضہ مکمل ختم کر دیا ہے گو تھوڑی دیر کیلئے ہو تو لڑکی مالک قرار پاتی ہے، اور باقاعدہ قبضے میں اگر نہیں دیا اور ابھی تک اس کے اپنے قبضے میں ہے تو صرف نام کرانے سے لڑکی مالک نہیں بنی، اس شخص کے مرنے کے بعد ورثاء اس گھر میں بھی مطالبہ کر سکیں گے۔

لما فی التنویر مع الدر (۶/۱۴۹ طبع سعید)

وشرائطها (ای الوصية) كون الموصی اهلا للتمليك فلم تجز من صغير ومجنون

ومكاتب الا اذا صاف لعتقه كما سيجي وعدم استغراقه بالدين لتقدمه على الوصية كما سيجي، وكون الموصى حيا وقتها تحقيقا او تقديرا ليشمل الحمل الموصى له فافهمه فان به يسقط ايراد الشرنبلالية وكونه غير وارث وقت الموت ولا قاتل.

ولما في الهندية :(ج٦/٩٠ طبع رشيدية)

ولا تجوز الوصية للوارث عندنا الا ان يجيزها الورثة ،ولو اوصى لوارثه ولاجنبي صح في حصة الاجنبي ويتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ان اجازوا جاز وان لم يجيزوا بطل ولا تعتبر اجازتهم في حيات الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك كذا في قاضيخان.

ولما في التنوير مع الدر :(٥/٦٩٠،٦٩١ طبع سعيد)

(وتتم الهبة)بالقبض الكامل (ولو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به) والاصل ان الموهوب ان مشغولا بملك الواهب منع تمامها وان شاغلا لا ،فلو وهب جرابا فيه طعام الواهب اودارا فيها متاعه اودابة عليها سرجه وسلمها كذلك لا تصح.

ولما في شرح المجلة :(٣/٣٥٣ طبع رشيدية المادة نمبر:٨٤١)

القبض في الهبة كالقبول في البيع بناء عليه تتم الهبة اذا قبض الموهوب له في مجلس الهبة المال الموهوب بدون ان يقول :قبلت او اتهبت عند ايجاب الواهب اى قوله وهبتك هذا المال ،يعني ان القبض في الهبة ليس نظير القبض في البيع بل هو نظير القبول فيه من حيث ان الحكم وهو الملك يتوقف عليه في الهبة كما يتوقف على القبول في البيع.

الجواب صحیح مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۰۹۱

﴿مسائل شتیٰ﴾

﴿تراویح میں قرآن سنانے والے حافظ کو کچھ دینا کیسا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ رمضان المبارک میں لوگ کسی حافظ قرآن کو تراویح میں قرآن سنانے کیلئے بلاتے ہیں اور ختم قرآن کے موقع پر اس کو پیسے دیتے ہیں لیکن جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ قرآن سنانے پر نہ تو پیسہ دینا جائز ہے اور نہ ہی لینا جائز ہے تو وہ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو حافظ صاحب کو صدقہ فطر کے پیسے دیتے ہیں نہ کہ قرآن سنانے کے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے انکا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ھدایت شاہ دیر

﴿جواب﴾ تراویح میں قرآن مجید سنانے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، اجرت باقاعدہ طے شدہ معاوضہ کو کہتے ہیں تراویح میں قرآن مجید سنانے پر لینا دینا عموماً محض اکرام اور تعاون کے درجہ میں ہوتا ہے باقاعدہ اجرت کے طور پر نہیں ہوتا، حافظ صاحب کا اصل مقصد قرآن مجید سنانا ہوتا ہے، مسجد میں نمازی لوگ زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے مجمع کا سنانے والے پر اثر زیادہ ہوتا ہے تو مسجد میں سنانے کا ماحول منزل کو پختہ کرنے پر بھی باعث ہوتا ہے۔ اور مقتدی لوگوں کا مقصد قرآن مجید سننا ہی ہوتا ہے اور حفاظ حضرات کا تعلق عموماً چونکہ غریب ونادار گھرانوں سے ہوتا ہے اس لئے لوگ اس صورتحال پر تعاون کرتے ہیں کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں دیتے، چنانچہ کوئی خاص مقدار نہیں ہوتا کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے اکرام کرنے کو اور قبول کرنے کو ناجائز کہنا بڑا مشکل ہے۔

بعض علماء کرام مطلق ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور بطور دلیل فقہاء کرام کا مشہور ضابطہ پیش کرتے ہیں کہ "المعروف کالمشروط" یعنی علاقے میں لینا دینا چونکہ رائج ومعروف ہے لہذا باقاعدہ طے اگرچہ نہیں ہوتا حافظ صاحب اپنا حق جانتے ہیں اور دینے والے بھی اسکا حق سمجھ کر دیتے ہیں جو کہ خاص اجرتی معاملہ کی علامت ہے اس لئے ناجائز ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ بے شک لینا دینا رائج ہے اور معروف بھی لیکن اکراماً رائج ومعروف ہے اجرت کے طور پر نہیں، چنانچہ اجرت خاص مقدار میں باقاعدہ طے ہوتی ہے یہاں کوئی خاص

مقدار رائج نہیں ہے اور ایک وجہ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر مقتدی لوگ کچھ نہ دیں تو حافظ صاحب کو بڑا گراں گزرتا ہے، یہ وجہ بھی لینے دینے کو ناجائز قرار دینے کیلئے کافی نہیں ہے، یہ اشراف نفس یعنی طمع کی وجہ سے ہوتا ہے اشراف بیشک منع ہے لیکن یہ ایک روحانی مخفی مرض ہے محتاج اصلاح ہے تاہم اس کی وجہ سے اصل عمل کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایک دوست اپنے دوست سے اکرام کی زیادہ توقع اگر رکھتا ہے اور وہ اسکے توقع کے مطابق اکرام بالکل نہ کرے یا توقع سے کم اکرام کرے تو ظاہر بات ہے اس کو بھی گراں گزرے گا لیکن اسکی وجہ سے دوستوں کا آپس میں اکرام اور خاطر مدارات کرنے کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں تقوی اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حافظ صاحب لوگوں پر واضح کریں کہ میں محض اللہ کی رضا اور اپنے فائدے کیلئے سناتا ہوں میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے اور نہ ہوگا جبکہ اس کے باوجود بھی لوگ اکرام کرتے ہیں اور یہی ہمارا تجربہ اور مشاھدہ ہے اس طرح واضح کرنے کے بعد عدم جواز کا شبہ بھی باقی نہیں رہتا۔

باقی رہا صدقہ فطر کا مسئلہ، حافظ صاحب اگر مستحق ہیں اور ان کے ساتھ بطور اجرت باقاعدہ طے نہیں ہوا ہے جیسا کہ عام یہی رائج ہے تو صدقہ فطر دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے صدقہ فطر اداء ہوجاتا ہے۔ البتہ وہ مستحق نہ ہوں یا بطور اجرت کوئی طے کرلے تو لینا دینا جائز نہیں ہوگا اور صدقہ فطر بھی ادا نہ ہوگا۔ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم بالصواب۔

لمافی الشامی (۷۳/۲، طبع سعید

وان القراءة لشئی من الدنیا لایجوز، وان الآخذ والمعطی آثمان لان ذلک یشبه الاستئجار علی القراءة، ونفس...... الاستئجار علیها لایجوز، فکذاما اشبه کما صرح بذلک فی عدة کتب من مشاهیر کتب المذهب، وانما افتی المتأخرون بجواز الاستئجار علی تعلیم القرآن لاعلی التلاوة، وعللوه بالضرورة وهی خوف ضیاع القرآن، ولاضرورة فی جواز الاستئجار علی التلاوة کما اوضحت فی شفاء العلیل،

ولمافی التتارخانیه (۳۲۳/۲، قدیمی)

"النسفیة" ولودفع صدقة الفطر الی الطبال الذی یوقظهم وقت السحر یجوز لان ذلک غیرواجب علیه، وقدقال المشائخ: الاحوط والابعدعن الشبهة ان یقدم الیه اولا قرصات بان تکون هدیة له ثم یدفع الحنطة،

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد روغانی

۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۴۱۷۵

﴿بینک ملازم سے اپنا قرضہ وصول کرنا﴾

﴿سوال﴾ زید کا قرض ایک ایسے آدمی کے اوپر ہے جو بینک میں ملازم ہے اور بینک سے تنخواہ وصول کرتا ہے جو کہ سود ہے، کیا زید اپنا قرض اس بینک ملازم سے وصول کرسکتا ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر بینک ملازم کی آمدنی کسی دوسرے جائز ذریعہ سے بھی ہو تو زید کے لئے اس سے اپنا قرض وصول کرنا بلا کراہت درست ہے اور اگر اُس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ آمدنی اس کا نہیں ہے صرف اسی بینک کی تنخواہ پر زندگی گزار رہا ہے تو اس سے اپنا قرض وصول کرنا مکروہ ہے، یہ بھی واضح رہے کہ بینک کے تمام ملازمین حکماً ایک جیسے نہیں ہیں۔

لما في الهندية:(۵/۳۶۷،طبع رشيديه)

ولو كان لمسلم على نصراني دين فباع النصراني خمراو أخذثمنها وقضاه المسلم من دينه جازله أخذه لأن بيعه لهامباح ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمراو أخذثمنها وقضاه صاحب الدين كره له أن يقبض ذلك من دينه كذافي السّراج.

ولما في البزازية على هامش الهندية:(۵/۱۲۵،طبع رشيديه)

من عليه الدين باع خمراو أرادأن يقضي به الدين لايحل لربّ الدّين أخذه ان كانا مسلمين وان كان المديون ذميّاًيحلّ للمسلم أخذه.كذافي تنوير الأبصار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹

﴿اگر ادارہ انشورنس کرائے تو ملازمین کیلئے اس ادارے کی سہولیات حاصل کرنا جائز ہے؟﴾

﴿سوال﴾ ہم ڈی ایچ اے (ڈیفنس ہاوسنگ اتھارٹی) کے ملازم ہیں اور ہمیں ڈی ایچ اے کی طرف سے ہر ماہ تقریباً ۴۰۰ روپے میڈیکل الاؤنس ملتا تھا، اب ڈی ایچ اے کے اعلیٰ افسران نے کسی انشورنس کمپنی سے معاہدہ کرلیا ہے اور یہ میڈیکل الاؤنس اب ڈی ایچ اے والے انشورنس کمپنی کو دیں گے اور بجائے میڈیکل الاؤنس کے ہمیں کراچی کے بعض ہسپتالوں میں محدود مفت علاج کا کہا گیا ہے اور ہمارے بچوں کیلئے بھی، انشورنس کمپنی کا ممبر بننے میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، ہم ممبر بنیں یا نہ بنیں، ہمارا میڈیکل الاؤنس ان کو دیا جائے گا تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا سہولت سے فائدہ اٹھانا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ

ہمارے علاج کا خرچہ ہسپتال والوں کو انشورنس کمپنی ادا کرے گی۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں ڈی ایچ اے (ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی) کے اعلیٰ افسران نے انشورنس کمپنی سے معاہدہ کیا ہے اور چونکہ اس میں ملازمین کے اختیار اور رضامندی کو کوئی دخل نہیں اور ملازمین کو پہلے سے ڈی ایچ اے کی طرف سے علاج معالجے کی سہولت میڈیکل الاؤنس نقد روپوں کی صورت میں مل رہی تھی، اب یہی سہولت مختلف ہسپتالوں میں مفت علاج کی صورت میں مل رہی ہے تو اس سہولت سے فائدہ اٹھانا ملازمین کیلئے جائز ہے، ہاں اگر ملازمین کو اختیار ہوتا پھر اسکے بعد وہ انشورنس کمپنی کے ممبر بن کر اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے تو درست نہ ہوتا، البتہ ڈی ایچ اے والوں کا انشورنس کمپنی سے معاہدہ کرنا کسی طرح درست نہیں کیونکہ انشورنس کمپنی کے ساتھ ایسا معاہدہ سود، قمار اور غرر سے مرکب ہوتا ہے جو شریعت میں جائز نہیں۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۴۲

﴿سعودیہ میں ملازمت کیلئے انشورنس اگر ضروری ہے تو گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو سعودی حکومت میں ملازمت مل رہی ہے لیکن اس کے لیے یہاں کے قانون میں میڈیکل انشورنس کرانا ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر ملازمت نہیں ملتی تو کیا ایسی صورت میں یہ ملازمت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ میڈیکل انشورنس اداروں کا طریقہ کار اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔ جن میں سود، قمار، غرر اور ظلم شامل ہیں، کیونکہ میڈیکل انشورنس کے اندر پالیسی ہولڈر ایک معینہ مدت کے لیے ایک متوہم خطرے کے پیش نظر رقم جمع کرتا ہے اور وہ رقم انشورنس ادارہ پھر اس کو واپس بھی نہیں کرتا تو یہ سراسر ظلم ہے، البتہ جن ممالک میں میڈیکل انشورنس وہاں کے جانے والوں کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہو تو ایسے ملکوں میں انشورنس کرانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ وہاں جانے والا کسی ناگزیر مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے جا رہا ہو اور اپنے رضامندی اور اختیار سے نہ کرائے تو اس کی گنجائش ہے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب کو سعودیہ میں ملازمت اختیار کرنے کی اگر ضرورت ہے تو اپنے اس جائز مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انشورنس کرنے کی گنجائش ہے تاہم اس کو غلط اور

ناجائز سمجھتے ہوئے کریں اور استغفار بھی کرتے رہیں۔

لما فی قوله تعالىٰ :(سورة المائده الاية:۹۰)

﴿يا ايها الذين امنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾

ولما فی قوله تعالىٰ:

﴿ياايها الذين امنوا لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم﴾

ولما فی الصحيح المسلم :(۲/۲،كتاب البيوع ،طبع قديمی)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر.

ولما فی احكام القرآن للجصاص:(۳۸۸/۱)

ولاخلاف بين اهل العلم فی تحريم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار،

ولما فی فقه الاسلامی وادلته:(۳۴۱۷/۵،طبع رشيديه)

ان هذا العقد التزام مالا يلزم لعدم وجود سبب شرعی من اسباب الضمان الاربعة وهی العدوان من قتل وهدم واحراق ونحوها وتسبب الاتلاف كحفر بئر بدون ترخيص فی الطريق العام ووضع اليد غير المؤتمنة كالغصب والسرقة وبقاء المبيع فی يد البائع والكفالة وليس المومن متعدياً ولامسبباً فی الاتلاف ولا واضع يد علی المومن عليه وليس فی التامين مكفول معين.

وفيه ايضاًص:۳۴۱۹

والحاجة التی من اجلها يجوز العقد المشتمل علی الغرر ولو كان كثيراً (وهی ان يصل المرء الی حالة بحيث لولم يتناول الممنوع يكون فی جهد ومشقة ولكنه لايهلك) يشترط فيها ان تكون عامة او خاصة بفئة وان تكون متعينة ان تسد جميع الطرق المشروعة للوصول للغرض سوی ذلك العقد الذی فيه الغرر.

ولما فی زاد المعاد :(ص:۸۲۰،طبع بيروت)

فليس كل غرر سبب للتحريم والغرر اذا كان يسيراً او لايمكن الاحتراز منه لم يكن مانعا من صحة العقد.

ولما فی الاشباه والنظائر:(ص:۸۷،طبع قديمی)

الضرورات تبيح المحظورات...ما ابيح للضرورة يقدر بقدرها ...الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة او كانت خاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۱۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ | فتویٰ نمبر: ۳۷۸۱

﴿قرآن مجید اگر غفلت کی وجہ سے بھول جائے تو گناہِ کبیرہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شاکر اور حامد دونوں عالم ہیں اور آپس میں اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ حافظ قرآن پر تعاہد قرآن مجید (تاکہ حفظ محفوظ رہے) واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر حافظ سستی کرے اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ چھوڑ دے یہاں تک کہ حفظ کردہ کلام بالکل بھول جائے اور اس بھول جانے کا سبب صرف اس کی لاپرواہی اور ترک تعاہد ونگرانی ہو تو کیا اس صورت میں حافظ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

شاکر کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کے حفظ کرنے کے بعد اس کا تعاہد اور نگرانی واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر خدانخواستہ حافظ صاحب عدم نگرانی ولاپرواہی سے قرآن مجید بالکل بھلا دے تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس پر احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔

مثلاً عن سعد بن عبادة قال قال رسول الله ﷺ مامن امرء يقرء القرآن ثم ينساه الالقي الله يوم القيامة اجذم.

عن أبي موسى الاشعري قال قال رسول الله ﷺ تعاهدوا القرآن فوالله ـــ الحديث.

وعنه ﷺ عرضت على ذنوب أمتي فلم أرى أعظم ذنبا من رجل أوتي اية فنسيها.

جبکہ حامد کا کہنا ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اس کو یاد کرنے کی محنت وتعاہد کوئی ضروری نہیں ہے یہاں تک کہ حافظ تعاہد ونگرانی ترک کردے اور قرآن مجید بھول جائے تو گنہگار نہیں ہوگا، غالباً حامد کی دلیل فقہاء کرام کا یہ قول ہے:

في الهندية: اذا حفظ الانسان القرآن ثم نسيه فانه يأثم وتفسير النسيان أن لايمكنه القراءة من المصحف.

اور وہ تمام احادیث جس میں اس کے متعلق وعیدیں آئی ہیں، اسی پر محمول کرتے ہیں، لہٰذا آپ حضرات مہربانی فرما کر قول فیصل سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: قاری گل محمد

﴿الجواب باسمه سبحانه وتعالى حامداً ومصلياً﴾

لما في مرقاة المفاتيح: (۵/۲۹، رقم الحديث: ۲۱۸۲، طبع رشيديه)

عن الحسن مرسلا: أن النبي ﷺ قال من قرأ في ليلة مائة آية لم يحاجه القرآن تلك الليلة..... الحديث.

قال على القاري: "لم يحاجه القرآن" اى لم يخاصمه في تقصيره (تلك الليلة) اى من

جيتبا وقال ابن حجر اى لم يخاصمه فى تلك الليلة من جهة التقصير فى تعهده لأنه لا تقصير منه فيها بل من جهة عدم العمل به ان لم يعمل لما فى حديث أنه يقول فى مخاصمته لبعض حفاظه نام عنى ولم يعمل بى المعلوم منه أنه يخاصم من جهتين التقصير فى تعهده لأنه يؤدى الى نسيانه وفى العمل به لأن فيه استهتارا بحقه اهـ — قال ابن حجر — لأن الكلام فى حافظ قرأ ما ذكر فتيم أن المحاجة لحافظ لم يقرأ ما ذكر لا لمن لم يقرأ تلك أصلا ولا لمن لم يقرأ بالكلية

قلت: من المعلوم بقرينة المقام المفهوم أن مراده من كل انسان حفاظ القرآن مع افادة زيادة اطلاقه الاشارة الى وجوب تعهد القرآن قليلا كان أو كثيرا كما هو من المقرر فى القواعد الشرعية.

ولما فى مرقاة المفاتيح: (۵/۴۰-۴۲، رقم الحديث: ۲۱۸۷، طبع رشيديه)

عن أبى موسى الاشعرى قال: قال رسول الله ﷺ تعاهدوا القرآن — الحديث. قال على القارى: قال النووى يكره أن يقول نسيت آية كذا بل يقول أنسيتها اهـ. وفى الاول اشعار بعدم تقصيره وايماء الى فعل يخالف القضاء، والتقدير فى الثانى نسبة النسيان بمعنى الترك الذى هو العصيان الى ذاته مع الايماء الى عدم مبالاته — وقال أبو عبيدة أما الحريص على حفظ القرآن الذى يدأب فى تلاوته لكن النسيان يغلبه فلا يدخل فى هذا الحكم بدليل هذا الحديث وقيل معنى نسى عوقب بالنسيان على ذنب أو سوء تعهده بالقرآن وهو محفوظ من قوله تعالى "أتتك آياتنا فنسيتها وكذلك اليوم تنسى" (سورة طه، آيت ۱۲۶) ومن الحديث المشهور عرضت على ذنوب أمتى فلم أر أعظم ذنبا من رجل أوتى آية فنسيها اثم النسيان عند علمائنا محمول على حال لم يقدر عليه بالنظر سواء كان أم لا والله اعلم.

ولما فى التعليق الصبيح: (۳/۳۲)

عن سعد بن عبادة قال: قال رسول الله ﷺ "ما من امرء يقرأ القرآن ثم ينساه الا لقى الله يوم القيامة أجذم (رواه أبوداؤد: (۱/۲۰۹) وسكت عنه وقال العزيزى (۳/۲۲۲) اسناده حسن) (قال الشيخ محمد ادريس الكاندهلوى فى تعليقه: قوله: "يقرأ القرآن ثم ينساه" ظاهره نسيانه بعد حفظه فقد عد ذلك من الكبائر وقيل المراد به جهله بحيث لا يعرف القراءة — وكذا قال المحدث الدهلوى فى شرحه اللمعات)

ولما فى اعلاء السنن: (۴/۱۴۲، رقم الحديث: ۱۱۵۶، طبع دار الكتب العلمية بيروت)

قوله عن سعد بن عبادة قلت: قال فى الهندية اذا حفظ الانسان القرآن ثم نسيه فانه يأثم وتفسير النسيان أن لا يمكنه القراءة من المصحف، ولا أدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.

فيقول العبد: ما قاله العلامة ظفر احمد العثمانى أحوط، وما ذكر فى الهندية أوسع والله واسع عليم وبعد ذلك خطر ببالى شئ أن النسيان كيفية تطرأ على العبد من غير اختياره بما يجوز بدفعه اذا تعهد المحفوظ فما ذكر فى الهندية: أنه محمول على نفس النسيان فحسب لأنه

غیر اختیاری فلا یأثم لقوله ﷺ "رفع عن أمتی الخطاء والنسیان" أو کما قال علیه السلام، فان العبد بما لا یقدر بفعه مع تعهده وکثرة التلاوة وظاهر الأحادیث الواردة فی الحافظ ینسی القرآن وقول بعض علمائنا والشافعی وغیرهم محمول علی السبب الداعی للنسیان وهو ترک التعاهد والتلاوة وعدم مبالاته لأنه فی اختیاره فیأثم بترک التعاهد الاختیاری لا بالنسیان نفسه وثمرته فی صورة فلو نسی القرآن المحفوظ مع کثرة تلاوته وتعاهده وعدم مبالاته فانه لا یأثم لاتیانه بما هو فی اختیاره والذی ینسی القرآن لترک التلاوة والتعاهد وعدم مبالاته فان هذا کفران النعمة العظمی واستهتار بحق القرآن العظیم فیأثم واللہ اعلم.

لہٰذا حافظِ قرآن نگرانی حفظ تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے بھی اگر بھول جائے تب تو وہ گنہگار نہیں ہوگا اور اگر کوئی حافظ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت نہیں کرتا اور لاپرواہی سے کام لیتے ہوئے اپنے حفظ کی جو بہت بڑی نعمت ہے نگرانی نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا، لہٰذا حامد صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اس کی نگرانی اور تعاہد کوئی ضروری نہیں، درست نہیں ہے۔

الجواب صحیح: احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ — واللہ اعلم بالصواب: العبد عبد الرحمٰن ڈیروی عفی عنہ

۱۴/۱/۱۴۱۲ھ — ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

﴿حکومت سے قرضہ لے کر مکان وغیرہ بنوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میرا ایک خالی پلاٹ ہے اس کے بنوانے کے لئے میرے پاس رقم نہیں ہے، میں ایک عیالدار آدمی ہوں، حکومت اس کے لئے رقم دے رہی ہے جسے لون کہتے ہیں، مثلاً ایک لاکھ دے کر ایک لاکھ تیس ہزار وصول کرے گی تو کیا میں لون لے کر مکان بنوالوں؟ ایسا کرنا میرے لئے جائز ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جس طرح سود کا لینا منع اور حرام ہے، اسی طرح سود کا دینا بھی حرام ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں حکومت جو تیس ہزار زیادہ وصول کر رہی ہے یہ سود ہے، ایسا معاملہ کرنا شرعاً ناجائز ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة آل عمران، آیت ۲۷۵) ﴿أحلّ الله البیع وحرّم الربوٰا﴾

ولما فی الدر مع الرد: (۵/۱۶۶، طبع سعید) وفی الاشباه: کل قرض جر نفعا حرام.

وفی الشامیة: قوله (کل قرض جر نفعا حرام) ای اذا کان مشروطا کما علم مما نقله عن البحر وعن الخلاصة وفی الذخیرة: وان لم یکن النفع مشروطا فی القرض فعلی قول الکرخی لا باس به.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۸

﴿آدمی کا اپنی مطلقہ بیوی کے بچوں سے ملنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ میرے کسی عزیز نے کافی عرصہ قبل اپنی اہلیہ کو طلاق دی تھی جس سے بچے بھی ہیں، اب چونکہ دونوں میں اجنبیت ہو چکی ہے، اس لئے رہتے وہ دونوں الگ الگ ہیں، تاہم کبھی کبھار وہ آدمی بچوں سے ملنے چلے جایا کرتا ہے تو اس وقت بیوی (مطلقہ) الگ کمرے میں ہو جاتی ہے اور بچوں سے ملاقات کر کے واپس لوٹ جاتا ہے، کیا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں مذکورہ شخص کی یوں آمد و رفت درست ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص کا بچوں سے ملنے جانا جائز بشرطیکہ خاتون (مطلقہ) اس سے پردہ کرتی ہو اور اس بات کو ملحوظ رکھتی ہو کہ وہ بالکل اجنبیہ بن چکی ہے، واللہ اعلم۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النور،ایت ۳۰)

﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم..... وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن﴾

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی

۷ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۳۸

﴿قرض دل میں معاف کرنے کے بعد وصول کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک شخص پر قرض تھا اور وہ ادا کرنے سے پہلے مر گیا میں نے زبان سے صراحت کئے بغیر صرف دل میں اپنا قرضہ معاف کر دیا تاکہ اس کو عذاب نہ ہو، اب اگر اس کے بیٹے مجھے وہ قرض ادا کرنا چاہیں تو کیا میرے لئے یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　　　　مستفتی بشیر احمد ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ دل میں مرحوم قرضدار کو معاف کرنے سے امید ہے اس کو عذاب نہ ہوگا اور معاف کرنے والے کا یہی اصل مقصد ہوتا ہے، قرضہ ساقط کرنا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے آپ کو بلاشبہ بڑا اجر ملے گا، اب اگر میت کے ورثاء اس کا قرضہ لوٹا دیں تو لینے کی گنجائش ہے، تاہم لینے کی صورت میں اس درجہ کا ثواب نہیں رہیگا، زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی محتاج کو یہ مال دیدیں یا ادا کرنے والے وارث کو واپس دیدیں۔

لمافی الشامی:(۵/۲۲۳،طبع سعید)ثم اعلم ان الابراء یرتد بالرد.

ولمافی الفقه الاسلامی:(۴/۲۹۲۳،طبع رشیدیه)

الابراء اسقاط شخص ماله من حق لذی شخص آخر،کاسقاط الدائن دینه المستقر فی ذمة مدینه یتم بدون حاجة لقبول المدین،الا انه یرتد برده فی مجلس الابراء لمافیه من معنی التملیک.

ولمافی المبسوط لامام السرخسی:(۱۲/۸۳،طبع دارالمعرفة بیروت)

والحاصل ان هبة الدین ممن علیه الدین لاتتم الا بالقبول والابراء یتم من غیر قبول ولکن للمدیون حق الرد قبل موته.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ چارسدوی

۴محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر:۶۱۳

﴿نیک اولاد کا صدقہ جاریہ ہونا﴾

﴿سوال﴾ کیا نیک اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنتی ہے؟ اور اگر اولاد بدکار ہو تو کیا قبر میں والدین کو بھی اس کی وجہ سے سزا ملتی ہے؟ مستفتی: محمد دین صاحب

﴿جواب﴾ نیک اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنتی ہے،حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا نامہ اعمال بند ہوجاتا ہے،سوائے تین چیزوں کے (کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے)(۱)صدقہ جاریہ(۲)ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہوں (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

لمافی المرقاة:(۱/۴۱۳،طبع رشیدیه)

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ"اذامات انسان انقطع عنه عمله الامن ثلاثة الا من صدقة جاریة اوعلم ینتفع به اوولدصالح یدعوله"رواه مسلم.

قال ابن الملک:قید الولدبالصالح لان الاجرلایحصل من غیره وانماذکردعاءها تحریضا للولدعلی الدعاء لابیه حتی قیل:للوالدثواب من عمل الولدالصالح سواء دعالابیه ام لا کمان من غرس شجرة یحصل للغارس ثواب باکل ثمرتهاسواء دعاله الآکل ام لا...... وجعل الولدمن العمل لانه السبب فی وجوده.

اولاد کے بدخو ہونے میں اگر والدین کی غلط تربیت کا دخل نہیں ہے تو اس کے برے اعمال کی وجہ سے والدین کا مواخذہ نہ ہوگا۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۲/۱۲۲،طبع قدیمی)

عن ابن عمرعن النبی ﷺ انه قال الاکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامیرالذی

على الناس راع وهومسئول عن رعيته والرجل راع على اهل بيته وهومسئول عنهم والمرأة راعية على بيت بعلها وولده وهى مسئولة عنهم والعبدراع على مال سيده وهومسئول عنه الافكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته.

(قوله ﷺ كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته) قال العلماء الراعى هوالحافظ المؤتمن الملتزم صلاح ماقام عليه وماهوتحت نظره ففيه ان كل من كان تحت نظره شيء فيومطالب بالعدل فيه والقيام بمصالحه فى دينه ودنياه ومتعلقاته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کماوی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۰۹

﴿قریب المرگ جانور میں زندگی کی علامات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک بیمار گائے جب مرنے لگی تو اس کو ذبح کیا گیا، وقت ذبح اس نے کوئی حرکت نہ کی اور نہ ہی خون نکلا، البتہ اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے، شریعت کی رو سے بتائیں کہ کیا ایسا ذبیحہ حلال تصور کیا جائے گا؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی جانور وقت ذبح حرکت نہ کرے اور خون بھی نہ نکلے تو دیکھا جائے گا کہ منہ کھلا ہوا ہے یا نہیں؟ اگر منہ کھلا ہوا ہو تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر بند ہو تو کھایا جائے گا، آنکھ اگر کھلی ہوئی ہو تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر بند ہو تو کھایا جائے گا، پاؤں اگر پھیلے ہوئے ہوں تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر سمیٹے ہوئے ہوں تو کھایا جائے گا۔

اسی طرح جسم کے بال اگر چپکے رہے تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر کھڑے رہے تو کھایا جائے گا کیونکہ حیوان موت کے بعد ڈھیلا پڑ جاتا ہے تو آنکھ کا کھلنا، ٹانگوں کا پھیلنا اور بالوں کا بیٹھ جانا موت کی علامات ہیں اور اس کے مقابل جو علامات ہیں وہ زندہ ہونے کی ہیں اور اس کی حیات پر دال ہیں۔

لمافى الدرالمختار: (۳۰۹/۶، طبع سعيد)

(ذبح شاة لم تدرحياتها وقت الذبح) ولم تتحرك ولم يخرج الدم (ان فتحت فاها لاتوكل وان ضمته اكلت وان فتحت عينها لاتوكل وان ضمتها اكلت وان مدت رجلها لاتوكل وان قبضتها اكلت وان نام شعرها لاتوكل وان قام اكلت) لان الحيوان يسترخى بالموت ففتح فم وعين ومدرجل ونوم شعر علامات الموت لانها استرخاء ومقابلها حركات تختص بالحى فدل على حياته، وهذاكله اذالم تعلم الحياة (وان علمت حياتها)

وان قلت(وقت الذبح اکلت مطلقاً) بکل حال زیلعی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿صاحب والدیک فی الدنیامعروفا﴾

﴿دنیا میں والدین کیساتھ نیکی کا سلوک کر﴾

﴿سوال﴾ابی لایحب علماء الدین ویصلی الصلوات ولارغبة له فیها. ذکرت یوماعنده من حسن الاسلام فاسمعنی فی الدین شیئا کرهته فقلت له لاتدخل بیتی بعدیومک هذافذهب وهو غیرراضی عنی فهل یأثم الرجل اذاعامل مع ابیه هذه لاجل الدین؟ مستفتی: ملامحمود

﴿جواب﴾لم یاذن الشرع للولدتحقیروالدیه واذیهمابل امره بالاحسان والشفقةلهماوان کاناعلی غیرطریقةالمستقیم فلا یجوزللانسان طردالوالدین او سبهماوان سمع منهمافی الدین ما یکره بل ینصحهمامرةاومرتین فان قبلا فبها والا یسکت ویسئل الله ان یهدیهما. فقداثم هذاالولدالشاب بقوله لابیه"لاتدخل بیتی بعد یومک هذا.

لمافی قوله تعالیٰ:(سورۃ لقمان،آیت ۱۵)

﴿وان جاهداک علی أن تشرک بی مالیس لک به علم فلاتطعهماوصاحبهمافی الدنیا معروفا.....الآیة﴾

ولمافی الشامی:(۷۸/۲،طبع سعید)

فی فصول العلامی:اذارای منکرامن والدیه یأمرهمامرة،فان قبلافبها،وان کرهاسکت عنهماواشتغل بالدعاء والاستغفارلهمافان الله تعالیٰ یکفی مااهمه من أمرهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۲۳

﴿الصواب ماجمع علیه المسلمون﴾

﴿سوال﴾قولکم معاشرالحنفیةان التلفیق حرام وهوالعمل بالمذاهب المختلفةلان فیه اتباع الهوی فهل یجوزللانسان ان یاخذ من المذاهب

الاربعةماهو صعب فى العمل ويترك السهل فانه ليس فيه اتباع الهوى؟

﴿جواب﴾فى الأخذمن مذاهب مختلفةعين اتباع الهوى فانه لماعين العلماء العمل بمذهب معين فالعمل بعده بمذاهب مختلفةهواتباع الهوى وأيضاان كل مذهب صواب عند صاحبه ومذهب غيره خطاء عنده فكيف تأخذمن مذهب شيئاوشيئاآخرمن مذهب ليس عند الاول صواباوكذا ان كنت انت آخذابالصعب فليس كل أحدمثلك فان الطبائع مختلفة فيأخذغيرك السهل ويترك الصعب ويكون الدين لعباولهوا نعوذبالله.

اعلم كما انه لاسبيل من التقليدفى الامورالدنيوية مثل الطب وعلم الرياضى والهيئةوعلم البناء وغيره كذلك فى امورالدين يؤخذبقول عالمه فبعد عصر الصحابةوالتابعين لماكثرالمذاهب وافسدالاهوى أوجب العلماء الحذاق التمذهب بمذهب معين خصوصافى هذاالزمان ذهب رونق العلم والعمل.

ومالنا الا الاتباع لرضى الله عزوجل وقدأخذ بمذهب معين أجلةالعلماء وجميع المسلمين فمن انحرف فانماينحرف للافساد فى الدين اولجهله. والله المستعان على ماتصفون.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۲۹۶

﴿تعلم اللغات من المباحات﴾

﴿زبانیں سیکھنا مباح ہے﴾

﴿سوال﴾هل يجوزتعلم لسان الكفارمثل الانجرزية؟

﴿جواب﴾تعلم اى لغةكانت مباح فى الشرع فان قصدبها امراحسنافحسن وان تسبب الى امرمحذورفمحذورومن كان له فى تعلم لغةالكفارحاجةيتعلم ويأخذحذره كى لايقع فى محذورفان فى اللسان تأثيراوالله اعلم.

لمافى مشكوةالمصابيح:(ص۴۰۹،طبع سعيد)

عن زيدبن ثابت قال امرنى رسول الله ﷺ ان اتعلم السريانيةوفى روايةانه امرنى ان اتعلم كتاب يهود وقال انى ماآمن يهودعلى كتاب.....الحديث.

ولمافی المرقاة:(۲۷۸/۸،طبع رشیدیه)

اذلا یعرف فی الشرع تحریم علم لغة من اللغات(ثم قال)نعم یعدمن اللغویات ومما لا یعنی وھومذموم عندارباب الکمال الااذاترتب علیه فائدةفحینئذیستحب کمایستفاد من الحدیث.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمہ

۱۱جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۹۹

﴿دوران صحبت اور قضاء حاجت کے وقت بات کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ صحبت کے دوران بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟نیز قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟بینواتوجروا۔ مستفتی:محمد عظیم لکی مروت عبدل خیل

﴿جواب﴾ دوران صحبت بیوی سے عام باتیں کرنا مکروہ تنزیہی ہے البتہ پیار ومحبت کی باتیں یا جماع سے متعلق باتیں بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ ایسی باتوں سے شہوت کی تکمیل ہوتی ہے اس لئے جماع کا حصہ شمار ہوں گی اور قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لمافی التنویرمع الرد:(۴۱۸/۶،طبع سعید)

(و)فیمایکرہ(الکلام......وفی الخلاء وفی حالة الجماع)(قوله وفی الخلاء)

وفی الشامیة:الأ نه یورث المقت من الله تعالی(قوله وفی حالة الجماع)لأن حاله مبنی علی السترو کان یأمرﷺ فیه بأدب وذکرفی الشریعةأن من السنةأن لایکثرالکلام فی حالة الوطء فان منه خرس الولد.

ولمافی سنن ابی داود:(۲/۱،طبع العصریةبیروت)

عن ابی سعیدقال سمعت رسول ﷺیقول لایخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتهمایتحدثان فان الله عزوجل یمقت علی ذلک.

ولمافی المرقاة:(۶۸/۲،طبع رشیدیه)

فان الله یمقت علی ذلک ای علی ماذکروھوالمرکب من محرم ھوکشف العورة بحضرةالاخرومکروہ وھوالتحدث وقت قضاء الحاجة.

ولمافی الشامی:(۳۴۴/۱،طبع سعید)

(قوله والتکلم علیهما)ای علی البول والغائطقالﷺ"لایخرج الرجلان......یتحدثان فان الله تعالی یمقت علی ذلک"رواہ ابوداود والحاکم وصححه ویضربان الغائطأی یأتیانه والمقت ھوالبغض وان کان علی المجموعأی مجموع کشف العورةوالتحدث فبعض موجبات المقت مکروہ امداد.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب عفااللہ عنہ

۲۶محرم ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۲۳

﴿بچے کے کان میں اذان دینے کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچے کے کان میں اذان دینے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ براہ کرم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: ڈاکٹر حق نواز

﴿جواب﴾ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کا مسنون طریقہ یہ ہیکہ بچے کو ہاتھ پر اٹھا کر قبلہ رخ ہو کر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے اور حی علی الصلوۃ کے موقع پر دائیں اور حی علی الفلاح کے موقع پر بائیں جانب چہرہ بھی گھمانا چاہیے اور ہلکی آواز سے اذان و اقامت کہنی چاہیے اس لیے کہ یہاں باجماعت نماز کے لیے لوگوں کو بلانا مقصود نہیں ہے۔

لما فی تقریرات الرافعی:(۱/۴۵،طبع:سعید)

قال العلامة السندی :فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی اذن الیمنیٰ ویقیم فی الیسری ویلتفت فیهما با لصلوة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار.

ولما فی الفقه الاسلامی:(۱/۷۲۰،طبع:رشیدیه)

الاذان لغیر الصلوة:هذا ویندب لأمور غیر الصلوة :منها الاذان فی اذن المولود الیمنی عندو لادته،لما تندب الاقامة فی الیسری لانه ﷺ أذن فی أذن الحسن حین ولدته فاطمة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۴۳

﴿موبائل فون کے ذریعے آیت سجدہ اور نومولود کے کان میں اذان دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) نومولود کے کان میں موبائل فون کے ذریعے اذان دینے سے سنیت ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یعنی ایک شخص دوسرے علاقے سے موبائل فون پر اذان دے اور کوئی دوسرا شخص نومولود کے کان کے ساتھ موبائل لگا دے اور وہ اذان نومولود کو سنا دے تو اس سے سنیت ادا ہوگی یا نہیں؟ یہ کہا جاتا ہے کہ موبائل فون کے ذریعے جو آواز پہنچائی جاتی ہیں وہ اصل آواز کی طرح ہوتی ہے۔

(۲) اور اگر موبائل فون کے ذریعے آیت سجدہ سنے اور وہ تلاوت کرنے والے کی آواز ہو ریکارڈ کی ہوئی نہ ہو تو سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: سردار علی چالیار سواتی

﴿جواب﴾ موبائل کی آواز اصل آواز ہو یا غیر اصل اس کے ذریعہ بچے کے کان میں

اذان کی آواز پہنچانے سے آذان والا سنت عمل ادا نہ ہوگا، نومولود کے کان میں آذان دینا سنت ہے، صرف آواز پہنچانا سنت نہیں ہے، اس لئے آپ ﷺ نے یہ عمل بذات خود کر کے امت کو دکھایا یہ ایک مستقل عبادت ہے اور ہر ایسی عبادت جس کے لئے شریعت میں خاص ہیئت وکیفیت بھی بتائی گئی ہو تو اس کی رعایت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ عبادت نہیں کہلائیگی۔

اس لئے فقہاء کرام نے دائیں بائیں جانب چہرہ گمانے کی بھی صراحت کی ہے، چہرہ گمانا اصل اذان میں چونکہ مستحب ہے تو یہاں پر بھی مستحب ہے لیکن اذان دینے والا میلوں دور ہو اور صرف آواز پہنچنے کیوجہ سے اس کو مسنون عمل کا درجہ دیں تو یہ مشکل ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۱۸۳،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی رافعؓ قال رأیت رسول ﷺ اذن فی اذن الحسن بن علیؓ حین ولدته فاطمة بالصلوة هذا حدیث والعمل علیه.

ولمافی تقریرات الرافعی:(۱/۴۵،طبع سعید)

قال السندی فیرفع المولود عند الولادة مستقبل القبلة ویؤذن فی اذنه الیمنی ویقیم فی الیسری ویلتفت فیهما بالصلاة لجهة الیمنی وبالفلاح لجهة الیسار وفائدة الاذان فی اذنه انه یدفع ام الصبیان.

(۲) موبائل فون کے ذریعے واقعی پڑھنے والے کی اصل آواز براہ راست پہنچتی ہو تو سجدہ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں اور اس کی ہمیں ابھی تک پوری تحقیق نہیں ہے کہ یہ اصل آواز ہوتی ہے یا نہیں؟ دیگر علماء سے بھی رجوع کریں۔

لمافی البدائع:(۱/۱۸۰،طبع سعید)

واما سبب وجوبها احد شیئین التلاوة او السماع کل واحد منهما علی حالة موجب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۱۰

﴿امتحان میں نقل کرنے اور اس کے لئے پیسے دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل کالج اور یونیورسٹی کے امتحان میں نقل کا رواج عام ہے اور نگرانی پر موجود اساتذہ طلباء سے مخصوص رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے عوض طلباء کو نقل کرنے کی کھلی چھوٹ دیدیتے ہیں، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ طلباء

کے لئے یہ رقم دینا کیسا ہے؟ یہ رشوت ہے یا نہیں؟ نیز بوقت ضرورت رشوت دینے کی گنجائش ہے تو یہ صورت ضرورت میں داخل ہے یا نہیں؟

مستفتی فضل رزاق

﴿جواب﴾ نقل کرنا کرانا اوراس میں کسی طور پر معاونت کرنا کئی گناہوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے حرام اورناجائز ہے مثلاً جھوٹ، خیانت، اعانت علی المعصیۃ، قابل اور محنتی طلباء کی حق تلفی وغیرہ، پس نقل کرنا کرانا ایک ناجائز عمل ہے اور کسی ناجائز عمل پر پیسے لینادینا رشوت کے زمرہ میں آتا ہے اور جرم علی الجرم ہونے کی وجہ سے اسمیں گناہ بھی دوگنا ہے، لہٰذا کسی بھی صورت میں طالب العلم کا پیسے دینا اور استاذ کے لئے لینا جائز نہیں ہے۔

باقی فقہاء کرام نے بوقت ضرورت رشوت دینے کی جو گنجائش دی ہے، وہ جائز حق کے حصول کے لئے ہے، جس کا حصول بغیر رشوت کے ممکن ہی نہ ہو، جبکہ نقل کرنا کرانا خود ناجائز ہے، لہٰذا اس پر پیسے لینادینا بھی ناجائز ہے، پس ایسے ناجائز عمل سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورةالحج،أيت٣٠)﴿واجتنبوا قول الزور﴾

ولمافی قوله تعالی:(سورةالانفال،أيت٥٨)﴿ان الله لايحب الخائنين﴾.

ولمافی قوله تعالی:(سورةالمائدة،أيت٢)﴿ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾.

ولمافی قوله تعالی:(سوةالنساء،أيت٥٨)

﴿ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات الىٰ اهلها﴾

ولمافی مرقاةالمفاتيح:(٢١٢/١،طبع رشيديه)

عن ابی هريرة‌ؓ قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اية المنافق ثلاث زادمسلم: وان صام وصلى وزعم انه مسلم ثم اتفقا اذاحدث كذب،اذاوعد اخلف،اذاأتمن خان.

فالكذب الاخبار علىٰ خلاف الواقع وحق الامانةان تؤدى الىٰ اهلهافالخيانةمخالفةلها.

ولمافی اعلاء السنن:(٦٣/١٥-٦٦،طبع دارالكتب العلمية بيروت)

عن ابی هريرةؓ قال:قال رسول اللهﷺ: لعنة الله على الراشى والمرتشى،قال المحدث الناقدفى شرح الحديث:وقال القارى:لعن رسول اللهﷺ الراشى والمرتشى أى معطى الرشوةوأخذهاوهى الوصلةالى الحاجةبالمصانعةقيل الرشوةمايعطىٰ لابطال الحق اولاحقاق باطل امااذااعطىٰ ليتوصل به الى حق أوليدفع به عن نفسه ظلمافلابأس به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۱۳رجب المرجب۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۷۹

﴿ضرورت کیلئے عورت گھر سے نکل سکتی ہے لیکن شرائط کے ساتھ﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بعض کام کاج ایسے ہیں جن کو عورتیں ہی سرانجام دیتی ہیں جن کیلئے گھر سے باہر بھی نکلنا پڑتا ہے اور اسکے بغیر گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا؛ کیا ایسی صورت میں عورت کا نکلنا جائز ہے؟

(۲) میں شادی شدہ ہوں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں کھانا پینا سب کچھ ایک گھر میں ہے .والدہ کام کاج کیلئے نکلتی ہیں لیکن میں اپنے اپنی اہلیہ کا و باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا اس خوف سے کہ شرعی پردہ پر عمل نہ ہونے کیوجہ سے مجھے بھی گناہ ملے گا؛ لیکن والد صاحب اصرار کرتے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آپکی والدہ نکلتی ہیں اسکے ساتھ آپکی بیوی کو بھی نکلنا پڑے گا ورنہ پھر علیحدہ ہو جاؤ.اور والدہ بھی کہتی ہیں کہ مجھے بھی گھر میں بیٹھنا بڑا پسند ہے لیکن مجبوری ہے جب ہی تو نکلنا پڑتا ہے لھذا آپکی بیوی کو بھی میرے ساتھ نکلنا پڑے گا؛ بصورت دیگر ناراض ہوتی ہیں .برائے کرم ایسی کوئی صورت ہو کہ پردہ کے حکم پر بھی عمل اور والدین کی نافرمانی بھی لازم نہ آئے تو وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ عام حالات میں عورت کیلئے گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے بچوں کی دیکھ بال اور گھریلو خدمات انجام دینے کا حکم ہے .شرعی یا طبعی ضرورت پیش آئے بغیر جوان عورت کیلئے باہر نکلنا منع ہے۔یہی وجہ ہے کہ نان نفقہ کا انتظام کرنا شوہر کے ذمہ ہے، لیکن یہ ایسا حکم نہیں ہے کہ عورت ہر حال میں گھر ہی میں قید و بند رہے بلکہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کی زیارت کیلئے کبھی کبھی نکلنا اسی طرح علاج معالجہ اور دینی مسائل معلوم کرنے کیلئے نکلنا یا اسکے علاوہ کوئی خاص ضرورت پیش آگئی ہو تو نکلنا منع نہیں ہے، تاہم چند شرائط فقہاء کرام نے ذکر کی ہیں انکا لحاظ رکھنا ضروری ہے چنانچہ مفتی اعظم محمد شفیع (رحمہ اللہ) نے احکام القرآن (ج ۳/ ۴۷۱،۴۷۲) میں مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی ہیں ملاحظہ ہو..

(۱) خوشبو وغیرہ اور اسباب زینت کو اختیار کر کے نہ نکلے۔(۲) ایسا زیور جو آواز پیدا کرے اسی طرح بڑھ کیلا اور زرق برق لباس زیب تن کر کے نہ نکلے۔(۳) پاؤں کو زمین پر زور سے نہ مارے جس سے آواز پیدا ہو۔(۴) مٹک مٹک کر نہ چلے تاکہ فتنے کا سبب نہ ہو۔(۵) راستے کے

درمیان نہ چلے بلکہ سائڈ پر چلے ۔(۶) کسی بڑی چادر وغیرہ سے اپنے آپکو خوب ڈھانپے۔
(۷) شوہر کی اجازت ہو ۔(۸) زوج کی اجازت کے بغیر کسی سے بات نہ کرے۔
(۹) اگر ضرورت کے تحت کسی سے کوئی بات کرنی ہو تو لہجے میں نرمی نہ ہو بلکہ درشتی ہو۔(۱۰) غیر محرم
مردوں سے نظروں کو بچاتے ہوئے نگاہیں نیچی رہیں۔(۱۱) مردوں کے درمیان نہ گھسے۔

لہذا مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے آپکی بیوی آپکی والدہ کے ساتھ کام کاج میں تعاون کی غرض سے نکل سکتی ہے اسمیں کوئی قباحت یا گناہ نہیں ہے. بیوی کے پردہ کا احساس اپنی جگہ اہم اور ضروری ہے لیکن والدین کی اطاعت اور انکی ضروریات کا احساس بھی تو اہم ہے۔یہ کس قدر نا انصافی بلکہ احسان فراموشی ہے کہ والدہ کو گھر کی ضرورت کیلئے نکلنا پڑتا ہے وہ باقاعدہ اس معاملہ میں آپ سے تعاون چاہتی ہیں اور آپ خود سمیت بیوی کا بھی بوجھ اس پر ڈالتے ہو اور تعاون سے انکار کرتے ہو،ایسی صورت میں حکمت وبصیرت سے کام لینا چاہیے۔بیوی اگر خدمت سے انکار نہیں کرتی تو آپکی والدہ کے ساتھ باپردہ نکلنے سے آپ اسے نہ روکیں، پردہ بھی وہ کرتی رہے اور والدہ کے ساتھ تعاون بھی کرتی رہے۔ہاں کوئی خاص وجہ ہو مثلاً بیوی کو نکلنے کی اجازت دینے میں شوہر کو فتنہ کا قوی اندیشہ ہو محض وسوسہ نہ ہو تو بے شک نکلنے کی اجازت نہ دیں لیکن ایسی صورت میں والدین پر بوجھ نہ بنیں بلکہ اپنا اور بیوی کا انتظام خود کریں۔

لما فی التفسیر المظھری :(ج۷/ ۳۸۴،۳۸۳ طبع رشیدیة

عن عائشة رضی الله عنها قالت :خرجت سودة بعد ماضرب الحجاب لحاجتها وكانت امرأة جسيمه لاتخفی علی من يعرفها فرءاها عمر بن الخطاب فقال:ياسودة اما والله ماتخفين علينافانظری كيف تخرجين قالت :فانكفأت راجعة ورسول الله فی بيتی وانه ليتعشی وفی يده عرق فدخلت فقالت يارسول الله انی خرجت لبعض حاجتی فقال عمر كذاوكذا قالت : فاوحی الله تعالی اليه ثم رفع عنه وان العرق فی يده ماوضعه فقال: انه قداذن لكن ان تخرجن لحاجتكن .قلت :يعنی اذن لكن ان تخرجن متجلببات ،قال ابن عباس وابن عبيدة امر نساء المؤمنين ان يغطين رؤسهن ووجوههن الا عينا واحدة ليعلم انهن الحرائر۔

وبهذااللفظ الی قوله اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن فی البخاری ج۲/ ۲۰۵ طبع رحمانية.

ولما فی احكام القران ج۳/ ۴۱۲،۴۱۳ طبع ادارة القران

قال ابن جرير:يقول تعالی ذكره لنبيه محمدﷺ"ياايهاالنبی قل لازواجک وبناتک ونساء

المؤمنين لاتتشبهين بالاماء فی لباسهن اذاهن خرجن من بيوتهن لحاجتهن فكشفن شعورهن ووجوههن ورؤسهن فلايبدين منهن الا عيناواحدة ثم قال حدثناابوصالح قال: حدثنی معاوية عن بن علی عن ابن عباسؓ فی تلسيرالاية قال: امرالله نساء المؤمنين اذاخرجن من بيوتهن فی حاجتهن ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن ويبدين عيناواحدة.

ولمافی التفسير لابن كثيرج۵/۲۳۱طبع رشيدية.

قال علی ابن ابی طلحة عن ابن عباسؓ امرالله نساء المؤمنين اذاخرجن من بيوتهن فی حاجةان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب ويبدين عيناواحدة.

ولمافی احكام القران ج۳/۴۷۰طبع ادارة القران

ذكرالشيخ محمدشفيع رحمه الله تعالى فی المسائل المستنبطة من اية الحجاب "ياايهاالنبی قل لازواجک "حيث قال دلت الاية علی مسائل وذكرالثالثة منها:جوازالخروج من البيت للنساء عندالضرورات الطبعية اوالشرعية كمادلت عليه اشاره الكتاب والاثار الواردة فيه.

ولما فی قوله تعالیٰ:سورة الاسراء﴿وقضیٰ ربک الاتعبدواالا اياه وبالوالدين احسانا﴾

ولما فی المشكوة ۲/۴۲۰ طبع قديمی كتب خانه

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن صاحب عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب:عاقل شاہ

۸صفر الخیر۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر۳۸۶۸

﴿مفلوج کے مال پر ولی کون ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدصاحب پر دماغی فالج کا حملہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے بولنے، سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے، ایسے شخص کے مال پر زکوۃ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے مال پر زکوۃ واجب ہوگی؟ کیا اس کے مال کو گھریلو ضروریات میں خرچ کرسکتے ہیں؟ اس کے مال کی ذمہ داری ونگہبانی کس پر عائد ہوگی؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

مستفتی:سید نوید

﴿جواب﴾ آپ کے والدصاحب کو بولنے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوئے ایک سال اگر ہوگیا ہے تو ان کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے، ان کے مال سے گھریلو ایسی ضروریات کے خرچے اداء کئے جاسکتے ہیں جو ان کے مفاد میں ہوں، مثلاً بجلی، گیس، ٹیکس وغیرہ

یا ان کے زیر کفالت افراد کے ضروری خرچے ہوں، یاد رہے زیر کفالت افراد میں سے ان کی بیوی، نابالغ بچے اور غیر شادی شدہ لڑکیاں شمار ہیں، بالغ لڑکے اگر معذور نہیں ہیں تو وہ زیر کفالت شمار نہ ہوں گے، وہ اپنے خرچوں کا خود بندوبست کریں اور مال کی حفاظت وغیرہ کی ذمہ داری ان کے بڑے بیٹے پر عائد ہے۔

لمافی بدائع الصنائع ۲/۵، طبع: سعید

"ومنها العقل عندنا فلا تجب الزکوٰۃ فی مال المجنون جنوناً اصلیا وجملة الکلام فیه ان الجنون نوعان اصلی وطارئ ــــ واما الجنون الطارئ فان دام سنة کاملة فهو فی حکم الاصلی"۔

کذافی الشامی ۲/۲۵۸، طبع: سعید

ولمافی الهدایة ۱/۴۲۱، طبع: رحمانیه

"النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة کانت او کافرة اذا سلمت نفسها الی منزله فعلیه نفقتها وکسوتها وسکناها والاصل فی ذالک قوله تعالیٰ: لینفق ذوسعة من سعته وقوله تعالیٰ: وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف ــــ ولان النفقة جزاء الاحتباس وکل من کان محبوسا بحق مقصود لغیره کانت نفقته علیه"۔

وفیه ایضاً ۱/۴۴۷

"ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لایشارکه فیها احد کما لایشارکه فی نفقة الزوجات لقوله تعالیٰ: وعلی المولود له رزقهن والمولود هو الاب"۔

ولمافی التنویر مع الدر ۳/۶۱۳، طبع: سعید

"وکذا تجب (لولده الکبیر العاجز من الکسب) کانثی مطلقا وزمن ومن یلحقه العار بالتکسب وطالب علم لایتفرغ لذالک"۔

ولمافی شعب الایمان للبیهقی رقم الحدیث: ۷۹۲۹، طبع: دار الکتب العلمیة بیروت

"عن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص عن ابیه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ حق کبیر الاخوة علی صغیرهم حق الوالد علی ولده "وفی روایة قال رسول الله ﷺ "الاکبر من الاخوة بمنزلة الاب"۔

ولمافی مرقاة المفاتیح رقم: ۴۹۴۲، طبع: رشیدیه

"حق کبیر الاخوة علی صغیرهم حق الوالد علی ولده "ای کحقه علیهم فهو من التشبیه البلیغ مبالغة"۔

ولمافی الشامی ۲/۲۵۸، طبع: سعید

"(وشرط افتراضها عقل وبلوغ) فلا تجب علی مجنون وصبی لانها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها وایجاب النفقات والغرامات لکونهما من حقوق العباد"۔

واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی　　　الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۴۲　　　۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿بیوہ عورت کفالت کے سلسلے میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور بچوں کی کفالت کے سلسلے میں ایک متمول گھرانے میں گھر کا کام کاج کرتی ہوں، سوال یہ ہے کہ بوجہ مجبوری میرا یہ کام کرنا درست ہے؟ جبکہ ایک عورت کا کہنا ہے کہ اسلام میں عورت کا گھر سے باہر نکلنا درست نہیں۔

﴿جواب﴾ دین اسلام نے عورت کے بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے کو منع کیا ہے اور بوقت ضرورت اس کی اجازت بھی دی ہے بشرطیکہ عورت پردے کا پورا اہتمام کرتی ہو آپ کے بچوں کا واقعی اگر کوئی کفیل نہیں ہے جو ان کے اخراجات برداشت کرے اور خود بچے نابالغ ہوں یا جوان لڑکیاں ہوں تو ایسی صورت میں معاشی ضرورت پورا کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی گنجائش ہے، بیوہ جوان ہو تو گھر کے اندر رہتے ہوئے معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے کمائی کی کوئی ترتیب بنائے تو زیادہ بہتر ہے۔

لمافی الاشباہ والنظائر:(ص ۱۲، طبع قدیمی) الضرورات تبیح المحظورات.

ولمافی خلاصۃ الفتاویٰ:(۱۴۹/۲، طبع رشیدیہ)

وفی النوازل امرأۃ اجرت نفسھا من رجل ذی عیال لاباس بہ وانما یکرہ اذا خلا بھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۵۸

﴿حکومت کی اجازت کے بغیر حکومتی جنگلات کی لکڑی کاٹنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بڑے بڑے جنگلات ہیں ضرورت کے لئے ان کی لکڑی لوگ مفت استعمال کرتے ہیں، انتظامی طور پر ان کا کنٹرول حکومت کے پاس ہوتا ہے اگر کوئی شخص گھر کی تعمیر کے لئے جنگل سے درخت کاٹ کرلانا چاہے تو حکومت سے باقاعدہ اجازت لے کر پرمٹ حاصل کیا جاتا ہے اور ایک درخت کا تقریباً دس ہزار روپے معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ حکومت سے اجازت لئے بغیر ضرورت کے لئے لکڑی لاتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ جنگل کی لکڑی کو روزگار کا ذریعہ بناتے ہیں یعنی ملازمین اور حکومت سے چھپ کر لکڑی

فروخت کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ حکومت کی طرف سے اس پر سخت پابندی ہو، اور ان لوگوں کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ مستفتی: قاری محمد خورشید

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں چونکہ علاقے کے تمام لوگوں کے حقوق اور مفادات ان جنگلات سے وابستہ ہیں، لہٰذا یہ جنگلات بیت المال کے حکم میں ہیں، اس لئے چھپ کر لکڑی فروخت کرنا یا جنگلات کی لکڑی کو روزگار کا ذریعہ بنانا خیانت کے زمرے میں آتا ہے جو ناجائز اور حرام ہے، نیز اس سے حاصل ہونے والی کمائی کو بھی حلال نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح حکومت کی اجازت کے بغیر اپنی ضرورت کے لئے لکڑی لانا بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

لمافی الشامی: (۴۲۰/۶، طبع سعید)

والحطب فی ملک رجل لیس لاحد ان یحتطبه بغیر اذنه، وان کان غیر ملک فلاباس به، ولا یضر نسبته الی قریة اوجماعة مالم یعلم ان ذلک ملک لهم، وکذلک الزرنیخ..... والثمار فی المروج..... الخ.

ولمافی شرح المجلة: (۱۸۲/۴، طبع رشیدیه)

الاشجار النابتة بلاغرس فی ملک احدهی ملکه لیس لآخران یحتطب منها الاباذنه ..... ولایخفی ان رقبة الاراضی فی زماننا مملوکة لبیت المال ولیس لمن هی فی ایدیهم فیها سوی مشد المسکة وحق القرار المسمی بالطابو ولهذا لاتباع ولاتورث کماتباع وتورث الاملاک، فالظاهر ان الاشجار النابتة فیها بلاغرس تکون ملک بیت المال لانها تبع للارض المملوکة رقبتها له لاملک المتصرف فیها بالطابو، فتامل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۶۰

﴿نابالغ بچوں کا قرآن چھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تلاوت کرتے وقت چھوٹے بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں جو قرآن کو ہاتھ لگاتے ہیں، اسی طرح کبھی ان سے قرآن بھی منگوایا جاتا ہے تو شریعت کی روشنی میں بچوں کو قرآن پر ہاتھ لگانے سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: حاجی گل بہادر

﴿جواب﴾ اگر بچوں کے ہاتھوں پر ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو قرآن کریم چھونے

میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز ضرورت کی وجہ سے ان سے قرآن منگوانا بھی جائز ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۱/۱۷۳،طبع سعید)

(ولا)یکره (مس صبی لمصحف ولوح)ولابأس بدفع الیه وطلبه منه للضرورة.

وفی الشامیة:(قوله ولایکره مس صبی الخ)فیه أن الصبی غیرمکلف، والظاهرأن المرادلایکره لولیه أن یترکه یمس.....(قوله ولابأس بدفعه الیه)ای لابأس بأن یدفع البالغ المطهرالمصحف الی الصبی،ولایتوهم جوازه مع وجودحدث البالغ(قوله للضرورة)لأن فی تکلیف الصبیان وأمرهم بالوضوء حرجابهم،وفی تاخیره الی البلوغ تقلیل حفظ القرآن ،درر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد طیب غفرلہ ولوالدیہ

۱۲ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۲۴

﴿حضرت عمر کے بیٹے کی طرف منسوب ایک واقعہ کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ:

(۱) یہ قصہ مشہور ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے نے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کوڑے لگوائے کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر واقعہ درست ہے تو اس ولدالزنا سے آگے نسل چلی ہے یا نہیں؟ اگر چلی ہے تو وہ آج کل کونسی نسل ہے؟ برائے مہربانی قرآن اور حدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ (۱) واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی طرف منسوب زنا کا یہ واقعہ غلط ہے، محدثین نے اس قصہ کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے کسی کے عدل وانصاف کو بیان کرنے کے لئے بے سروپا قصے اور کہانیاں بیان کرنا انصاف کی بات نہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

(۲) جب یہ قصہ ہی درست نہیں تو ولدالزنا سے نسل چلنے والی بات ہی فضول اور بے معنی ہے۔

لمافی التنزیه الشرعیة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة:(۲/۲۲۰،طبع بیروت)

اثرسعیدابن مسروق کانت امراة تدخل علی آل عمرومعهاصبی فقال من ذاصبی معک قالت هوابنک وقع علی ابوشحمة فهوابنه فارسل الیه عمرفاقرفقال عمرلعلی

اجلده فضربه..... وهومماوضعه القصاصوفي اسناده من هومجهول ثم ان سعيدابن مسروق من اصحاب الاعمش فاين هومن عمرورو ى مجاهدعن ابن عباس مطولا اورده ابن الجوزى وقال موضوع فيه مجاهيل وقال الدارقطني حديث مجاهدعن ابن عباس في جلدابي شحمة ليس بصحيح.والذى وردفي هذاماذكره زبيربن بكاروابن سعيدفي الطبقات وغيرهماان عبدالرحمٰن الاوسط من اولادعمرويكنى اباشحمة كان بمصرغازيافشرب ليلةنبيذافخرج الى السكرفجاء الى عمر وابن العاص فقال له اقم على الحد..... فلماقدم على عمرضربه فاتفق انه مرض فمات قال السيوطي وفي مصنف عبدالرزاق انه لبث بعدماجلدابوه شهراصحيحافمات فحسب الناس انه مات من جلدعمرولم يمت من جلدعمر.وكذافي دراسة النقدية في المرويات في شخصية عمربن الخطاب.(۹۳۸/۲،طبع مكتبه المدينة الرقمية)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۱۵رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۸۷۳

﴿چوری کردہ چیز کی رقم ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بس سے اترتے وقت ایک آدمی کی جیب سے موبائیل فون ایسے چپکے سے نکالا کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلا اور بس سے اتر گیا، پھر وہ موبائیل فون بیچ کر رقم کھا گیا، کچھ عرصہ بعد اپنے اس فعل پر نادم ہوا اور توبہ کر لی، پوچھنا یہ ہے کہ اس موبائیل فون کی رقم کس طرح ادا کی جائے؟ جبکہ اس کے مالک کا بالکل پتہ ہی نہیں کہ وہ کون تھا؟

مستفتی: محمد معاذ صاحب مارکیٹ سواتی

﴿جواب﴾ اصل مالک تک اس کا حق پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کی طرف سے کسی فقیر محتاج کو موبائل کی قیمت صدقہ کردے اور یہ نیت کرے کہ کسی بھی وقت اگر اصل مالک معلوم ہو گیا تو اس کو اپنا حق دونگا، پھر اس کو اختیار ہوگا صدقے کا ثواب کافی سمجھے یا اتنی رقم لینا چاہے، آپ اس کے پابند ہیں اور ساتھ ساتھ اس گناہ سے توبہ واستغفار کا بھی اہتمام کریں۔

لمافي الشامى:(۳۰۱/۷،كتاب البيوع،باب البيع الفاسد،طبع امداديه)

وكذالايحل اذاعلم عين الغصب مثلاوان لم يعلم مالكه،لمافي البزازيه: أخذمورثه رشوة أوظلما،ان علم ذلك بعينه لايحل له أخذه،والافله أخذه حكماً،أمافي الديانة: فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اه.

والحاصل أنه ان علم أرباب الأموال وجب رده عليهم،والافان علم عين الحرام

لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه حل له حكماً والأحسن ديانة التنزه عنه.

ولما في الهندية:(۲/۱۷۰، كتاب السرقة، طبع رشيديه كوئٹه)

وهي في الشرع: أخذ العاقل البالغ نصاباً محرزاً أو قيمة نصاب مالكاً للغير لا شبهة له فيه على وجه الخفية كذا في الاختيار شرح المختار.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۲۵

﴿انبیاء کرام کی شان میں بے ادبی خطرۂ ایمان ہے﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب! میرے والدین میرا رشتہ جس خاندان کی لڑکی سے کرانا چاہتے تھے، اس پر میں راضی نہیں تھا والدین کی اصرار پر میں نے کہہ دیا کہ اگر نبی بھی آجائے مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، پھر انہیں سے نکاح ہوگیا، پوچھنا یہ ہے کیا میرا یہ کہنا قسم میں داخل ہے؟ اگر قسم میں داخل ہے تو کفارے کی کیا صورت ہوگی؟ مستفتی: نقیب اللہ جامعۃ الصفہ

﴿جواب﴾ اس طرح کی باتوں سے قسم واقع نہیں ہوتی ہے چونکہ یہ قسم نہیں، اس لئے کفارہ بھی واجب نہیں لیکن ایسا جملہ بولنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ کمزور تو ہم اتنے ہیں کہ پھر ایسی بڑی بات کہنے کے باوجود پاسداری نہیں کر سکتے، بہرحال آئندہ کے لئے خیال رکھیں استغفار کریں اور درود شریف کا کثرت سے اہتمام کریں۔

ولما في الشامي:(۳/۷۰۳، طبع سعيد)

وفي الصيرفية: لو قال على عبدالله وعبدالرسول لا أفعل كذا لا يصح لأن عبدالرسول صار فاصلاً، أي لأنه ليس قسماً بخلاف عبدالله وكذا في الترمذي:(۱/۱۸۵، فاروقي ملتان)

ولما في التاتارخانية:(۵/۳۲۷-۳۲۸، طبع قديمي)

وحكي عن ابي يوسفؒ انه كان جالساً مع هارون رشيد على المائدة فروى عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً انه يحب القرع وقال حاجب من حجابه أما أنا فلا أحبه فقال ابويوسفؒ يا أمير المومنين انه كفر...... اذا كان ذالك على وجه الاهانة كان كفراً وبدونه لا يكون كفراً، رجل اراد ان يضرب عبده فقال له رجل لا تضربه فقال: اگر محمد مصطفى گويد مزن بزنم...... يلزمه الكفر.

ولما في البزازية:(۲/۳۴۸، طبع قديمي)

وعن الثانيؒ: انه قال عند الخليفة كان عليه السلام يحب الدباء، فقال رجل من الجلساء

انا لا احبه فقال الامام الشافعی: هاتوا بنطع والسيف فتاب الرجل فترکه الامام وهذا محمول علی انه قاله علی سبيل الأستخفاف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تاج الدین چترالی

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۲۷

﴿بطور دعا کے (علیہ السلام) انبیاء علیہم السلام کیساتھ خاص ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (علیہ السلام) صرف انبیاء علیہم السلام کیساتھ خاص ہے، یا کسی اور کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ آجکل حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کیساتھ لکھا ہوتا ہے، کیا ان کیساتھ لکھنا جائز ہے؟ براہ کرم حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: مولوی مسعود احمد آف مری

﴿جواب﴾ دعا کے طور پر علیہ السلام یا علیہم السلام صرف انبیاء کرام علیہم السلام کیساتھ خاص ہے، انبیاء کرام کے علاوہ کسی برگزیدہ بندہ کے لیے علیہ السلام کہنا منع ہے، البتہ بطور تحیہ (سلام مسنون) خطاب صیغوں کیساتھ جو استعمال ہے وہ الگ ہے۔

لہٰذا حضرت علی، حضرت فاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم کے لیے علیہم السلام کہنا غلط ہے، چونکہ اہل بدعت روافض میں یہ رائج ہے، اسلئے ان کیخلاف کرنے میں اور بھی زیادہ تاکید ہے۔

لما فی الشامی: (۶/۷۵۳، طبع: سعید)

(قوله لا يصلى على غير الانبياء)......واما السلام فنقل اللقانی فی فی شرح جوهرة التوحيد عن الامام الجوينی انه فی معنی الصلوة، فلا يستعمل فی الغائب ولا يفرد به غير الانبياء فلا يقال علی السلام وسواء فی هذه الاحياء والاموات الا فی الحاضر فيقال السلام او سلام عليک او عليکم وهذا مجمع عليه والظاهر ان العلة فی منع الصلاة ان ذلک شعار اهل البدع، ولان ذلک مخصوص فی لسان السلف بالانبياء عليه الصلاة والسلام......واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين انه يجب تخصيص النبی صلی الله عليه وسلم وسائر الانبياء بالصلوة والتسليم...... وايضا فهو امر لم يكن معروفا فی الصدر الاول وانما احدثه الرافضة فی بعض الائمة والتشبه باهل البدع منهی عنه فتجب مخالفتهم اقول: وكراهة التشبه باهل البدع مقررة عندنا ايضا لكن لا مطلقا بل فی المذموم وفيما قصد به التشبه بهم كما قدمه الشارح فی مفسدات الصلاة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۶۷

﴿جھوٹ بول کر الاؤنس لینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی شدہ لوگوں کو حکومت کیطرف سے الاؤنس ملتا ہے، حالانکہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ حضرات ڈیوٹی یکساں سرانجام دیتے ہیں ایک شخص نے جعلی نکاح نامہ بنوا کر وہ رقم وصول کرتا رہا، جسکا متعلقہ حکومتی افسران کو بھی علم تھا، لیکن جاننے کے باوجود وہ افسران نے نہ وہ رقم بند کروائی اور نہ کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ شخص کا جعلی نکاح نامہ سے حاصل کردہ رقم کی کیا حیثیت ہے؟ جبکہ افسران کو مذکورہ کاروائی کا علم تھا۔ مستفتی: ایک رینجر اہلکار

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں اگر الاؤنس حکومت کیطرف سے ایک اضافی تعاون ہو، اور ڈیوٹی کی تنخواہ الگ مل رہی ہے۔ تو پھر اگر حکومت کیطرف سے شادی کی شرط کڑی شرط ہے، اور صرف شادی شدہ حضرات کو دے رہے ہیں غیر شادی شدہ حضرات کو نہیں دے رہے ہیں۔ اور کسی افسر وغیرہ کو اس کے خلاف کرنے کی قطعاً اجازت نہ ہو، تو پھر اس صورت میں اس شخص کا جعلی نکاح نامہ بنا کر اس کے ذریعہ مذکورہ رقم وصول کرنا ناجائز ہے اگرچہ افسران حکومت کے علم میں ہو اور وہ اس کو دے رہے ہیں۔

لیکن اگر حکومت کیطرف سے افسران کو صراحتاً اجازت ہو کہ اگر آپ کسی غیر شادی شدہ شخص کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، تو پھر اگر افسران حکومت اس کو وہ رقم دے دیں تو صحیح ہے۔

لمافی قولہ تعالی النساء آیت نمبر ۲۹)

یاایھا الذین امنو لا تأ کلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم ....

لمافی مشکٰوة المصابیح :(۳۲۷/۲،طبع سعید)

عن ام سلمةؓ ان رسول اللہ ﷺ قال انما انا بشر وانکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشئ من حق اخیہ فلا یأ خذنہ فانما اقطع لہ قطعة من النار (متفق علیہ)

لمافی مشکٰوة المصابیح: (۲۵۵/۱،طبع: سعید)

عن ابی حرة الرقاشیؓ عن عمہ قال قال رسول ﷺ الا لایحل مال امرء الا بطیب نفس منہ ..

وایضا فی الرد المحتار:(۱۳۱/۶،طبع:سعید)

ان بیع المکرہ ینعقد فاسد العدم الرضا الذی ھو شرط النفاذ فلواجا زہ بعد زوال الاکراہ

صريحا او دلالة بقبض الثمن او تسليم المبيع طوعا صح والفساد كان لمعنى قد زال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۴ شعبان ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿بینک کی ملازمت سے نکالنے پر چار پانچ سال کی ایڈوانس تنخواہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید بینک کا ملازم تھا، کسی وجہ سے بینک والوں نے ان کو (نوکری سے) فارغ کردیا اور چار پانچ سال کی تنخواہ ایڈوانس میں دے دی، اس وجہ سے کہ اس کو وقت سے پہلے فارغ کردیا، نیز زید مقروض اور ضرورتمند بھی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس ایڈوانس رقم کا کیا حکم ہے؟ اور زید یہ رقم قرضہ کی ادائیگی میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز دورانِ ملازمت زید کو جو تنخواہیں ملی تھیں ان کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ بینک کا پیسہ مالِ حرام ہے اور مالِ حرام کو ثواب کی نیت کے بغیر صدقہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بینک نے زید کو جو چار پانچ سال کی تنخواہ ایڈوانس میں دی ہے، یہ ان کی طرف سے ہدیہ (گفٹ) ہے، زید ضرورتمند نہ ہوتا تو ان کو یہ ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لئے کہ بینک کا اکثر پیسہ سود کا ہوتا ہے یعنی حرام غالب ہوتا ہے لیکن اب چونکہ زید نے قبول کرلیا ہے، نیز مقروض اور ضرورتمند بھی ہے تو ایسی حالت میں اس رقم کو قرضہ میں صرف کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اور دورانِ ملازمت زید کو جو تنخواہیں ملی تھیں، اگر وہ موجود ہیں تو واجب التصدق ہیں اگر موجود نہیں بلکہ کھا گیا ہے تو جتنی رقم کھائی ہے، اس حساب سے اتنی رقم صدقہ کرنے کا ارادہ کریں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ وسعت دے گا اتنا مال صدقہ کرے گا۔

لما في التنوير مع الدر:(۵/۲۸۷، طبع سعيد)

(هي) لغة: التفضل على الغير ولو غير مال. وشرعا (تمليك العين مجانا) اى بلا عوض.

ولما في فتح القدير:(۹/۱۹، طبع رشيديه)

ثم ان الهبة في اللغة أصلها من الوهب..... ومعناها ايصال الشيء الى الغير بما ينفعه سواء كان مالا أو غير مال..... وأما في الشريعة فهي تمليك المال بلا عوض كذا في عامة الشروح بل المتون.

ولمافی الشامی:(۲/۲۹۲،مطلب فی التصدق من المال الحرام،طبع سعید کراتشی)

رجل دفع الی فقیرمن المال الحرام شیئا یرجوبه الثواب یکفر......(قوله لأنه لیس بحرام بعینه الخ)......بأن المرادلیس هونفس الحرام لأنه ملکه بالخلط ،وانماالحرام ألتصرف فیه قبل أداء بدله.

ولمافی الدر:(۶/۳۸۵-۳۸۶،فصل فی البیع ،طبع سعید کراتشی)

وفی الأشباه ألحرمةتنتقل مع العلم الاللوارث الااذاعلم ربه.

وفی الشامیة:(قوله وفی الأشباه الخ)......ومانقل عن بعض الحنفیة من أن الحرام لایتعدی الی ذمتین سألت عنه الشهاب ابن الشلبی فقال:هومحمول علی مااذالم یعلم بذلک.

وفی الذخیرة:سئل أبوجعفرعمن أکتسب ماله من أمرالسلطان والغرامات المحرمة وغیرذلک هل یحل لمن عرف ذلک أن یأکل من طعامه؟قال:أحب الی فی دینه أن لایأکل ویسعه حکماًان لم یکن غصباًأورشوةًاه.

ولمافی الهندیة:(۵/۳۴۲،ألباب الثانی عشرفی الهدایاوالضیافات،طبع رشیدیه کوئٹه)

وفی شرح حیل الخصاف رحمه الله تعالی أن الشیخ القاسم الحکیم کان یأخذ جائزة السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجه ومایأخذمن الجائزة یقضی بهادیونه.

ولمافی کتاب الاختیارلتعلیل المختار:(۲/۶۱،کتاب الغصب،طبع قدیمی کراچی)

والملک الخبیث سبیله ألتصدق به ولوصرفه فی حاجةنفسه جاز،ثم کان غنیاً تصدق بمثله ،وان کان فقیراًلایتصدق.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۰۱۱

﴿موبائل فون میں قرآن مجید محفوظ کروانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ اپنے موبائل فون میں تلاوت کی غرض سے قرآن مجید محفوظ کرواتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسے موبائل کو بلا وضو چھونے کا کیا حکم ہے؟　　　　مستفتیہ متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ موبائل فون میں قرآن مجید محفوظ کروانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، الیکٹرونک آلات کی مدد سے قرآن مجید موبائل فون کی میموری میں منتقل کیا جاتا ہے جو موبائل فون کا ایک چھوٹا سا پرزہ ہے یہ پرزہ موبائل فون کے اندر رہتا ہے، اس میں محفوظ قرآن مجید کے نقوش کا عکس سکرین پر نظر آتا ہے، لہٰذا ایسے موبائل فون کو بلا وضو چھونے کی بھی گنجائش ہے۔

البتہ قرآن مجید کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے موبائل فون کو ادب واحترام سے رکھا جائے اور گندی جگہوں خصوصاً بیت الخلاء میں جانے سے پہلے علیحدہ کرلینا بہتر ہے، نیز جس موبائل فون میں قرآن مجید محفوظ ہو اس میں تصاویر اور دیگر غیر شرعی امور مثلاً گانا وغیرہ محفوظ کروانے سے زیادہ اجتناب کیا جائے۔

لمافي الهندية: (۳۹/۱، طبع رشيديه)

ومنها حرمة مس المصحف لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح.

ولم ولا يجوز لمحدث مس المصحف..... الا ان ياخذ بغلافه او بعلاقته وغلافه مايكون متجافيا عنه اى متباعدا بان يكون شيئا ثالثا بين الماس والممسوح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۸۶

﴿دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو دودھ کا ڈیلر ہے، مویشی منڈی سے دودھ لاتا ہے اور دودھ میں پانی ملا کر دودھ کی دکان پر فروخت کرتا ہے، دکاندار مزید پانی ملا کر خریداروں کو سستے داموں دودھ فروخت کرتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ دکاندار کا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ خریداروں کو بھی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ ہے اور وہ بھی خالص دودھ مہنگے داموں خریدنا پسند نہیں کرتے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں خریداروں کا جاننا کافی نہیں ہے کہ اس دودھ میں پانی ملا ہوا ہے بلکہ دودھ فروش کے لئے ضروری ہے کہ دودھ فروخت کرتے وقت تمام خریداروں کو واضح طور پر بتائے کہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہے کیونکہ دوکان پر ہر قسم کے گاہک آتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ سب کو ملاوٹ کا علم ہو یا سب ایسا دودھ خریدنے پر راضی ہوں۔

لمافي الدر مع الرد: (۴۷/۵، طبع سعيد)

[فروع] لايحل كتمان العيب فى مبيع اوثمن لان الغش حرام....وفى الشامية: [تنبيه] قال فى البحر: والى هنا ظهر ان خيار العيب يسقط بالعلم به وقت البيع، اووقت القبض اوالرضا به بعدهما اواشترط البراءة من كل عيب ..... اذاباع سلعة معيبة عليه البيان.

ولمافي الفقه الاسلامي:(۳۷۷۲/۵،طبع رشيديه)

وقال زفر وجمهور العلماء لا يبيع الشيء المعيب مرابحة حتى يبين العيب الحادث منعامن شبهة الخيانة، لان غرض الناس يختلف بذلك العيب ولان العيب الحادث ينقص به المبيع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۱۹

﴿پیر کو سجدہ کرنا شرک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنے مرشد کو سجدہ کرے اور تسبیح بھی نہ کہے صرف سجدہ کرے تو یہ جائز ہے؟ مستفتی: غنی الرحمٰن سواتی

﴿جواب﴾ تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں، لہٰذا کسی صورت میں بھی غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور ایسا پیر و مرشد جو اپنے مریدوں کو سجدہ سے نہیں روکتا بلاشبہ گمراہ ہے، اس سے دور رہنا ضروری ہے۔

لمافي التنوير مع الدر:(۳۸۳/۶،طبع سعيد)

يفعلونه من(تقبيل الارض بين يدي العلماء)والعظماء فحرام والفاعل والراضي به أثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفر ان على وجه العبادة والتعظيم كفروان على وجه التحية لا وصار أثما مرتكباللكبيرة.

ولمافي الهندية:(۳۶۹/۵،طبع رشيديه)

من سجد للسلطان على وجه التحية اوقبل الارض بين يديه لايكفرولكن يأثم لارتكابه الكبيرة هوالمختار قال الفقيه ابوجعفروان سجد للسلطان بنية العبادة اولم تحضره النية فقد كفر وفي الجامع الصغير تقبيل الأرض بين يدي العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضي أثمان.

ولمافي اعلاء السنن:(۳۶۸/۱۷،طبع دار الكتب بيروت)

عن قيس ابن سعدؓ قال اتيت الحيرة فرايتهم يسجدون لمرزبان لهم فقلت رسول الله ﷺ احق ان يسجدله قال فاتيت النبي ﷺ فقلت له اني اتيت الحيرة فرايتهم يسجدون لمرزبان لهم فانت يارسول الله احق ان يسجدلك قال ارايت لومررت بقبري أكنت تسجدله قال قلت لا قال فلاتفعلوا لوكنت آمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لماجعل لهم عليهن من الحق رواه ابو داود اقول احاديث

الباب تدل علی انه مختص بالاله ولایصلح لفان نبیاکان او ولیاحیاکان اومیتاوفرق التعبدوالتعظیم والتحیةفرق باطل اخترعه الغلاةلان معاذالم یسجدللنبیﷺ لاعتقاده فیه الالوهیةبل لکونه نبیامستحقاللتعظیم وکذالم یردقیس ابن سعدالسجدة لرسول اللهﷺ لاعتقاده فیه الالوهیةبل لکونه رسولانبیاومع ذالک لم یرخص له رسول اللهﷺ فیه بل ارشده الی ان السجودمختص بالله لایصلح للفانی وبین انّ هذاتعظیم مختص بالله تعالی فلماکان السجودتعظیمامختصابالله فمن اثبته لغیره فقداشرکه بالله فی هذاالتعظیم به فیکون مشرکااماالسجودلغیرالله سبحانه وتعالیٰ فهو کفراذاکان من غیراکراه ومایفعله الجهال من الصوفیةبین یدی شیخهم فحرام محض اقبح البدع فینهون عن ذلک لامحالة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن پورنوی

۶ صفرالمظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۷۲

﴿استمنا بالید حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی حیض یا نفاس یا اس کے علاوہ کسی اور بیماری کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا اس صورت میں وہ اپنی بیوی سے استمناء بالید کراسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ عام حالت میں استمناء بالید جائز نہیں ہے، احادیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے، البتہ سوال میں مذکورہ حالات میں بڑے گناہ سے بچنے کیلئے گنجائش معلوم ہورہی ہے۔

لمافی الشامی: (۳۹۹/۲، طبع سعید)

ویجوزأن یستمنی بیدزوجته وخادمته اھ.وسیذکرالشارح فی الحدود عن الجوهرةانه یکره ولعل المرادبه کراهةالتنزیه.

ولمافی البحر: (۲۷۲/۲، طبع سعید)

هل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان ان ارادالشهوةلایحل لقوله علیه السلام (ناکح الیدملعون)وان ارادتسکین الشهوةیرجی الایکون علیه وبال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد حسن پورنوی غفرلہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۲۴۳

﴿تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا صرف قرآن مجید میں ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عموماً ائمہ حضرات تکبیرات انتقالیہ کو مد کے ساتھ

پڑھتے ہیں جو کہ تجوید کے خلاف ہے کیا فقہ میں اس کا کوئی جواز ہے اگر ہے تو کتنے الف کی مقدار مد کرنے کی گنجائش ہے، نیز ائمہ حضرات جب نماز کے بعد دعا مانگتے ہیں تو تجوید کے قواعد کا لحاظ نہیں رکھتے، فقہی عبارات پڑھنے کے وقت بھی ایسا ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، قرآن کے علاوہ میں بھی ایسا ہے؟

﴿جواب﴾ تکبیرات انتقالیہ میں ایک رکن سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر کہنا سنت ہے، اس میں اگر الف کی طبعی مقدار سے زیادہ مد کی صورت پیدا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مد کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، صرف تغنی (گانے کی آواز) پیدا نہ کرے باقی مد کرنا جائز ہے، تاہم وقت انتقال میں ضرورت سے بہت زیادہ مد کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۴۹۷/۱، طبع سعید)

(قوله ثم یکبر)......(قوله مع الخرور) بان یکون ابتداء التکبیر عند ابتداء الخرور وانتهائه عند انتهائه شرح المنية.

ولمافی الهندية:(۷۳/۱، طبع رشيديه) ومدلام الله صواب.

(۲) قرآن کی تلاوت میں تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، قرآن کے علاوہ میں دعا ہو چاہے کوئی فقہی عبارات ہو تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے، نیز جب قرآن کریم کی آیت بطور دعا پڑھی جارہی ہو تو اس کو قرآن نہیں کہا جاتا، لہٰذا اس میں بھی قراءت و تجوید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

فی [illegible] فن الاداء ای القرأة ص۱۸ دار الکتب العلمية طبع [illegible] مخرجة المتخصص به واحکام النطق بکل حرف علی [illegible] محمد اسماعيل فی بحثه (مع القرآن الکریم) ان التجوید واجب علی کل من يريد ان یقرأ القرأت شيئاً من القرآن الکریم یثاب علی فعله ویأثم علی ترکه لانه هکذا نزل علی رسول الله صلی الله عليه وسلم مجوداً مرتلاً وصل الينا کذالک نقلاً عن الصحابة والتابعين وتابعيهم ألی یومنا هذا الان فهم معانی القرآن واقامة حدوده والعمل به عبادة وکذالک تصحيح الفاظه واقامة حروفه علی الصفة المعلقات من أئمة القرأة نقلاً عن الصحابة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم عن رب العزة سبحانه وتعالی.

لمافی الجامع القواعد التجوید:(ص ۳ مقدمة الفلاح المدینة المنورة)

وتعلم التجوید واجب عین علی کل من یرید أن یتلو کتاب الله دون ان یلحقه اثم أو یؤخذ بذنب لأنه نزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم کاملاً مجوداً وقراءة القرآن کما انزل الله.

نیز علامہ علی القاری کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو انہوں نے علامہ جزری رحمہ اللہ کے قول کی شرح کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ تجوید کا لحاظ کرنا صرف قراءت قرآن میں ضروری ہے جس کی عبارت ملاحظہ ہو:

قال العلامة القاری رحمه الله فی المنح الفکریة تحت قول الجزری:(ص ۱۸ الازهر المصریة)(والاخذ بالتجوید حتم لازم)(تقدیره اخذ القاری بتجوید القرآن وهو تحسین الفاظه باخراج الحروف من مخارجه واعطائها حقوقها من صفاتها وما یترتب علی مفرداتها و مرکباتها فرض لازم وحتم لازم.

محمد ہشام البرہانیؒ فرماتے ہے کہ تجوید کا سیکھنا فرض کفایہ ہے لیکن ہر تلاوت قرآن کرنے والے مکلف کیلئے تلاوت کو احکام تجوید کا لحاظ کرکے پڑھنا فرض عین ہے۔

لمافی تجوید القرآن:(ص ۱۸، طبع دولة الامارات العربیة المتحدة)

الاول:تعلم احکام التجوید الثانی اداء التلاوة وفق هذه الاحکام واعتبر الاول فرض کفایة اذا قام به البعض سقط عن الباقین واعتبر الثانی فرض عین علی کل قاری مکلف لان الله تعالی یقول ورتل القرآن ترتیلاً، والترتیل اداء القرآن کما انزل.

لہٰذا ائمہ حضرات کا نماز کے بعد دعا مانگنے کے وقت خواہ وہ قرآن کی کوئی آیت ہو یا کوئی ادعیہ ماثورہ ہو ان میں تجوید کے قواعد کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔

البتہ اس میں قواعد عربیت کی رعایت کرنی چاہیے بلکہ ایسے انداز و لہجے میں بھی نہیں پڑھنا چاہیے جس سے قرآن کریم کیساتھ التباس ہو۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۸۷

﴿قہقہہ مار کر ہنسنا مکروہ تحریمی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قہقہہ مار کر ہنسنے کا شریعت میں کیا حکم ہے آیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ براہ مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ہنسی انسانی فطرت کا خاصہ ہے، خوشی یا تعجب کی کیفیت پیش آنے کی صورت

میں اختیاری اور کبھی غیر اختیاری طور پر پیش آتی ہے۔اور اس کے تین درجے ہیں۔

(۱) تبسم: ہونٹوں اور چہرہ کی وضع وقطع کے ذریعے اس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے اس میں کوئی آواز نہیں ہوتی اور شرعا مناسب موقعوں پر پسندیدہ ہے۔خوش اخلاقی کی علامت ہے اور آپ علیہ السلام سے ثابت ہے۔

(۲) ضحک: آواز کیساتھ ہنسنا، لیکن قریب ہی کے لوگ سنتے ہیں دور تک آواز نہیں پہنچتی۔یہ کبھی کبھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے خصوصا جب غیر اختیاری طور پر اس طرح کی ہنسی آجائے اور اس سے کسی کی تحقیر بھی لازم نہ آئے اور دوسروں کیلئے تکلیف کا باعث بھی نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔لیکن بار بار بتکلف اختیاری طور ہنسنا اگرچہ ہلکی آواز کیساتھ ہو خصوصا جب ہنسنا اور ہنسانا ہی مقصود ہو تو یہ ناجائز ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔

(۳) قہقہہ: یعنی بلند اور اونچی آواز کیساتھ ہنسنا جو دور تک سنائی دے۔یعنی ٹھاٹھے مارنا یہ ہر صورت میں مکروہ تحریمی ہے اور منع ہے اور بعض صورتوں میں گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔

قہقہہ مارنا چونکہ اختیار سے ہوتا ہے بلکہ ایک گونہ تکلف سے ہوتا ہے وقار اور سنجیدگی کے منافی ہے۔عموما ایسی مجلسوں میں قہقہے لگتے ہیں جہاں دوسروں پر استہزاء یا محض باتوں کے چسکے لینا مقصود ہو احادیث میں ایسی فضول گویائی اور ہنسنے اور ہنسانے پر سخت وعید آئی ہے۔چنانچہ مشکوۃ شریف کی ایک حدیث کا مفہوم ہے۔کہ بسا اوقات بندہ بے ہودہ بات کہتا ہے اور اس کا مقصد صرف دوسروں کو ہنسانا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں اتنا دور جا گرتا ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان کا فاصلہ [illegible] کا نقصان قدموں سے پھسلنے سے بھی زیادہ ہے۔

بہر حال ٹھاٹھے مار [illegible] اس سے بچنا ضروری ہے۔

لما فی تفسیری المظہری [illegible]

فی تفسیر قوله تبارك وتعالى " فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا " قلت وجاز ان يكون معنى الاية 'فليضحكوا' اى الناس اجمعين فى دنياهم قليلا امر اباحة يشعر كراهة الضحک فان كثرة الضحک يميت القلب۔

ولما فيه ايضا: (۶/۲۰/طبع رشيديه)

فى تفسيره قوله تبارك وتعالى " مالهذا الكتاب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها قال ابن عباس رضى الله عنه 'الصغيرة التبسم يعنى اذا كان فى غير محله والكبيرة القهقهة.

ولما فی مشکوۃ المصابیح (۴۱۵/باب حفظ اللسان /طبع سعید)

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ فذکر الحدیث بطولہ الی ان قال قلت یا رسول اللہ اوصنی قال اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ قلت زدنی ..... قال وایاک وکثرۃ الضحک فانہ یمیت القلب ویذھب بنور الوجہ .... الی اخرہ.

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی فی المرقات تحت شرح الحدیث (۹/۹۳/)رشیدیہ (قلت زدنی قال ایاک وکثرۃ الضحک) فانہ ای اکثارہ وقیل ما ذکر من کثرۃ الضحک او الضحک الکثیر یمیت القلب .وفی نسخۃ القلوب ولیس موت القلب الا لغفلۃ عن الذکر (ویذھب بنور الوجہ) ای بھائہ وحسنہ .

ولما فیہ ایضا :(۴۱۳ / باب حفظ اللسان)

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد لیقول الکلمۃ لا یقولھا الا لیضحک بہ الناس یھوی بھا ابعد مما بین السماء والارض وانہ لیزل عن لسانہ اشد مما یزل عن قدمہ .

ولما فی العمدۃ القاری شرح صحیح البخاری :(۲۲/۲۳۵/طبع رشیدیہ)

واما المکروہ من ھذا الباب فھو الاکثار من الضحک کما قال لقمان علیہ السلام لابنہ 'ایاک وکثرۃ الضحک فانھا یمیت القلب والاکثار منہ وملازمتہ'.

ولما فی فتح الباری :(۱۰/۶۱۹/طبع رشیدیہ)

والذی یظھر لی من مجموع الاحادیث انہ کان فی معظم احوالہ لا یزید علی التبسم وربما زاد علی ذالک فضحک .والمکروہ من ذالک انما ھو الاکثار منہ او الافراط فیہ لانہ یذھب الوقار .

ولما فی الشامیۃ:(۱/ ۲۳۲/ طبع سعید)

واعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامھم فالمراد منہ التحریم الا ان ینص علی کراھۃ التنزیہ .فقد قال المصنف فی المصفی لفظ الکراھۃ عند الاطلاق یراد بھا التحریم. قال ابو یوسف قلت لابی حنیفۃ اذا قلت فی شیئ اکرھہ فما رأیک فیہ قال التحریم .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفی اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ہشتم خان

اا ربیع الاول ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۳۹۴۶

واجب الاحترام شخص کی پیشانی یا قدم چومنے کا حکم

سوال اپنے شیخ، استاد کے قدم یا پیشانی چومنا کیسا ہے؟ مستفتی: محمد اکرام اورنگی ٹاؤن

جواب جو شخص واجب الاکرام ہو اسکے قدم بوسی، پیشانی یا ہاتھ چومنے کی اجازت ہے لیکن اعتقاد میں غلو نہ ہو اور سجدے کی ہیئت نہ ہونے پائے ورنہ سخت گناہ ہوگا لیکن فساد زمانہ کی

وجہ سے قدم بوسی ترک کرنا اولیٰ ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۶/۳۸۲،طبع سعید)

(طلب من عالم اوزاهدأن)يدفع اليه قدمه و(يمكنه من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا)يرخص فيه كمايكره تقبيل المرأةفم اخرى اوخدهاالخ.

وفى الشامية:(قوله يدفع اليه قدمه)يغنى مافى المتن(قوله أجابه)لمااخرجه الحاكم:ان رجلاأتى النبى ﷺفقال:يارسول الله أرنى شيئاأزدادبه يقيناًفقال "اذهب الى تلك الشجرة فادعهافذهب اليهافقال ان رسول الله ﷺ يدعوك فجاءت حتىٰ سلمت على النبى ﷺ فقال لها:ارجعى فرجعت قال:ثم أذن له فقبل رأسه ورجليه وقال لوكنت آمراًاحداًأن يسجدلأحدلأمرت المرأةان تسجدلزوجها"وقال:صحيح الاسناداه......

(قوله فمكروه باالاجماع)اى اذالم يكن صاحبه عالماولاعادلا،ولاقصد تعظيم السلامه ولااكرامه الخ.

ولمافى حاشيةالطحطاوى:(ص۱۷۴-۱۷۵،طبع قديمى)

وفى غايةالبيان عن الواقعات تقبيل يدالعالم اوالسلطان العادل جائزوردفى احاديث ذكرهاالبدرالعينى مايفيدان النبى ﷺ كان يقبل يده ورجله و ﷺ يقبل الحسن وفاطمة وقبل ﷺ عثمان بن مظعون بعد موته وكذلك قبل الصديقؓ رسول الله ﷺ بعدموته وقبل رسول الله ﷺ ابن عمه جعفرابين عينيه ثم قال البدرالعينى فعلم من مجموع ما ذكرناا باحة تقبيل اليدوالرجل والكشح والرأس والجبهةوالشفتين وبين العينين ولكن كل ذالك على وجه المبرةوالاكرام وأمااذاكان كذالك على وجه الشهوةفلايجوزالاّ فى حق الزوجين اه......الخ

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوقول ہیں:ایک میں اجازت ہے وہ اوسع ہے دوسرے میں ممانعت ہے وہ اورع ہے۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہوراحمدشمس

۲۳ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۴۶

﴿اپنے کو بڑا عالم دکھانے کیلئے مناظرہ کرنا ریا کاری ہے﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے کے بعض مولوی صاحبان اظہار علم کے لئے مناظرہ کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اپنے علم وکمال کوظاہر کرنے کیلئے مناظرہ فی العلم ازروئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟

﴿جواب﴾ مناظرہ سے احیاء حق ، ونصرت حق مقصود ہوتو بلاشبہ مستحسن عمل وعبادت ہے، اس نیت وارادہ سے مناظرہ فی العلم کرلیا جائے تو عنداللہ ماجور ہوگا، ہاں اگر مناظرہ اظہار علم ، کسی

مسلمان کو غصہ دلانے، ذلیل کرنے، خاموش کرنے یا حصول دنیا و مال یا جاہ و منصب حاصل کرنے کے ارادے سے ہو تو ایسا مناظرہ از روئے شرع ناجائز و مذموم ہے، شریعت مطہرہ اس کی اجازت نہیں دیتی لیکن اس کا تعلق چونکہ نیت اور قصد سے ہے جو کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ ہے، کوئی اور دوسرے کے بارے میں اس کا صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا۔

لمافی الدرالمختار: (۲۲۱/۶، کتاب الحظر والاباحة، طبع سعید)

المناظرة فی العلم لنصرة الحق عبادة، ولأحدثلاثة حرام لقهر المسلم واظهار علم ونیل دنیا أومال أوقبول.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ	فتویٰ نمبر: ۱۵۰۴

﴿مقدس اوراق کو دفنایا جائے یا پانی میں چھوڑا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ عام طور پر اخبارات ورسائل وغیرہ میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا ترجمہ لکھا ہوا ہوتا ہے، بعد میں ان کو بے احتیاطی سے کچرے میں ڈال لیتے ہیں اور پاؤں میں روندا جاتا ہے، کیا ان اخبارات کا جلانا جائز ہے؟

[illegible] جامعہ یوسفیہ

﴿جواب﴾ کاغذ علم کا بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس کا احترام [illegible] پاؤں تلے روندنا یا کسی دوسرے طریقے سے بے عزتی کرنا خالی کاغذ ہو خواہ اس پر کچھ لکھا ہوا ہو جائز نہیں ہے، مقدس کاغذات جن میں آیات قرآنیہ، احادیث یا مقدس اسماء وغیرہ ہوں اور بھی زیادہ واجب الاحترام ہیں۔

البتہ قابل انتفاع نہ رہیں یا زیادہ ہونے کی صورت میں احترام سے رکھنے کی جگہ نہ ہو تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی پاک جگہ جہاں پیروں تلے بھی نہ آئیں دفنایا جائے، اس کے علاوہ جاری پانی میں بھی چھوڑ سکتے ہیں، جلانے کی بھی گنجائش دی ہے لیکن جلانے سے پہلے تمام مقدس اسماء وغیرہ کا مٹادینا ضروری ہے اور یہ کام بلاشبہ مشکل ہے اسلئے جلانے سے گریز کرنا چاہیے۔

لمافی الدرمع الرد: (۴۲۲/۶، طبع سعید)

الکتب التی لاینتفع بها یمحیٰ عنها اسم الله وملائکته ورسله ویحرق الباقی ولابأس بأن تلقى فی ماء جار کماهی اوتدفن وهوأحسن کمافی الانبیاء.

وفی الشامیة:(قوله الکتب الخ)هذه المسائل من هنا الی النظم کلها ماخوذة من المجتبی کما یأتی العزو الیه(قوله کما فی الانبیاء)کذافی غالب النسخ وفی بعضها کما فی الاشباه لکن عبارة المجتبی والدفن احسن کما فی الانبیاء والاولیاء اذاماتوا، وکذاجمیع الکتب اذابلیت وخرجت عن الانتفاع بهااه یعنی أن الدفن لیس فیه اخلال بالتعظیم،لان افضل الناس یدفنون.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:ظہوراحمد شمس

۲۰ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۳۲۴

﴿جس کو بار بار چھینک آتی ہو تو جواب دینا ضروری نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو بہت زیادہ زکام ہے، اس کو بار بار چھینک آتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کو تین مرتبہ سے زیادہ چھینک آجائے تو جواب دینا ضروری ہوگا؟　　مستفتی:سلمان سید وشریف سواتی

﴿جواب﴾ اگر ایک آدمی کو تین مرتبہ سے زیادہ چھینک آجائے تو جواب دینا ضروری نہیں ہے، البتہ جواب دینا بہتر ہے۔

لمافی البزازیة علی هامش الهندیة:(۳۵۵/۶،طبع رشیدیه)

وفی العطاس لوزادعلی الثلاث ان شتموه فحسن وان ترکوه فلابأس به.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۳شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۷۶۷

﴿جہیز میں ٹیلی ویژن دینا﴾

﴿سوال﴾ اپنی بیٹی کو جہیز میں ٹیلی ویژن دینے کی صورت میں والدین گنہگار ہونگے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اس میں کچھ شک نہیں کہ ٹیلی ویژن پر آنے والے پروگرام معاشرے میں بداخلاقی، بے حیائی، فحاشی، جرائم اور دہشت گردی کو فروغ دے رہے ہیں اور ایسے پروگرام اوّل تو مشکل ہی سے ملتے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی شرعی برائی موجود نہ ہو، دوسرے اگر کوئی شخص اپنے گھر میں ٹیلی وژن رکھے تو یہ بات تقریباً ناممکن جیسی ہے کہ وہ ان منکرات سے محفوظ رہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ اس جیسی اشیاء جہیز میں دینے سے مکمل اجتناب کریں، ورنہ ناجائز امور میں اعانت کی وجہ سے وہ بھی گنہگار ہونگے۔

لمافی روح المعانی:(۲۱۴/۶،طبع رشیدیه)

(ولاتعاونوا على الاثم والعدوان)فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي.

ولمافی المظهری:(۱۹/۳،طبع رشیدیه)

(ولا تعاونوا على الاثم والعدوان)يعني لاتعاونوا على ارتكاب المنهيات.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ | فتوی نمبر:۱۶۰۶

﴿اشراف نفس کا مفہوم اور اس کے بارے میں ارشادات نبویہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اشراف نفس سے کیا مراد ہے؟ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں، اشراف نفس یہ ہے کہ نفس اس کو جھانک رہا ہو اس کی تاک میں لگا ہوا ہو دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے بھی عطا کرے گا، اسی وجہ سے اس کو حرص وطمع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس میں بھی نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے مل جائے، علاوہ ازیں یہ بھی اشراف نفس ہے کہ دینے والا گرانی کے ساتھ عطا کرے۔

احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ سے منقول ہے کہ جو شخص اس (مال) کو نفس کی سخاوت (استغناء) سے لیتا ہے اس کے لئے تو اس میں برکت دیجاتی ہے اور جو اس کو اشراف نفس یعنی حرص وطمع کیساتھ لیتا ہے، اس کے لئے اس میں برکت نہیں ہوتی، وہ ایسا ہے جیسا کوئی (بھوک کا مریض) کہ کھاتا ہی رہے اور پیٹ نہ بھرے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱۹۹/۱،طبع قدیمی)

ان حكيم بن حزام قال سئلت رسول الله ﷺ فاعطاني ثم سئلته فاعطاني ثم سئلته فاعطاني ثم قال ياحكيم ! ان هذا المال خضرة حلوة فمن اخذه بسخاوة نفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه وكان كالذي ياكل ولا يشبع.الخ.

ان عبدالله بن عمر رضي الله عنه قال قال سمعت عمر يقول كان رسول الله ﷺ ليعطيني العطاء فاقول اعطه من هو افقر اليه منه فقال خذه اذاجاءك من هذا المال شيء وانت غير مشرف ولا سائل فخذه ومالا فلاتتبعه نفسك.

ولمافی المرقاة:(۳۰۲/۴،طبع رشیدیه)

(ومن اخذه باشراف نفس)يحتمل الوجهين اى يطمع اوحرص اوتطلع(لم يبارك له

فیه)قیل الاشراف النظرالی شئی یعنی بکراهیته،من غیرطیب نفس باعطاء وقال ابن الملک:ای نفس المعطی واختیاره من غیرتعریض من السائل بحیث لولم یعطه لترکه ولم یسئله اوالمرادنفس السائل بان یکون ذلک کنایة عن عدم الاعطاء اوعدم انفاق الصدقة وعدم امساکها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن عفااللہ عنہ

۲۸ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۱۵۲۰

﴿برائی کرنے والے کے ساتھ ساتھ اس کا ذریعہ بننے والے پر بھی گناہ ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدین اپنی بیٹی کا رشتہ جہاں طے کرنے پر مصر تھے وہاں وہ راضی نہیں تھی آخرکار اس نے خودکشی کرلی، پوچھنا یہ ہے کہ اس کا گناہ کس پر ہوگا؟   مستفتی: امیر عبدالرحمٰن

﴿جواب﴾ آج کل معاشرے میں جو پریشانیاں اور مفاسد پائے جاتے ہیں، یہ شریعت کے احکامات سے پہلوتہی کی بناء پر ہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ والدین جہاں اپنی بیٹی کا رشتہ طے کرنے پر مصر تھے وہاں وہ راضی نہیں تھی تو والدین کو چاہیے تھا کہ دوسری مناسب جگہ اس کی سہیلیوں کے ذریعے اس کی رائے معلوم کرکے رشتہ طے کردیتے اگرچہ والدین اپنی اولاد کے لئے بھلائی سوچتے ہیں لیکن اولاد کی رائے اور چاہت کو بالکل نظرانداز بھی نہیں کرنا چاہیے تا کہ ایسا نہ ہو کہ مذکورہ صورت تک نوبت پہنچے، بہرحال لڑکی نے چونکہ اپنے اختیار سے خودکشی کی ہے، لہٰذا اس کا گناہ اسی پر ہوگا اور والدین جو کہ اس فعل حرام کے ارتکاب کا سبب بنے ہیں وہ بھی اس گناہ میں شریک ہونگے۔

لمافی روح المعانی:(۲۰/۲۶۵،طبع رشیدیه)

(ولیحملن اثقالهم)......(واثقالا اخری مع اثقالهم) وهی اثقال ماتسببوا بالاضلال والحمل علی الکفروالمعاصی ......الخ

ولمافی المظهری:(۷/۱۹۳،طبع رشیدیه)

ولیحملن اثقالهم ای اوزاراعمالهم التی عملوابانفسهم اثقالامع اثقالهم لما تسببواله بالاضلال وهوالحمل علی المعاصی.

ولمافی مشکوة المصابیح:(۲/۲۷۱،طبع سعید)

عن ابی سعید وابن عباس قالاقال رسول اللهﷺمن ولدله ولدفلیحسن اسمه وادبه

فلاتنبع فليزوج فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه رواهما البيهقي في شعب الايمان

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی

۱۴۲۹/۱/۱۶ھ — فتوی نمبر: ۱۱۱۳

﴿قرآن کے سایہ میں دلہن کی رخصتی کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں رخصتی کے وقت دلہن کے سر پر قرآن پکڑ کر اس کو گاڑی تک لیجاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں، نیز ایسا کرنے سے قرآن کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

﴿جواب﴾ شادی ایک شرعی حکم ہے جس کو سنت طریقہ پر انجام دینا چاہیے اور سوال میں ذکر کردہ قرآن مجید سر پر اٹھانے کا طریقہ محض ایک دنیاوی رسم ہے، اس کی شرعی کوئی حیثیت نہیں ہے، ثواب کا کام سمجھ کر کرنے سے بدعت کے زمرے میں آئے گا، مزید یہ کہ اس میں قرآن پاک کی بے ادبی کا بھی اندیشہ ہے، لہذا اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

لما في التنوير مع الدر (۲/۲۹۹، طبع امدادیه)

(ومبتدع) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة.

وفي الشامية: (قوله وهي اعتقاد الخ) عزا هذا التعريف في هامش الخزائن الى الحافظ ابن حجر في شرح النخبة..... وحينئذ فيساوي تعريف الشمني لها بانها ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما اه فافهم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی

۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۶۴۳

﴿ڈاکٹر کے مریض تشخیص کیلئے لیبارٹری جائے تو ڈاکٹر لیبارٹری میں حقدار نہیں بنتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنے ایک رشتہ دار (ڈاکٹر) کا میڈیکل اسٹور مضاربت بالنصف پر چلارہا ہوں، اس میڈیکل سٹور کے ساتھ میں نے اپنے ذاتی پیسوں سے میڈیکل لیبارٹری کے لئے کرایہ پر جگہ لی اور اس میں لیبارٹری کے

لئے فرنیچرز بنوائے، سٹور چلانے کی وجہ سے دوائی لانے والوں کیساتھ جان پہچان ہے جس کی وجہ سے ایک دوائی والے نے کہا، کہ لیبارٹری کا سارا سامان میں لاونگا اور چلانے والا بھی میرا ہی بندہ ہوگا اور منافع آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرینگے، میں مان گیا اور معاہدہ طے ہوا۔

چونکہ اسٹور مضاربت بالنصف پر چلا رہا تھا اور لیبارٹری میں اکثر مریض وہ آتے تھے جو اس رشتہ دار ڈاکٹر سے چیک اپ کراتے تھے، اس لئے میں نے کہا کہ لیبارٹری کے وہ منافع جو مجھے مل رہے ہیں ہم (میں اور رشتہ دار ڈاکٹر) آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرینگے لیکن جب رشتہ دار ڈاکٹر کو اس کے بارے میں بتادیا تو اس نے کہا کہ سامان کے پیسے میں دونگا اور چلانے والے کو میں منافع کا ربع دونگا جس پر میں نے کہا کہ فرنیچر میرا ہے مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے تو ربع دینے پر راضی ہو گئے۔

چنانچہ اس پر معاہدہ ہوا یعنی سامان رشتہ دار کا اور منافع میں سے نصف ان کا ربع چلانے والے کا اور ربع میرا لیکن ایک مہینہ چلا کر رشتہ دار ڈاکٹر نے معاہدہ توڑا اور پہلے والی بات پر آیا یعنی اپنے پیسے واپس لے کر چلانے والے سے کہا کہ سامان اور چلانے والا آپکا ہی ہوگا اور منافع آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرینگے اور ہمیں درمیان میں سے نکال دیا جس پر ہم نے کہا کہ سامان ہمارا، جگہ ہم نے کرایہ پر لی ہے، ہمارا حصہ کہاں تو اس پر اس رشتہ دار ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کو ماہانہ آٹھ-نو ہزار تک دینگے، ہم نے کہا کہ نہیں جو منافع اس لیبارٹری سے آپ کو ملے اس کو ہم آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرینگے، یہ بات وہ مان گئے مگر ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

پوچھنا یہ ہے کہ فرنیچر ہمارا اور جگہ ہم نے کرایہ پر لی ہو، سامان اور چلانے والا اس رشتہ دار ڈاکٹر کے علاوہ کوئی اور ہو تو ہمارے اس معاملہ میں شرعاً اس رشتہ دار کا کوئی حق ہے جبکہ وہ کہہ رہا ہے کہ یہ تو میرے مریض سارے آپ کے پاس آرہے ہیں، اس لئے یہ میرا حق ہے اور کیا ان کے لئے منافع میں سے حصہ لینا شرعاً درست ہے؟

﴿جواب﴾ لیبارٹری کے لئے جگہ آپنے کرایہ پر حاصل کی فرنیچرز وغیرہ کا بھی خود انتظام کیا لیبارٹری کے اوزار کے لئے اور کام چلانے کے لئے بھی آپ نے شریک کا بندوبست کیا اور لیبارٹری میڈیکل سٹور (جو کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے مضاربت پر چلا رہے ہیں) کا ذیلی حصہ بھی

نہیں ہے، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو ڈاکٹر صاحب کا اس لیبارٹری سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے دخل اندازی کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے کلینک کے قریب ہونے کی وجہ سے بیشک مریض آتے ہونگے لیکن یہ تو لیبارٹری میں حقدار بننے کی کوئی وجہ یا دلیل نہیں ہے، البتہ آپ اور آپ کا ساتھی (اوزار مہیا کرنے والا) باہمی رضامندی سے ڈاکٹر صاحب کو بھی حصہ دار بنانا چاہیں تو شرکت کے اصول وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے باقاعدہ معاملہ طے کریں پھر ڈاکٹر صاحب کو بھی دخل اندازی کا حق حاصل ہوگا۔

واضح رہے آپ کے سوال کی تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا اور اوزار مہیا کرنے والے ساتھی کا معاملہ بھی پوری طرح شرکت کے اصول کے مطابق نہیں ہے، لہٰذا اس کیلئے الگ استفتاء بھیجیں اور پوری تفصیل لکھیں، تا کہ صحیح طریقہ بتادیں اور آپکا معاملہ شریعت کے مطابق ہو۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء، ایت ۲۹)

﴿"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

ولمافی المظهری:(۲/۸۷،طبع رشیدیه)(بالباطل)ای بوجه ممنوع شرعاً کالغصب والسرقة والخیانة والقمار والربوا والعقود الفاسدة ...الخ.

ولمافی البدائع:(۶/۶۲،طبع سعید)

والاصل ان الربح انما یستحق عندنا اما بالمال واما بالعمل واما بالضمان.....الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — محمد شاکر اللہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — ۱۴۲۹

﴿ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ دور حاضر میں ڈاکٹروں کے ہاں توالد و تناسل کی غرض سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا جو طریقہ رائج ہے، جس میں شوہر کے مادہ منویہ کو ایک خاص انجکشن کے ذریعے بیوی کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے، کیا حصول اولاد کے لئے اس طریقہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؟ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ انسانی جسم سے اسی انداز سے کام لیا جائے جو فطرت اور انسانی طبیعت کا تقاضا ہے جبکہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا مروجہ طریقہ غیر فطری ہونے

کیساتھ ساتھ فحاشی و بے حیائی کا بھی بڑا ذریعہ ہے۔جس سے انتہائی برے مفاسد جنم لے سکتے ہیں تاہم غیر معمولی اور ناگزیر ضرورت کی بناء پر اسکی گنجائش دی گئی ہے۔

مثلاً میاں بیوی دونوں میں اولاد کے لئے مطلوبہ صلاحیت موجود ہواور شوہر کسی وجہ سے اپنا مادہ منویہ بیوی کے رحم میں پہنچانے پر قادر نہ ہو یا عورت کے رحم میں امساک واستقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو جس کی وجہ سے بچے کی پیدائش ممکن نہ رہے تو ایسی صورت میں درج ذیل شرائط کیساتھ اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱) عورت کے رحم میں مادہ منویہ اپنے خاوند کا ہو کسی دوسرے کا نہ ہو (۲) دونوں کی رضامندی سے یہ عمل کرلیا جائے۔

(۳) کسی مستند وماہر ڈاکٹر کے مشورہ سے کیا جائے لیکن رکھنے کا عمل شوہر خود کرے یا کسی لیڈی ڈاکٹر کے ذریعے کروایا جائے مرد ڈاکٹر سے ہرگز نہ کرایا جائے۔

لمافی الفقه الاسلامی وادلته:(۴/۲۶۴۹ طبع رشیدیه)

(التلقيح الصناعي)هو استدخال المني لرحم المراة بدون جماع فان كان بماء الرجل جاز شرعا اذ لا محذور فيه بل قد يندب اذا كان هناك مانع شرعي من الاتصال الجنسي، واما ان كان بماء رجل اجنبي عن المراة لا زواج بينهما فهو حرام لانه بمعنى الزنا الذي هو التقاء ماء رجل في رحم امرأة ليس بينهما زوجية ويعد هذا العمل أيضا منافيا للمستوى الانساني ومضارعا للتلقيح في دائرة النبات والحيوان.

ولمافی الهندية:(۴/۱۲۰ مطبوع رشيديه)

رجل عالج جاريته فيما دون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماءه في شئي فاستدخلته في فرجها فعلقت عند ابي حنيفة ان الولد ولده وتصير الجارية ام ولده كذا في قاضيخان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۲۸۷

﴿ مویشی منڈی میں بیوپاریوں سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز نہیں ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں ہفتہ میں ایک دن مویشی منڈی لگتی ہے، اس میں جانور فروخت کئے جاتے ہیں، بیوپار ٹھیکدار سے اور ٹھیکدار حکومت سے جگہ کرایہ پر لے لیتا ہے پھر ٹھیکدار خریدار سے شرح ٹیکس وصول کرتا ہے، اس طرح جو بھی اس

جگہ جانور فروخت کرنے کے ارادے سے لاتا ہے، اس سے ایک معین مقدار میں رقم وصول کرتا ہے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر روڈ پر بھی جانور لاتا ہے تو اس سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایک آدمی نے ہفتہ کے دن منڈی میں آکر جانور دیکھا، اگلے روز منڈی سے باہر دوسری جگہ وہی جانور خریدا، اسی اثناء میں ٹھیکدار کو پتہ چلا تو اس نے یہ کہہ کر ٹیکس وصول کرلیا کہ آپ نے جانور کو منڈی میں تو دیکھا تھا حالانکہ اس دن خرید وفروخت کا معاملہ نہیں ہوا تھا کیا ایسی صورت میں ٹھیکدار کے لئے جبراً ٹیکس وصول کرنا درست ہے؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ کے مطابق ٹھیکدار کا مویشی منڈی کی حدود سے باہر روڈ پر لوگوں سے ٹیکس وصول کرنا درست نہیں ہے، کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا ناجائز وحرام ہے، اس طرح مویشی منڈی کی حدود کے اندر بھی خریدار وغیرہ سے خلاف قانون ٹیکس وصول کرنا درست نہیں ہے اور ایسی حالت میں خریدار صریح دھوکہ دہی اور جھوٹ بولے بغیر کوئی حیلہ بنالے مثلاً جانور کو منڈی میں دیکھ کر باہر کسی دوسری جگہ سے خرید لے تاکہ ٹیکس کے ظلم سے بچ سکے تو اس کی گنجائش ہے۔

البتہ مویشی منڈی میں قانون کی رو سے یہ کام ہو رہا ہو اور حکومت عوام کی مصلحت کی خاطر ٹیکس مقرر کردے، اس صورت میں جائز غیر ظالمانہ ٹیکس ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی مشکوۃ المصابیح:(ص۲۵۵،طبع سعید)

الالاتظلموا ألا لایحلّ مال امرىء الّا بطیب نفس منه.

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۳۵/۶،طبع رشیدیه)"الّا بطیب نفس منه" أی بامر أو رضا.

ولمافی الاشباہ والنظائر:(ص۱۲۳،طبع قدیمی)تصرّف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة.

ولمافیه ایضًا:(ص۱۰۸،طبع قدیمی)وان فعل القاضی وأمره انماینفذاذاوافق الشرع.

ولمافی الشامی:(۲۷۹/۳-۲۸۰،طبع سعید)

(دفع النائبة والظلم عن نفسه أولی الخ)النائبة:ماینوبه من جهة السلطان من حق أوباطل أوغیره کمافی القنیة.....وفیهاعن شمس الأئمة الحلوانی توجه علی جماعة جبایة بغیرحق فلبعضهم دفعهاعن نفسه اذالم یحمل حصته علی الباقین، والا فالاولی ان لا یدفعهاعن نفسه.....قال ابوجعفرالبلخی ما یضربه السلطان علی الرعیّة مصلحة لهم یصیر دیناواجباوحقامستحقاکالخراج وقال مشائخنا:وکل مایضربه الامام علیهم لمصلحة لهم فالجواب هکذاحتی أجرة الحراسین لحفظ الطریق

واللصوص ونصب الدروب وأبواب السكك، وهذا يعرف ولا يعرف خوف الفتنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۲۵۴

﴿نظر بد سے بچانے کے لئے کھیتوں میں لکڑی گاڑنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں بعض لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں لکڑی پر دم کر کے گاڑ دیتے ہیں تاکہ فصل نظر بد سے محفوظ ہو جائے، کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ فصل کو نظر بد سے بچانے کی غرض سے لکڑی یا کوئی دوسری چیز گاڑنا درست ہے۔

لما في الخانية على هامش الهندية: (۳/۴۲۵، طبع رشيدية كوئٹه)

ولا بأس بوضع الجماجم في الزرع والمبطخة لدفع ضرر العين لان العين حق تصيب المال والادمي والحيوان ويظهر أثره في ذلك عرف ذلك بالاثار، واذا خاف العين كان له أن يضع فيه الجماجم حتى اذا نظر الناظر الى الزرع يقع بصره أولا على الجماجم لارتفاعها فنظره بعد ذلك الى الحرث لا يضر لما روى ان امرأة جاءت الى النبي ﷺ وقالت نحن من أهل الحرث وانا نخاف عليه العين فامرها النبي صلى الله عليه وسلم أن تجعل فيه الجماجم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۶۸

﴿وعظ میں درود شریف بلند آواز سے پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض خطباء وواعظین کی عادت ہے کہ وعظ وتقریر شروع کرنے سے پہلے بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں اور سامعین کو بھی بلند آواز سے پڑھنے کو کہتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح بلند آواز سے درود شریف پڑھنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ درود شریف پڑھنا بلاشبہ باعث برکت اور موجب ثواب ہے، آواز سے پڑھے یا دل ہی دل میں پڑھے لیکن چلا کر بلند آواز سے پڑھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ درود ایک دعا ہے اور دعا میں اخفاء افضل ہے، لہٰذا خطباء اور واعظین کو چاہئے کہ آہستہ سے یا ہلکی آواز سے درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں اور سامعین کو بھی اس طرح پڑھنے کی تلقین کریں۔

لما فی الدر مع الرد:(۱/۵۱۹،طبع سعید)

بل خصّه فی درر البحار بغیر الذاکر لحدیث "من ذکرت عنده فلیحفظ" وازعاج الأعضاء برفع الصوت جهل وانما هی دعاء له والدعاء یکون بین الجهر والمخافتة کذا اعتمده الباجی فی کنز العفاة.

وفی الشامية:(قوله وازعاج الاعضاء)قال فی الهندية:رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه ومایفعله الذین یدعون الوجد والمحبة لاأصل له،ویمنع الصوفية من رفع الصوت وتخریق الثیاب،کذافی السراجية.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

[illegible] غفرلہ

رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

تحریری نمبر:۱۷۵۳

﴿درزی کے پاس کپڑے کے بچے ہوئے ٹکڑوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں،علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) میری درزی کی دوکان ہے اس میں جو جوڑا بن جاتا ہے اس سے اتنا ٹکڑا بچتا ہے جو کسی کام کا نہیں ہوتا،کیا وہ بھی گاہک کو واپس کرنا ضروری ہے؟

(۲) اتنا ٹکڑا بچ جائے جو دوسرے آدمی کے جوڑے میں مثلاً سائیڈ کی جیب لگانے کے لئے یا شلوار کے پائنچے میں استعمال ہوسکتا ہے جس سے دوسرے مسلمان کا کام بآسانی پورا ہوسکتا ہے اس کو واپس دینا چاہیے یا نہیں؟

(۳) جس شخص کا کپڑا کم تھا اور اس کے جوڑے میں جو ٹکڑا لگا کر پورا کردیا گیا ہے،اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہے؟

(۴) ہمارے پاس ہر قسم کے گاہک آتے ہیں اور گاہک کے آرڈر کے مطابق ہم کپڑا بناتے ہیں اس میں ہر قسم کے کپڑے (شرعی اور غیر شرعی) آجاتے ہیں،کیا غیر شرعی لباس بنانا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) جوڑا بننے کے بعد اتنا کپڑا بچ جائے کہ جو عموماً کسی کام کا نہیں ہوتا اور پھینک دینے کے قابل ہوتا ہے اسے واپس نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۲) اگر ٹکڑا بچ جائے جو کسی درجہ میں کام آسکتا ہو مثلاً صورت مذکورہ کے مطابق سائیڈ کی جیب لگانا وغیرہ،اُسے گاہک کو واپس دینا ضروری ہے،اس کی اجازت کے بغیر اپنے یا کسی دوسرے کے جوڑے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح:(ص۲۵۵،طبع سعید)

ألا لاتظلموا ألا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه.

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۳۵/۶،طبع رشیدیه)(الا بطیب نفس)ای بامر او رضا.

ولمافی الهندیة:(۵۰۳/۴،طبع رشیدیه کوئٹه)

ومنها رجل دفع الی خیاط کرباسا فخاط قمیصا وبقی قطعة من الکرباس فسرق قالوا یضمن الخیاط

(۳) اس شخص نے لاعلمی کی بناء پر جوڑا استعمال کرلیا ہے تو حرج نہیں، تاہم معلوم ہونے کے بعد اصل مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(۴) غیر شرعی لباس سے اگر تنگ اور موجودہ دور کا فیشنی لباس مراد ہے تو ایسے لباس کا گناہ استعمال کرنے والے پر ہے سلائی منع نہیں ہے، اس لئے کہ وہی لباس کمزور باڈی والی عورت بلا کراہت استعمال کرسکتی ہے، اس لئے سلائی کی اجرت لینا بلاشبہ جائز ہے، البتہ ایسی سلائی سے انکار کرنا حق کی دعوت ہے اور اجر وثواب کا باعث ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورۃ المائدۃ،آیت۲)

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.....الأیة.

ولمافی روح المعانی:(۲۱۴/۶،طبع رشیدیه)

فیعم النهی کل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی،ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام.

ولمافی المظهری:(۱۹/۳،طبع رشیدیه کوئٹه)

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی لاتعاونوا علی ارتکاب المنهیات ولا علی الظلم لتشفی صدورکم بالانتقام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۲۲۷

﴿زلزلہ کی وجہ سے نماز توڑنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ مسجد میں نماز باجماعت ہورہی ہو، دوران نماز زلزلہ آجائے تو نماز توڑ کر باہر نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دوران نماز زلزلہ آجائے اور جانی نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو اس سے بچنے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے۔

لمافی الهندیة:(۱۰۹/۱،طبع رشیدیه)

المصلی اذا دعاه أحد أبویه..... لأن قطع الصلاة لایجوز الالضرورة..... رجل قام الی الصلاة فسرق منه شئی قیمته درهم له أن یقطع الصلاة ویطلب السارق سواء کانت فریضة أو تطوعا..... ولورأی اعمی عند البئر فخاف علیه أن یقع فیها قطع الصلاة لأجله کذا فی الخلاصة

ولمافی الشامی:(۵۲/۲،طبع سعید)

أنتهٔ أنقل عن خط صاحب البحر علی هامشه أن القطع یکون حراما ومباحا ومستحبا وواجبا،فالحرام لغیر عذر والمباح اذا خاف فوت مال،والمستحب القطع للاکمال،والواجب لاحیاء نفس.

ولمافی البزازیة علی هامش الهندیة:(۳۷۱/۶،طبع رشیدیه)

واذا تزلزلت الأرض وهو فی بیته له الفرار الی الصحراء لقوله تعالی ولاتلقوا بأیدیکم الی التهلکة.

واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۱۶۴۱

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿عبد الرحمٰن کو رحمٰن اور عبد الرحیم کو رحیم کہہ کر پکارنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ آج کل لوگ عموماً عبد الرحمٰن، عبد الرحیم اور عبد العزیز وغیرہ کو رحمٰن، رحیم، اور عزیز کہہ کر پکارتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں کسی کو رحمٰن وغیرہ کہہ کر پکارنے میں سوءِ ادب کیساتھ ساتھ گناہ کا بھی اندیشہ ہے، اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے، اس طرح پکارتے ہوئے کسی کو سن لیا تو منع کرنا چاہیے اور سمجھانا چاہیے، اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اس طرح کا اندیشہ ہو تو ایسا نام نہ رکھنا بہتر ہے۔

لمافی الهندیة:(۳۶۲/۵،طبع رشیدیه)

أحب الأسماء الی الله تعالی عبدالله وعبدالرحمن لکن التسمیة بغیر هذه الاسماء فی هذا الزمان أولی لأن العوام یصغرون هذه الاسماء للنداء،والتسمیة باسم یوجد فی کتاب الله تعالی کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزة لانه من الاسماء المشترکة ویراد فی حق العباد غیر مایراد فی حق الله تعالی کذا فی السراجیة.

ولمافی التنویر مع الدر:(۴۱۷/۶،طبع سعید)

(أحب الاسماء الی الله تعالی عبدالله وعبدالرحمن) وجاز التسمیة بعلی ورشید من الاسماء المشترکة.....لکن التسمیة بغیر ذلک فی زماننا أولی..... الخ.

وفی الشامیة:(لکن التسمیة)قال ابواللیث:لاأحب للعجمان یسمواعبدالرحمن وعبدالرحیم لانهم لایعرفون تفسیره ویسمونه بالتصغیرتاتارخانیة،وهذامشتهرفی زماننا حیث ینادون من اسمه عبدالرحیم وعبدالکریم وعبدالعزیز مثلا فیقولون:رحیم کریم وعزیز بتشدید یاء التصغیر ومن اسمه عبدالقادر قویدر وهذا مع قصده کفر

ففی المنیة:من ألحق اداة التصغیر فی اخر اسم عبدالعزیز أو نحوهما اضیف الی واحد من الاسماء الحسنی ان قال ذلک عمدا کفر وان لم یدر مایقول ولاقصد له لم یحکم بکفره ومن سمع ذلک یحق علیه أن یعلمه وبعضهم یقول:رحمون لمن اسمه عبدالرحمن وبعضهم کالترکمان یقول حمور وحسو لمن اسمه محمد وحسن ،وانظرهل یقال بالاولی لهم ترک التسمیة بالاخیرین لذلک.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۶رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۶۹۸

﴿سفر کے آداب ومستحبات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سفر کو شروع کرنے اور دوران سفر اور منزل پر پہنچنے کے آداب کیا ہیں؟ نیز ان میں کون کونسے مسنون اعمال ہیں جن کا لحاظ رکھنا چاہیے وضاحت فرمائیں بینوا توجروا. مستفتی:نصرت اللہ بنوں

﴿جواب﴾ سفر کے آداب ومستحبات مندرجہ ذیل ہیں جن کا احادیث سے استخراج کیا ہے:

مشورہ کرنا،استخارہ کرنا،والدین واقارب کو راضی کرنا،مال حلال سے خرچ کرنا،اخراجات سے زائد مال ساتھ رکھنا،تنہا سفر نہ کرنا،امیر سفر بنانا، جمعرات یا پیر کے دن سفر کرنا،صبح سویرے سفر کیلئے نکلنا،صلاۃ السفر پڑھنا۔

لقوله سبحانه و تعالی :وشاورهم فی الامر(سورة :آل عمران ،آیة : ۱۵۹)

ولما فی الحدیث:ماخاب من استخار ولاندم من استشار. معجم صغیر للطبرانی:(۷۸/۲)

لقوله سبحانه و تعالی:﴿یاایها الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا (:المومنون:۵۱)﴾

ولما فی جامع ترمذی:(ص ۱۹۳ برقم الحدیث:۱۶۷۳-۱۶۷۴)

الراکب شیطان،والراکبان شیطانان،والثلاثة رکب.وایضا :لو ان الناس یعلمون ما اعلم من الوحدة ما سری راکب بلیل یعنی وحده.

ولما فی سنن ابی داود:(ص۳۵-۳۶)اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیومروا احدهم.

وایضا: قلما کان رسول الله صلی الله علیه و سلم یخرج فی سفر الایوم الخمیس.

ولما فی سنن ابی داود: (ص۳۵رقم الحدیث:۲۶۰۲) اللهم بارك لامتى فى بكورها

ولما فی مصنف ابن ابی شیبة:(ص۸۱)

ما خلف عبد على اهله أفضل من ركعتين يركعهما عندهم حين يريدسفرا.

اورالوداع کرنا، الوداع کرنے والوں سے دعاء کی درخواست کرنا، رات کوسفر کرنا، جانور یا گاڑی کو آرام دینا، ساتھی کی خدمت اور مدد کرنا، سفر میں کثرت سے دعاء کرنا، مقصد پورا ہونے پر واپسی میں جلدی کرنا، گھر والوں کے لئے ہدیہ لانا، صبح یا شام کے وقت واپسی آنا، واپسی پر پہلے مسجد میں صلوۃ القدوم پڑھنا، واپسی پر دعوت کرنا۔

ولما فی سنن ابی داود :(ص۳۳، رقم الحدیث:۲۶۰۰)

استودعُ الله دينكَ وامانتكَ وخواتيمَ عملكَ.

ولما فی سنن الکبری للبیهقی :(ص ۲۵۱)

اشركنا يا أُخَيَّ فى دعائك.

ولما فی صحیح مسلم :(ص۷۴۶،رقم الحدیث :۱۹۲۶)

اذا سافرتم فى الخصب ،فأعطوا الابلَ حظها من الأرض.

ولما فی صحیح مسلم: (ص۲۰۷۴، رقم الحدیث: ۲۶۹۹)

والله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيه.

ولمافی جامع ترمذی:(ص۳۱۴، رقم الحدیث: ۱۹۰۵)

ثلاث دعوات مستجابات لاشك فيهن، دعوة المظلوم، ودعوة المسافر، ودعوة الوالد على ولده.

ولما فی صحیح بخاری:(ص۶۳۹ ،رقم الحدیث:۱۸۰۴)

السفر قطعة من العذاب، يمنع أحدكم طعامه وشرابه ونومه، فاذا قضى نهمته فليعجل الى اهله.

ولما فی سنن الدار قطنی:(۳/۳۷۵، رقم الحدیث: ۲۷۹۱)

ان رسول الله ﷺ قال: إذا قدم أحدكم من سفر فليُهد الى اهله وليطرفهم ولو كانت حجارة.

ولما فی صحیح مسلم:(ص۱۵۲۷ رقم الحدیث: ۱۹۲۸)

عن انس ابن مالك، ان رسول الله ﷺ كان لايطرق اهله ليلا، وكان يأتيهم غدوة أو عشية.

ولما فی سنن ابو داود:(ص۹۰، رقم الحدیث،۲۷۸۱)

ان النبى ﷺ كان لا يقدم من سفر الا نهارا قال الحسن فى الضحى فاذا قدم من سفر اتى المسجد فركع فيه ركعتين ثم جلس فيه.

ولما فی السنن الکبری : (۵/۵۶۸رقم الحدیث: ۱۰۳۸۰)

عن جابر بن عبد الله : أن رسول الله ﷺ لما قدم المدينة نَحَرَ جَزُورًا أو بقرة.

سفر کی مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں.

۱-مسافر کو الوداع کرتے وقت کی دعاء:

أستودِعُ اللّٰہ دِینَکَ و أمانَتَکَ و آخِرَ عَمَلِکَ، و فی روایۃ وخواتیمَ عَمَلِکَ.(جامع ترمذی: ص۴۹۹، حدیث:۳۴۴۲)

۲-گھر سے نکلتے وقت کی دعاء:

بِسمِ اللّٰہِ تَوَکَّلتُ علیٰ اللّٰہِ ،اَللّٰھمّ انّی أعُوذُ بِکَ مِن أن اَضِلَّ أو اُضَلَّ أو اَزِلَّ أو اُزَلَّ أو اَظلِمَ أو اُظلَمَ أو اَجہَلَ أو یُجہَلَ علَیَّ .(ترمذی:ص۴۹، حدیث:۳۴۲۷)

۳-رخصت کرنے والے کو مسافر کی دعاء:

أستودِعُکُمُ اللّٰہ الذی لایُخِیبُ وَدائِعُہٗ.(الطبرانی)

۴-سفر شروع کرتے وقت کی دعاء:

اَللّٰھُمَّ بِکَ اِنتَشَرتُ و اِلَیکَ تَوَجَّھتُ و بِکَ اِعتَصَمتُ ، اَنتَ ثِقَتِی و رَجائِی، اَللّٰھُمَّ اِکفِنِی ما اَھَمَّنِی و ما لا اِھتَمُّ بِہٖ، و ما اَنتَ اَعلَمُ بِہٖ، اَللّٰھُمَّ زَوِّدنِی ،واغفِرلِی ذَنبِی ، و وَجِّھنِی اِلَی الخَیرِ حَیثُ ما تَوَجَّھتُ.(السنن الکبری للبیھقی: ص۲۵۰)

۵-سواری پر سوار ہوتے وقت کی دعاء:

سُبحانَ الذی سَخَّرَ لَنا ھذا و ما کُنّا لَہٗ مُقرِنِینَ و اِنّا اِلی رَبِّنا لَمُنقَلِبُون.(ترمذی)

۶-جس جگہ جانا ہے اسے دیکھنے کی دعاء:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبعِ و ما اَظلَلنَ ، و رَبَّ الاَرضِینَ السَّبعِ و ما اَقلَلنَ، ورَبَّ الشَّیاطِینِ و ما اَضلَلنَ، و رَبَّ الرِّیاحِ و ما ذَرَینَ ، فاِنّا نَسأَلُکَ خَیرَ اَھلِھا، ونَعُوذُ بِکَ من شَرِّھا وشَرِّ اَھلِھا و شَرِّ ما فِیھا. (السنن الکبری للبیھقی: ص۲۵۲)

۷-سفر سے واپسی کی دعاء:

لا اِلٰہ اِلااللّٰہ وَحدَہٗ لاٗ شَرِیکَ لَہٗ لَہٗ المُلکُ و لَہٗ الحَمدُ و ھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیر، آیِبُونَ، تائِبُونَ، عابِدُونَ، ساجِدُون، لِرَبِّنا حامِدُونَ ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعدَہٗ و نَصَرَ عَبدَہٗ ، و ھَزَمَ الاَحزابَ وَحدَہٗ(مسلم)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالی — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۷ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۸۴۵

﴿ریگولیٹر یا مشین لگوا کر بجلی اور پانی حاصل کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں اکثر لوگ (تقریبا ۸۰ فیصد) بجلی اور پانی کی قلت کی وجہ سے ریگولیٹر اور مشین لگواتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ضرورت تو پوری ہو جاتی ہے لیکن ان کے اس عمل کی بناء پر دوسروں یعنی غریب لوگ جو ریگولیٹر نہیں لگوا سکتے کے پانی اور بجلی کی قلت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ان کا یہ عمل شرعا درست ہے؟ نیز یہ ظلم ان لوگوں کی جانب سے شمار ہوگا یا حکومت کی طرف سے؟ واضح رہے کہ حکومت کی جانب سے ہر فرد کو تقریبا ۲۲۰ وولٹ بجلی مہیا کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے، یہ لوگ اپنے حق کی وصولیابی کے لئے یہ کام کرتے ہیں، تاہم ان کے اس عمل سے کچھ لوگ مشکلات کا شکار ہیں، از راہ کرم مفصل و مدلل جواب سے آگاہی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ کے مطابق مشین لگوا کر اپنے حق کے بقدر پانی حاصل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ دوسروں کا حق نہ مارا جائے، اسی طرح حکومت کی طرف سے چونکہ ہر اس شخص کیلئے جس نے بھی باضابطہ طور پر کنکشن حاصل کرلیا ہو، ۲۲۰ وولٹ تک بجلی حاصل کرنے کی اجازت ہے تو اتنی مقدار بجلی حاصل کرنا (خواہ ریگولیٹر لگوا کر حاصل کرے) اس کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے لیکن اتنی مقدار سے زیادہ حاصل کرنا جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو جائز نہیں ہے۔

علاقے کے صاحب استطاعت اور اہل خیر حضرات غریبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے لئے بھی اگر ریگولیٹر لگوا دیں یا کوئی اجتماعی صورت بنالیں جس سے سب کو فائدہ پہنچے تو انشاء اللہ غریبوں کو بھی پریشانی نہ ہوگی اور مالداروں کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔

لمافی التنویر مع الدر: (۶/ ۲۲۲-۲۲۳، طبع سعید)

(نهر بين قوم اختصموا فى الشرب فهو بينهم على قدر اراضيهم) لانه المقصود ـــــ

(وليس لاحد من الشركاء) فى النهر (ان يشق منه نهرا ـــــ او يوسع فم النهر ـــــ الخ)

وفى الشامية: (قوله لانه المقصود) اى المقصود فيها الانتفاع بسقيها فيتقدر بقدرها ـــــ

(قوله او يوسع فم النهر) لانه يكسر ضفته ويزيد على مقدار حقه فى اخذ الماء هداية

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی غفرلہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۳۹۹

﴿معاہدہ کا پورا کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک محکمہ کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا کہ میں محکمہ میں نو سے پانچ بجے تک وقت دوں گا لیکن محکمہ والے پانچ بجے فارغ نہیں کرتے تو کیا یہ محکمہ کی طرف سے معاہدہ کے خلاف شمار ہوگا؟ اور اگر میں نو کے بجائے دس بجے جاؤں اس لئے کہ وہاں اتنی صبح کوئی کام نہیں ہوتا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر میں نو بجے جا کر تلاوت ونوافل وغیرہ میں مشغول ہو جاؤں تو اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ڈاکٹر حازم

﴿جواب﴾ طے شدہ معاہدہ کے مطابق اگر محکمہ آپ کو وقتِ معین پر فارغ نہیں کرتا تو یہ محکمہ کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، وراگر آپ تاخیر سے جائیں گے تو یہ آپ سے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی، آپ کی ذمہ داری ہے کہ معاہدہ کے مطابق وقت پر پہنچیں اگرچہ وہاں کام نہ ہو لیکن عام طور پر ایسا ہوتا نہیں کچھ نہ کچھ کام تو ہوتا ہے، لھذا کام کی موجودگی میں آپ اگر دوسرے کام یعنی تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں گے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، البتہ کام واقعی نہ ہو یا کام ختم کر لینے کے بعد آپ اگر بالکل فارغ ہوں تو اس وقت کو تلاوت ونوافل یا پھر کسی اور اچھے کام میں صرف کرنا صحیح ہے۔

لما فی قوله تعالی: واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا، الاسراء

ولما فی مشكوة المصابيح: ۱۵/۱، طبع سعيد)

عن انسؓ قلما خطبنا رسول الله ﷺ الا قال..... ولا دين لمن لا عهد له.

ولما فی مرقاة: طبع رشيدية)

قال النووی: اجمعوا على ان من وعد انسانا شيئا ليس بمنهى عنه فينبغی ان يفی وعده.

ولما فی الدر مع الرد: ۷۰/۶، طبع سعيد)

وليس للخاص ان يعمل لغيره ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل (قوله وليس للخاص ان يعمل لغيره) بل ولا ان يصلی النافلة، قال فی التاتارخانية: وفی فتاوی الفضلی واستأجر رجلا يوما يعمل كذا فعليه ان يعمل ذلك العمل الی تمام المدة ولا يشتغل بشئی آخر سوی المكتوبة وفی فتاوی سمرقند: وقد قال بعض مشايخنا له ان يؤدی السنة ايضا واتفقوا انه لايؤدی نفلا وعليه الفتوی.

ولما فی فتاوی النوازل: ۳۸۲، طبع حقانية)

ولو عمل الآجر عملا ينقص من اجرته بقدر ما عمل.

ولما فی النتف فی الفتاوی:۳۲۸)

والاجارة لاتخلو اما ان تقع علی وقت معلوم او علی عمل معلوم فان وقعت علی عمل معلوم فلاتجب الاجرة الا باتمام العمل......وان وقعت علی وقت معلوم فتجب الاجرة بمضی الوقت ان هو استعمله او لم یستعمله۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
فتوی نمبر: ۳۷۵۴

﴿اپنے حق کا طلب کرنا سوال کے زمرے میں نہیں آتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ غنیۃ الطالبین میں ہے کہ سوال کیلئے اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے ۲/۳ حصے دین ضائع ہوجاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اپنے حق کے لئے اور ضرورت کیلئے بھی یہی وعید ہے یا گنجائش واجازت ہے؟

﴿جواب﴾ اپنے حق کو طلب کرنا تو سوال کے زمرے میں داخل ہی نہیں، باقی رہا ضرورت کی وجہ سے سوال کرنا، تو ضرورت کی حد شریعت نے مقرر کی ہے، کہ جس شخص کے پاس ایک دن کیلئے اتنی خوراک موجود ہو، جس سے اسکی جان بچ سکے اسی طرح تندرست جوان آدمی جو کمانے پر قدرت رکھتا ہو، اور کمانے کا موقع بھی اسکو ملے تو یہ آدمی ضرورت مند نہیں ہے، اور اس کیلئے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ کسی دوسری واقعی ضرورت کیلئے سوال ہو تو اس میں تفصیل ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:۲/۳۵۴،۳۵۵ باب المصرف، طبع سعید

ولایحل أن یسئل شیأمن القوت من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب ــولو للکسوة او لاشتغاله عن الکسب با الجهاد او طلب العلم جاز لو محتاجاً.

وفی الشامیة تحت(قوله کالصحیح المکتسب)لأنه قادر بصحته وآکتسابه علی قوت الیوم۔(قوله للکسوة)ومثلها أجرة المسکن ومرمة البیت للضرورية لاما یاخذ من یا ما علیه بظهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
فتوی نمبر: ۳۷۷۱

﴿حج یا عمرہ کی ادائیگی کے بعد کاروبار کی غرض سے وہاں چھپ جانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی حج یا عمرہ پر جاتا ہے حج کی ادائیگی کے بعد

کاروبار کی غرض سے چھپ کر وہاں رہنے لگتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس کا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ کے مطابق اس شخص کا یہ عمل قانوناً وشرعاً دونوں طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ مقررہ تاریخ سے زیادہ ٹھہرنا خلاف قانون ہے، نیز پاسپورٹ اور ویزا جاری کراتے ہوئے حکومت کیساتھ مقررہ تاریخ تک معاہدہ ہوتا ہے اور مباح امور میں حکومت کی اطاعت لازمی ہے، نیز مقررہ تاریخ سے زیادہ ٹھہرنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، لہٰذا ان خرابیوں کو سامنے رکھتے ہوئے شرعی اعتبار سے بھی یہ ناجائز ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۰، کتاب الایمان، طبع قدیمی)

عن عبداللہ بن عمروان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا...... واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر. ھکذافی احسن الفتاوی لمفتی رشید احمد: (۸/۲۱۶، طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۴ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۴۳۱

﴿فلمی دھنوں میں نعت سننا یا سنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فلمی دھنوں میں نعت سننا جیسا کہ قوالی وغیرہ میں ہوتی ہے، اسی طرح بعض حضرات نعت سناتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ڈھول کی آواز کے ساتھ مشابہت دیتے ہیں اور لوگ اسے بہت شوق و ذوق سے سنتے ہیں شریعت کی رو سے یہ عمل ثواب کا ہے یا نہیں؟ مستفتی: خالد صاحب ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ نعت جو آپ ﷺ کی مدح پر مشتمل ہوتی ہے، بلاشبہ ذکر ہے خود نعت خواں کے لئے اور سننے والوں کے لئے بھی باعث اجر و ثواب ہے، اس سے آپ ﷺ کیساتھ محبت وعقیدت میں ترقی ہوتی ہے جو کہ عین مقصود اور ایمان کا حصہ ہے۔

لیکن اس میں غیر شرعی چیزوں کی آمیزش مثلاً ڈھول باجوں کی آواز یا نعت خواں اپنی آواز اور لہجہ میں ایسا تکلف کرے تا کہ ڈھول باجوں کے شوقین لوگ بھی مزے سے سنے اور وہی لطف اٹھائے جو میوزک سے وہ لیتے رہتے ہیں تو یہ نہ صرف گناہ بلکہ نعت جیسی عبادت کی گستاخی ہے، آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں جہاں خوش الحانی اور دلکش آواز میں پڑھنے کی اجازت دی ہے

تو ساتھ ساتھ گانے والوں کے لہجہ اور آواز میں پڑھنے سے سختی سے منع بھی فرمایا ہے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح (۱/۱۹۱، طبع سعید)

وعن حذیفۃؓ قال "قال رسول اللہ ﷺ اقرء وا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل الكتابين وسيجئ بعدی قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والنوح لا يجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شأنهم.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو خوب گا گا کر پڑھیں گی اور نوحہ کرنے کی طرح پڑھے گی، ان کی گردن تک بھی قرآن کا اثر نہ پہنچے گا، ان کے دل فتنہ میں (گناہ و معصیت میں) پڑے ہونگے اور وہ لوگ بھی جن کے دل ان کی قراءت کو پسند کریں گے اور سنیں گے، اسی طرح فقہاء کرام نے گانے والوں کے لہجہ میں اذان دینے کو اور ایسی اذان شوق سے سننے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی (ص ۱۰۷، طبع قدیمی)

قوله وهو التطريب اى التغني به بحيث يؤدي الى تغيير كلمات الأذان...... فلا يحل فيه ولا في قرأة القرآن ولا يحل سماعه لان فيه تشبها بفعل الفسقة في حال فسقهم فانهم يترنمون.

اس مسئلہ کے بارے میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دام اقبالہ نوادر الفقہ: (۲/ ۳۵۲ طبع دارالعلوم کراچی) پر لکھتے ہیں: "اس کو شوقِ قسمت کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے کہ اول تو ہم ہر نیک کام سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہیں اور اگر کبھی اچھا کام کرنے کا جذبہ پیدا بھی ہوتا ہے تو اس میں جب تک کچھ ناجائز اور حرام کی آمیزش نہ کرلیں تسکین نہیں ہوتی......

بلاشبہ یہ نعت جیسی روح پرور عبادت کو کھیل تماشا بنانا اور اسکے ساتھ کھلا مذاق ہے...... ایسے نعت گو حضرات کو اس فعل قبیح سے مناسب طریقہ سے روکنا چاہیے اور ان کی ہمت افزائی سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۶۲۲

﴿ کچرے میں گرائی ہوئی اشیاء اٹھانے کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں ایک سرکاری ادارے میں

ملازمت کرتا ہوں وہاں پر باہر سے مشینیں وغیرہ منگوائی جاتی تھی، ان کی پیکنگ کیلئے پلاسٹک کی چادر استعمال ہوتی تھی، مشینیں تو کھول کر لگا دی گئیں ہیں لیکن پیکنگ کی پلاسٹک چادر ایسی ہی بیکار کچرہ میں پھینک دی گئی جو کسی استعمال میں نہیں تھی وہ پلاسٹک کی چادر ہم اپنے ذاتی استعمال کے لئے وہاں سے بلا معاوضہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟

نیز کچھ کاغذ کے ایسے ٹکڑے کہ جس سے ضرورت کے مطابق کاٹ لیا جاتا ہے باقی چھوٹے ٹکڑے پھینک دیے جاتے ہیں ان کو بعد میں کترے والی مشین سے باریک کر کے کچرے میں ڈال دیتے ہیں، وہ چھوٹے ٹکڑے ہم وہاں سے لا کر اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کچرے میں ڈالنا اس بات کی دلیل ہے کہ مالک کو اس چیز کی ضرورت نہیں رہی، اب یہ چیز اگرچہ کارآمد ہے، اس کو لے کر اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۴۳۰

﴿بارات والوں کا راستہ روک کر پیسے وصول کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ بارات جب لڑکی کو لینے آتی ہے تو واپسی میں کچھ لوگ راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں اور بارات کو اس وقت تک جانے نہیں دیتے ہیں جب تک ان سے پیسے (جیریے) وصول نہ کرے لیکن اسمیں ہوتا یہ ہے کہ اکثر خوش دلی سے نہیں دیتے، پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ آپ کے علاقے کا یہ رواج نہ صرف خلاف شرع بلکہ کئی گناہوں پر مشتمل ہے علاقے کے علماء کو چاہیے کہ ترغیب وترہیب سے اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں، اس رواج کے تحت لوگوں سے پیسے وصول کرنا حرام ہے، راستہ روکنا کبیرہ گناہ ہے، لہٰذا ایسے رواجوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی خصوصاً علماء کی ذمہ داری ہے۔

لما فی مشکوۃ المصابیح: (۱/۲۵۵، طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه الخ.

ولما في مشكوة المصابيح: (۱/۱۲، طبع سعيد)

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده المهاجر من هجر مانهى الله عنه هذا لفظ البخاري الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۳۱۳

﴿کمپنی کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ بعض نوجوان مختلف کمپنیوں کے ساتھ بیرون ملک جاتے ہیں چونکہ وقتی طور پر ان کی تنخواہ کم ہوتی ہے، اس لئے کسی بڑی تنخواہ کی غرض سے وہاں جا کر بھاگ جاتے ہیں اور کئی سالوں تک چھپ کر وہی رہتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کے اس عمل اور کمائی کا شرعا کیا حکم ہے؟ نیز کمپنی کے ساتھ جانے والوں کیلئے لائف انشورنس کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر شرکت اور جانے کی اجازت نہیں ہوتی تو کیا یہ لوگ اس گناہ میں شریک ہونگے اور انشورنس کرانے کی صورت میں جو پیسے ملتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ کمپنی والے جس آدمی کو باہر ملک بھیجتے ہیں تو وہ اس سے یہ عہد لے کر بھیجتے ہیں کہ وہاں جا کر کمپنی کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کام کریگا، اب وہاں جا کر کمپنی کی منشاء کے خلاف کسی دوسری جگہ کام کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، جو کہ ناجائز ہے، رہا کمائی کا مسئلہ تو چونکہ وہ اپنی قوت اور وقت صرف کر کے کماتے ہیں، لہٰذا انکی کمائی جائز ہوگی۔

لما في قوله تعالى: (سورة المومنون، آيت ۸) ﴿والذين هم لأماناتهم وعهدهم راعون﴾

لما في البحر: (۸/۳، طبع سعيد)

وأما ركنها فهو الايجاب والقبول والارتباط بينهما وأما شرط جوازها فثلاثة أشياء أجر معلوم وعين معلوم وبدل معلوم ومحاسنها دفع الحاجة بقليل المنفعة وأما حكمها فوقوع الملك في البدلين ساعة فساعة.

رہا لائف انشورنس کا مسئلہ تو علماء ایسی صورت میں کہ بیمہ دار صرف اپنی اصل رقم کی واپسی چاہتا ہو تو اسکی گنجائش بتاتے ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر مجبوری کی وجہ سے کوئی انشورنس کرائے اور پھر اس پر سود نہ لے تو جائز ہے لیکن اس پر زیادتی لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: [illegible]

﴿فاسق کی برائی بیان کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص علی الاعلان تارک صوم وصلوٰۃ ہو تو دوسرے لوگوں کے سامنے ایسے شخص کی برائی بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نماز نہ پڑھنے والا اور روزہ نہ رکھنے والا شخص اگرچہ فاسق کے حکم میں ہے اور فاسق کے بارے میں یہ جو مشہور ہے کہ اس کی غیبت جائز ہے، یہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکے حال کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسکی خیر خواہی اور اصلاح مقصود ہو (جیسا کہ تبلیغ والے احباب کارگزاری میں اپنے بھائیوں کی کمی صرف ان کی اصلاح کی غرض سے یعنی ساتھیوں کو ان کیلئے فکرمند کرنے اور انکو ترغیب دینے کے لئے ملاقاتوں کی ترتیب کی غرض سے بیان کرتے ہیں، البتہ خیر خواہی اور اصلاح سے ہٹ کر اس پر لعن طعن وتشنیع مقصود ہو تو جائز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۹/۵۸۵-۵۸۶،طبع امدادیه)

(وكذا) لا اثم عليه (لو ذكر مساوى أخيه علىٰ وجه الاهتمام لا يكون غيبة. انما الغيبة أن يذكر علىٰ وجه الغضب يريد السب)......ومتظاهر بقبيح.

وفى الشامية: قوله: (لا يكون غيبة) لأنه لو بلغه لا يكره لأنه مهتم به متحزن ومتحسر عليه، لكن بشرط أن يكون صادقا فى اهتمامه، والا كان مغتابا منافقا مرائيا مزكيا لنفسه، لأنه شتم أخاه المسلم واظهر خلاف ما أخفىٰ وأشعر الناس أنه يكره هٰذا الامر لنفسه وغيره وأنه من اهل الاصلاح حيث لم يأت بصريح الغيبة وانما أتىٰ بها فى معرض الاهتمام، فقد جمع أنواعا من القبائح نسأل الله تعالىٰ العصمة......قوله: (ومتظاهر بقبيح) وهو الذى لا يستتر عنه ولا يؤثر عنده اذا قيل عنه انه يفعل كذا اه ابن الشحنة. قال فى تبيين المحارم: فيجوز ذكره بما يجاهر به لا غيره. قال ﷺ "من ألقىٰ جلباب الحياء عن وجهه فلا غيبة له" وأما اذا كان مستترا فلا تجوز غيبته. اه قلت: وما اشتهر بين العوام من أنه لا غيبة لتارك الصلوٰة ان أريد به ذكره بذلك وكان متجاهرا فهو صحيح، والا فلا.

ولمافى البحر:(۸/۲۰۸،طبع سعيد)

وفى فتاوىٰ أهل سمرقند ذكر مساوى أخيه المسلم علىٰ وجه الاهتمام به ليس بغيبة وعلىٰ وجه النقص يكون غيبة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۱۳ ؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۵۱

﴿کسی مسلمان کو گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہو مثلاً نماز نہ پڑھ رہا ہو تو لوگوں کے سامنے کسی مجلس میں اس کو اس گناہ کا طعنہ دینا یا عار دلانا جبکہ وہ سخت پریشان رہا ہو، جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی بھی گناہ کا عار دلانا یا طعنہ دینا ہرگز جائز نہیں ہے حرام ہے، احادیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو عار دلانا اس قدر سنگین جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو موت سے پہلے خود اسی گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

لمافی سنن ابی داود:(۲/۳۲۸،رقم الحدیث:۴۸۹۱،طبع رحمانیه)

حدثنامسلم بن ابراهیم.....عن النبی ﷺقال من رای عورة فسترها کان کمن احیی موؤدة.

ولمافی مشکوٰة المصابیح:(۲/۴۱۳،طبع سعید)

عن خالدبن معدان عن معاذٌقال قال رسول الله ﷺ من عیراخاه بذنب لم یمت حتیٰ یعمله یعنی من ذنب قدتاب منه.

ولمافی الدرمع الرد:(۹/۵۸۷-۵۸۸،طبع امدادیه)

وفیها:الغیبةأن تصف أخاك حال کونه غائبابوصف یکرهه اذاسمعه عن ابی هریرةؓ قال:قال علیه الصلاةوالسلام "أتدرون ماالغیبة؟قالوا:الله ورسوله أعلم،قال:ذکرك أخاك بمایکره.

وفی الشامیة:قوله:(حال کونه غائبا)هذاالقیدمأخوذمن مفهومهااللغوی ولم یذکرفی الحدیث الآتی،والظاهرأنه لوذکره فی وجهه،فهوسب وشتم،وهوحرام ایضا،لأنه أبلغ فی الایذاء من حالْ الغیبةسیماقبل بلوغهاالمغتاب،وهواحدتفسیرین لقوله تعالیٰ:(ولاتلمزواأنفسکم)[الحجرات:۱۱]فقیل هوذکرمافی الرجل من العیب فی غیبته وقیل فی وجهه.....قوله:(بمایکره)سواء کان نقصافی بدنه أونسبه أوخلقه أوفعله أوقوله أودینه حتیٰ فی ثوبه أوداره أودابته کمافی تبیین المحارم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۲۶رجب المرجب ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۲۹۰

﴿علم قیافہ کا مطلب اور حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ علم قیافہ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟

﴿جواب﴾ کسی شخص کے ہاتھ یا پاؤں کے نشانات دیکھ کر تجربہ سے پہچان لینا یا کسی شخص

کے خدوخال اور رنگ وہیئت دیکھ کر اس کی عادات اطوار و کردار کا اندازہ کر لینا اس کو کسی دوسرے کا بھائی، بیٹا یا باپ ٹھہرانا اور کسی خاندان کی طرف اسکی نسبت کر لینا قیافہ کہلاتا ہے، اس کے ذریعے سے جو حکم لگایا جاتا ہے، وہ شرعاً معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ محض ظن وگمان اور تجربہ کے درجہ میں ہوتا ہے، جسکا یقینی ہونا ضروری نہیں لیکن ظن وگمان کے درجہ میں اس کیوجہ سے رائے قائم کرنا منع بھی نہیں ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۳۳۵رقم الحدیث:۶۷۷۰،طبع رحمانیه)

عن عائشة أن النبي ﷺ دخل علی مسرورا تبرق أساریر وجهه فقال الم تری أن مجززا نظر آنفا الی زید بن حارثة وأسامة بن زید فقال ان هذه لأقدام بعضها من بعض.

ولمافی المشکوة:(ص۱۶۸،طبع سعید)

عن عبدالله بن سلام قال:لما قدم النبي ﷺ المدینة جئت فلما تبینت وجهه عرفت أن وجهه لیس بوجه کذاب فکان أول ماقال یاایها الناس أفشوا السلام وأطعموا الطعام وصلوا الأرحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام(رواه الترمذی وابن ماجه)

ولمافی المرقاة:(۴/۳۵۱،طبع رشیدیه)

(فلما تبینت وجهه)أی ابصرت وجهه ظاهرا وقیل تأملت وتفرست بامارات لائحة فی سیماه وأصل معناه تکلفت فی البیان ...الخ

ولمافی عمدة القاری:(۲۳/۲۰۹،طبع رشیدیه)

وقال الکوفیون والثوری وأبو حنیفة وأصحابه الحکم بها باطل لأنها حدس ولایجوز ذلک فی الشریعة ولیس فی الحدیث الباب حجة فی اثبات الحکم بها لأن أسامة قد کان ثبت نسبه قبل ذلک الی قول أحد،وانما تعجب من اصابة مجزز کمایتعجب من ظن الرجل الذی یصیب ظنه حقیقة الشئی الذی یظنه ولایجب الحکم بذلک وترک رسول الله ﷺ الانکار علیه لأنه لم یتعاط بذلک اثبات مالم یکن ثابتا وقد قال الله تبارک وتعالی:ولاتقف مالیس لک به علم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:حبیب الوہاب سواتی

۱۳جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۲۵

﴿الیکشن کے متعلق چند سوالات کے جوابات﴾

﴿سوال﴾(۱)کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موجودہ دور کے انتخابات میں ووٹوں کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟(۲)مروجہ انتخابات اسلامی ہیں یا غیر اسلامی اگر

غیر اسلامی ہیں تو ان میں حصہ لینا کیسا ہے؟ (۳) اگر کوئی شخص ووٹ استعمال نہ کرے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ (۴) انتخابات میں امیدوار کا خود کو نامزد کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) الیکشن کے موقع پر بعض امیدوار ووٹوں کے بدلے رقم تقسیم کرتے ہیں، پھر وہ رقم کبھی انفرادی طور پر لوگوں کو دی جاتی ہے اور کبھی اجتماعی رفاعی کاموں مثلاً مسجد، سکول، ٹیوب ویل وغیرہ پر خرچ کی جاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً اس رقم کا لینا دینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) ووٹ شرعاً تین حیثیتیں رکھتا ہے:

(۱) ووٹ کی ایک حیثیت شہادت کی ہے یعنی ووٹر امیدوار کے حق میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ واقعی وہ اس منصب کا اہل ہے جس کے لئے اس نے خود کو نامزد کیا ہے۔

(۲) دوسری حیثیت سفارش کی ہے یعنی ووٹر اس بات کی سفارش کرتا ہے کہ امیدوار کو ہمارا نمائندہ منتخب کیا جائے۔ (۳) تیسری حیثیت حقوق مشترکہ میں وکالت کی ہے، ہر اعتبار سے جس طرح نیک، صالح، دیانت دار اور قابلیت رکھنے والے شخص کو ووٹ دینا موجب ثواب ہے، اس طرح نااہل اور بے دین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت، بری سفارش اور ناجائز وکالت ہونے کی بناء پر شرعاً سخت گناہ ہے۔

لمافی قوله تعالی: (سورة الطلاق، آیت ۲) واقیموا الشهادة لله..... الآیة.

ولمافی قوله تعالی: (سورة الحج، آیت ۳۰) واجتنبوا قول الزور..... الآیة.

ولمافی قوله تعالی: (سورة النساء، آیت ۸۵)

من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها ..... الآیة.

(۲) موجودہ جمہوری طرز انتخاب اگرچہ اسلامی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس نیت کیساتھ حصہ لے کہ پارلیمنٹ میں جا کر عدل وانصاف کے قیام اور اسلامی شعائر کی حفاظت کے علاوہ حتی الوسع اس غیر اسلامی نظام کو بدلنے کی بھی کوشش کرے گا تو اس کے لئے اس میں حصہ لینے کی گنجائش ہے۔

لمافی الاشباہ: (ص ۹۱، طبع قدیمی)

من ابتلی ببلیتین وهما متساویتان یاخذ بایتهما شاء، وان اختلفا یختار اهونهما.

(۳) اگر کسی شخص کے ووٹ نہ ڈالنے سے نااہل، بے دین یا ظالم کے تسلط کا یقین ہو تو ایسی

صورت اس کے مقابل کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا واجب ہے، البتہ اگر نامزد افراد میں کوئی بھی اہل نہ ہو تو اپنی رائے کو محفوظ رکھنا یعنی ووٹ نہ ڈالنا بھی جائز ہے۔ کذا فی امداد المفتیین: (۲/۴۳۷، طبع دارالاشاعت)

ولمافی قوله تعالى:(سورة البقرة،أيت ٢٨٢)ولا يابى الشهداء اذامادعوا......الأية.

ولمافی قوله تعالى:(سورة البقرة،أيت ٢٨٣)

ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه أثم قلبه...... الأية.

ولمافی احكام القرآن للتهانوی:(١/٢٢٠-٢٢١،طبع ادارة القرآن)

وانما يلزم الشاهد اثبات الشهادة ابتداء واقامتها على طريق الايجاب اذالم يجد من يشهد غيره وهو فرض على الكفاية...... متى قام به البعض سقط عن الباقين.

ولمافی فقه السنة:(٣/٣٢٦،طبع دار الكتب پشاور)

وانما تجب متى قدر على ادائها بلا ضرر يلحقه فى بدنه اوعرضه اوماله اواهله لقوله تعالى:ولا يضار كاتب ولا شهيد،ومتى كثر الشهود ولم يخش على الحق أن يضيع كانت الشهادة فى هذه الحالة مندوبة ان تخلف عنها لغير عذر لم يأثم.

ولمافی احكام القرآن للجصاص:(١/٢٩،طبع قديمی)

فنهى الله تعالى الشاهد بهذه الأيات عن كتمان الشهادة التى تركها يودى الى تضييع الحقوق.

(۴) اگر کسی شخص کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اس کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کی صورت میں فاسق و فاجر مسلط ہو گا جو لوگوں کے حقوق کو ضائع کرے گا تو امیدوار کے لئے جائز ہے کہ وہ انتخابات میں خود حصہ لے بشرطیکہ اسکی نیت یہ ہو کہ پارلیمنٹ میں جا کر عدل و انصاف کو قائم کرے گا، البتہ اگر نیت دنیاوی عہدہ یا منصب حاصل کرنے کی ہو یا مال جمع کرنا مقصود ہو تو اس نیت سے حصہ لینا حرام ہے۔

لمافی تكملة فتح الملهم:(٣/٢٩٥-٢٩٣،طبع دار العلوم كراچی)

ومن اجل هذه الدلائل اختار أكثر الفقهاء التفصيل فان كان الطالب غير اهل لذلك المنصب من الامامة والقضاء فان طلبه محظور مطلقا وكذلك اذا كان الطلب لحب المال والرئاسة والشرف فانه منهى عنه على الاطلاق،واما اذا كان للاصلاح بين الناس واقامة العدل فليس بمنهى عنه......فتبين بهذا ان مايفعله الناس اليوم فى الانتخابات الديمقراطية من ترشيح انفسهم لشتى المناصب ودعوة الناس فى حقهم ليس من الاسلام فى شئ،لان المقصود بذلك فى الغالب هو طلب المنصب والرئاسة والشرف.

ولمافی اعلاء السنن:(۲۸/۱۵،طبع دارالکتب بیروت)

ولایبعدان یقال ان طلب الامارة والحکومة لحب المال والریاسة والشرف منھی عنه مطلقاسواء کان بالقلب وحده اوباللسان ایضالکونه من ناحیة الدنیالاالدین واما طلبھاالامن حیث الامارة،بل لارادةالاصلاح بین الناس،واقامةالعدل فیھم والقضاء بالحق لمافی العدل من الاجرالجزیل فلیس بمنھی عنه.

(۵) الیکشن کے دوران جورقم تقسیم کی جاتی ہے اس میں قدرے تفصیل ہے اگرانفرادی طور پر کسی علاقے کے سردار یاعام لوگوں کواس غرض سے رقم دی جارہی ہوکہ وہ ووٹ اس کے حق میں استعمال کریں تولینادینادونوں حرام اور رشوت ہیں، اسی طرح اگررقم اجتماعی کاموں کے لئے اسی نیت سے دی جارہی ہوتو دینے والے کوتواسکاثواب نہیں ملے گا۔

البتہ اس رقم کووصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ ووٹ اہلیت رکھنے والے شخص کودیاجائے کیونکہ اس کوناہل سمجھنے کے باوجود محض رقم کے بدلے میں ووٹ دینارشوت ہوگاجوجائزنہیں ہے،ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ رقم اجتماعی رفاعی کاموں کے لئے خالص اللہ کی رضاکیلئے صرف کی جارہی ہواورووٹ لینامقصودنہ ہوتوایسی صورت میں اسکایہ عمل بلاشبہ جائز ہے۔کذافی امداد المفتیین:(۲/۴۲،۷۴۳-۷، طبع دارالاشاعت)

لمافی فقه السنة:(۲/۲۲۶،طبع دارالکتب پشاور)

ومتی تعینت فانه یحرم اخذالاجرةعلیھاالااذاتاذی بالمشی فله اجرمایرکبه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: الحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

۱۶محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۲۲۲

﴿دلال کادھوکہ دے کرکمیشن حاصل کرنابڑاگناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماءکرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جودلال ہے ایسے شخص کوجوزبان سے واقفیت نہیں رکھتاتاجر کے پاس لے کرجاتاہے اورتاجر سے کہتاہے کہ اس کوفلاں چیزجو90روپے کی ہے100روپے کی فروخت کرو10روپے میراکمیشن ہوگا، پوچھنایہ ہے کہ اسکایہ عمل جائز ہے یاناجائز؟

مستفتی: محمدرسول تاجکستانی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دلال کایہ عمل جھوٹ اوردھوکہ ہے،دین اسلام میں دھوکہ

دینا یا جھوٹ بولنا حرام اور سخت گناہ ہے، دھوکہ سے کمایا ہوا مال اصل مالک کو واپس کر دینا ضروری ہے، اس کے بغیر توبہ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء، ایت ۲۹) ﴿یاایها الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾

ولمافی سنن ابی داود:(۱۴۸/۲، طبع رحمانیه)

عبدالله بن عمرو قال:لعن رسول اللهﷺ الراشی والمرتشی کلاهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۲۲۹

﴿کمپنی کا گاڑی انشورنس کروا کر ملازم کو شرائط لگا کر دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہماری کمپنی بعض ملازمین کو بینک سے گاڑی انشورنس پر لیکر دیتی ہے اور گاڑی کی قیمت کا پچاس فیصد کمپنی ادا کر کے باقی پچاس فیصد ملازم کی تنخواہ سے کاٹتی ہے جو تین سال کی مدت میں ملازم سے وصول کیے جاتے ہیں، اسی طرح کمپنی ملازم کے لئے یہ شرط بھی لگاتی ہے کہ اگر اس نے تین سال سے پہلے ملازمت چھوڑ دی تو کمپنی گاڑی کو ضبط کرنے کے ساتھ ملازم کی ادا کی ہوئی قسطیں بھی واپس نہیں کرے گی۔

نیز اس مدت کے دوران اگر گاڑی جل جائے تو انشورنس کی رقم ملازم اور کمپنی کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ان شرائط کے ساتھ ملازم کا کمپنی سے گاڑی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان شرائط میں سے کون سی شرائط جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟

﴿جواب﴾ اگر کمپنی اور ملازم کے درمیان سوال میں ذکر کردہ شرائط کے مطابق معاہدہ طے پاتا ہے تو یہ معاہدہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ بعض ایسی شرائط پر مشتمل ہے جس کی شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مثلاً تین سال کی مدت پوری کرنا اور اس سے پہلے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں ملازم کی ادا کی ہوئی قسطوں کو ضبط کرنے کے ساتھ گاڑی کو بھی واپس نہ کرنا یہ سب ایسی شرائط ہیں جن کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے، لہذا کمپنی اس معاملہ میں اس قسم کی تمام شرائط کو ختم کر دے اور ملازم گاڑی چوری ہونے کی صورت میں انشورنس کی رقم بھی نہ لے، اس لئے کہ انشورنس سود

اور جوئے پر مشتمل ہے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم حرام ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

کمپنی کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ انشورنس نہ کروائیں، نیز ملازم کے ساتھ معاملہ کی ایک جائز صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ گاڑی ملازم کو کرائے پر دیدیں اور تین سال پورے ہونے کے بعد اسے گاڑی کا مالک بنائیں، ایسی صورت میں تین سال کی مدت سے پہلے ملازمت چھوڑنے کی وجہ سے کمپنی گاڑی ضبط کرنا چاہے تو کر سکتی ہے اور ضبط کرنے کی صورت میں وصول شدہ رقم بھی ملازم کو واپس کرنا ضروری نہ ہوگا بشرطیکہ صرف کرایہ ہی وصول کیا ہو۔

لما فی قوله تعالى:(سورة النساء، آیت ۲۹)

یاایها الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل......الآية.

ولما فی قوله تعالى:(سورة البقرة، آیت ۲۷۸)

یاایها الذین امنوا اتقوا الله وذروا مابقى من الربوا......الآية.

ولما فی قوله تعالى:(سورة المائدة، آیت ۹۰)

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون......الآية.

ولما فی روح المعانی:(۲/۱۱۳-۱۱۵، طبع رشیدیه)

وفی حکم ذلک جمیع انواع القمار......وعن ابن سیرین کل شئی فیه خطر فهو من المیسر......ان فیه أکل الاموال بالباطل وانه یدعو کثیرا من المقامرین الی السرقة، وتلف النفس، واضاعة العیال، وارتکاب الامور القبیحة، والرزائل الشنیعة، والعداوة الکامنة والظاهرة، وهذا امر مشاهد لاینکره الا من اعماه الله تعالى واصمه.

ولما فی احکام القرآن للجصاص:(۱/۳۵۰، طبع قدیمی)

ولاخلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار، وقال ابن عباس ان المخاطرة قمار، وان اهل الجاهلیة کانوا یخاطرون علی المال والزوجة، وقد کان ذلک مباحا الی أن ورد تحریمه، وقد خاطره ابوبکر الصدیق المشرکین حین نزلت "الٓمٓ غلبت الروم" وقال له النبی: زد فی الخطر وابعد فی الاجل ثم خطر ذلک ونسخ بتحریم القمار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۲۵

﴿چوری کی بجلی استعمال کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بعض لوگ اپنے گھروں کی بجلی کے میٹر روک

لیتے ہیں یا خراب کر دیتے ہیں یا اس کی رفتار کم کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ بجلی کے کھمبے سے کنڈا لگا کر چوری کی بجلی استعمال کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً ان کا یہ عمل کیسا ہے؟۔

(۲) اسی طرح بعض علاقوں میں بجلی والے میٹر چیک کرنے کے لئے نہیں جاتے اور اپنے دفاتر سے بل بنا کر بھیج دیتے ہیں چاہے بجلی کم استعمال ہو وہ لوگ مقررہ بل ضرور وصول کرتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے زائد بل کی ادائیگی سے بچ جائے تو کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ مستفتی عبدالکریم صاحب

﴿جواب﴾ (۱) واضح رہے کہ حکومت بجلی گیس اور پانی وغیرہ کے بلوں اور دیگر جائز ٹیکسوں کی شکل میں جو رقم عوام سے وصول کرتی ہے وہ قومی خزانے میں جمع کی جاتی ہے اور ملک کے تمام باشندوں کے حقوق اس رقم سے متعلق ہوتے ہیں اگر بعض لوگ اس رقم کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو اس سے محکمہ کو خسارہ ہوگا۔ لہذا میٹر بند کرنا یا اس کی رفتار کم کرنا یا چوری کی بجلی استعمال کرنا چوری ہونے کی وجہ سے حرام ہے جس کی تلافی کا سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ جتنی رقم کسی کے ذمہ محکمہ کی باقی ہو حساب کر کے اتنی رقم اس محکمہ میں جمع کروادی جائے۔

(۲) آج کل دیگر محکموں کی طرح بجلی کے محکمہ میں بھی بعض لوگ اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے سرانجام نہیں دیتے اور بسا اوقات صارفین پر غیر قانونی بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ خصوصاً دور دراز علاقوں کے پسماندہ لوگ اس ظلم کا شکار ہوتے ہیں بجلی کے ملازمین اپنے دفاتر سے ان کے لئے بل بنا کر بھیجتے ہیں ان کا یہ عمل سراسر ظلم اور ناانصافی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے کسی علاقے میں ایسی صورت حال ہو تو علاقہ کے لوگ زائد بل کی ادائیگی سے بچنے کے لئے کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس میں انتہائی احتیاط ضروری ہے تاکہ اجتماعی قومی مال میں خیانت لازم نہ آئے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۳ شعبان ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۷۳۵

﴿چور کے قبضہ سے ملی ہوئی ان چیزوں کا حکم جن کے مالکوں کا علم نہ ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ ہمارے محلے کی مسجد میں عصر کی

نماز کے وقت ایک چور چپل چراتے پکڑا گیا، اس چور کے قبضہ میں جس قدر چپل تھیں وہ ساری اہل محلّہ نے اس سے لے لیں اور جن جن احباب کی جو جو چپل تھی انہوں نے اپنی اپنی چپل لے لی، اب کچھ جوڑے چپل اہل محلّہ میں سے کسی کے نہیں ہیں بہت پوچھ گچھ کی لیکن ان چپلوں کا کوئی مالک نہ مل سکا، اب ان چپلوں کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: وحید الرحمٰن صاحب

﴿جواب﴾ بیان کردہ صورت میں جب بہت معلوم کرنے کے باوجود ان چپلوں کا مالک نہ مل سکا تو شرعاً ایسی چیز کو لقطہ کا حکم دیا جاتا ہے، لہٰذا اصل مالکان کی طرف سے فقراء پر صدقہ کردی جائے۔

لما فی الشامی: (۴/۲۸۳ طبع سعید)

(قوله كمن في يده عروض لايعلم مستحقيها) يشمل ما اذاكانت لقطة علم حكمها وان كانت غيرها فالظاهر وجوب التصدق باعيانها ايضاً (قوله سقط عنه المطالبة) كانه و الله تعالى اعلم لانه بمنزلة المال الضائع والفقراء مصرفه عندجهل اربابه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۹۰

﴿کمپنی کی طرف سے ملازم کا جبری طور پر انشورنس کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دبئی کی ایک کمپنی میں ملازمت اختیار کی کمپنی نے ویزے کی رقم کے ساتھ جبری طور پر زائد رقم وصول کر کے از خود اس کا لائف انشورنس کروالیا، بعد میں اس شخص کا دبئی میں انتقال ہوگیا کمپنی نے انشورنس کی رقم وصول کر کے ورثا کے لئے بھیجی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ورثا کے لئے اس رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں وہ شخص جس کمپنی کا ملازم تھا انشورنس کا معاملہ اس کے اور انشورنس کمپنی کے درمیان ہوا ہے اور پریمیم یعنی قسطوں کی شکل میں جو رقم کمپنی نے ادا کی ہے مذکورہ شخص سے جبراً وصول کی گئی ہے، لہٰذا کمپنی کی طرف سے جو رقم آئی ہے ورثا کے لئے اس رقم کو لینے کی گنجائش ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۳۸

﴿روزانہ سات عجوہ کھجوریں کھانے کے فوائد﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آیا یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جو شخص سات عجوہ کھجوریں کھائے گا تو اس پر جادو اثر نہیں کرے گا؟ اگر واقعی یہ بات حدیث سے ثابت ہے تو برائے مہربانی حدیث کے الفاظ لکھیں اور کتاب کا نام بھی بتائیں۔

﴿جواب﴾ یہ حدیث مبارک صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص ہر صبح سات عجوہ کھجوریں کھالیں تو اس دن کوئی زہر اور جادو اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حدیث مبارک کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

صحیح البخاری:(۲/۸۶۱،باب الدواء بالعجوة للسحر، طبع رحمانیه)

قال عامر بن سعيدعن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصبح كل يوم سبع تمرات عجوة لم يضره فى ذلك اليوم سم ولا سحر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ بھیٹی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۵۴

﴿بھیمۃ موطوءۃ غیر متعینۃ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی دو بکریاں ہیں، ان میں سے ایک کے ساتھ کسی شخص نے بدفعلی کی اور بھاگ گیا، اب پتہ نہیں چل رہا کہ وہ دونوں میں سے کون سی بکری تھی، ان بکریوں کا اب کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس بات کا علم صرف ایک دو افراد کو ہے۔

مستفتی: قاری عبدالستار صاحب

﴿جواب﴾ حدیث پاک میں ایسے جانور کو ذبح کرنے اور جلانے کا حکم آیا ہے لیکن فقہاء کرام نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ اس سے کوئی دوسرا فساد پیدا نہ ہو، فی نفسہ جانور کو ذبح کرنا اور جلانا واجب نہیں ہے۔ مذکورہ صورت میں چونکہ یہ بات اب تک پوشیدہ ہے اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے اور جانور بھی یقینی طور پر متعین نہیں ہے، اسلئے کسی ایک بکری کو بھی ذبح کرنے اور جلانے کا حکم نہیں ہے۔

لمافی الهداية:(۲/۵۰۸،طبع رحمانيه)

ومن وطئ بهيمة فلا حدعليه...... والذى يروى انه تذبح البهيمة وتحرق فلذلك لتطع

التحدث به ولیس بواجب.

ولمافی فتح القدیر:(۲۵۲/۵،طبع رشیدیه)

والذی یروی انه تذبح البهیمة وتحرق فذلک لقطع امتدادالتحدث به کلمارئیت فیتأذی الفاعل به ولیس بواجب.

ولمافی الکفایة:(۵۳/۵،طبع رشیدیه)

(والذی یروی انه تذبح البهیمة)روی عن علی ابن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انه اتی برجل اتی بهیمة فامربالبهیمه فذبحت احرقت بالناروهذالیس بواجب عندنا وتاویله انه فعل کذلک کی لایعیرالرجل بهااذاکانت البهیمة باقیة کذافی المبسوط.

ولمافی الشامی:(۴۲/۴،طبع سعید)

(قوله وتذبح ثم تحرق)ای لتقطع امتدادالتحدث به کلمارئیت ولیس بواجب کمافی الهنایة وغیرها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمد کاشف عزیزغفرلہ ولوالدیہ

۲۷ذی الحجہ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۸۰۴

﴿بجلی کے میٹر کو اندازے سے آہستہ کرنے یا کروانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں الیکٹریشن کا کام کرتا ہوں،لوگ مجھے کہتے ہیں کہ واپڈا والوں نے ظلم شروع کیا ہے اور پرانے میٹر کی جگہ نئے میٹر لگا دیئے ہیں،پرانے میٹر کی رفتار آہستہ تھی اور نئے میٹر کی رفتار بہت تیز ہے اور قیمت بھی 50 گنا زیادہ کردی ہے،ایسی صورت میں میں میٹر کی رفتار آہستہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

نیز ایک آدمی جو تنخواہ دار ہو یا اس کی آمدنی بہت محدود ہو وہ بجلی تو استعمال کرے گا ہی مگر بل اس کی استطاعت سے بڑھ کر آتا ہے وہ پریشان ہوجاتا ہے اور اسکی دیگر ضروریات میں حرج ہوتا ہے تو وہ اپنا میٹر آہستہ کرواسکتا ہے یا نہیں؟   مستفتی:اسرار احمد الیکٹریشن دہلی کالونی

﴿جواب﴾ بلا شبہ واپڈا محکمہ کی بدنظمی،لوگوں پر ظلم وغیرہ سے ہر خاص وعام پریشان ہے اس محکمہ کے ذمہ دار افسران کو عنداللہ اس کا حساب دینا ہوگا بعض اوقات تو حق سے زیادہ بل جاری کردیتے ہیں،ایک عام آدمی اسکی ادائیگی پر مجبور ہوتا ہے،ایسی صورت میں محتاط اندازے سے کسی درجہ میں اپنا حق وصول کرنے کی گنجائش بھی ہے۔

لیکن میٹر کی رفتار کم کرکے اصل معیار پر لانے کے لئے کسی بھی الیکٹریشن کے پاس وہ

آلات نہیں ہیں جو اس کے لئے درکار ہوتے ہیں اور اندازے سے کم زیادہ کرنا جائز نہیں ہے، نیز قانون کی خلاف ورزی بھی ہے، اس لئے ایسے کام سے بچنا ضروری ہے جس میں قانونی گرفت کے علاوہ عنداللہ مؤاخذہ کا بھی اندیشہ ہو۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۱۹

﴿غار حرا میں حضور ﷺ کی عبادت﴾

﴿سوال﴾ نبوت سے قبل حضور پاک ﷺ غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور کافی وقت وہاں گزارتے تھے اس وقت جبکہ نماز کا تصور موجود نہ تھا تو آنحضرت ﷺ کی عبادت کس شکل میں ہوتی تھی، وہ اللہ کی بزرگی اور کبریائی کن الفاظ میں بیان فرماتے تھے؟

مستفتی: کامران کراچی

﴿جواب﴾ نبوت سے قبل آنحضرت ﷺ غار حرا میں عبادت فرماتے تھے لیکن آپ ﷺ کی عبادت کی تفصیل کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملی، البتہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عبادت نفس خلوت کی صورت میں تھی، کیونکہ اس سے قوم اور انکی مشرکانہ خرافات سے اجتناب ہو جاتا تھا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نبوت سے قبل حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شریعت پر تھے، اس لئے کہ نبوت سے قبل آپ ﷺ حج اور طواف فرماتے تھے۔

یہ خلوت اور گوشہ نشینی بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شریعت میں سے تھی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عبادت تفکر ہوا کرتی تھی یعنی آپ ﷺ کائنات اور مصنوعات الٰہیہ میں غور وفکر فرماتے تھے، البتہ نبوت سے قبل آپ ﷺ جن صفات کے حامل تھے ان صفات کا ذکر آتا ہے کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے اور ضعیفوں کا بوجھ اٹھاتے اور محتاجوں کو کما کر دیتے اور مہمان نوازی کرتے اور حق بجانب امور میں کمزوروں کی مدد فرماتے۔

لمافی فتح الملهم:(۲/۲۱۲-۲۱۳،طبع دارالعلوم کراچی)

ولم يأت التصريح بصفة تعبده..... وجاء عن بعض المشايخ انه كان يتعبد بالتفكر و يحتمل ان تكون عائشة اطلقت على الخلوة بمجردها تعبدا، فان الانعزال عن الناس و لاسيما من كان على باطل من جملة العبادة..... الثالث ابراهيم ذهب اليه جماعة واستدلوا بقوله

تعالى (ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا) ـــ ولا يخفى قوة الثالث ولاسيما مانقل من ملازمته للحج والطواف ونحو ذالك مما بقي عندهم من شريعة ابراهيم
ولما في صحيح البخاري:(۲/۱،طبع قديمي)
انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۲صفر۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۹۸

﴿شدید ضرورت کے علاوہ عورتوں کا مرد ڈاکٹر سے علاج کرانا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں صرف ایک ہی ڈاکٹر ہے جس سے ہمارے اور ہمارے آس پاس کے تقریباً تمام گاؤں والے علاج کراتے ہیں، بعض اوقات ایسی بیماری کا علاج بھی کرانا پڑتا ہے جو کہ موضع ستر میں ہوتی ہے حتی کہ گاؤں کی عورتیں بھی اسی سے علاج کراتی ہیں، آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر عورتوں کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو شریعت کی رو سے مرد ڈاکٹر سے انکا علاج کرانا صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں مردوں کا اس ڈاکٹر سے علاج کرانا صحیح ہے، البتہ عورتوں کا علاج مرد ڈاکٹر سے ضرورت شدیدہ کے علاوہ کرانا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ کسی عورت کو طریقۂ علاج سکھایا جائے تا کہ وہ عورتوں کا علاج کرتی رہے، نہیں تو کسی دور علاقہ میں عورت معالجہ کے پاس محرم کے ساتھ جایا کرے۔

لمافي التنوير مع الدر:(۶/۳۷۰-۳۷۱،طبع سعيد)
(ينظر) الطبيب (الى موضع مرضها بقدر الضرورة) اذ الضرورات تتقدر بقدرها وكذا نظر قابلة وختان وينبغي أن يعلم امرأة تداويها لأن نظر الجنس الى الجنس أخف.
وفي الشامية: وقيل: ان الختان ليس بضرورة، لأنه يمكن أن يتزوج امرأة أو يشترى أمة تختنه ان لم يمكنه أن يختن نفسه كما سيأتي وذكر في الهداية الخافضة أيضا لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا يمكن تركها وهي مكرمة في حق النساء أيضا كما في الكفاية ـــ (قوله وينبغي الخ) كذا أطلقه في الهداية والخانية وقال في الجوهرة: اذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر اليه عند الدواء، لأنه موضع ضرورة، وان كان في موضع الفرج، فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فان لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو يصيبها وجع لا تحتمله يستروا منها كل شئ الا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع الا عن موضع الجرح اھ.

فتأمل، والظاهر أن ينبغي هذا للوجوب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ

۳ رجب ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۷۷

﴿نوٹ پاک کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی نوٹ پر مثلاً ہزار یا پانچ ہزار کے نوٹ پر نجاست لگ جائے اور قدر درہم سے زیادہ ہو تو (۱) اگر نجاست ذو جرم ہو اور نوٹ میں جذب نہ ہوئی ہو (۲) نجاست نظر آنے والی ہو اور کچھ جذب بھی ہوگئی ہو (۳) نجاست نظر آرہی ہو مثلاً پیشاب وغیرہ اور وہ نوٹ میں جذب ہو کر خشک ہوگئی ہو۔

ان تمام صورتوں میں نوٹ کو پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر اس کو دھویا جائے تو نوٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہے اگر نہ دھوئیں تو یہ جس کی بھی جیب میں ہوگا، اس کی نماز خراب ہوجائیگی؟ اس صورت میں اس کو کس طرح پاک کیا جائے؟　　　　مستفتی: فیاض احمد

﴿جواب﴾ نجاست لگے ہوئے نوٹ کو صاف کرنا ضروری ہے، ذی جرم نجاست میں بھی تری ہوتی ہے، ورنہ تو نوٹ کو کیسے لگتی ہے؟

نوٹ صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ظاہری نجاست کسی نرم چیز سے مثلاً ٹیشو پیپر کے ذریعے دور کریں، پھر اس پر کئی بار پانی ڈالتے رہیں یہاں تک کہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے اس سے نوٹ خراب نہیں ہوتا، البتہ رگڑنے سے نوٹ خراب ہوگا لیکن رگڑنا کوئی ضروری نہیں ہے اور مٹی کے تیل سے بھی نوٹ صاف کرایا جاسکتا ہے، آپ کو نوٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور ہمیں خراب نہ ہونے کا مشاہدہ ہے، لہٰذا آپ کے اندیشہ کا اعتبار نہیں ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (۱/۳۲۸، طبع سعید)

(وكذا يطهر محل نجاسة) اما عينها فلا تقبل الطهارة (مرئية) بعد جفاف كدم (بقلعها) اى بزوال عينها وأثرها ولو بمرة او بما فوق ثلاث في الاصح.

وفي الشامية: (قوله بقلعها) فيه ايماء الى عدم اشتراط العصر، وهو الصحيح على مايعلم من كلام الزيلعي..... (قوله ولو بمرة) فيه ان زال عين النجاسة بمرة واحدة تطهر، سواء كانت تلك الغسلة الواحدة في ماء جار او راكد كثير او بالصب او في اجانة، أما الثلاثة الاول فظاهر، واما الاجانة فقد نص عليها في الدرر حيث قال: غسل المرئية عن

الثوب فی اجانة حتی زالت طهراه.

ولمافی الشامی:(۱/۳۳۳-۳۳۲،طبع سعید)

(قوله ممایتشرب النجاسة الخ)حاصله كمافی البدائع أن المتنجس اماان لايتشرب فيه اجزاء النجاسة أصلا كالأوانی المتخذة من الحجر والنحاس والخزف العتيق، او يتشرب فيه قليلا كالبدن والجف والنعل اويتشرب كثيرا،ففی الاول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية......واما فی الثالث،فان كان ممايمكن عصره كالثياب فطهارته بالغسل والعصر الی زوال المرئية وفی غيرها بتثليثهما،وان كان ممالا ينعصر كالحصير المتخذ من البردی ونحوه ان علم انه لم يتشرب فيه بل أصاب ظاهره يطهر بازالة العين أوبالغسل ثلاثا بلا عصر.

أقول:لكن قدعلمت ان المعتبر فی تطهير النجاسة المرئية زوال عينها ولو بغسلة واحدة ولو فی أجانة كمامر،فلايشترط فيها تثليث غسل ولا عصر،وأن المعتبر غلبة الظن فی تطهير غير المرئية بلا عدد علی المفتی به أومع شرط التثليث علی مامر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: [illegible] عفا اللہ عنہ

۱۴رجب۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۳۳۷۱

﴿موبائل میسج کے ذریعہ آیات قرآنیہ، احادیث، اقوال زرّیں وغیرہ بھیجنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان چند مسائل کے متعلق کہ آجکل عام طور پر لوگ موبائل کے ذریعہ ایک دوسرے کو آیات قرآنیہ، احادیث، اذکار، اقوال زرّیں، اصلاحی باتیں وغیرہ بھیجتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ ٹی وی پر ایک مولوی صاحب نے اسکو ناجائز کہا ہے کہ یہ دین کا مذاق اڑانا ہے اور کیا آیات قرآنیہ کو بغیر وضوء کے میسج میں لکھنا جائز ہے؟ اسی طرح موبائل کی اسکرین پر بغیر وضوء کے ہاتھ رکھنے کا جبکہ اسمیں آیات قرآنیہ نظر آرہی ہوں کیا حکم ہے؟ نیز میسج کے ذریعہ اپریل فول منانا کیسا ہے؟ مستفتی: محمد یوسف صاحب راولپنڈی

﴿جواب﴾ سوال میں مذکورہ تمام امور (سوائے اپریل فول منانے کے) فی نفسہ جائز ہیں بلکہ اگر اصلاح کی نیت سے ہوں تو اجر بھی ملے گا، البتہ قرآنی آیات واحادیث کے میسج کرنے میں مخاطب کی طلب کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کے دل میں قرآن وحدیث کی وقعت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو میسج کرنے میں کوئی حرج نہیں قرآنی آیات واحادیث کو محاورے اور مذاق کے طور پر استعمال کرنا بڑا خطرناک ہے، نیز بغیر تحقیق کے حدیث کا حوالہ دینا بھی ناجائز ہے۔

قرآنی آیات کو بغیر وضوء کے میسج کرنا یا سکرین پر آیات ہوتے ہوئے اس کو چھونا اگر چہ جائز ہے لیکن زیادہ ادب اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ نہ لگائے۔

اپریل فول منانا موبائل کے ذریعہ ہو یا بغیر میسج کے انتہائی گھٹیا حرکت اور حرام ہے فول کا مطلب بیوقوف بنانا یہ نصاریٰ کی رسم ہے مسلمانوں کو اس سے اجتناب لازم ہے، یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ جھوٹ بول کر دوسرے کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر کے اس کو پریشان کرنے کو باعث فخر سمجھا جائے اور خود اپنے لئے بھی سوائے جہنم کے ٹھکانے کے کچھ حاصل نہ ہو۔

ولمافی سنن ابی داؤد:(۳۳۷/۲،طبع رحمانیه)

عن سفیان بن اسید الحضرمیؓ قال :سمعت رسول الله ﷺیقول:کبرت خیانةان تحدث اخاك حدیثأهولک به مصدق وانت له به کاذب.

ولمافی سنن ابی داؤد:(۳۳۹/۲-۳۴۰،طبع رحمانیه)

عن بهزبن حکیم قال حدثنی ابی عن ابیه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک به القوم ویل له ویل له---عن ابی هریرةان النبی ﷺ قال:کفیٰ بالمرأاثماًان یحدث بکل ماسمع.

ولمافی مشکوٰةالمصابیح:(۳۷۵/۲،کتاب اللباس،طبع سعید)

عن ابن عمرؓقال:قال رسول الله ﷺ:من تشبه بقوم فهومنهم.(رواه احمدوأبوداؤد)

ولمافی التنویرمع الدر:(۱۷۵/۱،طبع سعید)

(و)لاتکره(کتابةقرآن والصحیفةاواللوح علی الارض عندالثانی)خلافاًلمحمدؒ.

وفی الشامیة:(قوله خلافاًلمحمد)حیث قال احب الی ان لایکتب لانه فی حکم الماس للقرآن حلیةعن المحیط قال فی الفتح:والاول اقیس،لانه فی هذه الحالةماس بالقلم وهوواسطة منفصلةفکان کثوب منفصل الاان یمسه بیده---(قوله علی الصحیفة) قیدبهالان نحواللوح لایعطی حکم الصحیفة،لانه لایحرم الامس المکتوب منه ط.

ولمافی الهندیة:(۳۲۲/۵-۳۲۳،طبع رشیدیه)

ولوکان فیه اسم الله تعالیٰ اواسم النبی ﷺ یجوزمحوه لیلف فیه شیء کذافی القنیة ولو محالوحاًکتب فیه القرآن واستعمله فی امرالدنیایجوزوقدوردالنهی عن محواسم الله تعالیٰ بالبزاق کذافی الغرائب---ولوکتب علی خاتمه اسمه اواسم الله تعالیٰ اومابداله من اسماء الله تعالیٰ نحوقوله حسبی الله ونعم الوکیل اوربی الله فانه لا بأس به ویکره لمن لایکون علی الطهارةان یاخذفلوساعلیهااسم الله تعالیٰ کذافی قاضیخان.

ولما فی الاشباہ والنظائر (ص ۲۲-۳۱-۳۳ طبع قدیمی)

لاثواب الا بالنیة ـــ الامور بمقاصدها ـــ الشئ الواحد یتصف بالحل والحرمة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۷۷

﴿بچے کو نماز کا حکم دینے کی مدت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں آتا ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو تو نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کا ہو تو نہ پڑھنے پر مارنے کا حکم ہے تو اس سے مراد ساتواں سال شروع ہو جائے یا سات سال پورے ہو جائے؟ مستفتی: ظاہر محمد راجہ قلاور

﴿جواب﴾ حدیث شریف میں بچے کو نماز کا حکم دینے کے بارے میں سات سال کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ سات سال پورے ہو جائے اور مارنے کے بارے میں بھی جو دس سال کا ذکر ہے اس سے مراد دس سال پورے ہو جائے۔

لما فی التنویر مع الدر (۱/ ۳۵۲ طبع ایچ ایم سعید)

(وان وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة) لحدیث "مروا اولادکم بالصلوٰة وهم ابناء سبع واضربوهم علیها وهم ابناء عشر.

وفی الشامیة: ولفظه "علموا الصبی الصلاة ابن سبع واضربوه علیها ابن عشر" وقال حسن صحیح، وصححه ابن خزیمة والحاکم والبیهقی اهـ والظاهر ان الوجوب بعد استکمال السبع والعشر بان یکون فی اول الثامنة والحادیة عشر کما قالوا فی مدة الحضانة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۹

﴿دوران تلاوت آپ ﷺ کا نام مبارک آنے پر درود پڑھنا واجب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو اور اسی دوران نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک آجائے تو کیا ایسا شخص اسی وقت درود پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوران تلاوت درود پڑھنا کیسا ہے؟ مستفتی: محمد زاہد منگو

﴿جواب﴾ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہی پہلی بار ایک مرتبہ سننے والے پر شرعاً درود

وسلام پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، اسی مجلس میں دوبارہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ ہر بار درود شریف پڑھنا مستحب اور افضل ہے لیکن دوران تلاوت اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک آجائے تو درود وسلام پڑھنا واجب نہیں ہوگا، البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ جب تلاوت سے فارغ ہو جائے تو بعد میں درود وسلام پڑھ لے۔

لمافی الشامی:(۵۱۹/۱،طبع سعید)

ولوقرأالقرآن فمرعلى اسم نبي فقراءةالقرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلوة على النبي ﷺفي ذلك الوقت،فان فرغ ففعل فهوافضل والافلاشيء عليه كذافي الملتقط اهـ.

ولمافي الهندية:(۵/۳۱۵-۳۱۶،طبع رشيديه)

ولوسمع اسم النبي ﷺوآله واصحابه وهويقرألايجب ان يصلي وان فعلي ذلك بعد فراغه من القرآن فحسن كذافي الينابيع

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ فتوی نمبر: ۲۶۲۰

﴿آپ ﷺ کو غسل دینے کی سعادت کن حضرات نے حاصل کی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت کس نے حاصل کی؟ اور نماز جنازہ کی امامت کس نے فرمائی؟

﴿جواب﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا حضرت عباس اور انکے صاحبزادے فضل اور قثم رضوان اللہ علیہم آپ ﷺ کی کروٹیں بدل رہے تھے، اسامہ بن زید اور صالح رضی اللہ عنہما پانی ڈال رہے تھے، تجہیز و تکفین کے بعد آپ کی چارپائی مبارک کو حجرہ میں رکھ دیا گیا، لوگ جماعت در جماعت داخل ہوتے رہے اور آپ ﷺ پر نماز جنازہ پڑھتے رہے، مردوں کے فارغ ہونے کے بعد عورتیں داخل ہوتیں، جب وہ فارغ ہوتیں تو بچے داخل ہوتے اور نماز جنازہ پڑھتے باقاعدہ نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھائی بلکہ سب نے الگ الگ پڑھی لوگوں میں جو مشہور ہے کہ آپ پر صرف درود وسلام پڑھا گیا ہے، یہ بعض حضرات کا قول ہے، جمہور حضرات کا صحیح قول اور مذہب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر باقاعدہ نماز جنازہ انفراداً پڑھی گئی ہے۔

لمافی اعلاء السنن:(۱/۱۵۲، طبع دار الکتب العلمیة)

عن عبدالله بن الحارث قال غسل النبی صلی الله علیه وسلم علی رضی الله عنه وعلیٰ یدعلی رضی الله عنه خرقة یغسله والقمیص علیه رواه الحاکم......سکت عنه الحافظ ولم یتعقبه بشی، فہوصحیح اوحسن.

ولمافی البدایة والنهایة:(۵/۲۶۸، طبع رشیدیه)

فاسنده علی رضی الله عنه الی صدره وعلیه قمیص وکان العباس وفضل وقثم یقلبونه مع علی رضی الله عنه وعنهم وکان اسامة بن زیدؓ وصالح مولاہ هما یصبان الماء وجعل علی رضی الله عنه یغسله ولم یرمن رسول الله صلی الله علیه وسلم شیأ مما یری من المیت.

ولمافی اعلاء السنن:(۸/۲۷۷، طبع دار الکتب العلمیة)

وقال مالک رحمه الله فی المؤطا(۸۰)انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم توفی یوم الاثنین ودفن یوم الثلثاء وصلی علیه الناس افذاذاً لا یؤمهم احدفقال ناس یدفن عند المنبر......وفی التلخیص الجیر......قال ابن دحیه الصحیح ان المسلمین صلواعلیه افراداًلا یؤمهم احدوبه جزم الشافعی.

ولمافی اوجزالمسالک:(۴/۳۶۵، طبع دار الکتب العلمیة)

قال عیاض الصحیح الذی علیه الجمهوران الصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم کانت صلوة حقیقیة لا مجرد الدعاء فقط انتهی.

ولمافی البدایة والنهایة:(۵/۲۷۵، طبع رشیدیه)

عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنه قال لمامات رسول الله صلی الله علیه وسلم ادخل الرجال فصلواعلیه بغیرامام ارسالاً حتی فرغواثم ادخل النساء فصلین علیه ثم ادخل الصبیان فصلواعلیه ثم ادخل العبیدارسالاًلم یأمهم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم احد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر:۲۱۱۹

خطبہ نکاح کے دوران باتیں کرنا ممنوع ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں جب مولوی صاحب نکاح پڑھاتے ہیں تو دوران خطبہ لوگ آپس میں باتیں کرتے رہتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ صرف جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے یا نکاح کا خطبہ بھی سننا واجب ہے؟

جواب جس طرح جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے، اسی طرح خطبہ نکاح بھی سننا واجب

ہے، خطبہ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے سخت گنہگار ہونگے۔

لمافي الشامي:(۱/۵۴۵،طبع سعيد)

وكذايجب الاستماع لسائرالخطب كخطبة نكاح وخطبة ختم وعيدعلى المعتمد.

ولمافي البحر الرائق:(۲/۱۶۹،طبع سعيد)

وفي خزانة الفقه لأبي الليث الخطب ثمان خطبة الجمعة وخطبة عيدالفطر والأضحى وخطبة الجمعة وخطبة الاستسقاء وخطبة النكاح.

ولمافي الهندية:(۹/۱۴۷،طبع رشيديه)

ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلوة حتى لاينبغي ان ياكل اويشرب والامام في الخطبة هكذافي الخلاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۵۸

﴿بغیر طہارت کے نماز پڑھنا سخت گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کو ایک مرتبہ غسل کی حاجت لاحق ہوئی، ساتھیوں نے نماز کیلئے اٹھایا میں باتھ روم گیا لیکن وہاں غسل کیلئے پانی نہیں ملا اور اگر میں مشین چلاتا تو نماز کا وقت بھی نکل جاتا، میں نے شرم کیوجہ سے ساتھیوں کے ساتھ بغیر غسل کے نماز پڑھی، تو کیا اس صورت میں میرا ایمان باقی رہا؟ اور اس نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں آپ کیلئے ضروری تھا کہ شرم کی پرواہ کئے بغیر غسل کرتے اگر چہ نماز کا وقت نکل جاتا، آپ نے جو بغیر غسل کے نماز پڑھی ہے یہ سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اس پر توبہ واستغفار لازم ہے، آئندہ کے لئے اس کا خیال رکھیں، تاہم ایمان آپ کا باقی ہے اور وہ نماز چونکہ بغیر طہارت کے پڑھی تھی اس لئے دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

لمافي قوله تعالى:(سورة المائدة آيت ۶)

﴿"يأيها الذين آمنوا اذاقمتم الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم......وان كنتم جنبا فاطهروا......الأية.﴾

لمافي الدرمع الرد:(۱/۸۱،طبع ايچ ايم سعيد)

وبه ظهران تعمدالصلاة بلاطهرغير مكفر كصلاته لغير القبلة أومع ثوب نجس وهو ظاهر المذهب كمافي الخانية.

وقال الشامية:(قوله كما في الخانية)حيث قال بعدذكره الخلاف في مسألة الصلاة بلاطهارة وأن الاكفارروايةالنوادروفي ظاهرالرواية لايكون كفرأوانما اختلفوااذاصلى لاعلى وجه الاستخفاف بالدين،فان كان على وجه الاستخفاف ينبغي أن يكون كفراعندالكل اه.

ولمافي التنويرمع الدر:(۱/۴۰۲،طبع ايچ ايم سعيد)

ثم الشرط لغة العلامة اللازمة،وشرعا مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه(هي) ستة(طهارةبدنه من حدث)بنوعيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۵۷

﴿سودا فسخ ہونے کے بعد بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کیساتھ میرا کچھ سودا ہوا، تو اس شخص نے سودے کو کینسل کیا میں نے سودے میں بیعانہ کی رقم سودا کینسل ہونے پر ڈبل لینا چاہا تو بعض ساتھیوں نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے، حالانکہ جو شخص معاہدہ توڑ کر وعدہ خلافی کرتا ہے سودا منظور کرنے کے بعد کینسل کر کے فریق مخالف کو سخت ذہنی اذیت اور مالی پریشانی میں مبتلا کرتا ہے، اس پر جرمانہ کے طور پر ڈبل رقم لینا کیوں جائز نہیں؟ وعدہ خلافی معاہدہ توڑ کر کسی مسلمان بھائی کو اذیت میں مبتلا کرنے والے کو سرزنش اور نصیحت کس طرح ہو؟ ورنہ وہ ہر کسی کے ساتھ اسی طرح کریگا۔ بینوا توجروا

مستفتی: محمد عبداللہ صدر کراچی

﴿جواب﴾ ایجاب وقبول سے عقد ہو جاتا ہے یعنی سودا پختہ ہو جاتا ہے، اب دونوں میں کسی ایک کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ سودے سے انکار کرے عقد کی حیثیت صرف وعدہ کی نہیں ہے بلکہ وعدہ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ لوگوں میں خدا کا خوف نہ رہا اور قانونی گرفت کا بھی کسی کو کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے تو یہ پریشانیاں ہیں۔

سودا کرنے کے بعد مشتری اگر باقی پیسہ اداء نہیں کرتا اور آپ کو بھی با دل نخواستہ اب سودا فسخ کرنا منظور ہو تو بیعانہ آپکا حق نہیں بنتا پورا بیعانہ واپس لوٹانا واجب ہے البتہ واپس کرنے کے ارادہ سے ایک مدت تک آپ روکے رکھو اور واپس کرنے کا ارادہ بیشک اس پر ظاہر نہ کرے تاکہ اس کو سبق ملے لیکن بعد میں لوٹانا بہر حال ضروری ہے۔

(بداية المجتهد ونهاية المقتصد كتاب البيوع، ص۳۸۵، رشيدة)

ومن هذا الباب بيع العربان مجمهور علماء الامصار على انه غيرجائز، ...... وصورته :أن يشترى الرجل شيأ فيدفع الى المبتاع من ثمن ذلك المبيع شيأ على انه ان نفذ البيع بينهما كان ذلك المدفوع من ثمن السلعة وان لم ينفذ ترك المشترى بذلك الجزء من الثمن عند البائع ولم يطالبه به ،وانما صار الجمهور الى منعه لانه من باب الغرر والمخاطرة واكل المال بغير عوض

(لما فى حجة الله البالغة :جزء الثانى ،ص ۱۹۱ البيوع المنهى عنه قديمى)

ونهى عن بيع العربان ان يقدم اليه شئى من الثمن فان اشترى حسب من الثمن والا فهو له حجانا وفيه معنى الميسر ......الخ

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر ۴۱۸۳

﴿سودا مکمل ہونے کے بعد اس سے انکار جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک دوکاندار سے گنا خریدنے کیلئے فون پر بات کی تو اس نے کہا کہ فی کلو ۲۰ کا ہے، میں نے کہا میں خریدتا ہوں جتنا گنا آپ کے پاس ہے میرا ہو گیا اتنے میں گنے کی قیمت بڑھ گئی اب وہ دوکاندار مجھے ۲۰ روپے فی کلو پر نہیں دیتے کہتا ہے قیمت میں اضافہ ہوا ہے پوچھنا یہ ہے کہ یہ بیع مکمل ہوگئی تھی یا نہیں؟ اور دوکاندار کا یہ کہنا کہ میں ۲۰ پر دینے کیلئے تیار نہیں ہوں کہاں تک درست ہے۔ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔　　　مستفتی: نور محمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں بائع کیلئے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک سودا مکمل ہے البتہ امام صاحب کا قول اس کے خلاف ہے لیکن اس مسئلے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

لما فى التنوير مع الرد :(۵۲۹/۴ طبع:سعيد كراچى)

(و)صح(فى صاع فى بيع صبرة كل صاع بكذا و)صح(فى الكل ان سمى جملة قفزانها)الى خيار لو عند العقد وبه لو بعده فى المجلس اوبعده عندهمابه يفتى فان رضى هل يلزم البيع بلارضا البائع ؟الظاهر نعم نهر......وفى الشامى والحاصل:انه ان لم يسم جملة المبيع وجملة الثمن صح فى واحد ،وان سمى احدهما صح فى الكل كما لو صح الكل ......(قوله وبه يفتى)عزاه فى الشرنبلالية الى البرهان وفى النهر عن عيو

ن المذاهب وبه يفتي، لا لضعف دليل الامام بل تيسيرا اھ... قلت: لكن رجح في الفتح قوله وقوى دليله على دليلهما ... ولعله من حيث قوة الدليل ولا ينافي ترجيح قولهما من حيث التيسير ثم رأيته في شرح الملتقى افاد ذلك وظاهره ترجيح التيسير على قوة الدليل.

ولما في البحر: (۲۸۴/۵، طبع: سعيد كراچی)

(قوله ومن باع صبرة كل صاع بدرهم صح في صاع) يعني عند ابي حنيفة الا ان يسمى جميع قفزانها او جميع ثمنها وقالا يصح مطلقا له انه تعذر الصرف الى الكل لجهالة المبيع والثمن فينصرف الى الاقل وهو معلوم ... وظاهر ما في الهداية ترجيح قولهما لتأخيره دليلهما كما هو عادته وقد صرح في الخلاصة في نظيره بان الفتوى على قولهما ... قال الفقيه ابو الليث والفتوى على قولهما تيسير الامر على المسلمين وفي فتح القدير: (۲۵۰/۶، طبع: رشيديه) وتفريع الصدر الشهيد اوجه اھ

الجواب صحیح مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب [illegible]

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۲۵

﴿ایک آدمی کا حدیث سے غلط کا استدلال اور اس کا جواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے یہاں ایک آدمی اس حدیث شریف "**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف شعرا و لا ثوبا**" جس کا ترجمہ اس نے یوں کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم ہوا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور بال یا کپڑا نہ موڑوں" صحیح البخاری (۱۱۳/۱) سے استدلال کر کے کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے پہلے شلوار موڑنا جائز نہیں ہے جبکہ بڑے بڑے علماء اور عوام الناس بھی اس میں مبتلا ہیں۔ برائے کرم اس سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ شلوار، پائجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا سخت گناہ ہے، آپ علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ناراضگی کی وجہ سے نظر بھی نہیں فرمائیں گے اور یہ حکم عام حالات میں ہے نماز میں اس گناہ کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔ لہذا شلوار، لنگی یا پائجامہ کو ٹخنوں سے اوپر تک اٹھانا بہت ضروری ہے اور نماز میں تو اور بھی زیادہ اس کا خیال رکھنا چاہیے، اور سوال میں جس

حدیث مبارک کا حوالہ دیا گیا ہے تو حدیث بلا شبہ صحیح اور قابل عمل ہے لیکن اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ نماز سے پہلے ٹخنوں کو کھلا رکھنے کی غرض سے شلوار موڑنا منع ہے تو یہ سراسر جہالت ہے۔ الحمد للہ احادیث کی مستند شروحات میں کسی ایک شارح نے بھی اس حدیث کا اس طرح مطلب نہ لیا ہے اور نہ ہی ایسا مطلب لیا جا سکتا ہے بلکہ یہاں تو دوران نماز بال اور کپڑوں کو سمیٹنا مراد ہے، بعض لوگ سجدہ کرتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹتے ہیں تاکہ گرد و غبار نہ لگے تو آپ علیہ السلام اس فعل سے منع فرمارہے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے جہاں چہرہ زمین پر اللہ رب العزت کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ رکھ دیا تو بال اور کپڑے بھی زمین پر بچھ جائیں تو یہ عمدہ سجدہ ہے چنانچہ تمام محدثین نے ایسی وضاحت فرمائی ہے۔ معلوم نہیں ان لوگوں نے حدیث کا یہ غلط مطلب کہاں سے نکال دیا ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۳۸۳/۲،طبع:رحمانیه،لاہور)

عن ابی هريرة رضى الله عنه عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الكعبين من الازار ففی النار.عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لا ينظر الله يوم القيامة الی من جر ازاره بطراً.

ولمافی حاشیة البخاری:(۱۱۳/۱،طبع:قدیمی)

قوله ولا يكف شعره ولا ثوبه أی لا يضمهما وقاية لهما عن التراب بل يتركهما حتی يقعا علی الارض كذا فی المجمع.

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۵۲۰/۲، ۵۲۱،طبع:رشیدیه)

وامرت ان لا نكفتهما بل نتركهما حتی يقعا علی الارض يسجد بجميع الاعضاء والثياب، قال الطيبی:فيهذا الحديث قالوا يكره عقص الشعر وعقده خلف القفار ورفع الثياب عند السجود،قال ابن حجر يكره باتفاق العلماء تنزيها ضم شعره وثيابه فی الصلاة وان لم يتعمد ذلك بان كان قبل الصلاة لشغل وصلی علی حاله خلافا لمالك وحكمة النهی عن ذلك منعه من ان يسجد معه ،كذا قالوا ومن حكمته ايضاً منافاة ذلك للخشوع ان فعله فی الصلاة اولهيئة الخاشع ان لم يفعله فيها.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ　　　　فتوی نمبر: ۴۱۷۹

﴿اسلام میں کسی بھی شخص پر جادو یا سفلی عمل کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

ایک آدمی دوسرے شخص پر ذاتی حسد و بغض کی وجہ سے بار بار جادو کرتا ہے اب اگر یہ شخص (جس پر جادو کیا جاتا ہے) اپنے نفس کی دفاع کے خاطر الٹا اپنے مد مقابل پر کسی عامل سے جادو کرائے تو آیا اس طرح کرنے سے یہ شخص گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: شاکر اللہ

﴿جواب﴾ کسی پر جادو یا سفلی عمل جائز سمجھ کر اگر کوئی کرتا ہے تو کفر ہے اور اگر گناہ سمجھ کر کرتا ہے تو کرنے والا کافر تو نہیں لیکن بہت بڑے گناہ کا ارتکاب ہے جادو چونکہ ایک مخفی عمل ہے اس لیے یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں نے جادو کیا ہے یا کسی سے کروایا ہے محض ایک بدگمانی ہے جسکی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہے آجکل جعلی عاملوں کا یہ عام شیوہ ہے کہ مرض ہو یا واقعی کسی برے عمل کا اثر ہر ایک کو یہی بتاتے ہیں کہ تجھ پر جادو ہوا ہے اور مزید غیب کا بھی دعوی کرتے ہیں کہ قریبی رشتہ داروں نے کیا ہے۔ رشتہ داروں میں ناراضگیاں تو ہوتی ہی ہیں وہ بے چارہ نفسیاتی طور پر اس کی بات پر یقین کر لیتا ہے پھر بغیر کسی شرعی ثبوت کے ایک قریبی رشتہ دار کو مجرم ٹھہرا لیتا ہے تو ایسے عامل بلاشبہ شیطانی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں ان عاملوں کے پاس جانے سے ایمان اور اعمال صالحہ کا بڑا نقصان ہو جاتا ہے ان عاملوں کے پاس جانا گناہ ہے۔ اور جس کے بارے میں خیال ہے کہ فلاں نے جادو کیا ہے بڑا بہتان اور سخت گناہ ہے۔ چہ جائیکہ الٹا اس پر جادو کرنے یا کسی سے کرانے کی شرعا گنجائش ہو۔

البتہ یہ خیال ہو کہ کسی نے جادو کیا ہے تو کسی خاص شخص کو مورد الزام ٹھہرائے بغیر اپنا علاج کریں۔ سات عدد بیری درخت کے تازہ پتوں کو دو پتھروں کے درمیان کوٹ کر پانی میں شامل کریں اسی سے غسل کریں اور کچھ پی لیں۔ اور صبح و شام تینوں قل ہاتھوں پر دم کر کے پورے بدن پر پھیر لیا کریں۔ اور کسی خاص شخص کے بارے میں اگر خیال آتا ہو کہ اس نے جادو کیا ہوگا تو اس بدگمانی پر توبہ و استغفار بھی کریں۔

لمافی الشامی: ۲۴۰/۴ (طبع سعید) السحر حرام بلاخلاف بین اهل العلم واعتقاد اباحته کفر.

ولمافی النووی: ۲۲۱/۲ (طبع قدیمی) فعمل السحر حرام وهو من الکبائر بالاجماع.

ولمافی شرح فقه أکبر: ص ۲۵۲ (طبع دار الکتب العلمیه بیروت)

واتفقوا کلهم ایضا علی ان کل رقیة وتعزیم أو قسم فیه شرك باالله فانه لایجوز التکلم به، وکذا الکلام الذی لایعرف معناه لایتکلم به لامکان أن یکون فیه شرك بلا لایعرف

معناه، ولذاقال النبی صلی الله علیه وسلم "لاباس بالرقی مالم تکن فیه شرك"

لمافی الشامی: ۳/۳۹۶(طبع سعید)

فائدة:نقل ط عن تبیین المحارم عن کتاب وهب بن منبه انه ممایننفع للمسحور والمربوط أن یؤتی بسبع ورقات سدر خضر وتدق بین حجرین ثم تمزج بماء، مسحور ویحسو ویغتسل بالباقی فانه یزول باذن الله تعالی عزوجل.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۱۹۸

﴿حائضہ عورت پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حائضہ عورت اگر سجدہ تلاوت کسی سے سن لے تو کیا اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے کہ نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: مولوی فرقان عبدل خیلوی

﴿جواب﴾ حائضہ عورت اگر تلاوت کے دوران کسی سے آیت سجدہ سن لے تو از روئے شرع اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا کیونکہ حالت حیض کے دوران حائضہ عورت سجدہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہے۔

لمافی الدر:ج ۲/۱۰۷(طبع سعید)

(فلاتجب علی کافر وصبی ومجنون وحائض ونفساء قرء وأوسمعو)لانهم لیسو أهلالها(وتجب بتلاوتهم یعنی المذکورین.

ولمافی الهندیة:ج ۱/۱۳۳(طبع رشیدیه)

حتی لوکان التالی کافراأومجنوناأوصبیاأوحائضاأونفساء أوعقیب الطهردون العشرة والاربعین لم یلزمهم وکذافی السامع کذافی الزاهدی.

ولمافی مراقی الفلاح :ص ۱۸۳(طبع قدیمی)

ویجب السجودعلی من سمع وان لم یقصدالسماع الاالحائض والنفساء :قال الشارح (وان لم یقصدالسماع)فهم أولم یفهم ... عن اکابرالصحابة (الا)أنه استثنی (الحائض والنفساء)فلاتجب ... تهماوسماعهماشیئاوتجب بالسماع منهماومن الجنب کماتجب علی ... کافر أوصبی.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۳۱۲۱

﴿جھگڑے کے اندیشہ سے گھر پر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جھگڑے کے اندیشہ سے گاؤں کی مسجد کو چھوڑ کر گھر پر بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: سعید ملک خان

﴿جواب﴾ جھگڑے کا قوی اندیشہ وقعی اگر ہے تو ایسی صورت میں گھر پر نماز اداء کرنے کی گنجائش ہے تاہم مسجد اور جماعت کی فضیلت سے تو محرومی کا سبب ہے لہذا صلح کی کوشش ضرور کریں۔

لمافی الدر: ۵۵۶/۲ (طبع سعید)

وخوف على ماله أومن غريم أو ظالم وأومدافعة الاخبثين. وفي الشامية: (قوله أوظالم) اي يخاف على نفسه أوماله.

ولمافي مراقي الفلاح: ۱۱۱ (طبع قديمي كتب خانه)

يسقط حضور الجماعة لواحدمن ثمانية عشرشيئا:مطر وبرد وخوف وظلمة وحبس وعمى وفلج وقطع يد۔۔۔واذاانقطع جماعة لعذرمن اعذارالمبيحة للتخلف يحصل له ثوبها.

ولمافي الفقه الحنفي وثوبه الجديد: ۲۶۰/۱ (طبع دارالقلم)

ويسقط حضور الجماعة بأحد أعذارالتالية:مطر وبرد شديدان أوظلمة شديدة وريح شديدة ليلا۔۔۔خوف ظالم على نفسه أوماله أوضياع ماله أوذهاب قافلته لواشتغل بصلاة الجماعة.

ولمافي الشامي: ۵۵۴/۲ (طبع سعيد)

(قوله من غير حرج) قيدلكونهاسنه مؤكدة أوواجبة فبالحرج يرتفع الاثم ويرخص في تركهاولكنه يفوته الافضل.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب محمد تقی عزیز اروی

۴ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر: ۱۹/۲۱۱۹

﴿نماز چھوڑنے پر تعزیر بالمال جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کے بڑے حضرات نے باہمی مشورہ سے یہ قانون بنایا ہے کہ اھل محلّہ میں سے جو بھی شخص فجر کی نماز کیلئے مسجد میں بغیر کسی عذر کے حاضر نہیں ہوا تو اس سے بطور جرمانہ روپیہ وصول جائیگا ورنہ بصورت دیگر سب نمازی حضرات کو صبح کا ناشتہ دینا پڑے گا۔ اب پوچھنا یہ ہے

کہ کیا اس طرح کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ نماز چھوڑنے پر کسی سے جرمانہ وصول کرنا یا اس سے ناشتہ وغیرہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے اور ابھی تک کسی سے جرمانہ اگر لیا ہے تو واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کا مال اس کی طیب خاطر بغیر لینا حلال نہیں ہے۔

لمافی المشکوٰۃ: ۲۵۵/۱ (طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا لاتظلموا ألا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ۔

ولمافی فی التنویر مع الرد: ۴/ص ۶۱ (طبع سعید)

(لا بأخذ مال فی المذهب) بحر وفيه عن البزازية: وقيل يجوز معناه أن يمسكه مدة ثم لينزجر ثم يعيده له ....وفي المجتبى انه كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ۔

ولمافی البحر: ۵/ص ۴۱ (طبع سعید)

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال۔

ولمافی الفقه الاسلامی وادلته: ج ۷/۵۵۹۶ (طبع رشیدیه)

ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه: هو امساك الشئى من مال الجاني عنه لينزجر عما اقترفه ثم يعيد الحاكم اليه لأن يأخذ الحاكم بنفسه، أو لبيت المال كما يتوهم الظلمة، اذ لا يجوز لاحد من المسلمين أخذ مال احد بغير سبب شرعي۔

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ　　　فتویٰ نمبر: ۴۱۴۹

﴿ٹھیکیدار کام کم کرے اور آفیسر محکمہ کی ریکارڈ میں زیادہ ظاہر کرے تو یہ خیانت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ٹھیکے کے کام کرتے ہیں، ٹھیکے میں بعض آفیسر ٹھیکیدار کو بطور تعاون بل زیادہ دیتا ہے مثلاً ۹۰ فٹ کے کھدائی ہوئی اور آفیسر ۱۰۰ فٹ بل کے پیسے دیتے ہیں۔ یہ زائد ۱۰ فٹ کے پیسے کیسے ہیں۔ جبکہ آفیسر یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ جس کام کے لئے گورنمنٹ نے جو پیسہ یا رقم مختص کی ہے اور ہمیں استعمال کی اجازت ہے وہی کام مکمل کر کے بقیہ رقم ٹھیکیدار کا حق ہے، اس لئے ہم زائد بل بناتے ہیں۔ اور بعض دفعہ اس زائد رقم کو ٹھیکیدار اور آفیسر بانٹ لیتے ہیں۔

بھائی زاہد اللہ صاحب

﴿جواب﴾ ٹھیکیدار کام کم کرے مثلاً نو (۹۰) فٹ کھدائی کرے اور آفیسر ریکارڈ میں محکمہ

کو سو (۱۰۰) فٹ کی کھدائی ظاہر کرے تو یہ خیانت ہے اور جھوٹی گواہی کے مترادف ہے جسکی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے،

جھوٹ کے ذریعہ اضافی رقم حرام ہے اگر اس طرح کی رقم لی ہے تو محکمہ کو لوٹانا ضروری ہے ورنہ توبہ قبول نہ ہوگی۔

(لمافی تفسیر روح المعانی :ج ۵،۶/۲۲ رشیدیہ)

يٰايها الذين امنوا لاتاكلوا امولكم بينكم بالبطل الاان تكون تجٰرة عن تراض منكم ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما.بيان لبعض المحرمات المتعلقة بالاموال والنفس اثر بيان تحريم النساء على غيرالوجوه المشروعة ،وفيه اشارة الى كمال العناية بالحكم المذكوروالمراد من الاكل سائر التصرفات ،وعبربه لانه معظم المنافع ،اولمعنى لاياكل بعضكم اموال بعض ،والمراد بالبطل مايخالف الشرع كالرباوالقمار والنجس والظلم ....

"الاان تكون تجٰرة عن تراض منكم "استثناء منقطع ،ونقل ابوالبقاء القول بالاتصال وضنفه و(عن) متعلقه بمحذوف وقع وصفة لتجارة ،و(منكم)صفة (تراض)اى الاان تكون التجارة تجارة صادرة (عن تراض) كائن (منكم)اوالا ان تكون الاموال اموال تجارة والنصب قراء اهل الكوفة...الخ

(ولمافی فتح القدیر :ج۸/۶ کتاب الاجارة)

(قوله ولا تصح حتى تكون المنافع معلومة والاجرة معلومة لمارويناوهو قول عليه السلام من استاجر اجيرافليعلمه اجرة ،وهذاالحديث بعبارته دل اشتراط اعلام الاجرة وبدل لالته على اشترط اعلام المنافع ..الخ

(ولمافی البزازية بهامشه عالمیگری :ج۵/۴۰ رشيدية)

وكذالوقال اصلح هذا الجدار بهذاالدرهم يجوز وان لم يذكر الوقت لانه يمكن له الشروع فى العمل حالا...الخ

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ واعلم بالصواب: جفی اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۱۴ رجب ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۴۲۴۵

کیا ہیڈ ماسٹر ایمرجنسی کی صورت میں استاد کو چھٹی دے سکتا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسکول کے اساتذہ کیلئے سالانہ ایگریمنٹ میں پچیس (۲۵) دن کی چھٹی منظور ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی

استاد ایمرجنسی کی صورت میں مزید چھٹی کرنا چاہے تو ہیڈ ماسٹر چھٹی دے سکتا یا نہیں؟ جبکہ یہ تو حکومت کا ملازم ہے ہیڈ ماسٹر کا نہیں؟ مستفتی: مولانا نصیب ولی

﴿جواب﴾ یہ بات تو صحیح ہے کہ سکول کے اساتذہ حکومت کے ملازمین ہیں ہیڈ ماسٹر کے نہیں. لیکن ہیڈ ماسٹر سکول میں حکومت کیطرف سے بااختیار آفیسر ہوتا ہے. اساتذہ کی حاضری اور ڈیوٹی انجام دینے کا وہی مسئول ہوتا ہے. اور ایمرجنسی وغیرہ کی صورت میں اسکو رخصت دینے کا بھی اختیار ہوتا ہے اور اسکی جگہ دوسرے استاد سے کام لینا بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے. لہٰذا حسب ضابطہ ہیڈ ماسٹر صاحب چھٹی دے سکتا ہے. البتہ چھٹی دیکر ریکارڈ میں حاضر لکھنا یا ایمرجنسی کی کوئی صورت حال پیش نہ ہو ماسٹر صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے تعاون سے جھوٹی وجہ ظاہر کی ہو تو یہ خیانت اور جھوٹ ہے. دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں.

لما فی الدر المختار: (۶/۷۰ طبع سعید)

وليس للخاص أن يعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوى النوازل

ولما فی المبسوط السرخسی: (۱۵/۱۶۲ طبع دار المعرفة)

ولو كان يبطل من الشهر يوما أو يومين لا يرعاها حوسب بذلك من أجره سواء كان من مرض أو بطالة لأنه يستحق الأجر بتسليم منافعه وذلك ينعدم فى مدة البطالة سواء كان بعذر أو بغير عذر

ولما فی شرح المجلة: (۴/۲۱ طبع رشیدیه)

فأما الاذن صريحا فظاهر، وأما الاذن دلالة فضابطه أن الاستعمال كسكنى الدار وخدمة العبد وتحميل الدابة يكون مأذونا فيه دلالة

ولما فی تفسیر المظهری: (۳/۱۹ طبع رشیدیه)

ولا تعاونوا على الاثم والعدوان يعنى لاتعاونوا على ارتكاب المنهيات ولا على الظلم

واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق منگلوری

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۳۹۸۳

۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿مشترکہ مال سے کچھ خریدا تو وہ چیز خریدار کی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب اور چچے کے مال، جائیداد اور زمینیں مشترک تھی زمین سے حاصل ہونے والی فصل گندم وغیرہ سے ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتا تھا۔ باقی سب مشترک

ہوتے تھے اس کے ساتھ ساتھ چونکہ ہمارا چچا بڑے تھے تو وہ زمین ادھار خرید کر گندم کی فصل تیار ہونے پر مشترکہ گندم سے ادائیگی کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد ہمارے والد صاحب اور چچا شاد بھائی کے درمیان علاقہ کے جید علماء کرام اور بااثر لوگوں کے موجودگی میں صلحہ ہوا جسمیں کچھ زمین ہمارے والد صاحب کے حصہ میں آئی اور کچھ چچازاد کی ملکیت میں آگئی اب چچازاد کا کہنا ہے کہ میں نے اس صلحہ کو اس وقت بھی تسلیم نہیں کیا تھا حالانکہ صلحہ کو تقریبا دس سال سے زیادہ عرصہ گزچکا ہے جبکہ علاقہ کے بڑے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا یہ مطالبہ سات سال بعد سامنے آیا ہے اب استفتار طلب مسائل درجہ ذیل ہیں۔

(۱) کیا مشترکہ گندم سے خریدنے والی زمینوں میں ہمارے والد کا بھی حصہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ چچازاد کا کہنا ہے کہ میرے والد کی خریدی ہوئی زمینوں میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے (۲) سات سال بعد سامنے آنے والے مطالبے سے کس حد تک سابقہ صلحہ متاثر ہوسکتا ہے؟ اور اب چچازاد کا یہ کہنا کہ میں نے اس تقسیم کو اس وقت تسلیم نہیں کیا تھا کہاں تک قابل غور اور لائق تصدیق ہے؟ (۳) ہم نے سنا ہے کہ شریعت بھی صلحہ کو نہیں توڑ سکتی کیا یہ بات درست ہے؟ اگر توڑ سکتی ہے تو ہم اس صلحہ کو توڑ کر شریعت کی روشنی میں دوبارہ فیصلہ کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی مسئلہ کے تمام جزئیات کے جوابات مع رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: ارشد علی

﴿جواب﴾ آپکے مرحوم تایا نے زمین اگر اپنے لئے خریدی تھی، پھر اس کی رقم اگرچہ مشترکہ کمائی سے ادا کی تھی تو زمین اس کی ملکیت ہے آپ لوگوں کا اس میں حصہ نہیں ہے ہاں آپ لوگوں کی اجازت کے بغیر مشترکہ مال سے رقم کی ادائیگی چوری اور خیانت کے حکم میں ہے۔ جس سے آپکے مرحوم تایا سخت گنہگار ہوگئے ہیں قبر میں یہ عمل اس کیلئے کافی پریشانی اور عذاب کا باعث ہوگا۔ آپ کے تایازاد بھائی کو بھی اگر اس کا علم ہے کہ اس کے والد مرحوم نے مشترکہ مال دیگر شرکا سے چھپ کر زمین کی رقم ادا کی تھی تو اس کے ذمہ ہے کہ اب تمام شریک لوگوں کو ان کا حق واپس لوٹادے اور ان کو چاہیے کہ مرحوم کو معاف کردیں اور اب تک غیر کے مال کو ناحق استعمال میں لاکر جو کچھ منافع حاصل کئے وہ بھی حق دار کو لوٹادے یا ثواب کی نیت کئے بغیر صدقہ کرے، دس سال پہلے علاقہ کے علماء کرام کی سرپرستی میں آپس میں صلح ہوا تھا اب آپ کا تایازاد بھائی اس

پر ناراضگی کا اظہار کر رہا ہے ناراضگی کی وجہ اگر یہی ہے کہ اس کے والد مرحوم کی ذاتی زمین میں آپ کے والد کو بھی منصفین نے حصہ دار بنادیا تھا اور ان کے علم کے مطابق شرعاً وہ آپ کے والد کو حصہ دار جانتے تھے تو یہ غلط فہمی تھی اس لئے فیصلہ غلط ہوا ہے دوبارہ صحیح فیصلہ ضروری ہے اور اگر ایسی غلط فہمی نہیں تھی بلکہ آپ کے تایازاد کی خوشی اور رضامندی شامل تھی تو اب وہ فیصلہ فسخ نہیں ہوگا۔ اسی پر عمل واجب ہے۔

لمافی رد المحتار:(۳۰۷/۴،طبع:سعید کراچی)

[تنبیه]یقع کثیرافی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولاده علی ترکته بلاقسمة ویعملون فیهامن حرث وزراعة وبیع وشراء استدانة ونحوذالک ،وتارة یکون کبیرهم هوالذی یتوی مهماتهم ویعملون عنده بامره وکل ذلک علی وجه الاطلاق والتفویض لکن بلاتصریح بلفظ المفاوضة ولابیان جمیع مقتضیاتهامع کون الترکة اغلبهااوکلهاعروض لاتصح فیهاشرکة العقد،ولاشک ان هذه لیست شرکة مفاوضة ،خلافالماافتی به فی زماننا من لاخبرةله بل هی شرکة ملک کماحررته فی تنقیح الحامدیة،ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی ،فاذکان سعیهم واحداولم یتمیزماحصله کل واحد منهم بعمله یکون ماجمعوه مشترکابینهم بالسویة وان اختلفوافی العمل والرأی کثرة وصواباکماافتی به فی الخیریة ،وماشتراه احدهم بنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذادفعه من مال المشترک،وکل مااستدانه احدهم یطالب به وحده ۔

وهکذافی تنقیح الحامدیة:(۹۴/۱،طبع:حقانیة)

ولمافی الشامی:(۳۲۸/۴،طبع:سعید کراچی)

(قوله وقال یلزمه نصف الثمن)لانه ادی دیناعلیه خاصة من مال مشترک فیرجع علیه صاحبه بحر.

ولمافی الشامی:(۲۹۱/۲،طبع:سعید کراچی)

ان المغصوب ان علمت اصحابه اورثتهم وجب رده علیهم والاوجب التصدق به ۔

ولمافی الشامی:(۱۸۹/۶،طبع:سعید کراچی)

ویؤمران یتصدق بهالاستفادتهابدل خبیث وهوالتصرف فی مال الغیر.

ولمافی الشامی:(۶۳۸/۵،طبع:سعید کراچی)

(الصلح ان کان بمعنی المعاوضة ینتقض بنقضهما)ای بفسخ المتصالحین (وان کان لابمعناها)ای المعاوضة بل استیفاء البیع واسقاط البعض (فلا)تصح اقالته ولانقضه لان الساقط لایعود.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۱۲ شعبان ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:

﴿قرآن پاک کی تپائی سے پٹرا بنانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قرآن پاک پڑھنے کی تپائی اگر ٹوٹ جائے لیکن وہ قابل مرمت ہو تو کیا متولی مدرسہ کیلئے اس کو کاٹ کر مدرسہ کے غسل خانہ کیلئے پٹرا بنانا جائز ہے؟ کیا اس صورت میں اس کی بے ادبی تو نہیں ہے؟ مستفتی: محمد زبیر انصاری

﴿جواب﴾ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ واجب الاحترام ہے اس محترم چیز سے کسی بھی دوسری چیز کو قدرے بھی نسبت حاصل ہوئی تو اس کا بھی احترام ضروری ہے تپائی کو قرآن پاک رکھنے کی نسبت حاصل ہوئی ہے اس لئے اس کا بھی احترام ضروری ہے لہذا جب تک تپائی قرآن پاک رکھنے کے قابل ہو تو اس خدمت میں اس کا استعمال زیادہ مناسب ہے اور جب وہ قابل استعمال نہ رہے اور اس جیسے دوسرے کام میں بھی استعمال میں لانے کے قابل نہ رہے تو کم از کم کسی پاک جگہ اس کو دفنانا چاہیے، غسل خانے کا پٹرا بنانا ادب واحترام کے منافی ہے اس لئے اس سے گریز کریں۔

لمافی الدر المختار: (۱۷۸/۱، طبع: سعید کراچی)

یجوز رمی برایة القلم الجدید ولا ترمی برایة القلم المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسة لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم ولایجوز ان شیئفی کاغذفیه فقه وفی کتب الطب یجوز ....القرآن احب الی الله تعالی فی السموات والارض ومن فیهن بساط اوغیر کتب علیه الملک لله یکره وبسطه واستعماله.

ولمافی الشامی: (۳۳۹/۱، ۳۴۰، طبع: سعید کراچی)

واما الشیئ المحترم فلما ثبت فی الصحیحین من النهی عن اضاعة المال واما حق الغیر ولو جدار مسجد اوملک آدمی فلما فیه من التعدی المحرم ....وینبغی ان یدخل فیه کناسة المسجد ،ولذا لاتلقی فی محل ممتهن ....وانظر ما العلة فی ورق الشجر ولعلها کونه علفا للدواب اونعومته فیکون ملوثا غیر مزیل ،وکذا ورق الکتابة لصقالته وتقومه وله احترام ایضا لکونه آلة لکتابة العلم ولذا علله فی التاتارخانیة بان تعظیمه من ادب الدین وفی کتب الشافعیة لایجوز بما کتب علیه شیئ من العلم المحترم کالحدیث والفقه وماکان آلة لذالک.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۳ شعبان ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۴۲۵۸

﴿امام کے سلام پھیرنے کے بعد مدرک کھڑا ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں امام کے ساتھ شروع نماز میں شریک تھا امام صاحب نے جب نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرا تو میں کھڑا ہوا اس خیال سے کہ میری ایک رکعت رہ گئی ہے بعد میں جب مجھے معلوم ہوا کہ شروع سے شریک ہوں پھر بیٹھ گیا اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اس حالت میں مجھ پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مقتدی پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا البتہ وہ مسبوق ہو اور باقی ماندہ نماز پوری کرتے ہوئے کوئی واجب بھول سے اس سے رہ جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت میں آپ چونکہ مدرک ہیں امام کے ساتھ آپ کی نماز پوری ہو جاتی ہے امام صاحب کے سلام پھیرنے سے آپ نماز سے نکل گئے۔ سلام پھیرنا بیشک واجب ہے لیکن تمام قولی واجبات کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ امام کے ادا کرنے سے مقتدی کے بھی ادا ہو جاتے ہیں سلام قولی واجب ہے مقتدی کو بھی سلام کہنا چاہیئے۔ لیکن امام کے کہنے سے مقتدی کی بھی کفایت ہو جاتی ہے۔

لما فی بدائع الصنائع ۱/ ۷۱۸ طبع دار الکتب العلمية

واما بيان من يجب عليه سجود السهو ومن لا يجب عليه :فسجود السهو يجب على الامام وعلى المنفرد مقصودا لتحقق سبب الوجوب منهما وهو السهو اما المقتدى اذاسها فی صلاته فلا سهو عليه لانه لايمكنه السجود لانه ان سجد قبل السلام يكون مخالفا للامام وان اخر الى مابعد سلام الامام يخرج من الصلوة بسلام الامام الخ

ولما فی المبسوط للسرخسیؒ

ولو نام المقتدى فلم يتشهد حتى سلم الامام فانه لا يصير خارجا بسلام الامام هاهنا ولكن ينبغى له ان يتشهد ثم يسلم لانه قد بقى عليه واجب من واجبات الصلوة وانمايصير خارجابسلام الامام اذالم يبق عليه شئى من واجبات فاما مع بقاء شئى من اعمال الصلوة عليه فلا يصير خارجا بسلام الامام كلاحق والمسبوق.

ولما فی الشامی ۱/ ۴۷۰ طبع سعيد

(قوله ومتابعة الامام)قال فی شرح المنية:لاخلاف فی لزوم المتابعة فی الاركان الفعلية اذ هی موضوع الاقتداء...... والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غير تاخير واجبة...... ثم ذكر ما حاصله انه تجب متابعته للامام فی الواجبات فعلا،وكذا تركا ان لزم من فعله مخالفته الامام فی الفعل كترك القنوت...... فعلم من هذا ان المتابعت ليست فرضا،بل تكون واجبة فی الفرائض والواجبات الفعلية.

لمافی نصب الرایۃ:(۲/۱۳،مکتبہ شاملہ)

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه عن النبيﷺ: "اذاقضى الامام الصلاة فقعد فأحدث هو أو أحد ممن أتم الصلاة معه قبل أن يسلم الامام فقد تمت صلاته فلايعيدها".

ولمافی البدائع:(۲/۲۵۸،طبع بیروت)

"وأما حكمه (التسليم) فهو الخروج من الصلاة،ثم الخروج يتعلق باحدى التسليمتين عند عامة العلماء،وروى عن محمد أنه قال:التسليمة الأولى للخروج والتحية والتسليمة الثانية للتحية خاصة،وقال بعضهم:لايخرج مالم يوجد التسليمتين جميعاً وهو خلاف اجماع السلف،ولأن التسليم تكليم القوم ،لأنه خطاب لهم فكان منافياًللصلاة".

واللہ اعلم بالصواب:شفقت اللہ

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۳۹۰۵

اجمادی الثانیۃ ۱۴۳۵ھ

﴿سونے کے تبادلہ میں برابری ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم سونے کے جوزیورات تیار کرتے ہیں اسمیں ۷۵ فیصد سونا اور ۲۵ فیصد کھوٹ ہوتی ہے اور پھر ہم وہ زیورات ادھار بیچتے ہیں اس پر کہ مشتری کے ذمہ ۸۵ فیصد سونا ہوگا اور مشتری کو بھی اس سارے معاملہ کی خبر رہتی ہے کیااسطرح کرناشرعادرست ہے؟مستفتی مولوی حبیب اللہ کوئٹہ

﴿جواب﴾ جب سونے کا سونے سے یاچاندی کا چاندی سے تبدلہ کیاجائے ،تو مقدار کا برابر ہونا ضروری ہوتا ہے اگر چہ ایک طرف سونا چاندی خالص ہواوردوسری طرف سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ملاہواس لئے کہ لین دین کی صورت میں معمولی کھوٹ یعنی اصل سونے سے کم کھوٹ کااعتبارنہیں ہوتالھذا سونا سونے کے بدلے یاچاندی چاندی کے بدلے میں جب معاملہ ہوتو دونوں طرف برابری ضروری ہے ورنہ سودی معاملہ ہوگااور سخت گناہ ہوگا،دوسری خرابی اس معاملہ میں یہ ہے کہ یہ بیع صرف ہےاور بیع صرف میں ادھار بھی جائزنہیں ہے اسی مجلس میں ہر دونوں عوض پر قبضہ ضروری ہے۔

لہذا آئندہ کیلئے اس طرح معاملہ سے گریز کریں۔اس معاملہ کی جائز صورت یہ ہے کہ سونا چاندی فروخت کرناہوتو پیسوں کے بدلے معاملہ کریں،پیسوں کے بدلے میں سوداکرنے کی صورت میں مہنگایاارزاں فروخت کرنے سے معاملہ خراب نہیں ہوتااورادھار پر بیچنے کی بھی گنجائش ہے۔

(لمافی المشکوٰۃ باب الربوا، ص، ۲۴۴، سعید)

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد رواه مسلم

(ولمافی اعلاء السنن: ج ۱۴/ ۳۵۰، ۳۵۱ دارلکتب لعلمية)

والزيافة قد تكون بغش من جنسها، وقد تكون بغش من غير جنسها، فان كان بغش من جنسها فلا خلاف في اهدار الجيد والردى منها سواء، وان كانت بغش دخلها من غير جنسها فالحكم للغالب فان كانت الفضة هي الغالية فحكمها حكم الفضة الخالصة، لايجوز الامثل بمثل، لان اعتبار للغالب والحاق لمغلوب بالعدم و اصل في احكام الشرع، ولا ن الدراهم الجياد لاتخلو عن قليل غش لان الفضة لاتنطبع بدونه ماقيل، فكانت قيل الغش مما لايمكن التحرز عنه فكانت العبرة للغية، فقوله ﷺ "الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لافضل بينهما" رواه الحاكم ....."لاتبيعوا الدينار بالدينارين ولا الدرهم بالدرهمين رواه مسلم في صحيحه عن عثمان مرفوعا وقوله "الذهب بالذهب تبرها وعينها والفضة بالفضة تبرها وعينها فمن زاد او ازداد فقد اربى" ابوداود، النسائي، والترمذی وصححه عن عبادة كمافي "شرح لمهذب" (۱۰: ۲۲) دليل على ان قليل الغش في حكم العدم، وقد اعترف بذلك ابن حزم ايضا.....ونصه وانما هذا الذي ذكرنا اى من عدم جواز بيع المخلوط لغير المخلوط كله اذا ظهر اثر الخط في شئی مما ذكرنا، واما مالم يؤثر ولاظهر له فيه عين ولا نظر ايضا فحكمه حكم المحض، لان الاسماء وانما هي موضوعة على حسب الصفات التي بها تنتقل الحدوداه

(وايضا فيه: ج ۱۴/ ۳۴۸ دارلکتب العلمية)

ان عبدالله بن مسعود باع نقاية بيت المال زيوفا وقيسا نابدراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلك، وقال اوقد عليها حتى يذهب مافيها من حديد او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها...الخ

(ولمافی هداية: ج ۳/ ۱۱۱ كتاب الصرف رحمانيه)

قال الصرف هو البيع اذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الاثمان .....فان باع فضة بفضة او ذهبا بذهب لايجوز الامثل بمثل وان اختلفت في الجودة والصياغة....وقال عليه السلام جيدها ورديها سواء.....الخ

(وايضا فيها: ج ۳/ ۸۳ رحمانيه)

ولايجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوا الامثل بمثل لاهدار التفاوت في الوصف....الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۴۱۹۶

قرآن کریم میں ہر حکم کی تفصیل کا مطالبہ کرنا گمراہ کن سوچ ہے

سوال میرا سوال یہ تھا ہے کہ آپ اس بات کی واضاحت فرمائیں کہ ذبح کرتے وقت جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ آپ نے جوایت مبارک ''و لا تا کلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ ...'' بطور دلیل پیش کی ہے اسمیں صراحتاً لفظ ذبح کہیں مذکور نہیں ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو حرام ہے آپ اس بات کی تصریح کرے کہ کوئی ایسی ایت پیش کرے کہ اسمیں صراحتاً لفظ ذبح مذکور ہو بینوا توجروا۔

محمد آصف شمسی ڈیفنس فیز ۲

جواب اس سے پہلے بھی جواب میں عرض کردیا تھا کہ قرآن مجید میں ہر حکم کا صراحۃ وتفصیلا ذکر نہیں ہے، بلکہ حضرات مفسرین نے آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت فرمائی ہے قرآن کریم میں ہر حکم کی تفصیل وہی شخص ضروری جانتا ہے جو دین سے نکلنے کیلئے بہانے تلاش کررہا ہو۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اگر قرآن کی تفسیر تسلیم نہ کی جائے تو بے شمار ایات کا مطلب معلوم ہی نہیں ہوسکتا چنانچہ اس ایت میں ''لم یذکر اسم اللہ علیہ'' اگر ذبح کا مراد نہ لیا جائے تو آپ بتادیں اس ایت کا ترجمہ کس طرح کرسکتے ہیں جس سے ایک عام آدمی بھی سمجھ سکے۔

(لمافی احکام الذبائح ص:۱۴)

''ولاتاکلوا ممالم یذکراسم اللہ علیہ وانہ لفسق'' وایۃ عبارۃ اصرح علی کون متروک التسمیۃ حراما من ھذہ الآیۃ الکریمۃ الواضحۃ التی لیس فیھا اجمال ولاخفاء ؟فان فیہ نہیا صریحا والنہی یقتضی التحریم ولم یکتف القرآ ن بصیغہ النہی بل أتبعھا بقولہ ''وانہ لفسق'' بما یقطع کل شبھۃ فی ھذالباب ،ولیست ھذہ الآیۃھی الآیۃ الوحیدۃ فی القرآن الکریم التی تدل علی کون التسمیۃ رکنا من ارکان الذکاۃ ،وانما جاء ت فی القرآن الکریم آیات کثیرۃ تدل علی ذلک ،فمنھاالآیات الآتیۃ

(ولمافی الحکام القرآن :ج۲/۲۲۹قدیمی)

قولہ تعالی ''حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر'' المیتۃ مافارقتہ الروح بغیرتزکیۃ مما شرط علینا الذکاۃ فی اباحتہ .....

وایضافیہ :۲/۲۲۲،باب فی شرط الذکاۃ :قال ابوبکر قولہ تعالی ''الاماذکیتم اسم شرعی یعتورہ معان : منھا موضع الذکاۃ ومایقطع منہ ،ومنھا الآیۃ،ومنھا الدین ومنھا التسمیۃ فی حال الذکر ،وذلک فیما کانت ذکاتہ بالذبح عند القدرۃ علیہ ۔

(وایضافیہ :ج۳/۱۱قدیمی) قال :''المیتۃ ''ویدل علی ذلک قولہ تعالی فی نسق التلاوۃ .....فاذا کانت الایۃ فی المیتۃ وفی ذبائح المشرکین فھی مقصورۃالحکم ولم

يدخل فيها ذبائح المسلمين .قيل له : نزول الآية على سبب لا يوجب لاقصتار بحكمها عليه بل الحكم للعموم اذاكان اعم من السبب فلو كان المراد ذبائح المشركين لذكرها ولم يقتصر على ذكرترك التسمية ...الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۶ جمادالثانیہ ۱۴۵۳ھ فتوی نمبر: ۴۲۲۹

﴿بائیں ہاتھ کے پوروں پر تسبیح پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بائیں ہاتھ کے پوروں پر تسبیح پڑھنا کیسا ہے؟ کسی عالم دین کی طرف منسوب کرتے ہوئے کوئی کہتا ہے کہ ایسا عمل قابل قبول نہیں ہے؟ مستفتیہ: متعلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ انگلیوں کے پوروں پر تسبیحات پڑھنے سے متعلق جناب نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ پوروں پر تسبیح پڑھو تا کہ ان سے جو گناہ سرزد ہو گئے ہیں وہ معاف ہو جائیں۔ حدیث شریف میں اس طرح کی کوئی تصریح ہماری نظروں سے نہیں گزری کہ آپ ﷺ نے خاص دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھنے کو فرمایا ہو اور بائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھنے کو منع فرمایا ہو۔ البتہ بعض شراح نے صرف دائیں ہاتھ کے پوروں پر تسبیح پڑھنے کو فرمایا ہے، یہ ان کی اپنی رائے ہے یا افضلیت بتانا مقصود ہے اس لئے کہ حدیث میں پوروں پر تسبیح پڑھنے کی حکمت بھی بیان ہوئی ہے کہ "فانهن مسئولات" یعنی ان سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کے بارے میں پوچھ ہوگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یہ اگر استعمال ہوئی ہیں تو یہ گواہی دیں گے اور ظاہر بات ہے کہ اس صفت میں دونوں ہاتھ برابر ہیں، البتہ دائیں ہاتھ کو چونکہ ایک گنا فضیلت حاصل ہے اور خیر کے کاموں میں بنسبت بائیں ہاتھ کے اس کو فوقیت حاصل ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھنا افضل ہے بنسبت بائیں ہاتھ کے، لہذا بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کو منع کرنے کی کوئی دلیل چونکہ سامنے نہیں آئی اس لئے منع کرنا مشکل ہے، موصوف عالم دین سے حوالہ معلوم کریں تا کہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔

لمافي مرقاة المفاتيح:(۲۲۷/۵،طبع:رشيديه)

عن بسيرة رضي الله تعالى عنها وكانت من المهاجرات :قالت:قال لنارسول الله ﷺ

:عليكن بالتسبيح والتهليل ،والتقديس ،واعقدن بالأنامل.....قال الطيبيؒ:حرضهن ﷺ على ان يحصن تلك الكلمات باناملهن ليمحط عنهابذالك ماجترحته من الذنوب ويدل على انهن كنايعرفن عندالحساب ......وانماقيد العقد بالانامل دلالة على الافضل ،ويدل عليه تعليله بقوله (فانهن مسئولات)اى يسألن يوم القيامة عمااكتسبن وبأى شيئ استعملن (مستنطقات)اى متكلمات بخلق النطق فيهافيشهدن لصاحبهن اوعليه بمااكتسبه قال تعالى:يوم تشهد عليهم السنتهم وايديهم وارجلهم بماكانويعملون)النور ۲۴(وماكنتم تستترون ان يشهد عليكم سمعكم ولاابصاركم ولاجلودكم)فصلت۲۲وفيه حث على استعمال الاعضاء فيمايرضى الرب تعالى تعريض بالتحفظ عن الفواحش والآثام.

ولمافى البذل المجهود :(۳۵۶/۲،طبع:مكتبة الشيخ)

حدثناعبيد الله بن عمربن ميسرة ومحمد ابن قدامة فى آخرين قالواناعثام عن الاعمش عن عطاء بن السائب عن ابيه عن عبد الله بن عمروقال :رأيت رسول الله ﷺ يعقد التسبيح اى يعقد الانامل بالتسبيح قال ابن قدامة بيمينه اى بيده اليمنى زاد هذا اللفظ ابن قدامة ولم يذكرعبيد الله .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی
۱۰ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ | فتویٰ نمبر: ۴۲۵۲

﴿جھوٹ کی چار اقسام اور ان کا کفارہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے اس وجہ سے میں رات سے بڑا پریشان ہوں، برائے مہربانی حل بتادیں میں نے بیٹے کیلئے سم نام کرانا چاہا، کمپنی والوں نے پوچھا میں نے بیٹے کا نام بتادیا پھر پوچھا آپ کی والدہ کا نام کیا ہے میں نے بیٹے کی والدہ یعنی اپنی وائف کا نام لیا، شناختی کارڈ کا یہ نمبر آپ کا ذاتی ہے؟ میں نے کہا جی ذاتی ہے اب بڑا پریشان ہوں ایسا نہ ہو نکاح پر کچھ اثر پڑا ہو، جھوٹ ویسے بھی گناہ ہے کیا کروں؟

مستفتی: ہیڈ ماسٹر ارشد کمالیہ

﴿جواب﴾ جھوٹ بڑا گناہ ہے جلب منفعت یا دفع مضرت کیلئے بولا جاتا ہے یعنی نفع حاصل کرنے کی غرض سے یا نقصان سے بچنے کیلئے بولا جاتا ہے پھر ہر ایک دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کے ذریعے کسی دوسرے کا حق مارا گیا ہو اور دوسرا یہ کہ کسی اور کا کوئی نقصان اس سے لازم نہ ہو پہلی قسم کا تعلق چونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے ہے۔اس لئے جب تک بندہ

کے نقصان کی تلافی نہ ہو یا وہ خود معاف نہ کرے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا اور دوسری قسم کا تعلق چونکہ صرف حقوق اللہ سے ہے، تو سچے دل سے توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، مذکورہ صورت میں اس جھوٹ کے ذریعہ آپ نے کسی کا کوئی نقصان نہیں کیا، اس لئے سچے دل سے توبہ کریں اللہ معاف فرمادیں گے اور اپنی بیوی کی نسبت ماں کہہ دینا بھی اسی قسم کا جھوٹ ہے، گناہ ہے اس سے بھی توبہ کریں تاہم اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافی مشکوۃ المصابیح: (۱۷/۱، طبع: سعید کراچی)

عن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ ﷺ الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین۔۔۔۔وفی روایۃ انس وشہادۃ الزور (ای الکذب) بدل الیمین الغموس متفق علیہ

ولمافی شرح کتاب الفقہ الاکبر: (۲۶۳، طبع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ثم ھذا ان کانت التوبۃ فیمابینہ وبین اللہ کشرب الخمر، وان کانت عما فرط فیہ من حقوق اللہ کصلاۃ وصیام وزکاۃ فتوبتہ ان یندم علی تفریطہ اولا ثم یعزم علی ان لایعود ابدا ولو بتاخیر صلاۃ عن وقتہا ثم یقضی مافاتہ جمیعا وان کانت عما یتعلق بالعباد فان کانت من مظالم الاموال فتتوقف صحۃ التوبۃ منہا مع ماقدمناہ فی حقوق اللہ تعالی علی الخروج عن عہدۃ الاموال وارضاء الخصم فی الحال والاستقبال بان یتحلل منہم اویردھا الیہم اوالی من یقوم مقامہم من وکیل اووارث ھذا،

وفی الشامی: (۴۶۶/۳، طبع: سعید کراچی) واحترزبہ عن نحو انت امی بلاتشبیہ فانہ باطل

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۱۱ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۴۱۳۲

﴿افیون کھانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بطور عادت اور لذت کے افیون کھاتا تھا، اللہ رب العزت نے اس کو تبلیغ میں جانے کی توفیق نصیب فرمائی تبلیغ سے واپس آنے کے بعد وہ کہتا ہے کہ افیون مثل شراب کے اگر حرام ہے تو میں اس کو کبھی بھی نہیں کھاؤں گا اگر گنجائش ہے تو کھاؤں گا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس آدمی کیلئے افیون کھانے کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ افیون نشہ آور مقدار میں کھانا حرام ہے اگر چہ شراب سے کم درجہ حرام ہے لیکن اتنی مقدار میں کھانا جس سے عام آدمی کو نشہ آجائے اس کی گنجائش نہیں ہے، البتہ تھوڑی مقدار

میں دوا وغیرہ کی غرض سے اکیلے یا دیگر ادویات کے ساتھ ملا کر نسخہ میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے اس شخص کو چاہئے کہ آہستہ آہستہ اس عادت کو چھوڑنے کی کوشش کرے اور اب تک جو کھایا ہے اس پر توبہ کرے سنا ہے یکدم چھوڑنا انتہائی مشکل ہوتا ہے لیکن تدریجاً کم کرنے سے عادت چھوٹ جاتی ہے۔

لمافی الدر المختار:(۴/۴۲، طبع:سعید کراچی)

ونقل فی الاشربة عن الجوهرة حرمة أكل بنج وحشيشة وافيون لكن دون حرمة الخمر ولو سكر بأكلها لايحد بل يعزر انتهى.

ولمافی التنویر مع الدر والرد:(۶/۴۵۷، ۴۵۸، طبع:سعید کراچی)

(ويحرم أكل البنج والحشيشة) هي ورق القنب (والافيون) لانه مفسد للعقل ويصد عن ذكر الله وعن الصلاة (لكن دون حرمة الخمر) فان أكل شيئا من ذلك لاحد عليه وان سكر منه (بل يعزر بما دون الحد)

ولمافی فقه الاسلامی وادلته:(۷/۵۵۰۵، طبع:رشیدیه)

يحرم كل ما يزيل العقل من غير الاشربة المائعة كالبنج والحشيشة والافيون لما فيها من ضرر محقق ولا ضرر ولا ضرار فى الاسلام ولكن لاحد فيها لانها ليست فيها لذة ولا طرب ولا يدعو قليلها الى كثيرها وانما فيها التعزير لضررها، ولما رواه ابو داؤد عن ام سلمةؓ قالت: نهى رسول اللهﷺ عن كل مسكر ومفتر.

ولمافی حاشية شرح الوقاية آخرين:(۴/۲۷ كتاب الاشربة، طبع:مكتبه امداديه)

والجامد كالبنج والحشيشة والافيون ومايقوم مقامها قال صاحب التنوير انها حرام وعزر من أكلها واسكر لكنها حلال للتداوى ولانجاسة فيها وقال الشامى: سئل ابن حجر مكي ممن ابتلى بالافيون وصار حيث لا يأكلها يموت فاجاب حل له لكن ينتقص شيئا فشيئا حتى يزول اثره وهذا يدل على الكراهة التحريمة.....

ولمافی الجوهرة :(۲/۲۲۸، طبع:میر محمد کتب خانه)

ولا يجوز أكل البنج والحشيشة والافيون وذلك كله حرام لانه يفسد العقل.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۳۱

﴿قالین پر نماز پڑھنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے کچھ دن پہلے اپنے محلہ کی مسجد کیلئے قالین لایا، وہ عام قالین ہے جو کراچی جیسے بڑے شہروں کی مساجد میں بچھی

ہوتی ہے۔ تو میرا ایک چچا حاجی صاحب وہ فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ زمین پر پیشانی نہ لگتی ہو تو سجدہ نہیں ہوتا، اس لئے وہ قالین مسجد میں بچھانے نہیں دیتے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ علماء سے تحقیق کر کے لاؤ کہ اس پر نماز صحیح ہے تو پھر اجازت دونگا تو میں اس مسئلہ میں بہت پریشان ہوں آپ حضرات اس حوالہ سے مدلل جواب تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

﴿جواب﴾ سجدہ کسی بھی ایسی چیز پر جائز نہیں ہوتا جس میں قرار اور ٹھہراؤ نہ ہو مثلاً بڑا موٹا اور نرم فوم یا اس جیسے کوئی چیز جس پر پیشانی رکھ کر دھنتا ہی جائے اور قرار نہ پکڑے لیکن قالین ایسی نہیں ہوا کرتی اگرچہ نرم ہوتی ہے اور وزن سے کچھ دھنتی بھی ہے لیکن فوم کیطرح نہیں ہوتی کہ اس پر پیشانی رکھ کر قرار نہ پکڑے، لھذا مسجد میں قالین بچھانے دیا جائے۔

(لمافی الهندیة :ج۴/۶۳رشیدیة)

ولا بأبالصلاة والسجود علی الحشیش والحصیر والبسط والبواری

(لمافی ردالمختار :ج۲/۵۰۰سعید)

(قوله وان یجد حجم الارض) تفسیره ان الساجد لوبالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلک ،فصح علی طنفسة وحصیروحنطة وشهیروسریر وعجلة ان کانت علی الارض لاعلی ظهور حیوان کبساط مشدود بین أشجار ،ولا علی ارز او ذرة الا فی جوالق او ثلج ان لم یلبده وکان یغیب فیه وجهه ولا یجد حجمه ،او حشیش الا ان وجد حجمه ،ومن هنا یعلم الجواز علی الطراحة القطن ،فان وجد الحجم جاز والا فلا بحر

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفرلہ والوالدیہ

۹ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ　　فتوی نمبر: ۴۱۳۸

﴿اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی کرنا بدترین سود ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ کل ایک صاحب اصلاحی بیان فرمارہے تھے انہیں فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سود کا ایک درھم جو آدمی قصدا کھائے وہ چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بدتر ہے پھر فرمایا کہ سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں سب سے ادنی درجہ اپنی ماں کیساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ اور فرمایا کہ بدترین سود اپنے مسلمان بھائی کی ابروریزی کرنا ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ حقیقت میں یہ حدیث ہے؟ اگر ہے تو کتب حدیث میں کونسی کتاب میں موجود ہے آپ اس حوالہ سے راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ خطیب صاحب کی یہ بات بلاشبہ احادیث ہی کا مفہوم ہے مختلف احادیث سے بطور خلاصہ یا مفہوم کے انہوں نے بیان کیا ہوگا ذیل میں احادیث بحوالہ ملاحظہ ہوں۔

(لمافی مشکوٰۃ ص:۲۴۶/۲۴۵ باب الربا۔سعید)

عن عبدالله ابن حنظله غيسل الملائكة قال قال رسول الله ﷺ درهم ربوٰيا كله الرجل وهو يعلم اشد من ستة وثلثين زينة رواه احمد والدار قطني وروى البيهقي في شعب الايمان عن ابن عباس وزاد وقال من بنت لحمه من السحت فالنار اولىٰ به مشكوٰة.

وعن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ الربواسبعون جزء أاليسرها ان ينكح الرجل امه

(وايضا فيه ص ۴۲۹ باب ماينهى عنه عن التهاجروالتقاطع واتباع العورات الفصل الثانى)

وعن سعيد بن زيد عن النبى الله ﷺ قال ان من اربى الربوا الاستطالة فى عرض المسلم بغيرحق رواه ابوداوٗدوالبيهقى فى شعب الايمان وفى حاشية المشكوٰة فى هذه الصحنه قوله اربى الربوا الح الربوا فى اللغة الزيادة مطلقاوفى الشرع اخذ الزيادة فى البيع

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ

فتوی نمبر: ۴۲۱۱